URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہو گا۔ شُکریہ

www.urdusoftbooks.com

Celebrating 5 Years of Success

The Smart School
Tomorrow is our Destiny
A Project of The City School

THE SMART SCHOOL

ADMISSION OPEN

- Holistic development
- Project based learning
- Investigative processes, technology, interactive resources
- Early Years Education through fun and play
- Exam focused Student Resource Material for Matric
- Child Educational Insurance

Head Office:
31- Gurumangat Road, Industrial Area,
Gulberg III, Lahore
U.A.N: +92 42 111 444 123
Phone:+92 42 35773069-77
E-mail: info@thesmartschools.edu.pk

Southern Region:
The Smart Tower Plot-C-10/2,
Off Sharah-e-Faisal, Lines Area,
Sector 8, Opp Gora Qabristan, Karachi
Phone:+92 21 32780125-8
E-mail: rm-sr@thesmartschools.edu.pk

Northern Region:
House 875 Block-F Satellite Town,
Near Holy Family Hospital,
Rawalpindi
Phone:+92 308 8886011-7
E-mail: gm-sr@thesmartschools.edu.pk

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیر منتظم — آذر ریاض

مدیر تزئین — امت الصبور

فلمی ٹی وی — شاہین رشید

اشتہارات — خالدہ جیلانی

قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈوکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37 - اردو بازار کراچی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
MEMBER APNS CPNE

www.urdusoftbooks.com

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

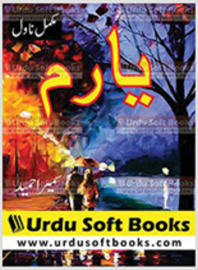

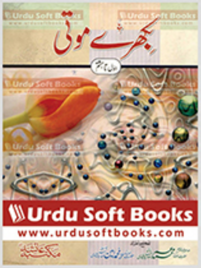

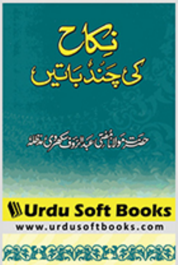

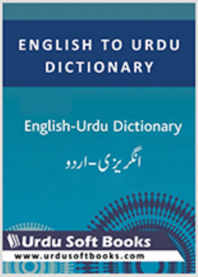

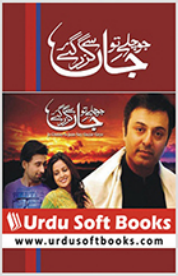

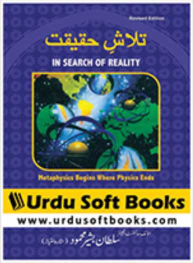

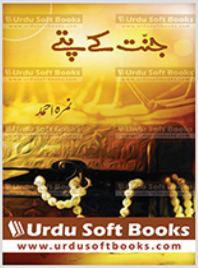

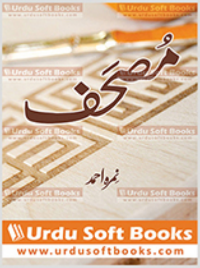

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

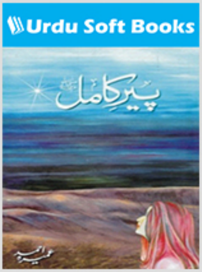

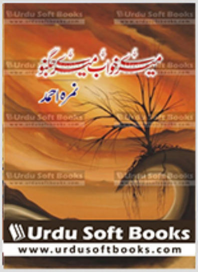

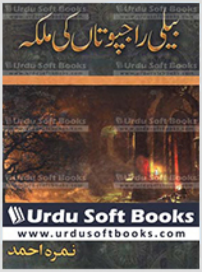

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

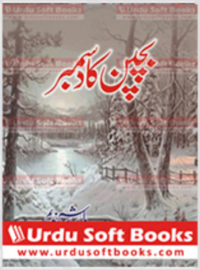

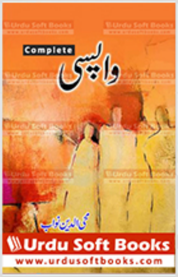

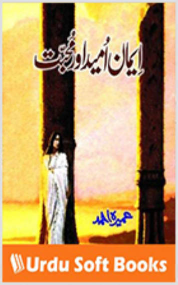

www.urdusoftbooks.com

پہلی شعاع	رضیہ جمیل	10
حمد	رحمان خاور	11
نعت	الطاف سکھروی	11
نبی کی باتیں	ادارہ	12

انٹرویو

کتاب کہانی	سمیرا حمید	279
دستک	شاہین رشید	28
جب تجھ سے ناتا	فیض بخش	32

ناول

خواب شیشے کا	عفت سحر طاہر	218
شہرزاد	صائمہ اکرم	36

مکمل ناول

سنہری دھوپ	سلویٰ علی بٹ	146
تمنائے روشنی	مصباح علی سید	98
بہار آئی ہے	فرزانہ کھرل	236
شب تاب	مہوش افتخار	164

ناولٹ

اباجی	ایمل رضا	192
تیری راہ میں	عتیقہ ایوب	74

افسانے

آنگن ٹیڑھا	نعیمہ ناز	66
آنے والا اُجالا	عندلیب زہرا	95
فارمولا کہانی	امبر خالد	136
پسِ آئینہ	ماہ وش طالب	211

نظمیں غزلیں

غزل	حفیظ ہوشیارپوری	273
نظم	سیما عابدی	273

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)------ 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ---- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا--- 7000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	17	تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	284
مسکراہٹیں	ادارہ	274	موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	288
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	286	خوبصورت بنیے	ادارہ	290
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	276			
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	282			

اپریل 2018
جلد 32 شمارہ 8
قیمت 60 روپے

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شعاع — پہلی بات

شعاع اپریل کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

پوری دنیا تیز رفتار تبدیلیوں کے طوفان کی زد میں ہے۔ یہ تیز رفتاری ہماری زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔ ہمارے رویے بدلے ہیں، ہماری ذہنی اور فکری سطح میں تبدیلی آئی ہے اور ہماری معاشرتی زندگی بھی تیز رفتاری کے اثرات سے محفوظ نہیں رہی ہے۔

ذرائع ابلاغ کے پھیلاؤ سے تفریح کے نئے ذرائع سامنے آرہے ہیں۔ اب خوش وقتی کے لیے بے شمار مشاغل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرنٹ میڈیا کے بارے میں خدشات ابھر رہے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کی ناقابل یقین ترقی کے باوجود آج بھی پرنٹ میڈیا کی اہمیت برقرار ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ الیکٹرانک ذرائع کی ترقی نے قاری کی سوچ اور فکر کو بدلا ہے۔ اس کی نظر میں وسعت اور گہرائی آئی ہے۔ اس کے فہم و شعور میں اضافہ ہوا ہے۔ اب اسے محض لفظوں کے گورکھ دھندے اور طوطا مینا کی کہانیوں سے نہیں بہلایا جا سکتا۔ اب اس کے پاس وہ فراغت نہیں رہی کہ وہ طویل قسط وار کہانیاں پڑھے اور ان کے کرداروں کو یاد رکھے۔

آج کے تخلیق کار کو خود کو منوانے کے لیے بدلتے حالات کے ساتھ چلنا ہوگا۔ وقت کی تیز رفتاری کو مدنظر رکھتے ہوئے کہانی کو اس انداز میں لکھنا ہوگا جو کم وقت میں قاری کو زیادہ سے زیادہ مطمئن کر سکے۔ طویل اور قسط وار کہانیاں پڑھنے کے لیے آج کے قاری کے پاس وقت نہیں۔ قدرے کم طویل کہانیاں جہاں دیرپا اثر رکھتی ہیں وہیں قاری کی ذہنی و فکری آسودگی کا سامان ہوتی ہیں لیکن — تحریر میں معنویت کے ساتھ ساتھ فکر تازہ اور ندرت خیال بھی ضروری ہے۔ تاکہ قاری اور لکھاری کا رشتہ برقرار رہے۔

مبارک باد،

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے ذریعے بے شمار خواتین کو اپنی تخلیقی صلاحیت کے اظہار کے لیے ایک پلیٹ فارم ملا اور اس کے ذریعے بے شمار مصنفات سامنے آئیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ خواتین کے عالمی دن کے موقع پر جو پچاس نمایاں اور بااثر خواتین کی فہرست سامنے آئی ہے، ان میں ہماری تین مصنفین کا نام بھی شامل ہے۔

عمیرہ احمد، نمرہ احمد اور سمیرا حمید۔

زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان ناموں کا انتخاب عوام کی کثرت رائے سے کیا گیا ہے۔

بلاشبہ یہ ہماری ان مصنفین کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے اور ہمارے لیے بھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے ان مصنفین کو مبارک باد۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ترقی کی منازل اسی طرح طے کرتی رہیں۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- مصباح علی کا مکمل ناول۔ تمنائے روشنی،
- فرزانہ کھرل کا مکمل ناول۔ بہار آئی ہے،
- مہوش افتخار کا مکمل ناول۔ شب تاب،
- سوئی فضیلت کا مکمل ناول۔ سنہری دھوپ،
- عقیلہ ایوب اور ایمل رضا کے ناولٹ،
- صائمہ اکرم اور عفت سحر طاہر کے ناول،
- نعیمہ ناز، عندلیب زہرا، ابرخالد اور مہوش طالب کے افسانے،
- معروف فنکار محمود اسلم سے ملاقات،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- جب مجھ سے ناتا جوڑا ہے، خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بے مثل و بے بدل ہے ایک ایک کام تیرا
یکتا ہے ذات تیری، واحد ہے نام تیرا

فرشِ زمیں پہ تُو ہے، عرشِ علیٰ پہ تُو ہے
یہ بھی مقام تیرا وہ بھی مقام تیرا

خورشید و ماہ انجم کیسے رواں دواں ہیں
فہمِ بشر سے بالا ہے انصرام تیرا

گلشن میں پچھوں میں حمد و ثناء ہے تیری
گاتے ہیں گُن پرندے ہر صبح شام تیرا

انسان خود غرض ہے طامع ہے کم نظر ہے
پڑتی ہے جب مصیبت لیتا ہے نام تیرا

کلفت میں بھی ملا ہے اس کو سکونِ قلبی
الطاف ہو گیا ہے دل سے غلام تیرا

الطاف سکندروی

روز و شب اُبھرتی ہے، اک صدا مدینے سے
سُوئے خُلد جاتا ہے، راستہ مدینے سے

ہو گئی فضاؤں میں، جیسے عِطر افشانی
میرے شہر تک آئی، جب ہوا مدینے سے

دُوریٔ مدینہ اب، حسرتِ مجسّم ہے
دُور رہ کے کیا جینا، اے خدا مدینے سے

حُسنِ دین و دُنیا کا، ایک رنگ پاؤ گے
اس جہانِ فانی کو، دیکھنا مدینے سے

جیسے چھوڑ آئے ہوں، خود کو ہم مدینے میں
گھر کو اپنے ہم واپس آ گئے کیا مدینے سے

اپنی اپنی قسمت ہے، جس کو جو بھی مل جائے
کیا بتائیں ہم کسی کو، کیا ملا مدینے سے

روئے زیست کو خاورؔ، اس طرح نکھاریں گے
عکس لیں گے کعبے سے، آئینہ مدینے سے

رحمان خاورؔ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو، اس لیے کہ قیامت والے دن یہ اپنے (پڑھنے والے) ساتھیوں کے لیے سفارش بن کر آئے گا۔(مسلم)

فوائد ومسائل:

(1) اس میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت کا بیان ہے' خوش الحانی سے پڑھ لینے کے ساتھ اسے سمجھنا بھی ضروری ہے تا کہ عمل کیا جا سکے۔

(2) سفارشی کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور وہ اپنے قاری اور عامل کے گناہوں کی مغفرت کا اللہ سے سوال کرے گا جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"قیامت والے دن قرآن کو اور ان لوگوں کو جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، (بارگاہ الٰہی میں) پیش کیا جائے گا۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ان کے آگے آگے ہوں گی، اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔" (مسلم)

فائدہ: بارگاہ الٰہی میں قرآن کریم اور خاص طور پر مذکورہ سورتیں، اپنے پڑھنے والے اور ان پر عمل کرنے والے کے لیے سفارش کریں گی اور رب تعالیٰ سے اصرار و تکرار کر کے ان کی مغفرت کروائیں گی۔

بہتر شخص

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھلائے۔" (بخاری)

فوائد ومسائل:

اس میں قرآن کریم کی تعلیم و تعلم، یعنی خود سیکھنے اور دوسروں کو، اللہ کی رضا کے لیے، سکھانے کی فضیلت ہے۔

2۔ عصر حاضر میں قرآن مجید اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے اکثر و بیشتر ان خاندانوں کے بچے ہوتے ہیں جو مالی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور کئی لوگ ان طلبہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسے لوگوں کے لیے تنبیہہ ہے کہ یہ قرآن پڑھنے والے سب سے افضل لوگ ہیں۔

3۔ دینی تعلیم سے وابستہ علماء اور طلبہ کو بھی اپنی قدر و منزلت پہچاننی چاہیے۔ خودداری اور وقار کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی ضرورتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنی چاہئیں۔

دگنا اجر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور (صحت کے ساتھ) قرآن کریم پڑھنے میں ماہر ہے تو وہ (قیامت والے دن) بزرگ، نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے، اس کے لیے دگنا اجر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ ماہر سے مراد قرآن کریم کا حافظ اور تجوید و حسن صوت سے پڑھنے والا ہے۔

2۔ دوسرا وہ شخص ہے جو حافظ نہیں ہے اور تجوید و حسن صوت سے بھی بہرہ ور نہیں ہے۔ اس لیے قرآن فصاحت و روانی سے نہیں پڑھ سکتا، لیکن اس کے باوجود ذوق و شوق سے اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور پڑھنے میں جو مشقت ہوتی ہے، اسے برداشت کرتا ہے، اس مشقت کی وجہ سے اسے دگنا اجر ملے گا۔

مومن کی مثال

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”اس مومن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے، ترنجبین (نارنگی، سیب) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، کھجور کی سی ہے کہ اس کی خوشبو نہیں لیکن ذائقہ میٹھا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، خوشبودار پودے (جیسے ناز بو، یاسمین وغیرہ) کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے لیکن ذائقہ تلخ ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تمے) کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی نہیں اور اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا حافظ اور اس پر عمل کرنے والا مومن تو خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھل کی طرح عنداللہ بھی مقبول ہے اور لوگوں میں بھی اس کی عزت ہے اور جو مومن حافظ قرآن نہیں ہے، تاہم قرآن کا عامل ہے، اللہ کے ہاں اور لوگوں کی نظروں میں یہ بھی اچھا ہے۔ اور قرآن پڑھنے والے منافق کا ظاہر اچھا ہے لیکن باطن گندا اور تاریک ہے اور آخر میں اس منافق کا ذکر ہے جو قرآن نہیں پڑھتا، اس کا ظاہر و باطن ناپاک ہے۔

2۔ اس میں حاملین قرآن کے لیے یہ وعظ ہے کہ ان کا اخلاق اچھا ہونا چاہیے اور ان کا کردار خوش ذائقہ پھل کی طرح ہونا چاہیے جو اپنے کاٹنے والے کو بھی برابر مزہ دیتا ہے۔

سرفرازی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو سرفراز فرمائے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل کردے گا۔“ (مسلم)

فائدہ: سرفراز، اللہ کے حکم سے وہی ہوں گے جو قرآن کے احکام کو بجالائیں گے اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کریں گے اور اس کے برعکس کردار کے حامل لوگوں کے لیے بالآخر ذلت و رسوائی ہی ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کو اللہ نے ابتدائی چند صدیوں میں ہر جگہ سرخرو کیا اور انہیں سرفرازی عطا کی کیونکہ وہ قرآن کے حامل اور عامل تھے، اس پر عمل کی برکت سے وہ دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے۔ لیکن مسلمانوں نے جب سے قرآن کے احکام و قوانین پر عمل کرنے کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا، تب ہی سے ان پر ذلت و رسوائی کا عذاب مسلط ہے۔

کاش! مسلمان دوبارہ قرآن کریم سے اپنا رشتہ جوڑیں تاکہ ان کی عظمت رفتہ بحال ہو سکے۔

رشک

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے:
ایک وہ آدمی جسے اللہ نے قرآن عطا کیا (اسے حفظ کرنے کی توفیق دی) چنانچہ وہ اس کے ساتھ رات اور دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے (اللہ کی عبادت کرتا ہے) اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا، وہ اسے (اللہ کی راہ میں) رات اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

سکون

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سورۃ کہف پڑھ رہا تھا، اس کے پاس ہی ایک گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس شخص کو ایک بادل نے ڈھانپ لیا، وہ بادل اس کے قریب ہوتا تھا اور اس کا گھوڑا بادل کو دیکھ کر اچھلنے کودنے لگتا۔ جب صبح ہوئی تو وہ آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"یہ سکینت تھی جو قرآن کی وجہ سے (تجھ پر نازل ہوئی (اللہ کی خاص رحمت تیرے اطمینان قلب کے لیے نازل ہوئی۔)" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:
اس میں ایک تو سورۃ کہف کی فضیلت اور دوسرے، نیک بندوں پر اللہ کی خصوصی رحمت و سکینت کے نزول کا بیان ہے جس سے ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔
تلاوت قرآن پر اس طرح بادل کی ظاہری صورت میں سکینت کا نزول ایک خرق عادت واقعہ (کرامت) ہے جس میں کسی نیک بندے کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی مشیت پر منحصر ہے۔ اسی لیے یہ اصول مسلمہ ہے کہ معجزے یا کرامت سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، نہ اس سے اس قسم کا کوئی استدلال کرنا ہی جائز ہے، جیسے اہل بدعت کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کے عقیدوں کو خراب کرتے ہیں۔

نیکی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جس شخص نے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔" (یہ تین حرفوں سے مرکب ہے اور دس ضرب تین، یعنی 30 نیکیاں پڑھنے والے کو ملیں گی۔)
(اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: اس کی سند حسن صحیح ہے۔)
فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر قرآن کا مفہوم نہیں سمجھتا لیکن تلاوت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔ اور جو شخص تلاوت بھی نہیں کر سکتا اسے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔

ویران گھر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بے شک وہ شخص جس کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ (یاد) نہ ہو، ویران گھر کی طرح ہے۔"
(اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: اس کی سند حسن صحیح ہے۔)

بلندئ درجات

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"(روز قیامت) صاحب قرآن (قرآن پڑھنے اور اسے حفظ کرنے والے) سے کہا جائے گا، قرآن پڑھتا جا اور (درجے) چڑھتا جا اور اس طرح آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا، چنانچہ تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تیری آخری

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔"
(اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔
اور امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)
فوائد و مسائل:
1۔ اس میں قرآن کریم کے حافظ اور کثرت سے تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے والوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔
2۔ چڑھنے سے مراد جنت کے درجوں پر چڑھنا ہے۔ یعنی جتنا قرآن یاد ہوگا اسی حساب سے وہ ترتیل سے پڑھتا جائے گا اور جنت کے درجات پر فائز ہوتا چلا جائے گا۔
3۔ اس میں قرآن کی تلاوت اور اس کے حفظ کرنے کی ترغیب ہے تاکہ وہ جنت میں حفظ قرآن کی بدولت زیادہ سے زیادہ بلند درجات حاصل کر سکے۔

قرآن کریم یاد رکھنا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اس قرآن کی حفاظت (دیکھ بھال) کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! یہ (قرآن سینوں سے) نکل جانے میں اس اونٹ سے زیادہ تیز ہے جو رسی میں بندھا ہوا ہو (اور اسے کھول کر بھاگ نکلنے والا ہو۔")
(بخاری و مسلم)
فائدہ: قرآن کریم کی حفاظت اور دیکھ بھال کا مطلب ہے کہ پابندی سے اس کی تلاوت کی جائے، ورنہ غفلت کی صورت میں انسان اسے اتنی تیزی سے بھولتا ہے کہ اتنی تیزی سے اونٹ بھی رسی تڑا کے نہیں بھاگتا۔ یہ تیزی سے بھول جانے میں تشبیہ ہے۔

حافظ قرآن

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حافظ قرآن کی مثال رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے۔ اگر وہ اس اونٹ کا خیال رکھتا ہے تو وہ (اپنے کھونٹے سے) بندھا رہتا ہے اور اگر اسے کھول دے گا تو چلا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)
فوائد و مسائل:
اس میں بھی وہی مذکورہ بات بیان کی گئی ہے۔
صاحب قرآن سے مراد، قرآن کا حافظ ہے، مکمل حافظ ہو یا کچھ آیات کا حافظ، جتنا بھی یاد ہوا سے پڑھتا رہے گا تو یاد رہے گا، جیسے اونٹ پر کڑی نظر رکھی جائے تو وہ بندھا رہتا ہے اور اگر اسے کھول دیا جائے تو ایسا بھاگتا ہے کہ اسے تلاش کرنا اور پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔
اس میں ان والدین کے لیے بھی سبق ہے جو بچوں کو حفظ کروا کر قرآن کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، اسی طرح منزل یاد کیے بغیر جلدی حفظ کرنے والے حضرات کے لیے بھی تنبیہ ہے۔

اچھی قرأت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
"اللہ تعالیٰ کسی چیز کے لیے اس طرح کان نہیں لگاتا جس طرح وہ اس خوش آواز پیغمبر کے لیے کان لگاتا ہے جو قرآن کو غنا کے ساتھ اونچی آواز سے پڑھتا ہے۔" (بخاری و مسلم)
فوائد و مسائل:
1۔ اللہ تعالیٰ کان لگا کر توجہ سے سنتا ہے، یہ جہاں ایک طرف اس کی رضا اور قبولیت کی دلیل ہے، وہاں دوسری طرف اس کی ایک صفت (کان) اور اس سے سننے کا بیان ہے جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ تاہم ہم اس کی کیفیت بیان کر سکتے ہیں نہ اسے کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے ہیں۔
2۔ غنا کے ساتھ پڑھنے کا مطلب گانے کی طرح تکلف اور تصنع سے پڑھنا نہیں ہے، جیسے آج کل کے بہت سے قاری بالخصوص مصر کے بعض قراء پڑھتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب تجوید و حسن صوت کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ساتھ ایسے سوز سے پڑھنا ہے جس سے رقت طاری ہو۔

3۔ اس میں خوش آوازی اور سوز سے قرآن پڑھنے کی ترغیب ہے، تاہم یہ ضروری ہے کہ حرفوں کی ادائیگی اس طرح ہو کہ اس میں کمی یا بیشی نہ ہو۔

تعریف

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تمہیں حضرت داؤد کے سروں میں سے ایک سُر (خوش آوازی) دی گئی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اگر تم مجھے دیکھ لیتے جب کہ گزشتہ رات میں تمہاری قرأت سن رہا تھا (تو یقیناً تم خوش ہوتے۔'')

فوائد و مسائل:

حسن صوت اللہ کا ایک انعام ہے جس کو چاہے، وہ اس سے نواز دے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں یہ نعمت ملی اور وہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو اللہ کا کلام سنا کر اللہ کی دین کی طرف بلاتے ہیں۔ خوش آوازی کو دنیا کمانے کے لیے بے حیائی پھیلانے کا ذریعہ نہیں بناتے، جس کا انجام نہایت برا ہے۔

خوش آواز

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

''کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں سورت والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا، چنانچہ میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز والا کوئی نہیں سنا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس میں صراحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح دیگر تمام خوبیاں عطا کی گئی تھیں، حسن صوت سے بھی آپ کو نوازا گیا تھا اور دعوت و تبلیغ میں اس کی آپ کو ضرورت بھی تھی۔

غنا کے ساتھ پڑھنا

حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جو قرآن کو غنا کے ساتھ نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں۔'' (اسے ابوداؤد نے جیّد سند سے روایت کیا ہے۔)

غنا کے ساتھ پڑھنے کے معنی ہیں: وہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے۔

فائدہ: ہم سے نہیں، کا مطلب ہے ہمارے طریقے اور سنت پر نہیں ہے۔ اس میں بھی خوش آوازی اور سوز و رقت سے قرآن پڑھنے کی ترغیب ہے، کیونکہ اس سے قرآن کے حسن اور تاثر میں اضافہ ہوتا ہے۔

قرآن سننا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''(اے ابن مسعود!) مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔''

تو میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپ پر تو وہ اترا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''میں اپنے علاوہ کسی اور سے سننا پسند کرتا ہوں۔''

چنانچہ میں نے آپ کے سامنے سورۃ نساء کی تلاوت کی، یہاں تک کہ میں اس آیت تک پہنچ گیا: فکیف اذا جئنا......

''چنانچہ اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر اے پیغمبر! تجھے گواہ بنائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب تم بس کرو۔'' جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری و مسلم)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رخسانہ جمیل

خط آپ کے

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔37۔ اُردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ کی عافیت، سلامتی اور دائمی خوشیوں کے لیے دعائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ دنیا اور آخرت کی ہر نعمت سے نوازے، آمین۔

پہلا خط تبسم بشیر شاہ سوار ڈنگہ کا ہے لکھتی ہیں

آپ نے میری بہن بے چاری کی امیدوں پر ٹپ بھر کر پانی ڈال دیا۔ آپ صرف دیرینہ قارئین کے ہی خط شامل کرتے ہیں؟ شعاع کا سرورق اس دفعہ پسند نہیں آیا۔ ''ثریا کی گڑیا'' سب سے پہلے پڑھا۔ تعریف کی ضرورت تو نہیں کیونکہ سب کو پتہ ہے کہ سائرہ لاجواب لکھتی ہیں ناولٹ بھی پیارا لکھا۔ (ویسے یہ ایمل رضا کہاں غائب ہیں؟) اس کے بعد اپنی فیورٹ کہانی (خواب شیشے کا) عفت آپی لاجواب لکھ رہی ہیں۔ ''شہرزاد'' بھی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ''شب تاب'' مکمل ہونے پر تبصرہ جبکہ (حال دل) پسند نہیں آیا۔ افسانوں میں سب سے پہلے ریحانہ آفتاب کو پڑھا کیونکہ یہ ہماری فیورٹ ہیں اور (گدھ) افسانہ بھی فیورٹ ٹھہرا۔ بہار آئی اور دم بھی لاجواب تھے۔ اپنا نام نہ پاکر دکھ بھی ہوتا ہے اور دوستوں میں مذاق کا نشانہ بھی بننا پڑھتا ہے کہ (تم نے تو خط بھیجا تھا نا)؟

پیاری تبسم! آپ کی بہن کا خط وہ بھی غصے اور ناراضی والا بہت تاخیر سے ملا تھا۔ اس لیے شائع نہ ہو سکا۔ مگر وہ ناراض نہ ہوں۔ ان شاء اللہ ان کی فرمائشیں پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایک ضروری بات نوٹ کر لیں۔ آئندہ جب خط لکھیں تو اپنی دوستوں کو ہرگز نہ بتائیں۔ جب خط شائع ہو جائے تو تب بتائیں۔ ایمل رضا کا ناولٹ اس ماہ شامل ہے۔

کوثر خالد نے جڑانوالہ سے لکھا ہے

عزیزو! میں نے نام بدلیا ہے یعنی کہ ماضی کی کوثر خالد اب سودائے محمد سردار ہے۔ آئندہ مجھے سودائے محمد سردار کے نام سے بلایا جائے۔

پیاری کوثر! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور خوش و خرم رکھے۔ جس نام سے بھی لکھیں ہماری محفل کی رونق ہیں اور ہم ہی نہیں ہمارے قارئین بھی آپ کو عزیز رکھتے ہیں۔

اریبہ نور، حبہ نور اور ساویہ نور فیصل آباد سے شریک محفل ہیں

انٹرنیٹ کے اس تیز ترین دور میں یوں خط لکھنا عجیب سا لگتا ہے پر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اچھا بھی بہت لگتا ہے کہ کسی کے لیے وقت نکالنا، بہت سے کاموں کو نظر انداز کرنا...... بار بار مکالموں کو ذہن میں ترتیب دینا اور پھر لکھنا۔

پر میں اس بار کوئی محبت نامہ نہیں لکھ رہی ہوں ہاں...... یہ تو سیدھا شکایت نامہ ہے۔ آپ کو ذرا بھی رحم نہ آیا پکڑ کر سارے کا سارا خط ایڈٹ کر دیا میرا......؟؟

'شعاع کے ساتھ ساتھ بھی میرے پسندیدہ سلسلوں میں سے ایک ہے۔ آپی میں نے بھی شعاع کے ساتھ ساتھ لکھا ہے اور تجھ سے ناتا جوڑا بھی...... میں شادی شدہ نہیں ہوں پر میری ایک اسٹوڈنٹ کی مدر اس سلسلے میں لکھنا چاہتی ہیں۔ پہلے بات ہو جائے سلسلے وار ناولز کی تو ''شہرزاد'' تو پسندیدہ ترین بنتا جا رہا ہے۔ ''خواب شیشے کا'' بہت سست جا رہا ہے گویا جہاں سے شروع ہوا تھا وہیں پر ہے۔ 'سنہری دھوپ' تو بہت ہی فضول ہو گیا ہے، وہی روایتی سے سوتنوں کے جھگڑے۔ جس ناول نے بہت ہی زیادہ متاثر کیا وہ 'شب تاب' تھا۔ مہوش افتخار نے دل موہ لیا...... 'ثریا کی گڑیا' بس ٹھیک ہی تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سائرہ رضا ویسا رنگ نہیں جما سکیں جیسا ہمیشہ جماتی ہیں۔
"دم......نفلوں کا ثواب......گدھ" افسانے بہت اچھے تھے......نفلوں کا ثواب تو بہت ہی دل کو بھایا......
رہی "کتاب کہانی" تو اس کی تو بات ہی کیا ہے ایک بہترین لکھاری کی بہترین کاوش میری بہن کی "صنم سعید" کے انٹرویو کی فرمائش ہے۔

پیاری ساویہ! آپ شوق سے شکوہ شکایت کریں۔ ہم برا نہیں مانتے۔ شکوے شکایتیں ان ہی سے ہوتی ہیں جن سے تعلق ہوتا ہے۔
خط ایڈٹ کرنا ہماری مجبوری ہے۔ آپ طویل خط لکھتی ہیں تو ہم اسے پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اسے سراہتے ہیں لیکن شائع نہیں کر سکتے کہ صفحات محدود ہوتے ہیں اور دوسری قارئین کے خط بھی شامل کرنا ہوتے ہیں۔
آئندہ کہانی لکھیں تو اپنا فون نمبر ضرور لکھیں۔ ہم آپ کو میسج کے ذریعے کہانی کے بارے میں بتا دیں گے کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں۔ اس طرح آپ زحمت سے بچ جائیں گی۔
آپ کی کہانی ناقابل اشاعت ہے لیکن آپ میں صلاحیت ہے کچھ اور لکھیں۔

حمیرا لطیف حور نے لکھا ہے

ٹائٹل پر سرسری سی نظر ڈالی پھر شہرزاد قوی امکان ہے کہ ہادی ہی ہم زاد ہے۔ خواب شیشے کا بیسٹ تھا۔ پتا نہیں نمیر اب مہر ماہ کو طلاق دیتا ہے یا نہیں۔ سنہری دھوپ......انعم تو جل جل کر مر جائے گی۔ شاید خیر......!
مکمل ناولز اچھے تھے۔ 'ثریا کی گڑیا' ٹھیک تھا۔ افسانے تو سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مسکراہٹیں اچھی تھیں۔ کھلتا کسی پہ کیوں' فوزیہ ثمر بٹ کا ذوق ہمیشہ سے ہی بہت اچھا لگتا ہے۔ باتوں سے خوشبو آئے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا۔ خطوط میں فوزیہ آپی غائب تھیں (وہ کیوں......؟) آئینہ سرسری سا دیکھا۔ اور تاریخ کے جھروکوں پر پہنچے (میرا موسٹ فیورٹ سلسلہ) رمیشہ گل آپ کا نام اچھا لگا۔ عشا نور سے ملاقات اچھی رہی۔ دستک بھی گڈ۔ نمرہ احمد اور ایف ایم 90 قصور آپ کی آواز کے آر جے رمضان رفیق بھٹی اور آر جے دانش علی قصوری کا انٹرویو اور بندھن شائع کر دیں۔

پیاری حمیرا! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ آپ کی فرمائشیں شاہین رشید تک پہنچا رہے ہیں۔ آپ اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئیں۔ آئندہ خط لکھیں تو اپنے شہر کا نام ضرور لکھیے گا۔

ثناشہ انصاری نے لکھا ہے

شعاع پڑھتے یہ پانچواں سال ہے۔ کہانیوں سے انسیت جنت کے پتے پڑھنے کے بعد ہوئی (کمال کا ناول لکھا تھا نمرہ آپی نے)
اس کہانی سے بہت سے خوبصورت سبق سیکھے اور ایک چیز جو سب سے خوب صورت اور قابل بیان ہے یہ کہ میں نے حجاب کرنا شروع کیا۔ شکریہ نمرہ آپی۔

پیاری ثناشہ! ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے پرچوں میں جو تحریریں شائع کی جاتی ہیں ان میں ہم تفریح کے ساتھ ساتھ اصلاح کا پہلو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے کہانی کے مقصد کو سمجھا اور پردہ کرنا شروع کر دیا۔
کہانی آپ ہمیں اسی پتے پر بھجوائیں جس پر خط بھیجا ہے......شعاع 37۔ اردو بازار کراچی

اقرا امتیاز نے سرگودھا سے شرکت کی ہے لکھتی ہے

عشا نور، آمنہ الیاس، عائشہ جہاں زیب سے ملاقات بیسٹ رہی۔ سب سے پہلے اپنا فیورٹ ناول شہرزاد پڑھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے ہم زاد ہادی ہے۔ منال مجھے ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔ درشہوار کی حرکتیں بھی پسند نہیں۔
سنہری دھوپ اس دفعہ کی قسط بیسٹ تھی۔ حال دل کھل چکا صائمہ اقبال کی اچھی کاوش تھی۔
شب تاب کیا فنٹاسٹک اسٹوری تھی ہر دل خوش ہو گیا۔ ناولٹ ثریا کی گڑیا سائرہ رضا جب بھی لکھتی ہیں کچھ منفرد ہی لکھتی ہیں۔
افسانہ بہار آئی، مشعل کی حرکتیں ہنسنے پر مجبور کر گئیں۔ قرۃ العین رائے کی اس کہانی میں مشعل کا بچوں سے پوچھ کر پڑھانے کا انداز میں نے بھی اپنایا۔ ٹیوشن

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پڑھنے والے چھوٹے بچوں پر یہ فارمولا آزمایا کچھ حد تک کامیاب رہی۔

اقراء! واہ بھئی، آپ نے اپنے شاگردوں پر قرۃ العین والا فارمولا آزمایا اور کامیاب بھی رہیں۔ روایتی انداز سے ہٹا کر پڑھانے کا یہ طریقہ ہمیں بھی اچھا لگا تھا۔ زندگی میں کچھ نیا سیکھنے کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے اور کامیاب وہی ثابت ہوتے ہیں جو وقت سے سیکھتے ہیں اور آگے بڑھنے کا عمل جاری رکھتے ہیں۔

مہر وہش بلوچ، پری وہش بلوچ اور دل وہش بلوچ نے ضلع کوہلو بلوچستان سے لکھا ہے

شعاع کے پہنچتے ہی پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور شہر نزاد کی طرف دوڑ لگائی۔ واہ صائمہ جی! آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ہائے اللہ ہمارا بھی جی چاہتا ہے اڑ کر مری جائیں، برف باری انجوائے کریں۔ ویسے مزے کی بات کہ بلوچوں میں ہمارے قبیلے کا نام بھی مری ہے۔

ہمیں ہم زاد کا کردار بہت پسند ہے۔

سنہری دھوپ زبردست جا رہا ہے دعا نے احسن سے شادی کر لی ہمیں شاک لگا۔

''خواب شیشے کا'' کا بھی بڑی خوبصورتی سے رواں دواں ہے۔ سمیرا حمید سے گزارش ہے عالیان، امرحہ اور کارل کے ساتھ حاضر ہو جائیں، اگر ان کے ساتھ نہیں آسکتیں تو پلیز عالیان جیسے کسی ہیرو کے ساتھ آئیں۔

کچھ رائٹر جیسے سمیرا حمید، سائرہ رضا، نمرہ احمد سے ڈائریکٹ ملنے کا شوق ہے ان شاء اللہ جنت میں پوری ہوگی۔

ہم ایک خط بھی بھیج رہے ہیں جس میں بلوچوں کے رسم و رواج اور بلوچی نام درج کیے ہیں جس سے

بلوچوں پر کہانی لکھنے کے لیے تھوڑی بہت مدد مل سکتی ہے باقی کام مصنفہ خود جانتی ہیں اور آپ نے پچھلے سال کسی قاری بہن کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ شاید کنیز نبوی بلوچوں پر کہانی لکھ سکیں۔ اور ہم آپ کو معروف ادبی تنظیم ''آئینہ'' کے بانی ملک فدا الرحمن کی کتاب ''بلوچستان، عکس اور حقیقت'' کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ اس کتاب

میں بہت کچھ بلوچستان کے بارے میں پڑھنے کو ملے گا۔

ساتھ میں ہمارے ناموں کے معانی:

پری وہش مطلب ''خوبصورت پری، مہر وہش ''خوش اخلاق اور دل وہش کا مطلب ''خوش دل''

خوب صورت، خوش اخلاق اور خوش دل پریوں!

معصوم سی خواہشوں کا معصوم سا خط اللہ کرے کوئی مصنفہ پڑھ ہی لے۔ ہمارا خیال ہے اپنی پسندیدہ رائٹر سے دنیا میں ہی ملنے کی کوشش کر لیں، جنت میں تو جنت کے نظاروں سے فرصت کہاں ملے گی؟

اگر کوئی مصنفہ کہانی لکھنا چاہیں تو ہم آپ کا خط ان تک پہنچا دیں گے۔ ملک فدا الرحمن کی کتاب کہاں سے مل سکتی ہے؟

زرین فاطمہ نے کراچی سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

میں نے 2017 کی مارچ کو آپ کو دو افسانے بھجوائے تھے۔ ''احساس'' اور ''اے وقت پلٹ آ'' تا حال اس کا کچھ پتا نہیں۔ پلیز کچھ تو نئے رائٹر کی حوصلہ افزائی کریں۔ تاکہ خوشی خوشی اور بھی لکھ سکیں۔

پیاری فاطمہ! ہم تو ہمیشہ نئے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اور جس تحریر کی نوک پلک سنواری جا سکتی ہے اسے ضرور جگہ دیتے ہیں۔ مگر بعض نئے لکھنے والوں کو مزید محنت اور مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دو افسانوں کے لیے تو معذرت خواہ ہیں مگر محنت اور مطالعہ جاری رکھیں۔ کوشش اور مسلسل کوشش ہی کامیابی سے ہم کنار کرتی ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نامعلوم نے نامعلوم شہر سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں
ٹائٹل گرل کبھی پوری بھی دے دیا کریں۔ ہمیشہ صرف منہ ہی ہوتا ہے۔ نمیرا! آپ اپنے اصلی نام سے لکھتی ہو۔ مجھے سمیرا احمید کے ناول یارم کی لاسٹ ایپی سوڈ والا ڈائجسٹ چاہیے مارچ 2015 کا۔ ''خواب شیشے کا''

مجھے تو لگتا ہے موحد اور نمیرا ایک ہی ہیں۔ موحد کی ڈیتھ ہوگئی ہوگی۔ اور نمیر کو ثمرہ اور فاران نے پالا ہوگا۔
''سنہری دھوپ'' امیزنگ ہے۔ شہرزاد کو شروع میں جتنے مضبوط اعصاب کا دکھایا گیا تھا اتنی وہ ہے نہیں۔
''شب تاب کو اسٹوری آف دی منتھ کہوں تو غلط نہیں ہوگا۔ ''بہار آئی'' مزے کا افسانہ تھا۔
باقی سارا رسالہ ایویں تھا۔
اور جو رسالوں میں خواتین ڈائجسٹ کے ناولز کی لسٹ ہوتی ہے۔ اس میں جو قیمت اور ڈاک خرچ لکھا ہوتا ہے اصل میں بھی اتنا ہی ہوتا ہے۔

پیاری دوست! اپنا نام اور پتا کیوں نہیں لکھا؟ اب کیسے بتائیں کہ یارم کی آخری قسط والا ڈائجسٹ ملے گا یا نہیں۔ آیندہ خط لکھیں تو اپنا نام اور فون نمبر لکھیں ہم بتا دیں گے۔ ڈائجسٹ میں جو ڈاک خرچ اور قیمت لکھی ہے وہی ہوتی ہے اور باقی رسالہ ایویں تھا؟؟ ایسی باتیں نہ کریں کہ ہمارا دل بند ہوجائے۔ سمیرا احمید اصلی نام سے ہی لکھتی ہیں۔

اقراسعید راجڑ نے ڈی جی خان سے لکھا ہے
کاش میں کراچی میں ہوتی تو ضرور آپ کے ادارے میں نوکری کرتی چاہے صفائی کا کام ہی کیوں نہ ہو۔ اس بار شعاع 8 فروری کو ملا۔ سب سے پہلے ''خواب شیشے کا'' کا پڑھا۔ اس ناول کو پڑھتے ہوئے ایک لمحے کو بھی بوریت محسوس نہیں ہوئی۔ ''شہرزاد'' از دا بیسٹ ناول ہم زاد تو ہادی ہی ہے۔ برہان صرف انابیہ کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے، منال کو نکالیں۔ سنہری دھوپ کو پلیز جلدی ختم کردیں ایسا نہ ہو ہم بور ہو کر پڑھنا چھوڑ دیں۔ اس کے علاوہ نفسیاتی الجھنیں بھی میرا موسٹ فیورٹ سلسلہ ہے۔ جب مشورہ دیتے ہیں بہت اعلیٰ دیتے ہیں۔ میں اسکول میں ٹیچنگ کرتی ہوں وہاں پر ہفتہ والے دن ''بزم ادب'' ہوتا ہے تو ہم ان ہی ڈائجسٹوں سے اچھی اچھی چیزیں اتار کے بچوں کو یاد کرواتے ہیں۔ پرنسپل صاحب نے اس بزم ادب میں تمام اسٹاف کے لیے تالیاں بجوائیں کہ وہ بچوں کو اچھی تیاری کرواتی ہیں۔

پیاری اقراء! آپ کراچی نہیں آسکتیں تو کیا ہوا؟
ہم کبھی ڈی جی خان آئیں گے تو آپ سے ملنے ضرور آئیں گے۔ آپ کے دل میں ہمارے لیے اتنی محبت ہے یہ جان کر خود پر فخر محسوس ہو رہا ہے۔

گڑیا راجپوت نے گاؤں کلر کہار چکوال سے لکھا ہے
شعاع ایک بہت ہی اچھا اور بہترین رسالہ ہے، افسانے، مکمل ناول اور ناول تو خاص طور پر بہت زبردست ہوتے ہیں خاص کر صائمہ اکرم کا شہرزاد بہت ہی اچھا چل رہا ہے۔ اور عفت سحر طاہر جی آپ کو تو سلام ہے بہت بہترین ناول ہے۔

پیاری گڑیا! اتنی دور سے ہمیں خط لکھا اور اتنا مختصر تبصرہ۔ آیندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ شرکت کیجیے گا۔

عابدہ انصاری ولہلہ ضلع فیصل آباد سے شریک محفل ہیں لکھا ہے
میں یہ نہیں لکھوں گی کہ میں نے شعاع کب سے پڑھنا شروع کیا ہے۔ آپ کو پتا چل جائے گا کہ کتنے اولڈ ہیں۔ سب سے پہلے موسٹ فیورٹ عفت جی کا ''خواب شیشے'' کا پڑھا۔ پلیز عفت جی خواب شیشے کا ہمیں نام کی طرح شیشے کا خواب ——— مت دکھائیے گا کہ جب آنکھ کھلے تو اس کی کرچیاں آنکھوں میں پیوست ہوکر رہ جائیں۔ صائمہ جی کا شہرزاد مدتوں یاد رہ جانے والی تحریر، ٹاپ آف دی لسٹ سنہری دھوپ کہانی اب سینس ایبل موڑ پر آگئی ہے۔

پیاری عابدہ! اولڈز گولڈ نیکن یچ تو یہ ہے کہ آپ ہمارے لیے سونے سے بھی قیمتی ہیں۔ محبتوں کا کوئی مول نہیں ہوتا۔ ہماری نظر میں ہر انسان قابل احترام ہے۔ اور ہمارے قارئین خواہ وہ ہم سے مخاطب ہوں یا نہ ہوں ہمارے دل میں رہتے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ محبت کا رشتہ ہے اور وہ ہمارے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فوزیہ تمر بٹ، ہانیہ عمران، آمنہ رئیس گجرات سے
شریک محفل ہیں

میک اپ ایک آرٹ ہے اور اس آرٹ سے بجی خوب صورت ماڈل پیاری لگ رہی تھی کاش کہ یہ ہنر مجھے بھی آجائے۔

پہلی شعاع، شعاع کا پہلا درس، جو کہا سچ کہا۔ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ بغیر حقیقت جانے بات آگے بڑھادی جائے۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف پیارے نبی کی پیاری باتیں۔ ہمیشہ کی طرح دل کو سکون پہنچاتی ہیں۔ صنم سعید کا بھی انٹرویو کریں بھی۔

اب چلتے ہیں شعاع کی ہارٹ بے لی مطلب درشہوار کی طرف، صائمہ جی نے تو درشہوار کی ساری تیاری سواہ کردی۔ ہادی نے اک نظر کرم بھی نہ ڈالی۔ درشہوار کو کسی اور آرے لگادیں۔ وہ کیا منیر نیازی کہتے ہیں ناں چین پڑتا کیوں نہیں کیا دنیا میں ایک وہی شخص۔

ہم زاد کا لکا چھپی کا رومانس بور کرنے لگا ہے۔ ہادی صاحب کی لیلیٰ کو بھی منظر عام پر لائیں۔ دوسرا سلسلے وار ناول "خواب شیشے کا" دی بیسٹ تحریر۔ موحد تو آغاجی کے گوڈوں گھٹنوں میں بیٹھ گیا۔

حال دل کھل چکا رشتوں کی اتنی ڈوریاں بھی مجھ سے تو نہیں سلجھیں، سر چکرا گیا۔

سائرہ جی کی ثریا کی گڑیا۔ بہت اچھا فیصلہ تھا۔ ثریا کی گڑیا پڑھی لکھی تھی پھر کیوں کسی ایسے شوہر کی محتاج کرتی جو نہ کما کے کھلاتا۔ افسانے سب ہی اچھے تھے گدھ اور بہار آئی قابل تعریف لگا۔

قانتہ رابعہ اک عرصہ سے شعاع سے ناتا توڑے ہوئے ہیں کیا وجہ ہے۔ نادیہ امین بھی پتا نہیں کہاں مصروف ہیں۔ دل ان کی تحریر کا شدت سے منتظر ہے۔

تاریخ کے جھروکوں سے اکثر جو بھی میں پڑھوں رات خواب بھی ویسا دیکھتی ہوں کہ اس دور میں ہوں۔

"شعاع کے ساتھ" کافی مہینوں کے بعد یہ سلسلہ لگا۔ اچھا لگا۔ پڑھتے ہوئے بنت سحر یاد آگئیں۔ گاؤں کی منظر کشی اچھی کرتی ہیں۔ خوبصورت بلیے تمام ٹوٹکے بازار کی مہنگی کریموں سے اچھے اور سستے بھی ہوتے ہیں۔

اب تو ہر چینل ایسے پروگرام دکھا رہا ہے "خط آپ کے" میں پہلے تو آپ سے گلہ ہے کہ خط شامل نہیں کیا دو ماہ سے میرا وجہ؟ دوسرا اس محفل کے ستارے کے جگمگا رہے تھے۔ خاص کر کوثر خالد کو بہت بہت مبارک ایک تو کتاب کی خوشی دوسرا شمع کے رشتے کی۔

پیاری فوزیہ! یہ شعر منیر نیازی کا نہیں جون ایلیا کا ہے درست شعر یہ ہے۔

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا

اور صائمہ نہیں، درشہوار کو اس کی گھٹیا محبت خوار کروا رہی ہے۔ محبت کا مطلب مسلط ہونا نہیں ہے۔ محبت تو اپنائیت، خلوص، ایثار اور دل داری کا نام ہے۔

اور دو ماہ سے آپ کے خط بہت تاخیر سے مل رہے ہیں اس وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔

میر پور خاص سے حرا گل نے لکھا ہے
ردی کی ٹوکری کھا گئی خط کیسے کیسے
بہر حال انہیں شائع نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔ میں

مبارک باد

شادی کے تین سال بعد شازیہ جمال طارق کے آنگن میں خوشیاں اتریں اور وہ ماں کے رتبے سے سرفراز ہوئیں۔

ایک پیارے سے بیٹے ابراہیم نے ان کی زندگی کو رونق اور خوشی بخشی ہے۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے شازیہ کو دلی مبارک اور نیک تمنائیں۔ اللہ تعالیٰ ابراہیم طارق کو صحت، زندگی، اور خوش بختی عطا فرمائے۔ (آمین)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بہت مشکل سے پوسٹ آفس بھجواتی ہوں۔ اچھا مجھے کہنا تھا کہ اگر ایک صفحہ چھوڑ کر افسانہ لکھوں، افسانہ ایک لائن چھوڑ کر لکھوں تو صفحات بہت ضائع ہوں گے۔ اور بعض لوگ اتنا افورڈ نہیں کر سکتے۔

پیاری حرا! ہم تمام خط پوری توجہ سے پڑھتے ہیں۔ اور اس میں لکھی آپ کی آرا کے مطابق پرچا ترتیب دیتے ہیں۔ شائع نہ ہونے والے خطوط ایک فائل میں محفوظ رہتے ہیں۔ آپ صفحے کے دونوں جانب لکھ سکتی ہیں لیکن سطر ضرور چھوڑیں۔ شعاع اور کرن ہمارے ادارے کے پرچے ہیں۔ آپ افسانہ بھجوادیں۔ اگر قابل اشاعت ہوا تو ان تینوں میں سے کسی بھی پرچے میں شائع ہو جائے گا۔

رخ فاطمہ علی لکھتی ہیں

میرا خط شائع نہ ہوا، یہ دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ پلیز مجھے افسانے کے متعلق بتادیں۔ شعاع ہمیشہ کی طرح اجلا تھا۔ شہرزادا میزنگ ناول ہے۔ شب تاب اچھا لگا۔ خواب شیشے کا زبردست ہے۔ سمیرا حمید کی کتاب کہانی شاندار اور باقی تمام سلسلے بھی زبردست ہیں۔

پیاری فاطمہ! ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہ ہوسکا، آپ کا افسانہ ابھی پڑھا نہیں۔ آپ کسی بھی ماہ کی پانچ تاریخ کو اس نمبر پر فون کرلیں ہم بتادیں گے۔

021-32721666

راہی حمید نے ضلع کوہاٹ سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

پیاری سی ماڈل دیکھ کر تو دل خوش ہوگیا پھر حمد ونعت سے آغاز کرتے ہوئے مختلف اور پیاری احادیث پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا اور انٹرویو سب ہی اچھے لگے۔ ریحانہ جی کا گدھ افسانہ پڑھا تو آنکھوں میں آنسو ہی آگئے۔ سائرہ جی کا ''ثریا کی گڑیا'' تو بہت ہی اچھے موضوع پر تھا۔ ماہ وش جی کا افسانہ ''آبلہ پائی کے بعد'' بھی اچھے اور حساس موضوع پر تھا اور سلویٰ جی کے مکمل ناول ''سنہری دھوپ'' کی تو بات ہی الگ ہے، بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ قرۃ العین جی کا افسانہ دم پڑھ کر اچھا لگا۔ صائمہ جی کا مکمل ناول حال دل کھل چکا تو بہت بہت ہی پسند آیا۔ اب آتے ہیں مہوش جی کے مکمل ناول شب تاب کی طرف جو کہ مجھے بہت ہی پسند آیا ویل ڈن مہوش!

پیاری راہی حمید! سمجھ میں نہیں آرہا کہ اتنی تعریف کے جواب میں کیا کہیں...... اصل میں جو لوگ خود اچھے ہوتے ہیں انہیں دوسروں میں بھی صرف اچھائیاں ہی نظر آتی ہیں۔ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش، خوشحال رکھے۔ آمین

راہی آئندہ خط لکھیں تو بلیک سیاہی سے لکھیے گا اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیے گا۔

• فائزہ بھٹی نے پتوکی سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

ٹائٹل اچھا لگا۔ ''پہلی شعاع'' مدیرہ جی، ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلا رہی تھیں۔ آپ کو پڑھتے ہوئے میرے دل میں خیال آیا کہ اب تنزیلہ ریاض کو کہہ کر اس مسئلے پر کوئی اچھا سا ناول لکھوائیں۔

حمد و نعت اور احادیث کو پہلی ترجیح جاتا۔ اس کے بعد اپنے خط کی تلاش میں دوڑ لگائی بہت سی باتوں کے جواب میں آپ نے میری رائٹنگ کی طرف توجہ دلائی۔ کسی نے مجھ سے کہا اگر آپ کی جگہ مدیرہ نے مجھے اس طرح دوٹوک انداز میں کہا ہوتا تو میں دوبارہ بھی خط نہ لکھتی۔ اس بات سے مجھے آپ کی ایک دو قارئین کی یاد آئی جنہیں کچھ عرصہ پہلے آپ نے کسی بات کے جواب میں کوئی نصیحت کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد میں نے بھی ان کا خط نہیں دیکھا۔

میں نے ایک ہی جواب دیا اور جو ''گم شدہ'' ہیں ان کو بھی وہ ہی بات کہوں گی کہ جن سے تعلق دل کی گہرائیوں سے بنائے جائیں ان سے چھوٹی چھوٹی بات پر قطع تعلق نہیں ہوا کرتا...... دوسری بات زندگی میں آپ اگر کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، تو پھر دل کو بڑا کرنا پڑتا ہے۔

''شب تاب'' واہ واہ یہ ہوتی ہے اچھی اور مزے کی کہانی، شاہوں کے اوپر کافی دیر بعد لکھا گیا ہے۔ نایاب جیلانی لکھا کرتی تھیں شاہوں کی کہانیاں، مہوش! واقعی میں مزہ آگیا۔ مگر یہ کیا آخر میں انتظار نامی پھندا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہمارے گلوں میں ڈالے جانے کو تیار کر رکھا تھا۔

"دم" قرۃ العین نے اچھا لکھا۔ میری امی بھی ہم سب بہن بھائیوں پر ایسے ہی دم کر کے گھر بھیجتی ہیں۔

"چھٹی کا دن" عمارہ خان اچھا لکھا۔ یہ سمجھ سے باہر ہے کہ گھریلو خواتین کے کام کو کیوں نہیں سراہا جاتا۔

پیاری فائزہ! ہمارے اردگرد بے شمار لوگ بستے ہیں مگر ہم صرف ان ہی لوگوں کو سمجھاتے ہیں، نصیحت کرتے ہیں ٹوکتے ہیں جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے اس بات کو سمجھ لیا ورنہ ہماری کچھ قارئین تو ہماری مذاق میں کہی گئی باتوں کو بھی دل پر لے لیتی ہیں۔

ویسے آپ کی سمجھ داری اور تحمل بہت اچھا لگا۔ زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے یہ صفات آپ کے بہت کام آئیں گی۔

ندا رفیق نے چک جھمرہ سٹی سے لکھا ہے

میں نے اکتوبر 2015 سے شعاع پڑھنا شروع کیا۔ سر پر دوپٹے والا اور پیلے رنگ کا ڈریس ماڈل کا انداز انتہائی خوب صورت اور "جان سے پیارا" لگا۔ میں نے اپنی کہانیاں ایک رائٹر کو دکھائی تھیں تو انہوں نے کہا کہ آئیڈیاز اچھے ہیں لیکن لکھنے کا ڈھنگ نہیں۔ سمیرا احمید بہت اچھا سکھا رہی ہیں لیکن میں ابھی وہ سیکھ نہیں پا رہی۔ آپ کسی اور مصنفہ سے لکھوا سکتے ہیں میری کہانیاں۔

پیاری ندا! آپ کا تفصیلی تبصرہ صفحات کی کمی کے باعث شامل نہیں کر سکے۔ اس کے لیے معذرت جہاں تک کہانیوں کی بات ہے تو اس کے لیے کسی فیس کی ضرورت نہیں۔ آپ پہلے ہمیں اپنی ایک کہانی بھجوائیں تاکہ ہمیں آپ کی صلاحیت کا اندازہ ہو سکے۔

خدیجہ مسکان ہراج اور فاطمہ ہانی نے راوڑ ولاتل سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

شعاع کو ہم باقاعدگی اور شوق سے پڑھتے ہیں۔ ٹائٹل گرل کے تو کیا ہی کہنے، اس کے بعد پیارے نبی کی پیاری باتوں نے دل کو سرور بخش دیا۔ ہمارا پسندیدہ ناول خواب شیشے کا ہے۔ شہر زاد کا سلسلہ بھی کافی اچھا جا رہا ہے۔ "سنہری دھوپ" سلویٰ آپی آپ کو ڈھیروں دعائیں۔

پیاری خدیجہ اور فاطمہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ آپ کی تعریفیں ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچا دی ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

مصباح زاہرہ قریشی لکھتی ہیں

شعاع سے میرا تعلق تب جڑا جب میں نے سمیرا حمید کا ناول یارم پڑھا۔ سمیرا حمید دل پر چھا گئیں۔ ساحر لودھی اور تجل کا علی بندھن کے لیے انٹرویو لیں پلیز "شہرزاد" کی اسٹوری کافی دلچسپ موڑ پر ہے۔ ریحانہ آفتاب کا افسانہ گدھ پڑھ کر بہت دکھ ہوا عورت کی زندگی بہت مشکل ہے۔ ثریا کی گڑیا حقیقت سے قریب تر تھا۔ اس کا ایک کردار جو ثریا کی گڑیا کا ہے، وہ میں خود ہوں اس لیے میرے نزدیک ثریا کی گڑیا ہی کا کردار درست ہے۔ کیونکہ اسلام میں بھی یہی حکم ہے۔ سنہری دھوپ میرا پسندیدہ ناول ہے۔ افسانہ دم سبق آموز تھا۔ مہوش افتخار شب تاب بہت زبردست لکھا ہے۔ بہار آپی افسانہ اچھا لگا۔

پیاری مصباح! آپ کے لیے پرچے میں بھی جگہ ہے اور ہمارے دل میں بھی، صفحات کی کمی کی وجہ سے کچھ خط شامل ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ورسٹائل فنکار

محمود اسلم سے ملاقات

شاہین رشید

ہر فنکار ورسٹائل فنکار کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا سوائے چند کے اور ان چند میں محمود اسلم سرفہرست ہیں دھیمے لہجے میں بات کرنے والے فنکار محمود اسلم سب کے پسندیدہ آرٹسٹ ہیں۔ انٹرویو کرنے کی خواہش پوری تو ہوئی مگر تھوڑی ادھوری...... چلیں کوئی بات نہیں، کبھی مختصر انٹرویو بھی مکمل انٹرویو کا مزہ دیتے ہیں۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"الحمدللہ...... اللہ کا کرم ہے"

"خانی" میں دیکھ رہے ہیں ہم سب، "بلبلے" میں ایک زمانے سے دیکھ رہے ہیں۔ کمال کی اداکاری کرتے ہیں آپ۔"

"بہت شکریہ...... یہ سب آپ کی اور ناظرین کی محبت ہے۔"

"آپ کی انفرادیت ہے کہ آپ مزاحیہ اور سنجیدہ ہر طرح کے کردار بہت مہارت سے کرلیتے ہیں...... آپ پر کسی کردار کی چھاپ نہیں، آپ کیا کہیں گے اپنے بارے میں؟"

"یہ اللہ کا کرم ہے کہ میں جو کردار کرتا ہوں ناظرین پسند کرتے ہیں، اور میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ مجھ پر کسی کردار کی چھاپ نہیں۔ حالانکہ "بلبلے" میں ایک زمانے سے کر رہا ہوں۔

"آپ نے کہا کہ ناظرین میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ کیا اتنے برس گزرنے کے بعد بھی آپ کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے؟"

"بالکل ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے کہ کافی زمانہ ہو گیا اس فیلڈ میں۔ مگر ناظرین کا فیڈ بیک مجھے نیا حوصلہ دیتا ہے اور ناظرین کی داد اور تعریف میرے لیے کسی ایوارڈ اور اعزاز سے کم نہیں۔"

"آپ مانتے ہیں کہ اداکاری کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے۔"

"میں تو مانتا ہوں، کیوں کہ میں اس فیلڈ میں کسی کی سفارش سے نہیں آیا، بلکہ اپنے بل بوتے پہ آیا ہوں۔ اللہ نے مجھے اداکاری کی خداداد صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس نے مجھے عزت و شہرت اور پیسے سے بھی نوازا ہے۔ میں اس فیلڈ میں تقریباً چالیس سال سے ہوں اور جب سولہ یا شاید سترہ سال کا تھا تو اس فیلڈ میں آیا تھا۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کامیابی کا راز؟''

''کوئی راز نہیں، اللہ کا کرم ہے۔ میں خوش رہتا ہوں، اپنے آپ کو مطمئن رکھتا ہوں۔ جھوٹ نہیں بولتا، کسی کا حق نہیں مارتا، ہمیشہ پوزیٹو رہیں، کسی کا برا نہ چاہیں، بس اللہ آپ پر اپنا کرم رکھے گا۔''

''آپ نے بتایا کہ سولہ سترہ سال کی عمر سے آپ اس فیلڈ میں ہیں، تو کیا بچپن سے شوق وجنون تھا، آپ کو اس فیلڈ میں آنے کا؟''

''ارے نہیں...... میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں شوبز میں آؤں گا...... خدا اپنے بندے کا رزق خود متعین کرتا ہے اور میرا رزق بھی اسی فیلڈ سے وابستہ کیا۔ میں نے تو کبھی اس فیلڈ میں آنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔''

''تو آپ کا کیا Aim تھا۔ والدین کی کیا خواہش تھی آپ کے لیے؟''

''میں نے تو بچپن میں جو خواب دیکھے تھے۔ وہ تو پورے ہوئے ہی نہیں...... مثلاً مجھے تو فوج میں جانے کا شوق تھا، لیکن جب میں ساتویں جماعت میں تھا تو میری آنکھیں کمزور ہوگئیں۔ لہٰذا فوج میں جانے کا خواب پورا نہ ہوا۔ پھر شوق ہوا کہ میڈیسن میں چلا جاؤں، ڈاکٹر بننے کا خیال آیا۔ بہت محنت بھی کی۔ مگر میٹرک میں نمبر کم آئے۔ لہٰذا میڈیکل میں داخلہ نہیں ملا۔ بس جو بننا چاہتا تھا۔ وہ بن نہیں پایا اور جو نہیں بننا چاہتا تھا۔ وہ بن گیا، یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔''

''تو پھر کیسے آئے اس فلڈ میں؟''

''اکثر ایسا ہوتا تھا کہ میں فارغ اوقات میں معین اختر، اطہر شاہ خان، عمر شریف اور دیگر مزاحیہ فن کاروں کی پیروڈی کیا کرتا تھا تو میرے دوست بہت انجوائے کرتے تھے۔ ایک دن کالج کے نوٹس بورڈ پہ ایک نوٹس لگا کہ ہمیں ڈراموں کے لیے لڑکوں کی ضرورت ہے۔ جنہیں دلچسپی ہو، وہ آڈیشنز کے لیے آجائیں۔ میرے دوستوں نے مجھے آڈیشن کا مشورہ دیا اور میں نے آڈیشن دے دیا۔ چونکہ یہ فیلڈ میری منتظر تھی۔ لہٰذا کامیاب ہوگیا اور بس پھر ہوتا ہی چلا گیا۔ پھر ٹی وی اور اسٹیج دونوں کے لیے راستے ہموار ہوتے چلے گئے۔''

''دادا، والد اور پھوپھا کا فن آپ کے اندر نہیں آیا کیا، ایسی چیزیں تو ورثے میں ملتی ہیں؟''

''جی...... میرے اندر بھی ہے یہ فن، مگر بہت کم۔ شاید توجہ نہیں دی میں نے۔ میں اسکیچنگ کرتا ہوں اور جو دل میں ہوتا ہے اسے باہر لے آتا ہوں۔ قارئین کی معلومات کے لیے بتاؤں کہ میرے دادا اسکول آف آرٹ میں پڑھایا کرتے تھے۔ میرے والد ایک ٹیکنیکل اسکول میں ڈرائنگ سکھاتے تھے اور میرے پھوپھا نیشنل کالج آف آرٹ کے پہلے مسلمان پرنسپل تھے۔ اپنے دادا کے بارے میں بتاؤں کہ وہ اپنے ناخن سے کاغذ پر جو تحریریں لکھتے تھے وہ ''امپوز'' ہوجایا کرتی تھیں۔ یہ ٹیلنٹ تو ہمارے خاندان میں کسی کے پاس نہیں تھا میں البتہ اسکیچنگ بھی کرلیتا ہوں اور ہارمونیم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھی بچالیتا ہوں۔"

"اپنے معروف ڈراموں کے بارے میں بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ بہترین رول کون سا تھا؟"

"ایک سیریل کیا تھا "دن" کے نام سے۔ اس میں، میں نے "سردار دلاور" کا رول کیا تھا۔ اسے ایوب خاور نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ یہ میرا یادگار رول ہے۔ پھر ایک سیریل کیا تھا۔ "جنجال پورہ" یہ سیریل تو بہت زیادہ مقبول ہوا تھا اور اس میں جیسا کہ آپ کو بھی یاد ہوگا میں نے ایک خواجہ سرا کا رول کیا تھا۔"

"سنا تھا کہ آپ کی فیملی میں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا تھا کہ آپ اس طرح کا رول کریں؟"

"ہاں...... کسی نے تعریف کی، کسی نے اعتراض کیا، ملا جلا ردعمل تھا۔ مگر فن کار کو تو ہر طرح کے رول کرنے پڑتے ہیں اور کرنے بھی چاہئیں۔ یہ ہی ایک فن کار کا ہنر ہے اور جہاں تک ڈراموں کی بات ہے تو کافی ڈرامے کر چکا ہوں۔ فہرست لمبی ہے۔ مگر پھر بھی جو بہت مقبول ہوئے ان میں "دن" اور "جنجال پورہ" تو ہے اس کے علاوہ "خدا میرا بھی"۔ "ڈبل سواری" "اڑان" "لیڈیز پارک" "لیکن" "لنڈا بازار" "صدقے تمہارے" "عشق کی انتہا" اور آج کل "خانی" بہت پسند کیا جا رہا ہے۔"

"خانی" کے بارے میں بتائیں۔ آپ ایک سیاست دان کا رول کر رہے ہیں۔ ایک بارعب باپ...... کیا رسپانس مل رہا ہے۔؟"

"رسپانس بہت اچھا مل رہا ہے۔ "خانی" کی کہانی ــ آج کل کے ڈراموں سے بہت مختلف ہے۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے "خانی" میں کام کر کے۔"

"سیاست پہ بات ہو رہی ہے تو آپ کو ملک کی سیاست سے کوئی دلچسپی ہے؟"

"جس ملک کا حصہ ہیں ہم اور جو ملک ہمارا ہے، اس کی سیاست سے کافی لگاؤ ہے، لیکن مجھے سب لیڈروں نے بہت مایوس کیا ہے۔ سب خواب دکھانے والے لوگ ہیں۔ کہنے کو تعلیمی حد گریجویشن ہے۔ مگر لگتے نہیں ہیں۔ اسمبلیوں میں ڈاکٹرز، انجینئرز، قانون دان، پی ایچ ڈی اور اسکالرز کو ہونا چاہیے جو کہ نہیں ہیں۔ اس لیے ہمارے ملک کو جتنی ترقی کرنا چاہیے تھی، اتنی اس نے کی نہیں ہے۔"

"دیگر فن کاروں کی طرح دل چاہتا ہے کہ پڑوسی ملک سے آفر آئے؟"

"آئے بھی تو قبول نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ پہلے ہمیں اپنی چیزوں کو درست سمت میں لانا ہے۔ اب خدا خدا کرکے ہماری فلم انڈسٹری میں بہتری آئی ہے اور اچھی فلمیں بننے لگی ہیں اور جب ہمارے اپنے ملک میں اچھی فلمیں بننے لگیں گی تو ہمیں باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ ہمارے فن کاروں کے ساتھ پڑوسی ملک میں کچھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔"

"ماشاءاللہ سے آپ چالیس برس سے اس انڈسٹری سے وابستہ ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔ آپ کچھ کہیں گے اس بارے میں؟"

"آج اور کل میں بہت فرق آ گیا ہے۔ گزرے وقت میں صرف اور صرف کام پر توجہ ہوتی تھی۔ ریہرسل بہت ہوتی تھی، جب تک ڈائریکٹر مطمئن نہیں ہو جاتا تھا، کام شروع نہیں ہوتا تھا۔ پیسے کتنے ملیں گے، اس کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ کام پہ فوکس ہوتا تھا۔ اب سب کچھ اس کے برعکس ہے، اب کام پہ کم اور پیسوں پہ زیادہ فوکس ہوتا ہیں۔ جونیئرز کے بھی بہت نخرے ہوتے ہیں۔ اب کوئی زیادہ محنت بھی نہیں کرتا اب ڈراما غلط لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔"

"آپ کی پرفارمنس میں ورائٹی بہت ہوتی ہے۔ مشاہدہ کرتے ہیں یا مطالعہ کرتے ہیں؟"

"بس یہ خداداد صلاحیت ہے۔ اللہ کا مجھ پر خاص کرم ہے۔ میں بہت زیادہ مشاہدہ کرتا ہوں۔ اپنے کردار کی ریہرسل ضرور کرتا ہوں اور اپنے رول کا مطالعہ کر کے سیکھتا بہت ہوں۔ مطلب جو رول ملتا ہے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس پر بھرپور توجہ دیتا ہوں اور بہت محنت کرتا ہوں۔"
"مزاجاً کیسے ہیں؟"
"میں مزاج کا بہت سادہ ہوں، نرم ہوں...... غصہ آتا ہے، مگر کبھی کبھار...... اور بہت شدید آتا ہے۔ اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا ویسے کم ہی ہوتا ہے۔"
"اچھا...... لگتا تو نہیں کہ آپ کو غصہ آتا ہوگا؟"
"انسان ہوں...... ہر انسان کی طبیعت میں غصہ ہوتا ہے اور یہ سب کچھ نیچرل ہے۔ بس مجھ سے جھوٹ اور غلط بیانی برداشت نہیں ہوتی۔"
"یہ احساس تو بہت ہوتا ہوگا کہ میں ایک وراسٹائل اور بڑا فن کار ہوں؟"
"ارے نہیں...... ایسا کبھی نہیں سمجھا اپنے آپ کو...... طبیعت میں غرور بالکل نہیں۔ گھر سے بن سنور کر یا ٹپ ٹاپ سے نہیں نکلتا۔ سادہ لباس، سادی چپل، بلکہ گھر میں رف ٹف ہوتا ہوں تو اس حالت میں گھر سے باہر چلا جاتا ہوں۔ اللہ کے دیے پر شکر کرتا ہوں، غرور نہیں۔"
"ایک پرسنل سوال...... آپ نے دو شادیاں کی ہیں، اور کیوں؟"
"کیوں کی بات نہ کریں۔ ہاں میں نے دو شادیاں کی ہیں اور پہلی شادی چوبیس سال کی عمر میں ہوئی۔ لو میرج تھی۔ امبرین نام ہے اور امبرین میری فین تھی۔ میری ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے، ایک بیگم لاہور کی ہے اور ایک کا تعلق کراچی سے ہے۔"
"ہوں...... مسئلے مسائل تو ہوتے ہوں گے؟"
"وہ تو ہر گھر میں ہوتے ہیں اور ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ گاڑی کے دو پہیوں کو بیلنس کے ساتھ چلنا چاہیے۔ اپنی غلطی کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ سوری کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرنا چاہیے اور میاں، بیوی کو ایک دوسرے کی ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔"
"گھر کے کاموں میں بیگمات کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟"
"بالکل بٹاتا ہوں۔ کبھی کبھار کپڑے بھی استری کر دیتا ہوں۔ ناشتا بھی بنا دیتا ہوں۔ بیگم کی طبیعت ناساز ہو تو گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹا دیتا ہوں اور دونوں بیگمات کی خواہشات وفرمائشوں کا بھی احترام کرتا ہوں۔"
"آپ کی کوئی دیرینہ خواہش؟"
"میں ایک عدد مرسیڈیز گاڑی لینا چاہتا ہوں۔ دیکھیں کب یہ خواہش پوری ہوتی ہے۔"
"زندگی سے کوئی شکوہ؟"
"نہیں، بالکل نہیں، بہت اچھی زندگی گزاری ہے اور گزار رہا ہوں۔ اللہ نے بہت کرم کیا ہوا ہے۔ بہت رحمتیں ہیں اس کی۔ میری زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔"
"لوگ کہتے ہیں اور دیکھا بھی ہے کہ اچھا خاصا بندہ شادی کے بعد بدل جاتا ہے۔ آپ بدلے؟"
"میرا نہیں خیال کہ میں بدلا ہوں۔ یہ بات تو خیر دوسرے ہی بتا سکتے ہیں۔ مگر اگر کوئی مجھ سے کہے کہ آپ بدل تو نہیں گئے تو میں تو یہ ہی کہوں گا کہ میں نہیں بدلا۔ پہلے کی طرح دوستوں سے ملتا ہوں۔ ان کے ساتھ گپ شپ لگاتا ہوں اور لائف کو انجوائے کرتا ہوں۔
"اللہ نے بہت نوازا آپ کو، کبھی دل ڈرتا ہے کہ اللہ یہ نعمتیں واپس نہ لے لے؟"
"سب کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ وہ اگر واپس لے لیتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ زندگی میں بہت نقصان اٹھائے۔ گھر میں ڈکیتی ہوئی۔ راہ چلتے لوٹے گئے۔ پھر اللہ نے دوبارہ دے دیا۔ بس یہ اس کا کرم ہے۔ لیتا ہے تو دیتا بھی ہے اور دیتا ہے تو لے کر آزمائش بھی کرتا ہے۔"
اور اس کے ساتھ ہی ہم نے محمود اسلم سے شکریہ کے ساتھ اجازت چاہی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ عام لائف سے ہٹ کر کچھ کروں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میرے کردار ذرا مختلف ومنفرد ہوتے ہیں۔"

"آج کل تمہاری مستقل رہائش امریکہ میں ہے۔ پاکستان آتی ہو تو کہاں ٹھہرتی ہو اور اپنے ٹکٹ پر آتی ہو؟"

"نہیں...... مجھے باقاعدہ بلایا جاتا ہے میں آتی ہوں۔ مجھے کام کی آفر ہوتی ہے، کردار کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ تو میں یہاں پاکستان آتی ہوں اور اپنی نانی کے گھر قیام کرتی ہوں۔ اور مکمل ہو جاتا ہے جب میرا کام تو واپس چلی جاتی ہوں۔"

"امریکہ سے آ کر پاکستان کی کون سی بات تھوڑی بری لگتی ہے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ تم نے یہاں پاکستان میں گزارا ہے؟"

"پاکستان تو اپنا دل جگر سب کچھ ہے، پاکستان تو کبھی برا لگ ہی نہیں سکتا۔ بس یہاں کا نظام حکومت غلط ہے اور غلط کوئی اور نہیں، ہم خود ہیں جو یہاں کے قوانین کی پابندی نہیں کرتے۔ ہماری ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم نہ وقت کی قدر کرتے ہیں نہ ہی وقت کی پابندی کرنے والوں کی۔ جو وقت کی پابندی کرتا ہے اسے عجیب عجیب سی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔"

"امریکہ میں کوئی جاب کرتی ہو یا مزے کرتی ہو؟"

"مزے بھی کرتی ہوں اور جاب بھی کرتی ہوں۔ امریکن ریڈیو چینل کے ایک شو "سلام نمستے" کی آر جے ہوں۔ اور بہت اچھا لگتا ہے اس پروگرام

دستک دستک دستک

شاہین رشید

یمنیٰ زیدی

"کیا حال ہے یمنیٰ؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"ڈر سی جاتی ہے صلہ۔" میں بہت اچھی پرفارمنس ہے تمہاری، تمہیں کیا رسپانس مل رہا ہے؟"

"الحمدللہ بہت اچھا رسپانس مل رہا ہے۔"

"مشکل ہوئی؟"

"نہیں...... کوئی خاص نہیں...... حالانکہ رول کافی مشکل تھا۔ مگر مجھے مشکل رول ہی اچھے لگتے ہیں۔ اس لیے مجھے اس سیریل میں کام کر کے بہت مزہ آیا۔"

"عام رول جیسا رول ہے یا کچھ مختلف لگا؟"

"اب تک جتنے بھی کردار کیے، ان سب سے بہت مختلف رول ہے۔ اس لیے مجھے کر کے اچھا لگا۔

www.urdusoftbooks.com

کو کر کے۔"

"وہاں امریکہ میں کیا روٹین ہے تمہارے کام کی یا صبح کے آغاز کی؟"

"جناب وہاں کی روٹین کچھ یوں ہے کہ صبح اٹھ کے ہاتھ منہ دھو کے واک کے لیے نکل جاتی ہوں۔ واپس آ کر سیر ہو کر پانی پیتی ہوں اور اس کے بعد پھل کھاتی ہوں۔ پھر موبائل چیک کرتی ہوں کہ کتنی مس کالز ہیں، کتنے میسجز ہیں۔ بس پھر اپنے دیگر کام جو ڈیلی روٹین کے ہیں، وہ کرتی ہوں۔"

"امریکہ میں ریڈیو کی آر جے بننا کیسا لگ رہا ہے؟"

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے میں اپنے آپ کو دریافت کر رہی ہوں۔ ایک نیا تجربہ ہے کام کا اور یہ تجربہ بہت اچھا ہے۔"

"ڈرامے سے بھی زیادہ اچھا لگ رہا ہے؟"

"ڈرامے کی اپنی کلاس ہے اور آر جے کی اپنی' دونوں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ آر جے کا کام گھنٹے دو گھنٹے کا ہوتا ہے جبکہ ڈراما ایک لحاظ سے فل ٹائم جاب ہے...... بہت جان مارنی پڑتی ہے کرداروں میں جان ڈالنے کے لیے۔"

"زمیندار فیملی سے تعلق ہے۔ فیلڈ میں آنے کے لیے اختلافات کا سامنا تو کرنا ہی پڑا ہو گا؟"

"والدین نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا، ہنسی خوشی اجازت دے دی بلکہ سپورٹ بھی بہت کیا۔ ہاں...... البتہ "نانی" نے بہت شور مچایا۔ امی سے بھی ناراض ہوئیں کہ تم نے اجازت کیوں دی۔ مگر اب

...... اب سب کو فخر سے بتاتی ہیں کہ "یمنیٰ زیدی" میری نواسی ہے...... اس وقت میں اپنے والدین کی بہت ممنون ہوتی ہوں کہ انہوں نے نہ صرف مجھے سپورٹ کیا، میرے کام کو پسند کیا، میری حوصلہ افزائی کی...... اگر میرے والدین خاص طور پر میری امی ان کا کہنا مان لیتیں تو میں آج اس فیلڈ میں نہ ہوتی۔"

"اس فیلڈ میں آنا پلاننگ کے تحت تھا؟"

www.urdusoftbooks.com

عمران ڈائجسٹ
Emale: id@khawateendigest.com
اپریل
2018

آزادی
قدم قدم موت بنتی لہو لہو موت کا خوف' سانحہ 1971 کے پس منظر میں لکھی گئی ایک جنگی قیدی کی داستان
دفاعی تجزیہ نگار اکرام سہگل کے سلسلے کی ایک اور کڑی،

سراب
جرم کا راستہ اختیار کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ ان سے اس راستے میں کوئی بھول بھی ہو سکتی ہے
ایم اے راحت کی ایک بہترین تخلیق،

گردش دوراں
خوش حالی اور طاقت کا گھمنڈ انسان کو مغرور اور ظالم بنا دیتا ہے
جاوید راہی کی موثر کاوش،

آرزوئے
محبت میں انسان فرشتہ بھی بن سکتا ہے اور سر سے پیر تک انتقام بھی
مبین شیخ کا خوب صورت انداز،

رنگ
محبت کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے ایک شخص کا سفرنامہ
سید محمد اشرف کی ایک رومانوی تحریر،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"نہیں...... نہیں...... میں کوئی پلاننگ کے تحت نہیں آئی۔ جب بھی پلاننگ کرکے کام کرنے کی کوشش کی۔ ناکام ہی ہوئی۔"

"پھر اچانک اس فیلڈ میں آئیں؟"

"جی...... اچانک ہی سمجھیں...... میٹرک کی طالبہ تھی تو عفان وحید صاحب نے ایک ڈرامے میں ایک چھوٹا سا رول آفر کیا...... میں نے قبول کرلیا...... پرفارم بھی کردیا...... اس کے بعد امین اقبال (ڈائریکٹر) نے آفر دے دی...... اور سلسلہ چل پڑا اور چل رہا ہے۔"

"اچھا لگا...... یا خواہش تھی؟"

"خواہش تھی ٹی وی اسکرین پر آنے کی۔ ڈرامے میں آنے کی نہیں۔ کیونکہ میں نے "نیوز" کے لیے اور "نیوز اینکر" کے لیے آڈیشن دیے۔ کبھی اداکاری کے لیے نہیں دیا۔ اور اداکاری کی نہ صرف آفر آگئی بلکہ آڈیشن بھی نہیں ہوا۔ یوں اتفاق ہوتا ہے، لائف میں انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔"

"پلاننگ نہیں کرتیں، فیوچر کے بارے میں نہیں سوچتیں تو پڑھائی کی پلاننگ کیسے کی؟"

"پڑھائی تو کرنی تھی۔ پلاننگ کے تحت نہیں کی۔ بلکہ شوق کے تحت کی ہے۔ اور مجھے چونکہ انٹیریر ڈیزائنر بننا تھا سو میں نے انٹیریر ڈیزائننگ میں ماسٹرز کرلیا۔"

"کام آئی؟"

"جاب نہیں کی...... لیکن کام تو آتی ہی رہتی ہے۔ اور جاب کی فی الحال ضرورت نہیں کہ اداکاری سے فرصت نہیں...... اور ریڈیو سے بھی فرصت نہیں۔"

"یمنیٰ! اب تم بڑی ہوگئی ہو...... ہے نا......؟"

ہنستے ہوئے...... "جی کیا کروں رشتے تو آتے ہیں پر ابھی نصیب کھلا نہیں کہ میرا ابھی فی الحال ارادہ نہیں ہے شادی کا۔"

"کسی کا انتظار ہے یا آئیڈیل کی تلاش ہے؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ جب قسمت کچھ کام کروانا چاہتی ہے تو انسان کا دل ودماغ سب کچھ بدل جاتا ہے...... اور یہ بات اچھی لگنے لگتی ہے۔"

"سیٹ پر ایزی ہو کے جاتی ہو یا ٹینشن ہوتی ہے؟"

"میں تو جب بھی سیٹ پر جاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ جیسے آج میرا پہلا دن ہے۔ اور مجھے یہی لگتا ہے کہ پتا نہیں میں صحیح طرح پرفارم بھی کرپاؤں کی یا نہیں۔"

"ابھی تک خود اعتمادی نہیں آئی؟"

"ایسا نہیں ہے۔ خود اعتمادی تو ہے، مگر پھر بھی ڈر لگتا ہے کہ کچھ غلط نہ ہوجائے۔"

"ابھی یہ حال ہے تو جب پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تھا تو کیا حال تھا"

"ارے، آپ حیران ہوں گی کہ اس وقت تو بالکل بھی نہیں گھبرائی تھی اور بہت اچھی طرح کام کیا تھا۔ اصل میں کیمرے سے نہیں گھبراتی بلکہ اس بات سے گھبراتی اور ڈرتی ہوں کہ کچھ غلط نہ ہوجائے۔"

"سب لوگ پڑوسی ملک کی فلموں میں کام کررہے ہیں اور تم؟"

"آپ یقین کریں کہ مجھے اپنے ملک کی فلم انڈسٹری سے بھی اور پڑوسی ملک سے بھی آفرز آچکی ہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ مجھے ایسی فلم میں کام کرنا چاہیے جو شعیب منصور جیسی "بول" جیسی فلمیں بنائیں ورنہ میں بولڈ کردار والی فلم میں کام نہیں کروں گی۔ مجھے چھوٹی اسکرین میں ہی رہ کر کم مگر اچھا کام کرنا ہے۔"

☆☆☆

هانیه عامر

"کیا حال ہے جی؟"

"ٹھیک...... آپ سنائیں۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ڈراما سیریل "پھر وہی محبت" میں آپ کی پرفارمنس بہترین تھی۔ اسی کو دیکھ کر آپ سے رابطہ کیا۔"

"اچھا.....شکریہ.....!"

"فیلڈ میں آنا محض اتفاق ہے یا شوق؟"

"بالکل اتفاق ہے..... اگرچہ مجھے اس فیلڈ سے دلچسپی تو بہت تھی مگر اس فیلڈ میں جانا کیسے ہے، مجھے نہیں معلوم تھا۔ بس میں تو ایسے ہی ویڈیوز بنا کر فیس بک پر وائرل کر دیا کرتی تھی۔ اور یہ ویڈیوز کسی فلم پروڈیوسر نے بھی دیکھ لیں اور مجھ سے رابطہ کیا..... اور مجھے اپنی فلم "جاناں" کے لیے بک کر لیا۔"

"اچھا.....گڈ!"

"جی..... میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے راستے خود ہموار کر دے گا اور میں اتنی آسانی سے فیلڈ کا حصہ بن جاؤں گی۔"

"فلم کا کیا رسپانس ملا..... سینئرز نے تعاون کیا؟"

"جی..... سینئرز نے بہت تعاون کیا۔ اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔ فلم کا تجربہ اچھا رہا۔ فلم بھی کامیاب رہی۔ تو میں پہلے فلم اسٹار بنی اور پھر ٹی وی اسٹار بنی۔"

"فلم میں ہیروئن کی بہن کا رول کیا۔ اگر آئندہ بھی ایسے رول ملے تو؟"

"ارے نہیں..... وہ تو ابتدا تھی۔ اداکاری کا تجربہ بھی نہیں تھا..... مگر اب اگر آفر آئی تو یقیناً سیکنڈ ہیروئن کا رول نہیں لوں گی۔ بلکہ لیڈ رول لوں گی۔ اور میرا رول دیگر پروڈیوسرز اور ڈائریکٹر کو پسند آیا تب ہی تو مجھے مزید کرداروں کی آفر ہوئی۔"

"پھر وہی محبت" میں آپ کا کردار بہت عمدہ تھا۔ اب اس فیلڈ میں کہاں تک جانے کا ارادہ ہے؟"

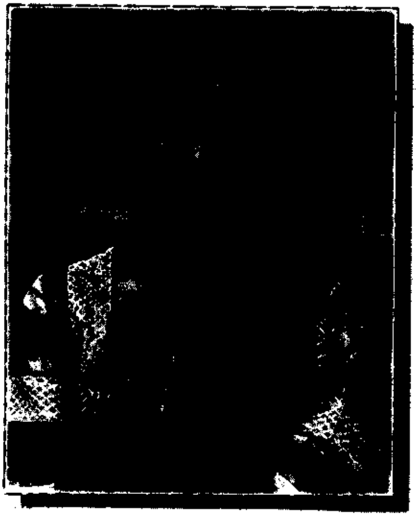

"بہت آگے تک جانا ہے۔ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا ہے جو فلم "جاناں" کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی..... میں نے اپنا گریجویشن مکمل کرنا ہے۔ مجھے فیشن شوز کی بھی آفرز آرہی ہیں۔ ان شاء اللہ ریمپ پر بھی آؤں گی..... ریمپ پر "برائیڈل" واک کی آفرز بھی ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ میں ریمپ پر ہر طرح کی ماڈلنگ کروں اور آپ کو دلچسپ بات بتاؤں کہ مجھے سوشل میڈیا پر شادی کی آفرز بھی آچکی ہیں۔ لیکن میں نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔ کیونکہ فی الحال میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"چلو..... جب اللہ کو منظور ہوگا ہو جائے گی۔ فی الحال تو شوبز کی فیلڈ کو انجوائے کرو۔"

سرورق کی شخصیت

ماڈل ـــــ صائمہ انصار
میک اپ ـــ روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ـــ موسیٰ رضا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

فیض بخش

اس سلسلے میں آپ نے اکثر شہری اور پڑھی لکھی لڑکیوں کا احوال پڑھا ہے۔ آج ایک دیہات کی ان پڑھ خاتون کو پڑھیے۔ کشیدہ کاری والے کپڑے بیچنے ایک خاتون ہمارے ہاں آتی ہے اس سے بطور مشغل میں نے سوال کیے۔ اس نے یہ دلچسپ جواب دیے' یہ ایک ان پڑھ سی دیہاتی لیکن عقل مند عورت کے جواب ہیں جو لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتی۔ اسے رسالے میں چھپنے وغیرہ کا بھی پتا نہیں۔ لیکن جواب دل چسپ ہیں۔

س: شادی کب ہوئی ؟

ج: شادی 1982ء میں ہوئی۔

س: شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دل چسپیاں تھیں؟

ج: شادی سے پہلے گھر کے کام کاج' سلائی کڑھائی اور گھر داری کے مشاغل تھے' اسکول میں پڑھنے کا تو ہماری فیملی میں رواج ہی نہیں تھا' سب لڑکیاں یہی کچھ کرتی تھیں۔

س: اس رشتے میں آپ کی مرضی شامل تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟

ج: ہمارے قبیلے میں لڑکیوں سے پوچھنے کا رواج ہی نہیں تھا' جہاں ماں باپ نے چاہا بیاہ دیا' اس لیے سو فی صد بزرگوں کا فیصلہ تھا میں تو ان کے نام سے بھی واقف نہیں تھی۔ شکل وصورت دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بلکہ مزے کی بات یہ کہ میرے والد نے بھی لڑکے کو نہیں دیکھا تھا' پھپھو نے رشتہ کروایا تھا' لڑکے کی عادات اور شکل وصورت کی تسلی کروائی تھی۔

س: ذہن میں جیون ساتھی کے حوالے سے کیا تصور تھا اور کیا خوبیاں تھیں جو آپ اپنے جیون ساتھی میں دیکھنا چاہتی تھیں؟

ج: ذہن میں تھا کہ جیون ساتھی بے شک حسین شہزادہ نہ ہو۔ لیکن قبول صورت ضرور ہو' شریف اور نیک انسان ہو تعلیم کا خانہ تو اس کا بھی خالی تھا۔ نکاح کے وقت یہ دلچسپ صورت حال سامنے آئی' مولانا نے پوچھا "فیض بی بی تمہیں فیض بخش قبول ہے؟"

اس اتفاق پر سب ہنس پڑے میں خود حیران رہ گئی۔

س: منگنی کتنا عرصہ رہی' شادی سے پہلے فون پر بات ہوئی یا ملاقات ہوئی؟

ج: ہم دیہات میں رہتے تھے' ہمارے گھر فون نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ منگنی چھ ماہ رہی لیکن کسی قسم کا رابطہ نہیں ہوا اور نہ ہی اس وقت یہ رواج ہوتا تھا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بلکہ منگیتروں سے سخت پردہ کیا جاتا تھا۔ چونکہ والد صاحب نے انہیں نہیں دیکھا تو میری سہیلیاں مجھے چھیڑتی تھیں۔ کبھی لنگڑا کر چلتیں۔ کبھی ایک آنکھ بند کرلیتیں اور کہتیں کسی نے دیکھا تو نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے وہ لنگڑا یا کانا ہو‘ میں خاموشی سے ان کے مذاق سہتی رہتی۔

س: شادی سے پہلے سسرال کے بارے میں کیا خیالات تھے؟

ج: شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں اچھا سنا تھا‘ سننے میں آیا تھا کہ سسرا انتہائی شریف انسان ہیں‘ ساس صاحبہ البتہ تیز مزاج ہیں۔ یہ سوچ لیا تھا کہ سسرال پھولوں کی سیج نہیں ہوتی‘ شوہر اچھا ہوگا تو گزارہ ہو ہی جائے گا۔

س: شادی سے پہلے آپ کو تعلیم چھوڑنی پڑی یا کوئی اور قربانی دینا پڑی؟

ج: میں ان پڑھ بلکہ چٹی ان پڑھ تھی تعلیم کی تو کوئی قربانی تھی ہی نہیں صرف یہ ہوا شہر سے دیہات میں شادی ہوگئی جہاں بجلی‘ گیس وغیرہ کی کوئی سہولت نہیں تھی۔ ذرائع آمدورفت بھی ناپید تھے‘ ریلوے اسٹیشن ہمارے گاؤں سے دو میل دور تھا‘ ٹرین سے اتر کر دو میل پیدل آنا پڑتا تھا‘ یہ قربانیاں تھیں‘ لالٹین‘ دیا جلایا۔ آگ پہ روٹیاں اور سالن پکایا۔ دھوئیں نے زچ کیا۔

س: شادی بخیر وخوبی انجام پائی یا رسموں کے دوران لین دین کے معاملے میں کوئی بدمزگی ہوئی؟

ج: شادی بخیر وخوبی انجام پائی‘ میرے والد نے ایک کنال زمین حق مہر میں لکھوائی‘ میرے سسر نے بخوشی لکھ دی۔ ہمارے سرائیکیوں میں اکثر وٹہ سٹہ کی شادیاں ہوتی ہیں میرا کوئی وٹہ نہیں تھا لہٰذا زمین خوشی سے لکھ دی۔

س: شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟

ج: شوہر صاحب بولے تھے شکر ہے تم قبول صورت ہو ورنہ ایک مرتبہ کسی شادی کے موقع پر اپنی چھوٹی سالی کو دیکھ کر تو پریشان ہوگیا تھا کہ بیگم صاحبہ بہن جیسی نہ ہوں‘ میری چھوٹی بہن چھوٹے قد کی عام سی صورت والی ہے۔

س: شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج: کوئی خاص تبدیلی تو نہ آئی لیکن لالٹین اور دیے سے واقفیت ہوگئی‘ بغیر بجلی پنکھے کے رہنا آگیا۔ ہاتھ والے پنکھے کی عادت بنانی پڑی پہلے پہل آگ جلانی مصیبت لگتی تھی لیکن پھر عادی ہوگئے‘ رہنا تو اسی گھر میں تھا‘ چاہے ہنس کے رہو یا رو کر وقت گزارو۔

س: شادی کے کتنے عرصے بعد کام کاج سنبھالا؟

ج: آپ حیران ہوں گے شادی کے تیسرے دن ہی سالن پکانے کا حکم ملا‘ چونکہ رشتہ کروانے والی پھپھو نے میری خانہ داری اور سلیقے کی بہت تعریف کررکھی تھی۔ کہا بہت تعریف سنی ہے پکاؤ‘ دیکھیں کیا پکاتی ہو۔

س: میکے اور سسرال کے کھانے کے ذائقے اور انداز مختلف محسوس ہوئے؟

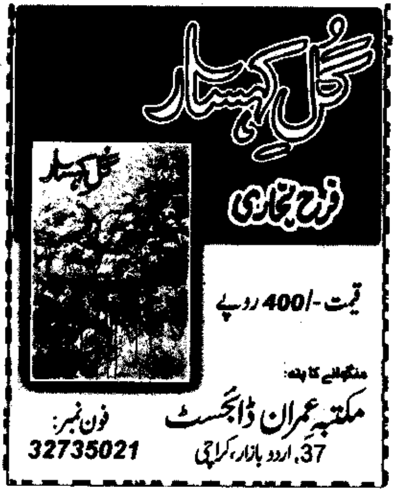

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ج: میکے اور سسرال کے کھانوں میں فرق تو تھا لیکن میری ساس صاحبہ کھانا مزے دار پکاتی تھیں۔ میری جٹھانی میری ساس کی نگاہ میں کھانا پکانے میں فیل تھی لیکن میں ان کی ٹکر کی تھی' میرے کھانے کی تعریف ہوتی تھی۔

س: میکے اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق محسوس ہوا؟

ج: ہمارے میکے کا ماحول انتہائی سلجھا ہوا تھا۔ ہم بہت سی بہنیں تھیں بھائی ایک تھا۔ اس لیے بیٹیوں والے گھر میں جس طرح شرافت اور تہذیب ہوتی ہے وہ تھی' سسرال کا ماحول بہت کھلا ڈلا تھا بعض دفعہ بہت شرم آتی تھی۔ پردے داری کی باتیں بھی کھلے عام کر دی جاتیں' شرم سے سر جھک جاتا' وائے مجبوری۔

س: سسرال میں کن باتوں پر تعریف اور کن باتوں پر تنقید کا سامنا کرنا پڑتا تھا؟

ج: کھانا پکانے' صفائی ستھرائی کی تعریف ہوتی تھی لیکن ساس صاحبہ صابن ضائع کرنے' روزانہ لباس دھونے وغیرہ پر اعتراض کرتی تھیں' دیکھا جائے تو صاف ستھرا رہنے کے لیے صابن تو خرچ ہوتا ہی ہے۔

س: سسرال والوں نے آپ کو وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا' سسرال میں گھریلو معاملات میں آپ کی رائے کو کتنی اہمیت دی جاتی تھی؟

ج: جٹھانی ست اور کاہل تھی' سلیقے طریقے سے کوسوں دور تھیں۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھ اور عقل عطا کی ہے' اس لیے گھریلو معاملات میں مجھ سے مشورے ضرور کیے جاتے تھے کیونکہ میرے مشورے صائب ہوتے تھے۔

س: سسرال والوں سے توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟

ج: سسرال تو سسرال ہوتا ہے' ساس' ماں نہیں بن سکتی لیکن میں نے اپنے جس تدبر سے ان کے ساتھ گزارہ کیا' ان کی سخت کڑوی کسیلی باتیں برداشت کیں' کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا' ساس بھی پھر مٹھاس بنتی چلی گئی۔

س: بچوں کی پیدائش عورت کی زندگی کا بہت بڑا امتحان ہے خصوصاً پہلا بچہ؟

ج: میرا پہلا بچہ تو ہمارے ہاں کی رسم کے مطابق میکے میں ہوا' پہلا پہلا بیٹا بہت خوشگوار تجربہ تھا۔ سسرال والے ساس، سسر، خاوند سب سن کر دوڑے چلے آئے' خوب جھومر بھنگڑے ڈالے' مٹھائیاں تقسیم کیں لیکن میرے لیے میرا دوسرا بچہ مسئلہ بنا' کچھ پیچیدگی ہو گئی' میں تین دن درد سے تڑپتی رہی' دائی نے جواب دے دیا لیکن ظالم ساس اڑی رہی' کہنے لگی ہمارے بچے تو انہی دائیوں کے ہاتھوں ہوتے ہیں' یہ مہارانی انوکھی ہے آخر اسی ضد میں میرا بچہ پیٹ کے اندر مر گیا پھر مجھے اسپتال لایا گیا۔

س: آپ جوائنٹ فیملی سسٹم سے اتفاق کرتی ہیں یا علیحدہ رہنا پسند کرتی ہیں؟

ج: ویسے جوائنٹ فیملی سسٹم اچھا ہے اس کے فوائد بھی بہت ہیں لیکن سسرال کے گھر مختلف گھرانوں کی لڑکیاں دیورانیاں جٹھانیاں بن جاتی ہیں۔ ہر ایک کا مزاج مختلف ہوتا ہے پھر آپس میں ٹھن جاتی ہے تب علیحدہ ہونا ٹھیک ہے۔

س: آپ نے سسرال کے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی' کس حد تک کامیاب ہوئیں؟

ج: سسرال کے ماحول کو حتی الامکان بہتر بنانے کی کوشش کی۔ بڑے جیٹھ ظالم قسم کے انسان تھے۔ بیوی کو مارتے پیٹتے' گالیاں دیتے انہیں عزت اور ادب سے سمجھایا' کچھ سدھر گئے۔ گالی گلوچ اور واہیات گفتگو سسرالیوں کا وطیرہ تھا۔ انہیں بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کی' کافی حد تک مثبت اثر ہوا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اس گندے ماحول میں رہ کر میرے میاں سب سے ہٹ کر سوبر اور سلجھے تھے۔ جس مولانا سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی ان کی صحبت کا اثر ہے۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

صائمہ اکرم چوہدری

شہزاد

شہزاد غیر معمولی حسن کی مالک نہیں تھی لیکن حالات کی تلخیوں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنادیا تھا، اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو دل کشی عطا کی تھی۔

ٹرین میں ایک عورت اور مرد سفر کر رہے تھے ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو احساس تھا کہ موت ان کے تعاقب میں ہے ان کے تمام گھر والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو ماں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو کسی جگہ چھوڑ دے تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچے کو ایک بینچ کے نیچے رکھ دیا اور خود ٹرین کی پٹڑی پار کرتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گئی۔

میر ہاؤس میں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد ہے۔
محتشم علی خان ایم این اے ہیں، ان کے تین بیٹے وہاج، برہان اور شاہ میر ہیں۔ بیٹی ایک ہی ہے جس کا نام درشہوار ہے۔ خاقان علی نے دو شادیاں کی ہیں، پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ ہیں۔ بیٹے کے لیے انہوں نے

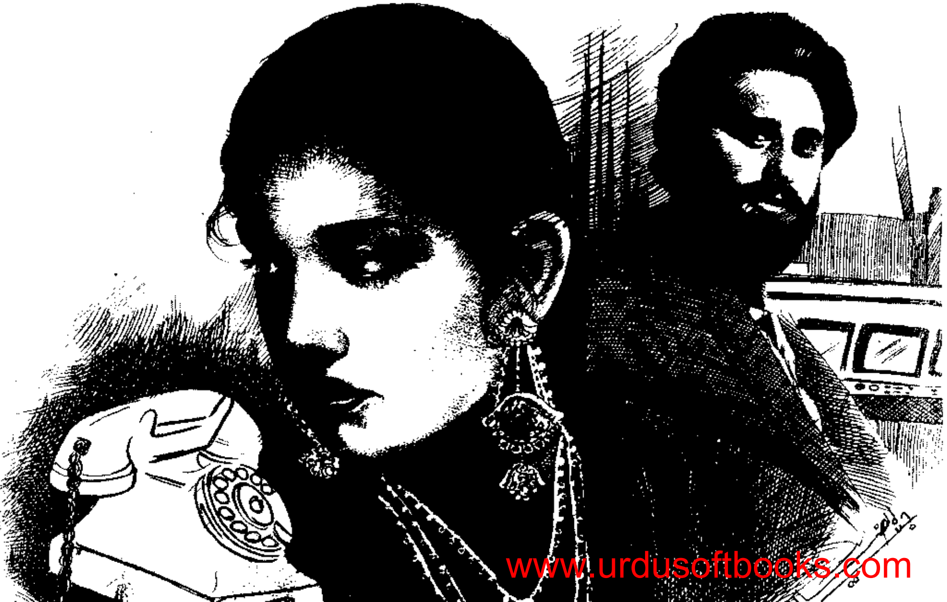

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ندرت بیگم سے دوسری شادی کی لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

خاقان علی کی بہن فوزیہ اور ان کے شوہر ایک فضائی حادثے میں چل بسے تو، تو ان کے دونوں بچے نمیرہ اور ارسل کی پرورش ندرت بیگم نے کی ہے۔ نمیرہ کو لگائی بجھائی کی عادت ہے۔

ان کے گھر کے سامنے جنگل ہے جہاں طوبیٰ اور درشہوار امتحان میں کامیابی کے لیے برگد کے درخت پر دھاگا باندھنے رات کو جاتی ہیں اور شاہ میر انہیں پکڑ لیتا ہے۔ شاہ میر گھر والوں کے سامنے ان کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے جس کی بنا پر ان کو گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔

انابیہ کا نکاح برہان سے ہو چکا ہے، لیکن برہان کا سرد رویہ اسے افسردہ کرتا ہے۔

ٹینا بیگم فیشن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں، دو شادیاں ناکام ہو چکی تھیں، آج کل وہ تیسرے شوہر سے جان چھڑانے کے چکر میں تھیں۔ معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے ساتھ ان کا نام لیا جا رہا تھا۔

پہلے شوہر سے ان کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی شہرزاد جسے اعلاتعلیم کے لیے انہوں نے باہر بھجوا دیا تھا۔ رومیصہ چھوٹی تھی اور اس کی اپنی ماں سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ ان کے آئے دن کے اسکینڈل اس کے لیے مسئلہ بنتے تھے۔

اس نے خودکشی کی دھمکی دے کر شہرزاد کو پاکستان آنے پر مجبور کر دیا۔ شہرزاد کی آمد ٹینا بیگم کو شدید ناگوار گزری۔

شہرزاد پاکستان آئی تو ایک پرانی فون کال نے اسے ڈسٹرب کر دیا۔ طوبیٰ اور درشہوار غلطی سے برابر والے گھر میں داخل ہوئیں تو پتا چلا کہ جو گھر پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا، وہاں محمد ہادی آ چکا ہے۔ محمد ہادی فاریسٹ آفیسر ہے، تعلق ایک امیر اور اعلاتعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ وہ اپنی دوست سعد کو بھی اپنے بنگلے میں لے آیا ہے۔

محتشم علی کا بیٹا وہاج شادی شدہ ہے لیکن گھر کی ملازمہ صندل پر بری نظر رکھتا ہے۔ رومیصہ نے گھر میں شدید توڑ پھوڑ کی اور ٹینا بیگم سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ شہرزاد اسے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیتی ہے۔

درشہوار اور طوبیٰ طوبیٰ محمد ہادی کے بنگلے میں جاتے ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑتی ہیں، محمد ہادی سختی سے

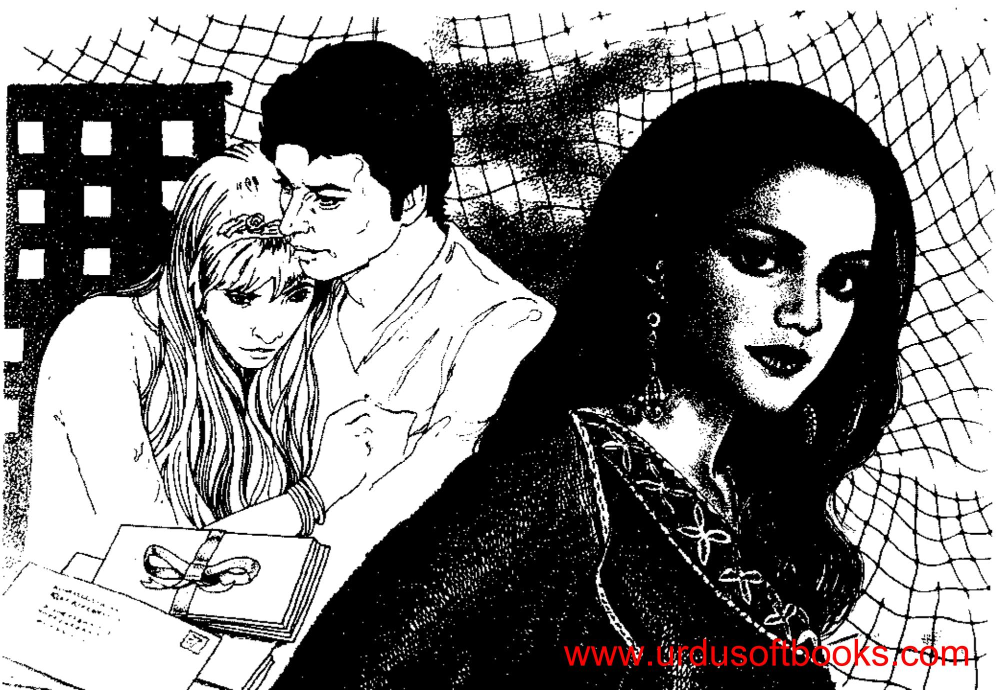

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پیش آتا ہے تو درشہوار اسے دھمکی دیتی ہے، ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔
یہ جان کر کہ منا ہل، ہادی کی بہن ہے درشہوار کا رویہ اس سے بدل جاتا ہے۔ منا ہل اور برہان کی بے تکلفی سے اسے انابیہ کے مستقبل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وقار درانی، شہرزاد کے پاس سمجھنے کے لیے آتے ہیں۔ ہارون رضا، سیفی کے فون سے مشتعل ہو کر ثنا بیگم کو طلاق دے دیتے ہیں۔ شجاع غنی کیس واپس لے لیتا ہے، اس بار پر ہادی اور شہرزاد بہت چراغ پا ہوتے ہیں مگر کچھ کر نہیں پاتے۔ رومیصہ اور وہ ایک گھر میں جا کر چھپتے ہیں جہاں رومیصہ اسے اپنے حالات و واقعات سے آگاہ کرتی ہے۔ دونوں کا نیا رشتہ قریب لے آتا ہے۔ یہ جان کر کہ شاہ میر طوبیٰ کو پسند کرتا ہے تاجدار بیگم کا غصہ گھر میں سب پر اترتا ہے۔ صندل کی بہن سندس کو طوبیٰ کی پرانی کتابوں سے اپنی بہن کا آخری خط ملتا ہے اور وہ حقیقت جان لیتی ہے۔
مونیکا، ذوالکفل کو مائیکل کی آمد سے آگاہ کرتی ہے، وہ اسے لاہور آنے کا مشورہ دیتا ہے۔

صندل کے گھر والے اس کی موت کی وجہ جان کر راتوں رات حویلی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ رومیصہ کو ارسل بحفاظت اس کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ شجاع غنی میر حاکم کی دھمکیوں کی وجہ سے کیس واپس لے لیتا ہے، شہرزاد کو یہ جان کر صدمہ ہوتا ہے، ہادی کو بھی غصہ آتا ہے اور اسی وجہ سے اسے درشہوار مزید بری لگتی ہے۔
انابیہ، درشہوار اور منا ہل کی بے تکلف گفتگو سن کر صدمے کا شکار ہو جاتی ہے اور درشہوار اور برہان کے ساتھ بے رخی

مسز قریشی کے ڈنر میں برہان اور درشہوار کو دیکھ کر ہادی کو دھچکا لگتا ہے۔ وہ منا ہل کو اشاروں میں برہان سے دور رہنے کا کہتا ہے مگر وہ اس کی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ طوبیٰ اور نمیرہ کی باتوں سے برہان کو درشہوار اور ہادی کے بارے میں پتا چلتا ہے وہ اپنی ماں کو بتاتے ہیں اور درشہوار کی شادی ارسل سے کرانے کا مشورہ دیتے ہیں، اس رشتے پر داجی کو بھی اعتراض نہیں۔
ہم زاد، شہرزاد کو اپنی فیملی کے بارے میں بتاتا ہے۔ ارسل کی کوششوں سے روحیل کا دوست صارم خان، رومیصہ کے حق میں گواہی دیتا ہے جس سے کیس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ منال کو یونی ورسٹی میں برہان اور انابیہ کی شادی کا دعوت نامہ موصول ہوتا ہے۔

چودھویں قسط

”یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟“ اس نے دوبارہ کارڈ اٹھایا اور اپنی آنکھوں کو زبردستی مسل کر دیکھا۔
”برہان اور انابیہ!“ اس کی آنکھوں کے آگے دھند کی چادر سی تن گئی۔
وہ دل پر جبر کر کے اس کارڈ پر لکھے اس کے باقی فیملی ممبرز کے نام دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ بہہ نکلے۔
اتنے سالوں کی محبت کا ایک ایک لمحہ اس کا منہ چڑا رہا تھا، برہان کے کہے ہوئے ادھورے جملے، خوب صورت گفٹس اور ان گنت یادوں کا ایک جہان تھا جو باری باری فلم کی صورت میں اس کے دماغ کی اسکرین پر چل رہا تھا اور اسے اذیت کے سمندر میں دھکیل رہا تھا۔
منا ہل نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ شادی کارڈ اپنے بیگ میں ڈالا اور سائیڈ میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی گھونٹ میں پی گئی۔
اس کے وجود کے اندر ایک ان دیکھا لاوٴ جل اٹھا جس نے اسے باہر کے موسموں سے بے نیاز کر دیا تھا۔
”اتنا بڑا دھوکا...... اتنی بڑی غلط بیانی......“ اس کا دل اس تلخ حقیقت کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''برہان میرے ساتھ بھلا کیسے یہ کر سکتے ہیں۔'' کمرے میں گھٹن کا احساس ایک دم بڑھ گیا۔
''تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے اور یہ کارڈ اس کے منہ پر مارنا چاہیے۔'' دل سرکشی پر اتر آیا۔
''اس شادی کارڈ کے بعد بھی بھلا بات کرنے کی کوئی گنجائش بنتی ہے، کیا تم اپنے آپ کو اس حد تک گراؤ گی منا اہل!'' اس کے دماغ نے اسے لتاڑا۔
''اس سے پوچھنا تو چاہیے کہ آخر اس نے یہ سب تمہارے ساتھ کیوں کیا؟ کیا وہ تمہارے جذبات کے ساتھ کھیل رہا تھا؟'' دل پھر باغی ہوا۔
''اگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ ہمارے بیچ تو ایسا کچھ تھا ہی نہیں تو بتاؤ، تمہاری کیا اوقات رہ جائے گی۔'' دماغ نے ایک دفعہ پھر اسے پچھاڑ دیا اور منا اہل کو اپنی عزت نفس تو محبت سے بھی زیادہ عزیز تھی، تبھی وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔
ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے اسسٹنٹ کو اپنی خرابی طبیعت کا بتا کر جب وہ ڈیپارٹمنٹ سے نکلی تو اس کا سر حقیقتاً چکرا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پورے کیمپس کو آگ لگا دے یا ایک دفعہ تو پوری زمین کو پلٹ کر رکھ دے۔
''کس منہ سے ہادی کا سامنا کروں گی؟'' اس سوچ نے اس کے قدم سست کیے۔
''کیسے پاگلوں کی طرح وہ مجھے سمجھا رہا تھا اور میں نے ہی اس کی بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی تھی۔'' اس نے بے دردی سے بازو کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑا، وہ یہاں پر کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ایک سائیڈ پر کھڑی ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔
پانچ منٹ کے بعد وہ جب پارکنگ کی طرف جا رہی تھی تو خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ جیسے ہی وہ پارکنگ میں پہنچی، اس کی نظر اپنی اسٹوڈنٹس انابیہ اور کرن پر پڑی۔ وہ دونوں چھوٹی سی منڈیر پر بیٹھی ہوئی تھیں۔
کرن کے ہاتھ میں پکڑا وہ سلور گرے کلر کا انویٹیشن کارڈ منا اہل کو ایک دفعہ پھر اذیت میں مبتلا کر گیا۔ ان کے قریب پہنچتے ہی منا اہل کے قدم کچھ سست ہوئے۔
''السلام علیکم میم! کیسی ہیں آپ؟'' کرن نے بڑے بھرپور انداز سے اسے سلام کیا۔
''فائن۔'' منا اہل نے آنسوؤں کے گولے کو پورا زور لگا کر اندر کی طرف دھکیلا۔

''میم! ایک سرپرائز ہے، آپ کی اسٹوڈنٹ انابیہ کی رخصتی ہے سر برہان کے ساتھ۔'' کرن کی بات پر منا اہل ایک دم چونکی۔
''مبارک ہو انابیہ!'' نظریں چرا کر وہ بمشکل بولی۔
''تھینکس میم!'' انابیہ کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔
''کب ہوا تھا آپ کا نکاح؟'' اس نے دانستہ اپنا لہجہ لاپرواہ بنا کر اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔
''جب برہان ڈاکٹریٹ کے لیے انگلینڈ جا رہے تھے۔''
انابیہ کے اس جملے پر منا اہل کو لگا جیسے کسی نے مٹھی بھر سرخ مرچیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ اعتماد اور بھروسے کی بھاری بھرکم دیوار اس کے نازک وجود پر آن گری جو اس نے برہان کی محبت کے اردگرد قائم کر رکھی تھی۔
''میم! آپ تو آئیں گی ناں؟'' کرن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ منا اہل کا بازو پکڑ کر ابھی سے اسے شادی ہال میں پہنچا دے۔
''کوشش کروں گی۔'' منا اہل بمشکل مسکرائی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی اور اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انابیہ نے واضح انداز میں محسوس کیا۔

مناہل نے بمشکل گاڑی کو ریورس کر کے تیزی سے کیمپس سے نکالا، آنکھوں کے گرد تنی آنسوؤں کی چادر کی وجہ سے اسے سامنے کا راستہ دیکھنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ بار بار بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑ رہی تھی، اور جب ضبط کرنا بس سے باہر ہو گیا تو اس نے گاڑی ایک سائیڈ پر کھڑی کی اور اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ڈیش بورڈ میں رکھے سیل فون پر آنے والی برہان کی کال نے اس کی اذیت میں مزید اضافہ کیا، اس نے غصے سے فون اٹھایا اور غصے سے اس کی کال کاٹ کر اپنا فون ہی — بند کر دیا۔

☆☆☆

موسم کافی حد تک بدل چکا تھا۔

درختوں پر کھلنے والے شگوفے، بہار کی آمد کا کھل کر اعلان کر رہے تھے لیکن شہزاد کے سامنے بیٹھی ہوئی اس بچی کے چہرے پر خزاں کا راج تھا۔

سندس کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے اور چہرے پر بے بسی، غربت اور لاچاری کے رنگ اتنے نمایاں تھے کہ شہزاد کو مجبوراً اس کے پورے وجود سے نگاہ ہٹانی پڑی۔ اس کے دل پر گویا گھونسا ہی تو آن لگا تھا۔

''کیا نام بتایا تم نے؟'' شہزاد نے دوبارہ تصدیق کرنے کے انداز میں پوچھا۔

''وہاج محتشم!'' سندس کے چہرے پر نفرت کا ایک جہان آباد ہوا۔

''تم لوگوں کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟''

''صندل کا لکھا ہوا آخری خط......'' سندس نے ہاتھ میں پکڑا صفحہ احتیاط سے شہزاد کی طرف بڑھایا، جو اس نے جلدی سے تھام لیا۔

شہزاد کی نظریں جوں جوں اس صفحے پر پھسل رہی تھیں، ویسے ویسے اس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر بڑھتا جا رہا تھا۔ سندس آج وعدے کے مطابق شہزاد کے کمرے میں موجود تھی اور تھوڑی بہت تفصیل تو شہزاد پہلے ہی جان چکی تھی لیکن سیاق و سباق سے بیان کیا جانے والا یہ واقعہ میر فیملی کی پوری سیاست کو ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' رشیدہ مائی جو ٹرے میں کافی کا مگ لیے شہزاد کے کمرے میں آئی تھی، اپنی چھوٹی بیٹی کو وہاں دیکھ کر خوف زدہ ہوئی۔

''رشیدہ! آپ نے اپنی بیٹی کے قاتلوں کو اتنی آسانی سے معاف کر دیا؟''

شہزاد کے لہجے میں کچھ تھا، رشیدہ مائی کے ہاتھ میں ٹرے ہلکی سی لرزی اور اس نے گھبرا کر ٹرے میز پر رکھی، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''شیری بی بی، ہمارے اندر اتنا دم نہیں ہے کہ ان سے لڑ سکیں۔ اللہ ان سب کو غارت کرے۔''

''اس لیے تم نے سوچا کہ گھر بیٹھ کر بددعائیں دے کر اپنی بیٹی کا بدلہ لے لو گی۔''

''اللہ بہترین بدلہ لینے والا ہے بی بی! ہم بہت کمزور لوگ ہیں، اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔'' رشیدہ کی آنکھوں سے صاف خوف چھلک رہا تھا۔

''اور قیامت والے دن اپنی بیٹی کو کیا جواب دو گی، کیسے سامنا کرو گی اس کا؟'' شہزاد کے سنجیدہ انداز پر رشیدہ کی آنکھوں سے آنسو چھلکے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''وہ جانتی ہے کہ اس کے والدین میں اتنی طاقت نہیں کہ ظالموں کا گریبان پکڑ سکیں۔''

''جانتی ہو رشیدہ، تم جیسے مظلوموں کا یہی رویہ، ظالموں کو مزید ظلم کرنے کے لیے اکساتا ہے، کیا تم یہ چاہتی ہو کہ کسی اور کی بیٹی کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو تمہاری صندل کے ساتھ ہوا؟'' شہزاد نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''اللہ نہ کرے جی، کوئی ماں اس قیامت سے گزرے، مجھے تو صندل کی سسکیاں آج بھی سکون سے سونے نہیں دیتیں، میری راتوں کی نیند حرام ہو چکی ہے۔'' رشیدہ مائی نے اس دفعہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

''سکون کی نیند سونا چاہتی ہو تو تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

''آپ اماں ابا کو چھوڑیں، میں آپ کا ساتھ دوں گی، اس خبیث کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج کر ہی دم لوں گی۔'' رشیدہ سے پہلے اس کی بیٹی سندس بے تابی سے گویا ہوئی تو شہزاد نے جانچتی نگاہوں سے اس لڑکی کا چہرہ کھوجا، جس کے چہرے پر بدلہ لینے کی دھن سوار تھی۔

''ہوسکتا ہے ہمیں صندل کی ڈیڈ باڈی کا پوسٹ مارٹم کروانا پڑے، ہوسکتا ہے ہمیں اس کے لیے اس حد تک جانا پڑے، جو تم لوگوں کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو، لیکن میرا وعدہ ہے کہ میں ہر مرحلے پر تم لوگوں کا ساتھ دوں گی۔'' شہزاد نے انہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔

''میرے پاس سرکاری ہسپتال کی ڈاکٹرنی کی رپورٹ ہے، جو میں نے کسی کو نہیں بتائی تھی۔'' رشیدہ نے نظریں چرا کر کہا تو شہزاد چونکی، جبکہ سندس نے شکایت آمیز نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا، جو اتنا بڑا راز اپنے دل میں چھپائے بیٹھی تھی۔

''کہاں ہے وہ رپورٹ؟'' وہ بے تابی سے گویا ہوئی۔

''میرے ٹرنک میں، میں آپ کو لا کر دیتی ہوں۔''

رشیدہ مائی دس منٹ کے بعد ایک خاکی لفافے کے ساتھ آئی تو اس میں موجود رپورٹس دیکھ کر شہزاد کو حیرت کا دھچکا لگا، الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ کے ساتھ موجود دو تین ٹیسٹوں کی رپورٹس میر فیملی کے تابوت میں آخری کیلیں ٹھونکنے کے لیے کافی تھیں۔

ان دونوں سے تفصیلی بات چیت کرنے کے بعد شہزاد، رومیصہ کے بیڈ روم کی طرف آ گئی، ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل	قیمت: -/300 روپے
☆ زرد موسم	راحت جبیں	قیمت: -/1000 روپے
☆ حساب دل رہنے دو	نبیلہ عزیز	قیمت: -/400 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی، رومی نے بڑی پھرتی سے سیل فون اپنے کانوں سے ہٹا کر کال منقطع کی۔ وہ شاید نہیں یقیناً کسی سے بات کر رہی تھی، اس کے چہرے پر پھیلنے والی اس بوکھلاہٹ کو شہرزاد نے بطور خاص نوٹ کیا۔

''آؤ شیری! ماما کیسی ہیں اب؟'' رومیصہ نے اپنے تاثرات کو بڑی تیزی سے نارمل کیا۔

''پہلے سے کافی بہتر ہیں وہ اور مجھے لگتا ہے دو چار دن میں اپنا سیلون بھی جوائن کر لیں گی۔''

''دیٹس گریٹ! کافی منگواؤں تمہارے لیے۔'' رومیصہ کے اس رویے پر وہ چونکی۔

''کم آن رومی! تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں تمہارے پاس مہمان آئی ہوں۔'' شہرزاد نے کھوجتی نگاہوں سے اس کے ہاتھ میں پکڑا سیل فون دیکھا، جس کی آواز سائلنٹ تھی لیکن اس پر بلنک کرنے والا نمبر وہ نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں رومیصہ نے گھبرا کر سیل فون کی طرف دیکھا اور جلدی سے فون ہی پاور ڈ آف کر دیا۔

وہ جانتی تھی کہ دوسری طرف موجود ارسل، اس کے اچانک کال بند کر دینے پر ٹھیک ٹھاک پریشان ہو چکا ہوگا، تبھی وہ بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور شہرزاد نے دانستہ اس بات کو نظر انداز کیا۔ سیف الرحمٰن کی باتوں نے اس کا زاویۂ نگاہ بدل دیا تھا۔

''رومی! صارم خان تمہیں کہاں سے ملا؟'' اس کی طرف سے آنے والا یہ سوال خاصا غیر متوقع تھا، اس لیے وہ ہلکا سا بوکھلائی۔

''اس نے خود مجھ سے رابطہ کیا تھا۔'' رومیصہ کی اطلاع پر اس نے استعجابیہ نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

''کیسے؟؟''

''کچھ دن پہلے اپنے گھر آیا تھا وہ۔'' اس نے نظریں چرا کر جھوٹ بولا۔

''اچھا! تم نے مجھ سے تو اس کا ذکر نہیں کیا لیکن خیر، وہ یہ فیور تمہیں کیوں دینا چاہتا ہے؟'' شہرزاد نے اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھا۔

''صارم کا کہنا ہے کہ میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اس لیے وہ ہر حال میں سچائی کا ساتھ دے گا۔''

''دیکھو رومیصہ! کوئی ایسی بات تو نہیں جو بعد میں ہمارے لیے مسئلہ کھڑا کر دے، بہتر ہوگا کہ تم اس اسٹیج پر مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش مت کرو۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا شیری! ڈونٹ وری۔'' رومیصہ نے سائیڈ میز پر رکھا چائے کا کپ اٹھایا اور گھونٹ بھرا اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے کے تاثرات میں بڑا تغیر رونما ہوا اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی۔

''کیا ہوا رومی!'' شہرزاد اس کے پیچھے لپکی۔

''کچھ دن سے معدہ بہت زیادہ گڑبڑ کر رہا ہے، لگتا ہے تیزابیت ہو رہی ہے مجھے۔'' وہ نڈھال انداز سے واش روم سے نکلی تو شہرزاد نے تشویش بھری نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

''ڈونٹ بی سلی یار، تم ڈاکٹر انکل کو فون کر دو یا پہلی فرصت میں ان کے کلینک کا وزٹ کرو، اپنی صحت کے معاملے میں ایسی لاپروائی بالکل اچھی نہیں۔''

''کل جاؤں گی ڈاکٹر کے پاس۔'' رومیصہ نے اسے صاف ٹالا۔

''اور یہ چائے کا کپ ایک سائیڈ پر رکھو، خبردار اپنا معدہ مزید جلانے کی ضرورت نہیں۔''

شہرزاد نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ زبردستی پکڑ کر ایک سائیڈ پر رکھا تو وہ اس کے محبت بھرے انداز

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پر مسکرا دی، دونوں بہنوں کے درمیان ایسا تعلق بہت سالوں بعد قائم ہوا تھا اور رومیصہ اس کے لیے بہت زیادہ ترسی تھی۔

☆☆☆

درشہوار نے ماں کی طرف ایسے دیکھا، جیسے وہ پاگل ہوگئی ہوں۔

''کیا کہا آپ نے؟'' اسے لگا جیسے اس کی سماعتوں کو دھوکا ہوا ہو، اس نے بے یقینی سے اپنے سامنے بیٹھی تاجدار بیگم کو دیکھا، جو آج بطور خاص اس کے کمرے میں موجود تھیں۔

''کیوں، کانوں میں تیل ڈال رکھا ہے تم نے'' وہ ہلکا سا چڑ کر مزید گویا ہوئیں۔

''دو دفعہ بتا چکی ہوں، تمہارے داجی کا فیصلہ ہے کہ انابیہ کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی ارسل کے ساتھ رخصتی ہوگی۔''

''داجی تو واقعی ہی سٹھیا گئے ہیں ان سے کہیں کہ یہ ان کا اللہ اللہ کرنے کا ٹائم ہے، اوٹ پٹانگ فیصلے کرنے کا نہیں۔'' درشہوار نے بدتمیزی کی انتہا کردی۔ تاجدار بیگم نے بوکھلا کر اس کے کمرے کا دروازہ بند کیا کہ کہیں بیٹی کی باغیانہ آواز باہر کسی کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔

''دماغ تو لگتا ہے تمہارا خراب ہوگیا ہے، اچھی طرح جانتی ہو، ہمارے ہاں صرف خاندان میں شادیوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔'' انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ان فیصلوں کا اطلاق کیا صرف خاندان کی عورتوں پر ہی ہوتا ہے۔ خاقان چچا کی خفیہ شادیوں کی گنتی بھول گئیں آپ؟'' اس کی خودسری سے پہلی دفعہ تاجدار بیگم کو خوف آیا اور انہیں اپنے بیٹے برہان کا فیصلہ بالکل درست محسوس ہوا۔

''ان خفیہ شادیوں کا انجام بھول گئی ہو تم؟ کون جانتا ہے ان عورتوں کو، آج بھی خاقان کے حوالے سے صرف شارقہ اور ندرت کا نام ہی لیا جاتا ہے۔'' تاجدار بیگم نے اس خاندان کی سب سے لاڈلی اور ضدی لڑکی کو جھنجھلا کر دیکھا۔

''مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں لیکن مجھے داجی کا یہ فیصلہ بھی منظور نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت انہیں خود انکار کرکے آتی ہوں۔'' درشہوار فیصلہ کن انداز میں اٹھی اور تاجدار بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا، انہوں نے گھما کر ایک زناٹے دار تھپڑ درشہوار کے منہ پر دے مارا۔

''اب منہ سے ایک لفظ بھی نکالا تو زبان کاٹ کر رکھ دوں گی۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر مشتعل انداز سے اسے دھمکایا، درشہوار نے بے یقین نگاہوں سے اپنی ماں کا یہ روپ پہلی دفعہ دیکھا۔

''تم کس بھول میں ہو؟ اس گھر میں اگر تمہیں پلکوں پر بٹھایا جاتا ہے تو یہ مت سمجھنا کہ تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں، اس کے پیچھے تمہارے ماں باپ کی اتنے سالوں کی محنت اور ریاضت ہے، ورنہ تین بیٹوں کی ماں کو کس طرح تمہارے باپ نے پورے خاندان کے سامنے آسمان سے اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا، یہ واقعہ اتنا پرانا نہیں۔'' تاجدار بیگم کا لہجہ سرد اور کاٹ دار تھا۔

درشہوار کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ابھی تو اس نے محبت کی پہلی اڑان بھری تھی اور اس کے پر کاٹ دینے کا اعلان کردیا گیا تھا۔

تاجدار بیگم اسے ٹھیک ٹھاک سنا کر کمرے سے نکلیں تو وہ بھی تیر کی طرح برہان کے کمرے میں پہنچی، اب

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کا آخری سہارا اس کا یہ ہی بھائی تھا۔ جس کی وہ آج کل خوب چہیتی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ اس کا ساتھ ضرور دیں گے۔

دوسری طرف برہان، جب سے کیمپس سے گھر آئے تھے، منابل کا نمبر ڈائل کر کر کے ان کی انگلیاں تھک گئی تھیں۔ منابل کا سیل نمبر مسلسل آف جا رہا تھا اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، برہان کے دل میں مختلف وہم سر اٹھا رہے تھے۔

''آخر کیا ہوا منابل کو جو وہ مجھ سے ملے بغیر گھر چلی گئی؟'' وہ اپنی کلاس لے کر سیدھے اس کے آفس پہنچے تو پیون نے اطلاع دی کہ میڈم خراب طبیعت کی وجہ سے اپنی ساری کلاسز کینسل کر کے گھر جا چکی ہیں۔

اس اطلاع نے انہیں حیران کم اور پریشان زیادہ کیا، کیونکہ آخری دفعہ منابل نے جب ان کی کلاس روم میں جھانکا تھا تو اس وقت اس کا چہرہ خاصا تر و تازہ اور فریش تھا، انہیں بہت زیادہ سوچنے کے بعد بھی ایسی کوئی بیماری یا کمزوری اس کے چہرے پر محسوس نہیں ہوئی۔

وہ اپنی سوچوں میں الجھ رہے تھے اور انہیں اندازہ ہی نہیں ہوا کہ درشہوار ان کے بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر آ چکی تھی۔ برہان نے ایک لاتعلق سی نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے چہرے پر موجود سراسیمگی سے انہیں اندازہ ہو گیا کہ تاجدار بیگم اس پر ارسل کے نام کا بم پھوڑ چکی ہیں۔

''بھائی! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ ان کے سامنے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئی۔

''اگر ارسل والا معاملہ ہے تو آئی ایم سوری، میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک بہترین فیصلہ ہے۔'' انہوں نے اس کے بولنے سے پہلے ہی اسے ہری جھنڈی دکھائی۔ ویسے ہی انہیں درشہوار پر بے تحاشا غصہ تھا، جو ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتی آئی تھی۔

درشہوار نے بوکھلا کر اپنے خاندان کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے شخص کو دیکھا، ان کے چہرے پر بھی وہی سختی، رعونت اور تکبر نظر آیا جو اس گھر کے زیادہ تر مردوں کے چہروں سے چھلکتا تھا۔ اپنے بھائی کا چہرہ اسے پہلی دفعہ اجنبی سا محسوس ہوا۔

''یہ میری زندگی ہے بھائی! اور مجھے اس بات کا اختیار ہونا چاہیے کہ میں اپنی پسند سے کوئی فیصلہ کر سکوں۔'' درشہوار نے اپنا مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

''آج تک تم اپنے لیے ڈھنگ کے کپڑوں اور جوتوں کا انتخاب تو کر نہیں پائیں اور زندگی کا فیصلہ خود کرو گی۔ درشہوار کچھ تو عقل سے کام لو۔'' برہان کے استہزائیہ انداز پر وہ صدمے بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارسل میں کیا برائی ہے؟ وہ اس خاندان کا ویل ایجوکیٹڈ اور سینس ایبل لڑکا ہے اور اس کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے فخر بن سکتا ہے۔'' وہ رکھائی سے بولے۔

''بھائی! میں...... میں نے ارسل کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

''ہم اپنے خاندان کی لڑکیوں کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ وہ کسی شرعی تعلق سے پہلے کسی بھی لڑکے کو اس نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں، تم بھی اپنی حدود میں رہو تو بہتر ہوگا۔'' برہان نے ایک دفعہ پھر اس کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

طبیعت صاف کی۔

''بھائی! آپ کسی بات پر خفا ہیں مجھ سے۔'' درشہوار کے منہ سے نکلنے والے اس سوال پر برہان ہلکا سا جھنجھلائے۔

''میں کیوں خفا ہوں گا تم سے اور جاؤ، مجھے اسٹوڈنٹس کی کچھ اسائمنٹس چیک کرنی ہیں۔'' انہوں نے بے رخی کی انتہا کر دی۔

درشہوار نے چند لمحے اپنے بھائی کے چہرے پر موجود بے رخی اور بے زاری کو جانچنے کی کوشش کی اور پھرا کتا کر باہر نکل آئی۔ سامنے سے ارسل گنگناتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے پورشن کی طرف جا رہا تھا، اسے دیکھ کر درشہوار کو کرنٹ سا لگا۔

''ایک منٹ ارسل! میری بات سنو پلیز۔'' وہ بھاگ کر سیڑھیاں چڑھی اور حیران پریشان ارسل کا بازو پکڑ کر اسے دوبارہ نیچے لان کی طرف لے آئی۔ وہ گھر میں آنے والے اس طوفان سے بالکل بے خبر تھا۔

☆☆☆

مونیکا، لاہور میں ذوالکفل کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کر چکی تھی۔

وہ اس کے لیے اللہ کا بہترین تحفہ تھا۔ شادی کے بعد اس کے شوہر نے سب سے پہلے اس کے شناختی کارڈ پر نام تبدیل کر کے اس کا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ ذوالکفل کا تعلق معاشی طور پر ایک مضبوط خاندان سے تھا۔

وہ لبرٹی میں اپنے ایک ذاتی فلیٹ میں رہتا تھا اور اس کے پاس اپنے استعمال کے لیے ایک بہترین گاڑی تھی، وہ مونیکا کو باتوں باتوں میں کئی دفعہ بتا چکا تھا کہ اس کے والدین لینڈ لارڈ ہیں لیکن مونیکا نے کبھی ان باتوں میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

ان دونوں کے فائنل ایگزام چل رہے تھے اور گھر سے آنے والی کالز سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میکائیل پاکستان آ چکا ہے اور گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اور دوسری طرف جوزف نے اپنے مکان کے سلسلے میں پریشر ڈالنے والے لوگوں سے اپنی بیٹی کی شادی تک مہلت مانگ لی تھی۔ اس لیے وہاں بھی کافی سکون تھا۔

وہ کچن سمیٹ کر عشاء کی نماز پڑھ کر کمرے میں آئی تو ذوالکفل بیڈ پر لیٹا۔ کوئی کتاب پڑھنے میں مگن تھا، وہ اس کے برابر میں بیٹھ گئی اور اس کے ہاتھ سے بڑے پیار سے کتاب لے لی۔

''کیا بات ہے آج بہت لاڈ آ رہے ہیں۔'' وہ کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے مسکرایا۔

''مجھے اپنے گھر والوں سے کب ملوائیں گے؟'' اس فرمائش پر وہ حیران ہوا۔

''خیریت؟ آج بیٹھے بٹھائے گھر والے کہاں سے یاد آ گئے۔''

''ہم اپنی اس شادی کو کب تک اپنے اپنے خاندانوں سے چھپا سکتے ہیں؟'' وہ کچھ فکرمند تھی۔

''جب تک ہم دونوں اپنے اللہ کے گھر سے حاضری دے کر واپس نہیں آ جاتے۔'' ذوالکفل کی اس بات پر وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہم جا رہے ہیں؟ اور کب......؟'' ایک فطری خوشی نے اس کے سارے وجود کا احاطہ کیا۔

''ان شاء اللہ اسی ہفتے ویزا لگ کر آ جائے گا اور اس کے فوراً بعد ہم نکل جائیں گے۔'' اپنے شوہر کی اس بات پر اس کا دل تشکر کے گہرے احساس سے بھر گیا اور اسے بے اختیار ہی اپنے اللہ پر پیار آیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اگلے دن وہ آخری پیپر دے کر گھر آئی تو مارتھا کی کال نے اسے تشویش میں مبتلا کیا، وہ اسے فوراً ملتان واپس آنے کا کہہ رہی تھیں۔

"میرے دو پیپرز ابھی رہتے ہیں، میں اتنی جلدی نہیں آسکتی۔" اس نے دل پر جبر کر کے جھوٹ بولا، تو دوسری طرف مارتھا کو مایوسی ہوئی۔

"تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کردی گئی ہے۔" اس اطلاع نے اسے پریشان کیا۔

"آپ کو اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی، مجھے سکون سے پیپرز تو دینے دیں۔" وہ ہلکا سا جھنجھلا گئی۔

"تمہارے پیپرز اس اتوار تک مکمل ہو جائیں گے اور تم فوراً واپس آجانا۔ بیچ میں پورے ایک ہفتے کا گیپ ہے۔" مارتھا اپنا پورا حساب کتاب کر چکی تھی اور ویسے بھی یہ اس کے گھر کی پہلی شادی تھی اس لیے اس کے والدین کا پریشان ہونا بنتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" مونیکا نے بے زاری سے کہہ کر فون بند کردیا اور خود سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اسے اس وقت شدت سے احساس ہوا کہ اسے اپنے والدین کو اس شادی کا بتا دینا چاہیے کیونکہ اس کی شادی میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ اس کا سارا دن پریشانی میں گزرا۔

رات کو ذوالکفل بڑے پرجوش انداز میں گھر آیا اور اس نے اسے عمرے کا ویزا لگنے کی خوش خبری سنادی۔ جسے سن کر کئی سیکنڈ کے لیے اس کا منہ کھلا اور پھر بند ہونا بھول گیا۔ وہ اس کے اندرونی احساسات کا بہت اچھی طرح سے اندازہ کر سکتا تھا۔ مونیکا خاموش تھی لیکن اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے اور اس کا رواں رواں اپنے رب کا شکر گزار تھا۔

ٹھیک پانچ دن بعد جب اسے اپنی شادی میں شرکت کرنے کے لیے ملتان جانا تھا، وہ اس وقت سعودیہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی اور مارتھا کے گھر میں ایک کہرام مچا ہوا تھا کیونکہ مونیکا کا ڈاک کے ذریعے بھیجا جانے والا خط اس کے گھر والوں کو مل چکا تھا جس میں اس نے اپنی شادی کا اعتراف کر کے نکاح نامے کی فوٹو کاپی اور ایک تصویر بھیجی تھی جس نے ان کے پورے گھر پر ایک قیامت برپا کردی تھی۔ وہ شاید اس کی شادی کو قبول بھی کر لیتے لیکن ان کے نزدیک اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنا ایک ایسی غلطی تھی جسے وہ لوگ مر کر بھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔

☆☆☆

مری کے پہاڑوں پر جمی برف پر موسم بہار نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔

البتہ دھوپ کھل کر نکلنے کی وجہ سے پہاڑیاں چمکنے لگی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے قدرت نے ہر طرف سفید رنگ کا چونا پھیر دیا ہو۔

ہادی اور سعد آفس سے ابھی ابھی گھر پہنچے تو مسز قریشی کی کال نے اسے بوکھلا دیا۔

"ہادی! تم فوراً گھر پہنچو، مناہل کا شاید کسی دوست سے جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے آج رات دبئی جا رہی ہے اور وہاں سے پرسوں فلائٹ ہے اس کی جدہ کی۔"

"لیکن ابھی تو اس کے تھیسس کا کام باقی ہے، آپ نے پوچھا نہیں کہ کیا مسئلہ ہے۔" وہ پریشان ہوا۔

"مجھے کچھ نہیں بتا رہی وہ، بہت زیادہ ڈپریشن کا شکار ہے، اللہ جانے کیا ہوا ہے۔ ہادی میرا تو دل سخت گھبرا رہا ہے اور تمہارے پاپا بھی سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں اسے۔" مسز قریشی کا لہجہ پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ماما! پلیز ڈونٹ وری میں آ رہا ہوں۔'' اس نے سامنے رکھی کھانے کی ٹرے سے نظریں ہٹائیں اور اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی۔ سعد نے پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے ناں؟''

''شاید معاملہ کچھ گڑبڑ ہے، ماما کی کال آئی ہے کہ مناہل اچانک دبئی جارہی ہے۔ اس لیے مجھے اسلام آباد جانا ہوگا۔''

''کوئی پریشانی کی بات ہے تو میں تمہارے ساتھ چلوں؟'' سعد بھی فوراً کھڑا ہوا۔

''تم کیا کرنے جاؤ گے؟'' وہ حیران ہوا۔

''ظاہر ہے رات کو تم واپس تو آؤ گے ناں، کل ورکنگ ڈے ہے۔ اچھا ہے میں بھی اسلام آباد میں ایک دو کام نبٹا لوں گا۔''

''چلو پھر کھانا بھی گھر جا کر ہی کھاتے ہیں۔'' ہادی اپنے ملازم کو ضروری ہدایات دے کر باہر نکلا۔

اس کی گاڑی جیسے ہی میر ہاؤس کے سامنے سے گزری، سامنے والے لان میں ارسل کے ساتھ بیٹھی درشہوار نے سر اٹھا کر بے تابی سے اس کی طرف دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہادی کو دیکھ کر اس کا دل بے اختیار دھڑکا۔ ہادی نے کوفت بھرے انداز میں گاڑی کی رفتار بڑھائی۔

وہ دونوں ایک گھنٹے بعد گھر پہنچے تو مناہل کا بڑا بریف کیس اور ساتھ ایک ہینڈ کیری ٹی وی لاؤنج میں رکھا ہوا تھا جبکہ مسز قریشی اور عبداللہ صاحب پریشانی کے عالم میں وہیں موجود تھے۔ ہادی کے دوست سعد کو دیکھ کر مسز قریشی نے خود پر ضبط کیا ورنہ وہ اسے دیکھتے ہی شروع ہو جاتیں۔

''کہاں ہے منو؟'' اس نے بھی لاپروائی سے پوچھا۔

''اپنے روم میں۔'' جواب اس کے باپ کی طرف سے آیا۔

''سعد! تم ماما، پاپا کے پاس بیٹھو، میں ذرا اس سے مل کر آتا ہوں۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مناہل کے کمرے کے باہر پہنچا، ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوا۔ سامنے مناہل ڈریسنگ کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی، اسے دیکھ کر وہ دانستہ ہلکا سا رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

''ہیلو ڈراما کوئن! یہ کیا چل رہا ہے گھر میں؟''

''پتا تھا مجھے، ممانی جان اب تمہیں ہی بلوائیں گی۔'' اس نے آئی شیڈ اٹھا کر اپنی آنکھوں کا میک اپ گہرا کرنے کی دانستہ کوشش کی۔

ہادی کو اس کے انداز میں غیر معمولی پن محسوس ہوا، وہ آہستہ سے اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں مناہل کا افسردہ چہرہ، متورم آنکھیں اور نڈھال وجود صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''آنکھوں کی سرخی اور اداسی کو دنیا کا کوئی میک اپ نہیں چھپا سکتا۔'' اس نے نرمی سے آئی شیڈ اس کے ہاتھ سے پکڑ کر دوبارہ ڈریسنگ پر رکھا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ جانچتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا چھپا رہی ہو تم مجھ سے؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔

''کچھ نہیں۔'' مناہل کا چہرہ زرد ہوا۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' ہادی نے زبردستی کندھے سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مناہل کا خود پر لگایا ہوا ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، وہ جذباتی انداز میں اس کا بازو پکڑ کر بچوں کی طرح سسکنے لگی۔ چند گھنٹوں میں وہ بالکل ٹوٹ چکی تھی، برہان نے اس کا سارا مان توڑ دیا تھا۔

وہ محبت جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا کو فتح کرنے کے لیے نکلی تھی، وہی محبت ایک کونے میں کھڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

''منو! میری جان کیا ہوا ہے؟'' وہ ایک دم گھبرا گیا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر نرمی سے تھپکنے لگا۔ وہ کسی خوف زدہ بچی کی مانند اس کے چوڑے شانے سے چپکی ہوئی بے اختیار رو رہی تھی اور اس کے آنسو ہادی کی شرٹ کو بھگونے کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں طرح طرح کے خدشات ابھار رہے تھے۔

''برہان نے کچھ کہا ہے تم سے؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا، اس بات پر اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہوا تو ہادی کو اپنے سارے اندیشے سچ ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''کیا کہا ہے اس نے تم سے؟'' اس کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا۔ ''بتاؤ مجھے، ورنہ میں ابھی جا کر اس کا گریبان پکڑ لوں گا۔''

''اسے کچھ بھی مت کہنا، مجھے اس جیسے خود غرض اور جھوٹے انسان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔ میرے لیے وہ صبح دس بج کر سولہ منٹ پر مر گیا تھا۔''

''اچھا تو اس کی تدفین کرنے جا رہی ہو دبئی؟'' اس نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

''بس یہی سمجھ لو، تم سچ کہتے تھے وہ پورا خاندان ہی جھوٹوں کا ہے، لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں وہ لوگ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا۔'' وہ بُری طرح سے ٹوٹ چکی تھی۔

''لیکن پتا بھی تو چلے کہ آخر اس کی اصلیت کیسے کھل کر تمہارے سامنے آئی؟'' وہ حیران ہوا۔

مناہل نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر اندر سے ایک انویٹیشن کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا وہ اسے کھولے بغیر بھی جان سکتا تھا کہ یہ کس کی شادی کا کارڈ ہے، اسے مناہل کا دکھ اپنے اندر اترتا ہوا محسوس ہوا۔

''اتنے سالوں سے اس کا نکاح ہو چکا تھا اس کی کزن انابیہ کے ساتھ اور اس نے یہ بات مجھ سے چھپائے رکھی۔'' وہ ایک دفعہ پھر رو دی۔

''تم نے اسے کچھ کہا نہیں؟ اس کا منہ نہیں توڑا جب اس نے یہ کارڈ تمہیں دیا۔'' ہادی کو ایک دم غصہ آیا۔

''اسے تو علم بھی نہیں کہ میں اس کی حقیقت جان چکی ہوں۔'' وہ آنکھوں میں پھیلا ہوا کاجل ٹشو سے صاف کرنے لگی۔

''تمہیں درشہوار نے بتایا ہے کیا؟''

''نام مت لو اس لڑکی کا بھی میرے سامنے، وہ بھی اپنے بھائی کی طرح خود غرض اور دو نمبر ہے۔ مجھ سے کئی دفعہ فون پر بات کی لیکن اس نے بھی کبھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا۔ یہ کارڈ تو شاید انابیہ نے پوسٹ کیا ہے مجھے۔''

''انابیہ...... یہ کون ہے......؟'' وہ ہلکا سا چونکا۔

''برہان کی کزن، جو میری اسٹوڈنٹ بھی ہے اور اسی کے ساتھ نکاح ہوا ہے اس چیپ انسان کا۔'' مناہل شدید غصے اور صدمے کے عالم میں تھی۔

''ادھر بیٹھو اور اب تفصیل سے بتاؤ کہ کس نے تمہیں کیا بتایا ہے؟''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ خاموشی سے مناہل کی داستان سنتا رہا، اس کے پاس بتانے کے لیے کچھ بہت زیادہ تفصیل نہیں تھی لیکن محبت کے اس سفر میں اتنی بڑی بے ایمانی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ مسلسل بیس منٹ بولنے کے بعد چپ ہوئی تو خاصی بھڑاس نکال کے دل ہلکا کر چکی تھی۔

''منو! تم اس شخص کے لیے اپنا کیریئر تباہ کرو گی جو اتنے سال تمہیں بے وقوف بناتا رہا۔'' ہادی نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے پوچھا۔

''میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ بچکانہ انداز میں بسوری۔

''بے وقوف لڑکی! ایسے لوگوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے میں ہی تو اصل لطف ہے۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی، اسی کیمپس میں رہ کر اس کا سامنا کرو گی۔ وہ خود تم سے نظریں چھپاتا پھرے گا کیونکہ دھوکا اس نے دیا ہے تم نے نہیں۔''

''یہ بہت مشکل ہے، میں نہیں کر پاؤں گی۔'' اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''یہ کوئی مشکل نہیں ہے، تم اس کو روز آئینہ دکھاؤ گی، وہ روز مرے گا۔ تم سے چھپنے کے لیے اسے دنیا میں کوئی اوٹ نہیں ملے گی، اگر میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤ گی تو وہ تو مزے سے اپنی نئی زندگی میں مگن ہو جائے گا۔''

ہادی کی بات پر اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو ہادی! میں اسے ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی، لیکن ابھی مجھے جانے دو۔'' اس نے نظریں چرائیں تو وہ جھنجلا گیا۔

''آخر کیوں؟ جو کام کل کرنا ہے وہ آج کیوں نہیں۔''

''اس کی شادی کا ہنگامہ جیسے ہی ختم ہوگا، میں واپس آجاؤں گی۔ ابھی میں اتنی بہادر نہیں ہوئی ہوں، مجھے تھوڑا ٹائم دو پلیز۔''

ہادی نے کارڈ کھول کر شادی کی تاریخ دیکھی۔

''پھر وعدہ کرو مجھ سے، دس اپریل کو تم یہاں اپنے کمرے میں دوبارہ موجود ہو گی؟''

اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے وعدہ لیا تو مناہل نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ویسے بھی کتھارسس کے بعد وہ اب کافی مطمئن تھی اور اسی لیے جب وہ مسکراتی ہوئی باہر نکلی تو مسز قریشی کے ساتھ ساتھ عبداللہ صاحب نے بھی سکون کا سانس لیا۔ سامنے صوفے پر بیٹھے سعد نے چونک کر اس لڑکی کو دیکھا، اس کی آنکھیں رونے کے بعد خاصی نکھر گئی تھیں، لیکن پورے وجود پر ایک محسوس کی جانے والی سوگواریت کا راج تھا۔

سعد کی نظریں بار بار مناہل کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، یہ ان دونوں کی پہلی باضابطہ ملاقات تھی اور مناہل نے اسے بالکل بھی مخاطب نہیں کیا تھا حالانکہ ہادی نے دونوں کا تعارف بھی کروایا تھا۔

''چلو بھئی سعد! اس کو ایئر پورٹ پھینک کر پھر ہم مری کے لیے نکلتے ہیں۔'' ہادی ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا۔

''منو! جلدی واپس آنا ہے بیٹا، ورنہ ہمارا گھر ویران ہو جائے گا۔'' مسز قریشی نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔

''ہادی کی شادی کریں ناں، کب تک خالی ہاتھ لٹکاتا پھرے گا۔'' اس نے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی دانستہ کوشش کی۔

''اگلی بار تم دونوں کو ایک ساتھ ہی نبٹائیں گے۔'' عبداللہ صاحب نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

''ایسی باتیں تو لازمی کریں آپ تاکہ وہ ڈر کر واپس آنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دے۔'' ہادی نے اپنی گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

''بے فکر رہو، تمہاری بہن ہوں، بزدل نہیں ہوں میں۔'' مناہل نے خود کو سعد کی نظروں سے بچانے کے لیے اپنے بیگ سے گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگائے اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ گھر سے نکلتے نکلتے سعد کا سارا سکون بھی ساتھ ہی چرا کر لے گئی تھی۔

☆☆☆

ارسل کو تو لگتا تھا کسی نے مسلسل چلنے کی بددعا دے دی تھی۔

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ لگاتار اپنے ہی کمرے میں ٹہل رہا تھا، درشہوار نے جو صور اس کے کانوں میں پھونکا تھا، اس کی بازگشت سے ابھی بھی اسے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

''ارسل! اب سوچ لو تم، کیا کرنا ہے۔'' درشہوار تازہ دم ہو کر دوبارہ اس کے کمرے میں موجود تھی۔

''یہ شادی تو میں بالکل نہیں کر سکتا۔'' اس نے رومیصہ کی آنے والی کال کاٹتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

''تو میں کون سا مری جا رہی ہوں تم سے شادی کرنے کے لیے، اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کچھ کرو۔ برہان بھائی نے تو صاف ہری جھنڈی دکھا دی ہے اور باقی کسی سے مجھے کوئی امید نہیں، اب صرف تم رہ گئے ہو۔'' وہ بُری طرح چڑ کر گویا ہوئی۔

''لیکن مجھ سے تو ابھی تک کسی نے اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کی، نہ نانا ابا نے نہ ماموؤں میں سے کسی نے مجھ سے میری رائے مانگی۔ آخر میری رضامندی کے بغیر میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ یہ لوگ کیسے کر سکتے ہیں۔'' وہ بُری طرح سے تپا ہوا تھا۔

''اس لیے کہ وہ تمہیں اس قابل نہیں سمجھتے کہ تم سے کچھ پوچھیں، تم تو ان کے غلام ہو۔ ظاہر ہے انہوں نے تمہاری پرورش کی ہے، اب اس چیز کا خراج تو تمہیں دینا ہی پڑے گا۔'' درشہوار مسلسل اسے بھڑکا رہی تھی۔

''میں ان کے گاؤں کا کوئی کمی کمین نہیں ہوں جو ان کی خیرات پر پلا ہوں۔ میرے والدین کروڑوں کی جائیداد چھوڑ کر مرے ہیں، ان کی ایک ایک چیز میں میرا اور نمیرہ کا حصہ نکلتا ہے۔'' وہ آتش فشاں کی مانند پھٹا۔

''یہ باتیں مجھے نہیں، ان سب کو بتانے کی ضرورت ہے، جو بیٹھ کر دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتے ہیں۔'' درشہوار انتہائی بدظن ہو چکی تھی اور برہان سے مایوس ہو کر اب اس نے ارسل کی مدد لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسی وقت ملازمہ ہلکا سا دروازہ بجا کر اندر داخل ہوئی، دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ارسل کا بلاوا آ چکا تھا اور درشہوار اسے کمرے سے نکلنے تک بھڑکا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ میر حاکم کی خواب گاہ تک پہنچا تو اس کا دماغ اس وقت کھول رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اسے دھچکا لگا، سامنے اس کے دونوں ماموں، میر خاقان، میر محتشم کے ساتھ حاکم علی خود بھی موجود تھے اور پاس ہی خوشی سے بے حال ــــــ ندرت بیگم موجود تھیں، جنہیں زندگی میں پہلی بار یہ اعزاز بخشا گیا تھا کہ وہ اس خاندان کے کسی فیصلے کا حصہ بن سکیں۔ اس لیے ان کی یہ خوشی ان کے برابر میں بیٹھی ہوئی ان کی جٹھانی تاجدار بیگم کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ارسل نے اندر داخل ہوتے ہی سب کو ہلکا سا گڑبڑا کر سلام کیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت گھر کے سب ہی بڑے یہاں موجود ہوں گے۔ وہ خاموشی سے سامنے رکھے کاؤچ پر میر خاقان سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

میر حاکم علی اپنی چھڑی پر زور دے کر کھڑے ہوئے، وہ اپنے سارے اہم فیصلے اسی طرح کھڑے ہو کر کیا کرتے تھے۔ یہ ان کا مخصوص انداز تھا جو اس گھر کے سب ہی مکین جانتے تھے۔

''دیکھو ندرت! تمہارا تعلق ہمارے خاندان سے براہ راست تو نہیں لیکن شجرہ نسب کہیں نہ کہیں آپس میں جا ملتا ہے اور ہم نے تمہیں خاقان کی دوسری بیوی کے حوالے سے کھلے دل سے قبول کیا۔'' میر حاکم کی اس غیر متعلقہ بات پر ارسل کے ساتھ ساتھ ندرت بھی چونکیں۔

''تمہیں اللہ نے اولاد نہیں دی تو ہم نے اپنا نواسہ اور نواسی دونوں تمہاری گود میں ڈال دیے اور مڑ کر تم سے نہیں پوچھا کہ تم نے ان کی تربیت کیسے کی؟ ان کو کیسے پالا، انہیں خاندانی روایات سکھائیں یا نہیں سکھائیں؟'' میر حاکم کی اس بات پر ندرت بیگم ہلکا سا سہم گئیں۔

''آج تک اس گھر میں ہونے والے فیصلوں میں کبھی کسی کی اولاد سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ انہیں ہمارا یہ فیصلہ منظور ہے کہ نہیں کیونکہ ہمیں اپنی اولاد پر پورا مان اور بھروسا ہوتا ہے۔'' ان کی اس بات پر ارسل کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

''اباجی! ان شاء اللہ ارسل اور نمیرہ بھی کبھی آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئیں۔

ندرت بیگم کی اس بات پر ارسل نے دہل کر اپنی ماں کا چہرہ دیکھا، جنہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا لیکن ان دونوں بہن بھائی کو اس وقت گود میں لیا، جب انہیں ماں کی سخت ضرورت تھی، انہوں نے اپنی راتوں کی نیندیں ان دو بچوں کے لیے حرام کیں، اور خاندانی معاملات میں ان کے لیے ویسے ہی بولیں، جیسے کہ ایک ماں اپنے بچوں کے حق میں بولتی ہے۔

کمرے میں سناٹے کا راج تھا۔ میر حاکم علی ٹہل رہے تھے اور اسی وقت ارسل کے سیل فون کی گھنٹی نے کمرے کے ماحول میں ارتعاش برپا کیا۔ اس نے بوکھلا کر رومیسہ کی کال کاٹی۔ شاید دوسری طرف اس کا دل بھی کسی انہونی کے احساس کو جگا چکا تھا۔

''اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہم اپنے ان بچوں کی زندگیوں کے بارے میں بھی کچھ فیصلے کر سکیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں گویا ہوئے۔

اس سے پہلے کہ ارسل، میر حاکم کے لہجے کی سنگینی پر غور کرتا، اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی ایک دفعہ پھر گونجی اور میر حاکم کے ضبط کی دھجیاں اڑا گئی۔ ایسی گستاخی کی اجازت تو انہوں نے کبھی اپنے بیٹوں کو نہیں دی تھی، جو اپنے باپ کے پاس کسی خاص پنچایت کے دوران اپنے سیل فونز کی آوازیں بند کر کے بیٹھتے تھے۔

میر حاکم علی غصے سے آگے بڑھے، ارسل کے ہاتھ سے سیل فون چھینا اور کمرے کی کھڑکی کھول کر مشتعل انداز سے باہر اچھال دیا۔ کمرے میں موجود سب لوگوں کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ ارسل کی تو یہ حالت تھی جیسے کاٹو تو بدن سے لہو کا ایک قطرہ نہ نکلے۔

''تم نے اسے یہ تمیز سکھائی ہے، بڑوں کی محفل میں بیٹھنے کی۔'' انہوں نے ندرت بیگم کو جھاڑا تو ندرت کا منہ سرخ ہو گیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"آئی ایم سوری۔" ارسل کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔

"آپ صرف اپنا فیصلہ سنائیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" خاقان علی نے کمرے کے ماحول کو تھوڑا ٹھنڈا کرنے کی دانستہ کوشش کی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ارسل کے سرپرست کی حیثیت سے یہاں موجود تھے۔

"فیصلہ یہی ہے کہ انابیہ کی رخصتی کے ساتھ درشہوار کا ارسل سے نکاح ہوگا۔" ان کے اس اعلان پر ارسل کا رنگ اڑا۔

"اور اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ فیصلہ بھی ہے کہ نمیرہ اور شاہ میر کی منگنی کا بھی اعلان کر دیا جائے۔"

حاکم علی کے اگلے فیصلے پر تاجدار بیگم پر تو گویا خودکش حملہ ہوا، انہوں نے حواس باختہ نظروں سے اپنے سسر کو دیکھا، جنہوں نے اس فیصلے کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی، انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا کیونکہ وہ جانتی تھیں شاہ میر اس فیصلے پر طوفان کھڑا کر دے گا، قدرت نے ان کی اولاد کو آزمائش کی صورت میں ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

"کسی کو میرے فیصلے پر اعتراض تو نہیں؟" میر حاکم علی نے رسماً پوچھا۔

ارسل نے احتجاجی نظروں سے ندرت بیگم کی طرف دیکھا، جن کی آنکھوں میں اس وقت التجا کا ایک جہان آباد تھا بس ہاتھ جوڑنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ حاکم علی کے اس فیصلے نے جہاں ارسل کی بتی بجھائی تھی، وہاں میر خاقان کا دل بھی خاصا خراب کیا جو اپنی بیٹی طوبیٰ کے لیے شاہ میر کا سوچے بیٹھے تھے اور چونکہ ان کے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا کوئی رواج نہیں تھا اس لیے انہیں ابھی سے اپنی بیٹی کسی غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔

شہرزاد کا دروازہ زور زور سے بجا۔ وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی اور اس نے وال کلاک میں وقت دیکھا تو صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اس نے ہڑبڑا کر دروازہ کھولا تو سامنے ملازمہ نیند بھری آنکھوں کے ساتھ موجود تھی اور اس کے ہاتھ میں کارڈلیس تھا۔

"بی بی جی! کسی صاحب کی بار بار کال آ رہی ہے، وہ آپ سے بات کروانے کا کہہ رہے ہیں۔"

"مجھ سے......" اس نے پریشانی سے ریسیور پکڑا۔

"شہرزاد! اپنا سیل فون آن کرو، میں تمہیں کال کر رہا ہوں۔" ہم زاد کے لہجے کی سنگینی پر اس کا دل دھڑکا، اس نے بے اختیار سائیڈ میز پر موجود اپنا سیل فون چارجر سے اتارا، جسے اس نے رات سوتے وقت بے دھیانی میں پاور ڈ آف کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اس نے کمرے کا دروازہ مقفل کر کے اپنے سیل فون کو آن کیا۔

"میں مانتی ہوں اس وقت امریکہ میں دن ہوگا لیکن انسان کم از کم دوسروں کی ٹائمنگ کا ہی خیال کر لیتا ہے۔" اس نے ہم زاد کی کال اٹینڈ کرتے ہی شکوہ کیا، لیکن دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے۔"

"وہ کیا......؟" شہرزاد کی دھڑکن بے ربط ہوئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''رومیصہ کیس کے اہم گواہ، صارم خان کا مرڈر کر دیا گیا ہے۔'' اس نے اس کی سماعت پر بم گرایا۔

''واٹ؟'' وہ ایک دم چیخی۔ ''کب...... کس وقت......؟''

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے اور بظاہر یہ ڈکیتی کی واردات ہے لیکن میرے سورسز بتاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ...... کس نے کیا یہ سب......؟''

''وہی جو رومیصہ سہگل کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ سنو شہرزاد! تم ارتضیٰ سے کہہ کر اپنے گھر کی سیکیورٹی بڑھا دو یا مجھے بتاؤ، میں کچھ پرائیوٹ گارڈز کا انتظام کر دیتا ہوں۔'' وہ اتنی دُور بھی اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

''کیا رومی کی جان کو بھی خطرہ ہے؟'' وہ فطری پریشانی میں مبتلا ہوئی۔

''نہیں۔''

ہم زاد کی بات پر وہ چونکی۔ ''تو پھر ایسی بات کیوں کر رہے ہیں آپ؟''

''شہرزاد! تمہاری جان کو خطرہ ہے اور تمہیں کچھ ہو، یہ میں ہونے نہیں دوں گا، میں کل واپس آ رہا ہوں۔''

وہ فون بند کر چکا تھا اور شہرزاد کی آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی۔ اس نے کچھ سوچ کر ارتضیٰ حیدر کا نمبر ملایا، گہری نیند میں ڈوبی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ارتضیٰ! میں شہرزاد بات کر رہی ہوں۔'' اس کی فون کال نے دوسری طرف موجود ارتضیٰ کی بھی نیند غارت کی۔

''خیریت تو ہے ناں سب؟''

''صارم خان کا مرڈر ہو گیا ہے تھوڑی دیر پہلے۔''

''کیا؟'' فون کال کی دوسری جانب موجود ارتضیٰ کو بھی دھچکا لگا۔ ''ایک منٹ مجھے ٹی وی آن کرنے دیں۔''

کچھ ہی سیکنڈ کے بعد کمرے میں ٹی وی کی آواز گونجنے لگی، وہ تیزی سے چینلو سرچ کر رہا تھا۔

''ٹی وی پر تو ایسا کچھ نہیں چل رہا، میں اس علاقے کے پولیس اسٹیشن میں فون کر کے رپورٹ لیتا ہوں۔''

''ارتضیٰ میں اپنے سورسز کے مطابق کہہ رہی ہوں ناں کہ اس کا ایک ڈکیتی کے واقعے میں مرڈر کر دیا گیا ہے، تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے۔'' اس کا جتاتا ہوا لہجہ ارتضیٰ کو خفت میں مبتلا کر گیا، تبھی اس نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

''بہت تیز سورسز ہیں آپ کے، میڈیا سے پہلے آپ کو اطلاع پہنچ گئی۔''

''میرا تو خیال ہے، اس علاقے کے تھانے میں بھی یہ خبر نہیں پہنچی ہوگی۔ آپ وہاں پہنچ کر اس کا کریڈٹ لے سکتے ہیں۔'' شہرزاد نے طنزیہ لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف وہ خاصا شرمندہ ہو چکا تھا۔

اسے اپنے کمرے میں گہری گھٹن کا احساس ہوا، اور وہ اپنے کمرے میں موجود ٹیرس کی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

اس کا کمرہ گھر کے مین گیٹ کے عین سامنے تھا، جہاں سے لان اور باہر سڑک کا منظر بھی صاف دکھائی دیتا تھا، گیٹ پر موجود چوکیدار کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا اور سیکیورٹی گارڈز اسے کہیں نظر نہیں آئے، اس نے اپنے سیل فون سے چوکیدار کا نمبر ملایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"فضل! سیکیورٹی گارڈز کدھر ہیں دونوں؟" شہزاد کی آواز نے چوکیدار کو الرٹ کر دیا۔
"بی بی جی! باہر والے کیبن میں ہوں گے۔"
"چیک کر کے مجھے بتاؤ۔" اس نے فون کال بند نہیں کی، لیکن وہ اس سیاہ رنگ کی کار کو دیکھ کر ضرور چونکی، جو اس کی گلی سے پانچ منٹ کے وقفے کے بعد دوبارہ گزری تھی۔ چوکیدار کے ساتھ ڈھیلے ڈھالے انداز میں اندر آنے والے سیکیورٹی گارڈز کو اس نے ٹیرس پر کھڑے بھانپ لیا تھا کہ وہ انہیں گہری نیند سے بیدار کر کے لایا ہے۔

شہزاد تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر اپنے سٹنگ روم میں پہنچی اور دروازہ کھول کر جیسے ہی باہر نکلی، سیکیورٹی گارڈز اسے دیکھ کر الرٹ ہو گئے۔ اگلے دس منٹ ان کی جھاڑ پٹی کر کے وہ اوپر پہنچی۔ اسے ہم زاد کی باتوں نے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اپنے حوالے سے وہ کبھی بھی زیادہ پریشان نہیں ہوئی تھی۔

لیکن صارم خان کی موت نے اسے پھر ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا، جس میں رومیصہ کو آنے والے دنوں میں کافی مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا، دور سے آنے والی فجر کی پہلی اذان پر اس نے وضو کیا اور اپنے اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کی۔

صبح وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال پہنچی تو سامنے رومیصہ اور ٹینا بیگم کو انتہائی صدمے کی کیفیت میں پایا، ٹینا بیگم ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے بیٹھی تھیں اور انہیں شاید اس بات کا احساس ہی نہیں تھا تبھی چائے پر گہری ملائی کی تہہ جم چکی تھی۔
"شیری! تمہیں صارم کا پتا چلا؟" رومی نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔
"ہاں، کیا بتا رہے ہیں ٹی وی پر؟" وہ خود کو کافی کمپوز کر چکی تھی، ٹینا بیگم نے انتہائی حیرانی سے اس کا پرسکون چہرہ دیکھا۔
"ٹی وی پر تو اسے کوئی ڈکیتی کی واردات بتا رہے ہیں لیکن اس کا باپ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اس کے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کیا گیا ہے۔" ٹینا بیگم نے افسردگی سے اسے بتایا تو شہزاد نے چونک کر رومیصہ کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں پکڑا توسٹ کھانا بھول گئی تھی۔
"رومی!" اس نے محبت سے اپنی بہن کو پکارا تو اس نے چونک کر دیکھا، اس کی نیلگوں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔
"ڈونٹ وری! میری جان، کچھ نہیں ہوگا۔" شہزاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دلاسا دیا۔
"صارم تو بہت اچھا انسان تھا شیری! ان لوگوں نے اسے کیوں مار دیا۔" وہ اس کے گلے لگ کر سسکنے لگی۔
"بے فکر رہو، جو کسی پر ناحق ذرا سا بھی ظلم کرے گا اسے اسی دنیا میں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔" وہ رومی کو بہت محبت سے سمجھا رہی تھی جب ہم زاد کی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
"جی!" اس نے رومی کی موجودگی میں محتاط انداز اپنایا۔
"میجر توصیف تمہارے گھر کے باہر موجود ہیں، ان کو اندر بلوا لو۔"
"لیکن کیوں؟" وہ تھوڑی سی پریشان ہوئی۔
"وہ گھر کے تمام سیکیورٹی انتظامات کا جائزہ لیں گے اور جن جن جگہوں پر کیمروں کی ضرورت ہوگی، وہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لگوادیں گے۔ ان کے ساتھ رضا ہے جو آج سے تمہارے ساتھ گاڑی، آفس، کورٹ بلکہ ہر جگہ موجود ہوگا۔"

"اب یہ رضا کس خوشی میں میرے ساتھ ہوگا؟" وہ ہلکا سا جھنجلا کر کھڑی ہوئی۔

"میری خوشی کے لیے۔" اس کا دوٹوک انداز شہزاد کو ایک دم چپ کروا گیا دوسری طرف وہ مزید پوچھ رہا تھا۔

"میری اتنی سی خوشی اگر قابل قبول نہیں ہے تو بتا دو میں منع کر دیتا ہوں۔" وہ ضرورت سے زیادہ حساس ہوا۔

"اٹس اوکے، میں آفس کے لیے نکل رہی ہوں، اجازت ہے۔" اس کے طنزیہ انداز پر وہ مسکرایا۔

"ایسے مت پوچھا کرو، مجھے خود پر مجازی خدا کا گمان ہونے لگتا ہے۔" اس کی شرارت پر شہزاد ہلکا سا مسکرائی کیونکہ رات سے وہ پہلی دفعہ اسے تھوڑا پرسکون لگا تھا، ورنہ اس کے لہجے کی سنگینی، اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ فون پر بات کرتے ہوئے باہر نکلی، سامنے میجر توصیف اس کے پورچ میں کھڑے سیکیورٹی گارڈز سے گفت وشنید کر رہے تھے۔

"میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" اس نے فون بند کیا۔

"آپ بیرسٹر شیری ہیں شاید، مجھے اسپیشل آرڈرز کے طور پر بھجوایا گیا ہے یہاں۔" اس نے فوراً آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا۔

"کس کو رپورٹ کریں گے آپ؟" شہزاد نے انجان بن کر پوچھا۔

"ہیڈ کوارٹر میں لیفٹیننٹ جنرل خالد صاحب کو۔"

"اوکے، آپ آئیں، میں ممی سے ملوادوں آپ کو۔"

ٹینا بیگم اور روحی، یونیفارم میں موجود اس آفیسر کو دیکھ کر ہلکی سی پریشانی میں مبتلا ہوئیں، لیکن شہزاد نے انہیں اچھی طرح مطمئن کر ہی دیا۔ صارم والے واقعے کی وجہ سے وہ دونوں کافی اپ سیٹ تھیں۔

رضا سے اس نے آفس کے راستے میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے انٹرویو لے لیا تھا، وہ تیس بتیس سال کا ایک دراز قد، چوڑے شانوں والا پراعتماد سا نوجوان تھا، اور کسی پرائیوٹ سیکیورٹی کمپنی سے وابستہ تھا اور اس انٹرویو سے وہ کافی حد تک مطمئن ہوگئی۔

جیسے ہی وہ آفس میں پہنچی، مسز قریشی کے آفس میں ہادی کے ساتھ ارتضیٰ حیدر کو دیکھ کر ہلکا سا چونکی، ارتضیٰ رات والی بات کی وجہ سے کچھ شرمندہ سا دکھائی دے رہا تھا، اس نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا۔

"ہادی آپ کب آئے؟" اس نے ارتضیٰ کو نظر انداز کر کے اس سے پوچھا۔

"بس ایک پرانے کیس کے کچھ حوالہ جات چاہیے تھے، اس لیے صبح صبح آنا پڑا۔" وہ ایک فائل کے ڈاکومنٹس کو غور سے دیکھتا ہوا لاپروائی سے گویا ہوا۔ اسی وقت شہزاد کے سیل فون پر دوبارہ ہم زاد کا نمبر چمکا۔

"ایکسکیوزمی......" اس نے معذرت خواہانہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا اور کال اٹینڈ کر کے آفس سے باہر نکل آئی۔

"میں نے تمہارے گھر کے دونوں سیکیورٹی گارڈز کو فارغ کر دیا ہے اور ان کی جگہ پر میجر توصیف شام تک نئے لوگوں کو بھیج دیں گے۔"

اس اطلاع پر وہ کچھ کوفت کا شکار ہوئی۔ "آخر کیا ضرورت تھی ان کو نکالنے کی، ممی مائنڈ کریں گی۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ایسے ڈفر لوگوں کو نکالنے پر مائنڈ نہیں کرنا چاہیے بلکہ شکریہ کہنا چاہیے، ابھی تھوڑا مصروف ہوں، شام کو تفصیل سے بات ہوگی۔''

وہ فون بند کر چکا تھا، شہزاد بے زاری سے سر جھٹک کر اندر آئی تو ارتضیٰ حیدر، مسز قریشی کے ساتھ صارم خان کے قتل کے کیس پر ہی بات چیت کر رہا تھا اور ان دونوں کے چہروں پر تشویش کے سائے تھے۔

''ارتضیٰ! کچھ مزید پیش رفت ہوئی اس کیس میں؟'' وہ ارتضیٰ کے عین سامنے آکر بیٹھ گئی۔

''کیس تو واقعی مشکوک ہے، کیونکہ ڈاکو گھر سے کوئی خاص قیمتی چیز نہیں لے کر گئے اور فیملی کے بیانات کے مطابق اس وقت صارم اپنے کمرے میں سو رہا تھا، ایسی صورت میں کسی مزاحمت کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔

''اس لیے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسے قتل کیوں کیا گیا ہے۔'' وہ اپنے سامنے کافی کا رکھا کپ اٹھا کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''یقیناً اس کے پیچھے رومی والا کیس ہی ہے۔'' مسز عالیہ قریشی نے تبصرہ کیا، جبکہ ہادی ان کی گفتگو سے بے نیاز اپنے کام میں مگن تھا۔

''مجھے تو کنزہ وقار کے والد کا کارنامہ لگ رہا ہے۔'' شہزاد نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''لیکن جسٹس محمود کی فیملی کو بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ یہ گواہی ان کے بیٹے کے خلاف جا رہی تھی کیونکہ صارم نے اگلی پیشی میں کھل کر روحیل کی رومیصہ کے ساتھ کی جانے والی بدتمیزی کے بارے میں بھی بتایا تھا۔'' ارتضیٰ کی بات پر وہ چونکی اور اثبات میں سر ہلایا، ارتضیٰ کی بات میں دم تو تھا۔

''میرے خیال میں شیری، ہمیں ان کے ہاں افسوس کے لیے جانا چاہیے۔'' مسز عالیہ قریشی نے اچانک کہا۔

''جی، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، میں بھی یہی سوچ رہی تھی لیکن بہتر ہوگا کہ ہم ایک دو دن ٹھہر جائیں۔'' اس نے فوراً ہی جواب دیا۔

''ہاں تھوڑا رش بھی کم ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ کچھ نئی چیزیں بھی سامنے آجائیں —'' وہ فوراً متفق ہوئیں۔

''ماما! میں نکلتا ہوں، میرا کام ہو گیا ہے۔'' ہادی نے جلدی جلدی اپنے سیل فون میں ڈاکومنٹس کی چند تصویریں بنا کر فائل بند کی۔

''ہادی! آپ سے مجھے بھی ایک ضروری کام تھا۔'' شہزاد نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

''خیریت؟'' وہ چونکا اور ارتضیٰ نے بطور خاص سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کا سادہ، شفاف چہرہ دیکھا، اس پر کوئی خاص تاثر نہ پا کر وہ مطمئن ہوا۔

''ایک دو دن میں ارتضیٰ کے ساتھ آپ کے آفس کا چکر لگاؤں گی، پھر وہاں بیٹھ کر ڈسکس کریں گے۔'' اس بات نے تو ارتضیٰ کو اور بھی مطمئن کر دیا۔

''شیور۔ اوکے ماما! ٹیک کیئر۔'' وہ ان سے مل کر تیزی سے آفس سے نکل گیا۔

''ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے یہ لڑکا۔'' مسز عالیہ قریشی کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے محبت ہی محبت تھی، وہ بھی مسکرا کر خاموشی سے چائے پینے لگی، ارتضیٰ بھی اٹھ کر اپنے آفس جا چکا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆☆☆

پورے میر ہاؤس میں گویا صف ماتم بچھ گئی تھی۔
ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چرائے گھوم رہا تھا، حاکم صاحب کے فیصلوں نے بہت سے لوگوں کے ہونٹوں پر احتجاجی خاموشی کی مہر لگادی تھی۔ ایسے عالم میں ایک صرف درشہوار تھی جو باغیانہ انداز میں پورے گھر میں پاؤں پٹختی ہوئی گھوم رہی تھی۔
شارقہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا اور انابیہ ان کو سمجھانے کے چکر میں بے حال تھی، جبکہ نمیرہ کے گالوں پر لالیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ شاہ میر کو دل ہی دل میں پسند کرتی تھی لیکن اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ قدرت اسے اتنی آسانی سے اس کی گود میں ڈال دے گی، جبکہ طوبیٰ ابھی تک شدید صدمے کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ اس نے شاہ میر کی اپنے فون پر آنے والی پچیسویں کال کو بھی اٹینڈ نہیں کیا تھا۔
شاہ میر دو دن پہلے ہی گھر شفٹ ہوا تھا اور اس وقت آتے جاتے تاجدار بیگم کو سرخ آنکھوں کے ساتھ گھور رہا تھا۔
''خدا کے لیے میرو! بس درشہوار کے نکاح تک چپ کر جاؤ۔'' انہوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔
''مر جاؤں گا لیکن طوبیٰ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔'' وہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم انداز میں بولا۔
''میں خود تمہارا ساتھ دوں گی لیکن درشہوار کا نکاح ہونے دو۔''
''تو آپ کا کیا خیال ہے ارسل بعد میں درشہوار کو معاف کر دے گا۔ جب میں اس کی بہن سے شادی سے انکار کروں گا۔ اس لیے بہتر ہو گا ظل الٰہی سے کہیں کہ اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کریں۔'' شاہ میر نے انہیں نئی پریشانی میں مبتلا کیا۔
''تمہارے داجی، کبھی نہیں مانیں گے بیٹا۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔
''میں بھی ان ہی کا پوتا ہوں، یہ بات یاد رکھیے گا۔'' وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گیا۔
شاہ میر غصے سے تاجدار بیگم کے کمرے سے نکلا تو سامنے سے ارسل آرہا تھا، اس نے ایک ناراض نگاہ اس پر ڈالی، ارسل سمجھ چکا تھا کہ وہ اس سے خفا ہے کیونکہ اس گھر میں اس کی اور طوبیٰ کی محبت کو ارسل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔
''شاہ میر! پلیز میری بات سنو۔'' ارسل نے پریشانی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔
''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔'' وہ اس وقت ساری دنیا ہی سے خفا تھا۔
''دیکھو اس سارے قصے میں میرا کوئی قصور نہیں اور یقین مانو، جتنا دھچکا تمہیں لگا ہے اس سے زیادہ تکلیف مجھے ہوئی ہے۔'' اس نے جذباتی انداز سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
''میں نمیرہ سے شادی نہیں کر سکتا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکی سے بولا۔
''اور میں درشہوار سے۔'' ارسل نے نظریں چرا کر کہا تو شاہ میر کو ایک اور دھچکا لگا۔
''صرف اس لیے کہ میں تمہاری بہن کے لیے انکار کر رہا ہوں۔'' شاہ میر بدگمان ہوا۔
''نہیں، اس لیے کہ میری زندگی میں کوئی ''اور'' ہے۔'' اس نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے راز میں اسے شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شاہ میر نے یک دم حیران ہو کر اپنے بیسٹ فرینڈ کا چہرہ دیکھا، ارسل کے چہرے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پر موجود سچائی کو کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں تھی۔

''تم میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔'' ارسل اس کا بازو پکڑ کر ہال کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا، اسی وقت دروازہ کھلا اور طوبیٰ اندر داخل ہوئی، اس کی آنکھیں شدّتِ گریہ کی وجہ سے سرخ تھیں۔ شاہ میر کے دل کو کچھ ہوا۔

''حالت دیکھی ہے تم نے اس کی؟ یہ سمجھ رہی ہے جیسے یہ سب میں نے خود کروایا ہے۔'' شاہ میر، ارسل کے سامنے شکایتی انداز میں بولا۔

''طوبیٰ اتنی بے وقوف نہیں، وہ جانتی ہے اس گھر میں رہنے والے لوگوں کی ڈوریاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے ہماری ایک دوسرے سے ناراضی تو بنتی ہی نہیں۔'' ارسل نے طوبیٰ کا دل صاف کرنے کی شعوری کوشش کی۔

''لیکن اس کے باوجود اس کا سارا غصہ میرے اوپر اترتا ہے، صبح سے پچیس کالز کر چکا ہوں لیکن اس نے تو شاید میری آواز نہ سننے کی قسم کھا رکھی ہے۔'' شاہ میر جو کہ خود اس فیصلے کی وجہ سے اچھا خاصا پریشان تھا، اوپر سے طوبیٰ کے رویّے نے اسے بُری طرح سے ہرٹ کیا تھا۔

اسی وقت ارسل کے سیل فون پر رومیصہ کی کال آنے لگی، وہ دونوں ہی صارم خان کے اچانک قتل کی وجہ سے کافی ڈسٹرب تھے اور ارسل پر تو دہری قیامتیں ٹوٹی ہوئی تھیں، جن کو وہ چاہ کر بھی رومیصہ کے ساتھ ڈسکس نہیں کر سکتا تھا۔

''تم دونوں بات کرو، میں ایک ضروری کال اٹینڈ کر کے آتا ہوں۔'' وہ عجلت بھرے انداز میں کال اٹینڈ کر کے باہر لان کی طرف نکل گیا۔

''تم ذرا آؤ میرے ساتھ۔'' شاہ میر زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر پچھلے لان کی طرف لے گیا، طوبیٰ بالکل خاموش تھی، افسردگی، مایوسی اور پژمردگی اس کے سارے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

''بے وقوف لڑکی! تمہیں خود پر یقین نہیں ہے یا میرے اوپر؟'' اس نے تاسف بھری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا، جو اس وقت اذیت کی انتہا پر تھی، اس نے شاہ میر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں طوبیٰ! کیوں ٹینشن لے رہی ہو۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دلاسا دینے کی کوشش کی۔

''داجی اپنے فیصلے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' آنسوؤں سے لبریز لہجے کے ساتھ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''تو بے فکر رہو، ہم بھی پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ میرے اوپر کوئی زور زبردستی کریں تو دوبارہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا میں۔'' شاہ میر کے انداز سے ہی ہٹیلا پن چھلک رہا تھا اور طوبیٰ کا دل گویا کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

''خود سے محبت کی اتنی بڑی سزا دو گے، ہمیشہ اپنے لیے ہی کیوں سوچتے ہو تم، میری ذات کی ایک لمحے میں نفی کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپتا۔'' خود پر قابو پاتے ہوئے بھی وہ اپنی سسکی نہیں روک پائی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ان ظالم اور بے حس لوگوں کے بیچ میں چھوڑ کر جاؤں گا تمہیں؟'' وہ اس کی بے وقوفی پر جھنجلایا۔ ''اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا طوبیٰ! ہم دونوں ایک ساتھ جائیں گے بلکہ اس دفعہ کچھ ایسا کریں گے کہ یہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لوگ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے ہمارا۔"

"کیا کرو گے تم؟ بولو، جواب دو؟" وہ ترش انداز سے گویا ہوئی۔

"نکاح...... تمہارا اور میرا۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا، طوبیٰ نے اس کی طرف ایسے دیکھا، جیسے اس کی خرابیٔ دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

"داجی ہماری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کے آگے پھنکوا دیں گے۔"

"اپنی اولاد کے ساتھ یہ سب کرنا اتنا آسان کام نہیں ہوتا۔" اس نے اس کی بات کو استہزائیہ انداز میں اڑایا۔

"تم ایک دفعہ تایا ابا سے بات کر کے دیکھو نا شاہ میر! کیا پتا کوئی اور راستہ نکل آئے۔" طوبیٰ نے درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی۔

"خبردار...... منہ سے بھاپ بھی مت نکالنا، ان لوگوں کو بھنک بھی پڑ گئی تو منگنی کے بجائے ڈائریکٹ شادی کر دیں گے میری اور نمیرہ کی۔ میں ان کو پہلے سے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا۔" شاہ میر نے تھوڑا ہوش سے کام لیا۔

"لیکن شاہ میر! میں کوئی ایسا ویسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی، جو کل کو ہمارے لیے طعنہ بنے، پلیز تم کچھ اور سوچو۔" طوبیٰ کی پریشانی پر وہ تپ اٹھا۔

"پھر ایسا کرو ہال کمرے میں ڈھولک اٹھا کر بیٹھ جاؤ اور ان اوٹ پٹانگ شادیوں پر خوشی کے گانے گاؤ، جھومو، ناچو، اس سے کوئی نہیں روکے گا تمہیں۔" وہ ناراضی سے کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہال کمرے کی طرف بڑھا۔

جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، سامنے نمیرہ کپڑوں کا بڑا سارا شاپر اٹھائے مٹکتی ہوئی اندر آ رہی تھی، خوشی اس کے انگ انگ سے عیاں تھی، شاہ میر کو دیکھ کر وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرائی اور تخت پر بیٹھی ہوئی تاجدار بیگم کی طرف بڑھی، جو اس وقت اپنی دیورانی ندرت بیگم کے ساتھ پردوں کا کوئی جوڑ توڑ کرنے میں مگن تھیں۔

"ممانی جان یہ لیں، وہ سارے پردے جو آپ نے منگوائے تھے۔" نمیرہ کی پرشوق نگاہیں شاہ میر پر اور قدم تاجدار بیگم کی طرف اٹھ رہے تھے، وہ راستے میں رکھی ہوئی میز سے ٹکرائی اور اس کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔

"ارے میرو! دیکھنا، کیا ہوا ہے؟" تاجدار بیگم بوکھلائیں۔

"جب اندھوں کی طرح چلے گی تو پیر ہی ٹوٹیں گے ناں۔" وہ زہر آلود لہجے میں کہتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے نظر اٹھا کر بھی زمین پر بیٹھی نمیرہ کی طرف نہیں دیکھا تھا، جیسے ہی وہ پورچ میں پہنچا، سامنے ارسل اپنی گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا، شاہ میر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تھوڑا مسئلہ ہو گیا ہے یار! مجھے فوراً اسلام آباد جانا ہے۔ کل تفصیل سے بیٹھ کر بات کریں گے۔" ارسل اپنی بات مکمل کر کے عجلت بھرے انداز میں گاڑی نکال کر لے گیا اور شاہ میر لان میں رکھی چیئرز کی طرف بڑھ گیا، اسے وہاں بیٹھ کر اب کافی دیر کے لیے کڑھنا تھا۔

☆☆☆

"اس گھر میں ہمیشہ زیادتی ہوتی آئی ہے میری بچیوں کے ساتھ۔"

شارقہ بیگم دوپٹہ منہ پر رکھے، پچھلے ایک گھنٹے سے خاقان صاحب کے سامنے رو رہی تھیں جو اس وقت سگار

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پر سگار پھونک رہے تھے۔ اچھی خاصی ٹینشن میں تو وہ بھی تھے لیکن ان کی مجبوری تھی کہ مرد ہونے کے ناتے وہ اس پر واویلا نہیں مچا سکتے تھے۔

آج کافی دن کے بعد وہ شارقہ بیگم کے کمرے میں آئے تھے۔ ان کی دونوں بیویوں کے بیڈروم علیحدہ علیحدہ تھے اور وہ اکثر ہی ندرت کے کمرے میں پائے جاتے لیکن آج ان کا اپنا دل دکھا ہوا تھا، اس لیے شارقہ بیگم کی طرف چلے آئے جن کی رو رو کر آنکھیں سوج چکی تھیں لیکن انہیں صبر پھر بھی نہیں آ رہا تھا اسی لیے وقفے وقفے سے ان کی سسکیاں گونجنے لگتیں۔

خاقان علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح سے تسلی دیں۔

''افسوس تو مجھے بھی بہت ہوا ہے اباجی کے اس فیصلے پر۔'' انہوں نے ہلکا سا جھجک کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''آپ کو اسی وقت احتجاج کرنا چاہیے تھا ان کے سامنے، ہمیشہ میری ہی اولاد کو پیچھے کیوں رکھا جاتا ہے۔''

''جاہل عورت، ایک بیٹی کا باپ ہونے کی حیثیت سے میں ایسی بات کیسے کر سکتا تھا، جب محتشم بھائی اور بھابھی بھی وہیں موجود تھے۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلائے۔

''تاجدار بھابھی نے بھی تو زبردستی اپنی بیٹی تھوپی ہے ارسل کے سر پر۔'' وہ تپ کر بولیں۔

''تمہیں کس نے بتائی ہے یہ بات؟'' وہ حیران ہوئے۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اس گھر میں کوئی بات زیادہ دیر تک چھپی رہ سکتی ہے، اسی ایک بات کو منوا کر ہی تو تاجدار بھابھی نے اپنی خودساختہ جلاوطنی چھوڑی ہے، ورنہ وہ تو ہر چیز پر لعنت بھیج کر اپنے کمرے میں خود کو قید کر چکی تھیں۔''

''لیکن تاجدار بھابھی کو ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' وہ تھوڑا چونکے۔

''کیونکہ انہیں ڈر تھا کہیں ارسل کا رشتہ طوبیٰ کے ساتھ نہ ہو جائے اور درشہوار کے جوڑ کا تو اب پورے خاندان میں کوئی لڑکا بچا ہی نہیں۔'' وہ غصے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں، ان کی بات میں دم تھا تبھی میر خاقان کچھ دیر کے لیے بالکل چپ ہو گئے۔

''لڑکا تو اب کوئی طوبیٰ کے لیے بھی نہیں رہا، اسی بات کی تو ٹینشن کھائے جا رہی ہے مجھے۔'' ان کی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔

''ایک بات کان کھول کر سن لیں خاقان صاحب، چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں اپنی بیٹی کا گلا گھونٹ دوں گی لیکن کوئی بے جوڑ رشتہ ہونے نہیں دوں گی، جو اس خاندان کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے۔'' وہ سلگ کر بولیں۔

''بے وقوفوں جیسی باتیں مت کرو شارقہ! ہم اپنی خاندانی روایات سے ہٹ کر کچھ نہیں کر سکتے۔''

''یہ خاندانی روایات صرف لڑکیوں کے معاملے میں ہی کیوں آتی ہیں، مردوں کو جگہ جگہ منہ مارنے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے انہوں نے۔'' شارقہ بیگم نے طیش کے عالم میں ان کو آئینہ دکھایا، وہ جھٹکے سے اٹھے، ان کی آنکھوں میں غضب اترا۔

''بکواس بند کرو اپنی، ورنہ منہ توڑ دوں گا میں تمہارا۔'' وہ تلملا اٹھے اور شارقہ بیگم کو غضب ناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ شارقہ کو یقین تھا کہ وہ اب اگلے دس پندرہ دن تک ان کے کمرے کے قریب پھٹکیں گے بھی نہیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆☆☆

ارتضیٰ کی جیپ اس وقت مری کے بل دار راستوں پر تیزی سے گامزن تھی۔

شہزاد اس کے ساتھ ہادی کے آفس جا رہی تھی اور ارتضیٰ کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی اب پریشانی میں ڈھل چکی تھی کیونکہ وہ اسے کھل کر صندل والا قصہ سنا چکی تھی اور چونکہ اگلے ماہ الیکشن تھے اور اس سے پہلے شہزاد اس کیس کو میڈیا پر اچھالنے والی تھی۔

''دیکھیں شہزاد! ویسے تو آپ خود بہت سمجھ دار خاتون ہیں، لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس کیس میں خود کو انوالو مت کریں۔''

''کیوں ڈر لگ رہا ہے آپ کو؟'' اس نے اس کا مذاق اڑایا۔

''میں ڈرنے والا ہوتا تو کبھی بھی پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن نہ کرتا، میں صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ان لوگوں کے نزدیک انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور اس چیز کو وہ آسانی سے ہضم نہیں کریں گے۔'' اس نے ڈھکے چھپے انداز میں اسے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

''میں موت سے ڈرنے والی نہیں ہوں ارتضیٰ!'' وہ اس کی بات کا بُرا مان کر بولی۔

''لیکن جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں، ان کو ابھی ضرورت ہے آپ کی۔'' اس کے گھرے لہجے پر وہ چونکی۔

''بے فکر رہیں، ایسا کچھ نہیں ہوگا اور آپ ٹینشن مت لیں، مجھے اپنی حفاظت کرنا آتی ہے۔''

''آپ نے میم عالیہ سے یہ کیس ڈسکس کیا؟'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

''آپ کو پتا ہے کہ میں کسی بھی کیس پر پہلے اپنی ورکنگ کر کے اور معاملات کو تمام پہلوؤں سے دیکھ کر ہی ان کو انوالو کرتی ہوں۔''

''بہتر ہوگا، آپ صندل کا پوسٹ مارٹم کروانے سے پہلے ایک دفعہ ان سے مشورہ کر لیں کیونکہ اتنے چھوٹے شہر میں یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہے گی اور اس کے بعد آپ کے لیے کافی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ وہ ارتضیٰ کی بات کا کوئی جواب دیتی، سیل فون پر آنے والی ہم زاد کی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا، وہ شاید پاکستان واپس آچکا تھا، اس نے جیسے ہی کال اٹینڈ کی، وہ دوسری طرف ناراضی سے گویا ہوا۔

''تم نے اپنے سیکیورٹی گارڈ رضا کو آفس سے گھر کیوں بھجوا دیا اور خود کہاں ہو؟''

''مری کے راستے میں ہوں ارتضیٰ کے ساتھ، کچھ ضروری کام تھا مجھے۔'' اس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''واٹ دا ہیل یار! میں نے تمہیں کہا تھا کہ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھو، تمہیں میری بات ایک دفعہ کہنے سے سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔'' ہم زاد کا یہ انداز شہزاد کو ہلکا سا ناگوار گزرا۔

''انسان کی اپنی کوئی پرسنل لائف بھی ہوتی ہے اور میں اسے چوبیس گھنٹے سر پر سوار نہیں کر سکتی۔ ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ مائی پوزیشن۔'' شہزاد کا انداز دھیما لیکن لہجہ خاصا تپا ہوا تھا اور ارتضیٰ کی موجودگی میں وہ کھل کر اس کے ساتھ بحث بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''اچھا تو اب ارتضیٰ حیدر کے ساتھ تمہارے پرسنل میٹرز شروع ہو گئے ہیں، ہیں ناں؟'' دوسری طرف وہ سلگ کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رہ گیا شہزاد نے کن اکھیوں سے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کو دیکھا، جس کا سارا دھیان بظاہر سڑک کی طرف تھا۔

''میں گھر آ کر تفصیل سے بات کرتی ہوں، اس وقت تھوڑا بزی ہوں۔'' اس نے بے زاری سے کال منقطع کی تو ارتضی نے ایک جانچتی ہوئی ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور سرسری انداز میں پوچھا۔ ''گھر سے کال تھی کیا؟''

''جی، اپنے سیکیورٹی گارڈ کو گھر بھیج دیا ہے ناں، اسی بات پر جھاڑ پڑ رہی تھی۔'' اس نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

''ایسے محبت کرنے والے لوگوں کی کیئر کیا کریں، کسی کے دل میں ہمارے لیے کچھ ہوتا ہے تو وہ پریشان ہوتا ہے، ورنہ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے لیے ٹینس ہو۔'' ارتضی نے اسے سمجھانے کی غرض سے نرم لہجے میں کہا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دوسری طرف موجود شخص اس وقت گرم توے پر پڑے کسی دانے کی طرح اچھل رہا ہوگا اور اس وقت تک اسے سکون نہیں آئے گا جب تک وہ اپنے اندر کی ساری بھڑاس نہیں نکال لے گا۔

☆☆☆

ارسل اور رومیصہ کے درمیان خاموشی کا مختصر وقفہ آیا۔

آج رومیصہ، ارسل کے کہنے پر اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں موجود تھی اور دونوں کے ہی چہرے ستے ہوئے تھے، صارم خان کے اس اچانک قتل نے ان دونوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور چونکہ وہ ارسل کا بہت قریبی دوست تھا اس لیے اس کا تو صدمہ بھی گہرا تھا۔

''میری تو ہمت ہی نہیں ہوئی انکل آنٹی کا سامنا کرنے کی اور میں کیسے ان کو جا کر بتاؤں گا کہ اس نے یہ سب میرے کہنے پر کیا تھا۔'' وہ مضطرب انداز میں خالی گلاس اپنے دونوں ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

''بہت برا ہوا اس بے چارے کے ساتھ اور اب پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا۔'' رومیصہ کے لہجے سے خوف جھلکا۔

ارسل نے گہری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کو دیکھا، جو اسے اب ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس ایک سائیڈ پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کی بے جان انگلیوں کو تھام کر محبت کی توانائی بخشنے کی کوشش کی۔

''میں بہت زیادہ ڈر گئی ہوں، جو لوگ اسے مار سکتے ہیں، وہ مجھے کیوں چھوڑیں گے بھلا؟''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا، تم ایسی فضول باتیں مت سوچو۔ میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، تمہارا لائف پارٹنر، تمہیں کسی بھی مقام پر اکیلا تھوڑی چھوڑوں گا۔'' اس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ کا بوسہ لیا تو رومیصہ نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اس وقت شدید کرب کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی۔ صارم کی موت نے اسے ایک دفعہ پھر ایک ایسی اندھی گلی میں لا کھڑا کیا تھا جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ دوسری جانب ارسل کا اپنا دماغ بھی داجی کے فیصلے میں بری طرح الجھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ بہت محبت کے ساتھ اسے تسلی دینے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ ویٹر نے ٹیبل پر کھانا سرو کر دیا تھا۔

''تم کھانا کھاؤ، ان شاء اللہ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، یہ بتاؤ تمہاری بہن کیا کہتی ہے؟'' ارسل نے سر جھٹک کر اپنے ذہن سے گھر کے مسئلے کو نکالا اور رومیصہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''شیری تو بہت مطمئن ہے اور اس کا کہنا ہے کہ صارم اپنی گواہی دے چکا ہے اور اس کی موت پر عدالت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

یقیناً اس طرف سوچنے پر مجبور ہو گی کہ ایک بے گناہ شخص کو مارنے کے پیچھے وہی لوگ تو نہیں جو مجھے ناحق پھنسانا چاہتے ہیں۔" رومیصہ نے تھوڑے سے فرائیڈ رائس پلیٹ میں نکالے۔

"تمہاری بہن بہت اسٹرانگ لیڈی ہے، میں نے اسے ہمیشہ بہت تحمل کے ساتھ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" ارسل نے ایک دو چکن ونگز رومیصہ کی پلیٹ میں ڈالیں تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

"بہت کمزور لگ رہی ہو تم، کھانا دھیان سے نہیں کھاتی ہو کیا۔۔۔؟" وہ بہت پیار سے اسے ٹوک رہا تھا۔

"آج کل تو کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا، طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔"

"آج جب تک یہ سارا نہیں کھاؤ گی، میں تمہیں یہاں سے ہلنے بھی نہیں دوں گا۔" اس نے مسکرا کر ایک کباب اس کی پلیٹ میں اور رکھا۔

رومیصہ نے جیسے ہی دوسرا نوالہ منہ میں ڈالا اسے ایک دم ابکائی آئی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ریسٹورنٹ کے واش روم کی طرف بھاگی، ارسل نے انتہائی پریشانی سے اس کی طرف دیکھا اور لپک کر اس کے پیچھے گیا۔ وہ باہر نکلی تو کافی نڈھال لگ رہی تھی، اس وقت ریسٹورنٹ میں رش نہ ہونے کے برابر تھا، وہ اسے تھام کر کرسی تک لایا۔ "رومیصہ کیا ہوا ہے؟ کوئی ٹمپریچر وغیرہ تو نہیں ہے؟"

"ڈونٹ وری، میرا اسٹامک کا ایشو چل رہا ہے کچھ دن سے، تم ٹینشن مت لو۔" رومیصہ نے ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"تم چھوڑو کھانے کو اور میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو فوراً۔" وہ فکرمند ہوا۔

"کچھ نہیں ہوتا، ابھی تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"رومی! فضول باتیں مت کرو، شکل دیکھی ہے تم نے اپنی، رنگ کیسا زرد ہو گیا ہے تمہارا۔ بس اٹھ جاؤ، یہاں پاس ہی ایک اچھا ہاسپٹل ہے وہاں چلتے ہیں۔" وہ آج اسے بخشنے کو تیار نہیں تھا۔

"لیکن ارسل! تم کھانا تو کھا لو، سب کچھ ویسے کا ویسے رکھا ہے۔" رومیصہ نے کھانے کی ٹیبل کو دیکھا۔

"نہیں یار! میں نے تو صرف تمہارے لیے منگوایا تھا، میرا بالکل بھی موڈ نہیں۔"

اس نے ویٹر کو بلا کر بل منگوایا اور اگلے ہی پندرہ منٹ میں وہ ایک قریبی ڈاکٹر کے کلینک میں تھے جنہوں نے اسی کلینک میں بیٹھنے والی ایک گائنا کولوجسٹ کی طرف اسے ریفر کر دیا تھا۔ ماتھا تو دونوں کا اسی وقت ٹھنکا تھا، لیکن رومی نے دل پر جبر کر کے اپنے ایک دو ٹیسٹ کروا ہی لیے۔

"کیوں ٹینشن لے رہی ہو تم؟" اس نے نرمی سے اسے ٹوکا لیکن رومی کی چھٹی حس اب اسے کوئی اور ہی سگنل دے رہی تھی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ارسل!" وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی جب ایک نرس ڈاکٹر کا بلاوا لے کر ان کے پاس آئی، ان کی لیب رپورٹ آ چکی تھی۔

"یہ آپ کے ہسبینڈ ہیں؟" ڈاکٹر نے مسکرا کر دونوں کو بیٹھنے کو کہا تو ارسل نے جھٹ سے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"سب خیریت ہے ناں؟" وہ بے تابی سے گویا ہوا۔

"مبارک ہو، آپ دونوں کے ہاں گڈ نیوز ہے۔" ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ پر رومی کو لگا جیسے کلینک کی چھت اس پر آن گری ہو، اس کا چہرہ خوف سے سپید پڑ گیا اور وہ ہکا بکا انداز سے ارسل کی طرف دیکھنے لگی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نعیمہ ناز

اک ٹیڑھا اک ٹیڑھا

اصغر کچن میں چپاتیاں پکانے میں مصروف تھا جب بیگم دلدار اندر آئیں۔

"ارے اصغر نابکار۔" ان کی غیر متوقع آمد اور آواز و انداز سے اصغر کے ہاتھ سے بیلن چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"اُف اللہ، بیگم صاحبہ!" اصغر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"ملٹری ڈکٹیٹر ہوگئیں آپ تو، قسم سے ڈرا کر رکھ دیا بلکہ سہادیا۔"

"یہ کیا نئے نئے الفاظ اور تراکیب اختراع کرتا رہتا ہے، تیرے ان لفظوں کی تو ایک لغت علیحدہ مرتب ہو جائے۔ اس کا نام ہوگا لغت اصغر!"

بیگم صاحبہ اس کے "سہادیا" سے واقعی سہم گئی تھیں۔

ان دونوں عاشق اردو اور محافظ اردو میاں بیوی کی محبت میں اگر اصغر، مرقع اردو کی زندہ مثال بننے کے بجائے ٹی وی کے کسی بھی پروگرام یا مارننگ شو کے اینکر کی طرح جو منہ میں آئے بولتا رہے تو میاں بیوی کے نام و مقام کو بٹہ نہ لگ جائے؟

"چھوڑیں ہمیں اور ہماری زبان کو، پورا پاکستان یوں ہی بول رہا ہے۔ آپ بلاوجہ ہلکان ہوئی جاتی ہیں۔" اصغر بے نیازی سے بولتا ہوا دوبارہ روٹی پکانے میں مگن ہوگیا۔

"ہاں یہ تو ہے، بولنے والے تو اناپ شناپ بولتے رہتے ہیں۔ ہم جیسے سننے والے ہلکان ہوتے رہتے ہیں۔" بیگم صاحبہ اس سے کم ہی اتفاق کرتی تھیں، اس وقت تو اصغر کی باچھیں کھل گئیں۔

"اتنے خوش نصیب تو "صاحب" بھی نہیں ہیں، ان کے لیے تو آپ ہر وقت اپوزیشن بنی رہتی ہیں۔ مجال ہے جو اُن کی کسی بات سے اتفاق کرلیں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے تو آپ فوراً تردید کرتی ہیں کہ نہیں سورج صاحب تو ایسٹ سے طلوع ہوتے ہیں یا پھر پچھم سے رونق افروز ہوتے ہیں۔" اصغر ہنسنے لگا۔ "بخدا اپنی خوش نصیبی پر رشک آرہا ہے۔"

"زیادہ کھی کھی نہ کر، تیرے صاحب کے بارے میں اب کیا کہوں، اللہ کسی کو بھی بیک وقت جنرل اور دانش ور نہ بنائے۔ افسر بنائے تو دانش ور نہ بنائے، دانش ور بنائے تو افسر نہ بنائے۔ کبھی شوہروں والی کوئی بات ہی نہیں کرتے یا تو افسری بگھارتے رہتے ہیں پھر اس پر دانش وری کا تڑکا لگادیتے ہیں۔ بے چاری بیوی جائے تو کہاں جائے۔" اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے وہ دل گرفتہ ہوگئیں۔

"ایسا لگ رہا ہے بیگم صاحبہ! جیسے ہم آپ کی سہیلی ہیں، جس کے آگے شوہر کی برائیاں کرکے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی ہیں۔" اصغر کی پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

"زیادہ بکواس نہ کیا کر، اپنی فضول باتوں میں الجھالیا مجھے، جو کہنے آئی تھی وہ تو ایک طرف رہ گیا۔"

"لو بھئی، یہ تو پھر فوجی حکومت ہوگئی، جس مقصد کا دعوا لے کر آتی ہیں وہ تو ایک طرف رہ جاتا ہے، دوسرے واہی تباہی معاملات میں ٹانگیں اڑا دیتی ہیں۔"

"تو کیوں فوجی حکومتوں کے پیچھے پڑ گیا ہے،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اب تو ہر آنے والا سربراہ پہلے یہ ہی یقین دہانی کراتا ہے کہ ہم بیرک میں ہی رہیں گے، ایوان صدر میں نہیں پھر ہاتھ میں چھڑی پکڑتے ہیں اپنے عہدے کی...... اور ویسے تُو نے ہماری سول حکومتوں کے پچھن نہیں دیکھے کیا؟ یہ کون سا دودھ کی دھلی ہوئی ہیں؟''

''بیگم صاحبہ! میری روٹیاں پک گئیں، اس لیے آج کا یہ ٹاک شو یہیں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اگلی ہلڑ بازی کے لیے اجازت دیجیے، خدا حافظ۔'' اصغر نے آخری روٹی ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے اعلان کیا اور سنک کے نل سے ہاتھ دھونے لگا۔

''مردود...... اپنا مطلب اور مرضی ہو تو بک بک کرتا رہتا ہے، سننے کی باری آئے تو سٹک لیتا ہے۔'' بیگم صاحبہ کا پارہ چڑھ گیا۔

''ٹی وی شوز میں اکثر اینکر یہ ہی کرتے ہیں، آپ روزانہ دیکھتی تو ہیں اور ویسے بیگم صاحبہ!'' اصغر ہاتھ صاف کرتے ہوئے یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ ''جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ آپ نے آتے ہی ہمیں نابکار کے لقب سے پکارا اور اب اختتام مردود پر کر رہی ہیں۔ ہمیں شک ہو رہا ہے کہ آپ نے دھرنے والے مولانا صاحب کے دستِ خاص پر بیعت کر لی ہے۔''

''بے غیرت، دو القاب ہی تو دیے ہیں تجھے، کون سا دشنام طرازی پر پوری کتاب تصنیف کر دی ہے جو ایسے طعنے دے رہا ہے۔'' بیگم صاحبہ غصے میں لال پیلی ہونے لگیں۔

''اچھا، اچھا بیگم صاحبہ! آپ وہ بات بتائیں جس کے لیے آپ کی تشریف آوری ہوئی تا کہ ہم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پھر کھانا لگائیں۔" اصغر نے جھٹ سیز فائر کر کے امن عامہ کی صورت حال بہتر کی۔

"اس موئے کرائے دار سے کرایہ تو لے کر آ، دو مہینے ہو گئے ہیں۔ مسٹنڈا کرایہ دینے کا نام ہی نہیں لے رہا۔"

"آپ کو صاحب نے منع بھی کیا تھا کہ پولیس والے کو کرائے پر گھر نہ دیں مگر آپ تو بالکل ہی ٹرمپ بن جاتی ہیں کبھی کبھی۔ پنچوں کا فیصلہ سر آنکھوں پر نہیں بلکہ کوڑے دان میں، پرنالہ تو وہیں گرے گا جہاں ہم چاہیں گے، چاہے وہ ہمارے کے گھر اندر ہی کیوں نہ گرے۔"

"بدذات...... طنز کے تیر نہ چلا، طلال چوہدری اور دانیال عزیز کی طرح۔ کام کی بات کر۔" بیگم صاحبہ بلبلائیں۔

"کام کی بات یہ ہے کہ پولیس والے کو کرایہ دار رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"میں نے تو اس لیے رکھ لیا کہ ان کے پاس پیسے بہت ہوتے ہیں، وقت پر کرایہ مل جائے گا۔"

"مل گیا پھر کرایہ؟"

"تو جا کر لے آ۔"

"نہیں بھئی، میں ان کاؤنٹر موت نہیں مرنا چاہتا، ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے سوائے چار پانچ چھوٹی موٹی جمہوری اور دو چار لمبی لمبی لشکری حکومتوں کے۔"

"کنایہ تو بس اردو غزل میں جچتا ہے، گفتگو میں نہیں، سمجھا۔" بیگم صاحبہ نے لفظ لشکری استعمال کرنے پر اسے آڑے ہاتھوں اور ٹیڑھی نظروں میں لیا۔

"بیگم صاحبہ! بات پھر کہیں کی کہیں جا رہی ہے۔"

"تو ابھی شام میں جا اور کرایہ لے کر آ۔ میرا حکم ہے یہ۔"

بیگم صاحبہ بیگماتی آرڈیننس نافذ کر کے چل دیں، اصغر بے بس عوام کی طرح منہ تکنے لگا تھا۔

☆❁☆

کھانا لگا کر وہ خود کونے میں رکھے اونچے سے اسٹول پر ٹک گیا۔ ٹانگیں اور منہ دونوں لٹکے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا اصغر میاں! کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" دلدار صاحب نے نوالہ توڑتے ہوئے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"بیگم صاحبہ نے شام میں خودکشی کا حکم دیا ہے، اب نوالہ کیسے حلق سے نیچے اترے گا۔" اصغر کا منہ اور لٹک گیا، لہجے میں رقت آ گئی۔

"کم بخت کی لفاظی دیکھو، میرا کا بھائی نہ ہو تو......" بیگم صاحبہ نے نوالہ چباتے ہوئے اسے بھی جیسے اپنے دانتوں تلے چبایا۔

"خدا کے واسطے بیگم صاحبہ! ہمیں کسی ہیروئن کا بھائی نہ بنائیے، چاہے وہ میرا ہی کیوں نہ ہو۔" اصغر نے سچ مچ ہاتھ جوڑ دیے۔

"اصغر میاں......" بڑے صاحب عدالت عظمیٰ بن گئے، اسے ایک گھوری دی بلکہ آنکھوں سے تنبیہ کی۔

"صاحب! بیگم صاحبہ نے حکم دیا ہے کہ کرایہ لے کر آؤ، شیر کی کچھار میں معصوم ہرن کو بھیج رہی ہیں۔" اصغر ایسے مظلوم و مجبور بن رہا تھا جیسے اقتدار سے محروم حکمران۔

"چلے جاؤ اصغر میاں! کرایہ لا کر بیگم صاحبہ کو دے دو۔"

"ارے بھئی، سب پولیس والے ایک سے نہیں ہوتے، میرا خیال ہے کہ ہمارے کرایہ دار ایک شریف پولیس مین ہیں۔" بڑے صاحب نے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"شریف ہیں تو سوکھی تنخواہ میں پھر روکھی سوکھی ہی کھا سکتے ہیں، کرایہ کہاں سے دیں گے؟" اصغر نے وہیں کے وہیں بات ختم کرنی چاہی مگر وہ کوئی کپتان خان تھوڑی تھا جو یوں آسانی سے چھوٹ جاتا۔

بیگم صاحبہ نے پانی کا گلاس میز پر پٹخا۔

"بہت شوخیاں دکھا رہا ہے مردود! شیخ رشید سمجھ رہا ہے خود کو، ابھی سیدھا کرتی ہوں تجھے۔ کان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کھول کر سن لے، کرایہ لے کر نہ آیا تو یہ کرایہ تیری تنخواہ سے پورا کروں گی۔" وہ دھمکیاں دینے لگیں۔

"اس تنخواہ سے جو مجھے ملتی ہی نہیں؟" اصغر نے بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا مگر بیگم صاحبہ پھر ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"کم بخت، تنخواہ نہیں ملتی تو کیا فی سبیل اللہ کام کرتا ہے۔ جیسے کینیڈا سے "وہ" آتے ہیں یہاں، فی سبیل اللہ سیاست کرنے اور فی سبیل اللہ دھرنا دینے۔" بیگم صاحبہ کا غصہ اصغر سے شروع ہو کر کینیڈین نژاد پاکستانی سیاست دان تک جا پہنچا۔

"اصغر میاں! دیر سویر سے ہی سہی، مگر تنخواہ مل تو جاتی ہے نا۔" بڑے صاحب نے اپنی بیگم اور اصغر خان کے درمیان مصالحاتی کردار ادا کیا۔

"جیسے سیاسی کلینڈر میں نوے دن گیارہ سال بن جاتے ہیں ایسے ہی میری ماہانہ تنخواہ، سالانہ ملتی ہے مجھے۔ ایک مہینہ ایک سال کے برابر۔" اصغر مسلسل پیر ہلا رہا تھا اور ترنت بول رہا تھا۔

"اچھا، اپنے پیر ہلانا تو بند کر، ہماری اماں کا قول ہے کہ اس سے نحوست پھیلتی ہے گھر میں۔" اصغر کے سچ کو تسلیم کرنے کے بجائے وہ جھنجھلا کر اس پر برس پڑیں۔

"خدا جانے ہمارے ملک میں کون لوگ مسلسل ٹانگیں ہلا رہے ہیں جو نحوست ہے کہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہی۔"

"میاں اصغر! ہمارے ملک کی نحوست ٹانگیں ہلانے سے نہیں، ٹانگیں اڑانے سے ہے۔ اڑوس پڑوس اور سات سمندر پار کی ٹانگیں، لات مار کر باہر نکال دیں نا تو ساری نحوست ختم ہو جائے۔"

"صاحب! آپ کے اس اقوال زریں کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہاں کے چپے چپے اور محلے محلے میں "معصومیت" بکھری ہوئی ہے اور سارا قصور بس باہر والوں کا ہے۔"

"یہ بات نہیں، میرا مطلب......"

"آپ دونوں اپنا یہ ٹاک شو بعد میں کرنا، پہلے میری بات سنیں۔"

بیگم صاحبہ نے جھنجھلا کر شوہر نامدار کی بات کاٹی (شکر ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کی بات سن کر بات کاٹنے سے زیادہ زبان کاٹنے کو دل کرتا ہے)۔

"اچھا بھئی، پہلے ان کی بات سن لو اصغر میاں!" صاحب نے ایک ٹھنڈی آہ اور پانی کا گلاس ایک ساتھ بھرے۔ ہر بے چارے شوہر کی طرح انہیں بھی اپنی بیگم کے سامنے بولنے کا موقع ذرا کم ہی ملتا تھا۔

"آپ ہی سنیں، میں تو نوکر ہوں، شوہر تھوڑی ہوں۔" آخری فقرہ اصغر نے دل ہی دل میں کہا، بیگم صاحبہ سے بعید نہ تھا کہ زبان کے تیر چلا چلا کر اسے زخمی کر دیتیں۔

"یہ کم بخت تو نخرے دکھا رہا ہے، آپ ایسا کریں کہ جا کر کرایہ لے آئیں اور پھر اس پولیس والے کو نکال دیں، بہت ہی تنگ کر رہا ہے۔" بیگم صاحبہ کی توپوں کا رخ "صاحب" کی طرف ہو گیا جو اس حکم کو سن کر ہی سراسیمہ ہو گئے۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ "پولیس والے" کو تو وزیراعلیٰ سندھ بھی نہیں نکال سکے، مجھ معمولی بیس گریڈ کی افسر کی کیا مجال۔ میں تو اس بھاری پتھر کو اٹھانا تو درکنار ہلا بھی نہیں سکتا۔"

صاحب کے ایسے انکار پر جیسے امریکہ نے پاکستان کی مزید امداد پر کیا ہے، بیگم صاحبہ فقط انہیں آنکھیں ہی دکھا سکیں (ہمارے ہاں تو کوئی یہ بھی نہیں کرتا)۔

"بس ٹھیک ہے، اصغر تم شام میں جاؤ گے اور کرایہ لے کر آؤ گے۔" کمہار پر بس نہ چلا تو بیگم صاحبہ نے گدھے کے کان مروڑ دیے۔

☆❀☆

اصغر شام میں صاحب کے پاس آیا۔

"صاحب! گھر سے نکلنے سے پہلے آیت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

الکرسی تو پڑھ دیں۔"

"اصغر میاں! آیت الکرسی کسی کام پر جانے سے پہلے پڑھی جاتی ہے، یہ بھی پہلے وقتوں کی بات ہے۔" صاحب مسکرائے۔

"ہم بھی سفر پر ہی جا رہے ہیں اردو کے نہیں بلکہ انگریزی کے۔" اصغر نے منہ بسورا۔

"چلے جاؤ اصغر میاں! اللہ مالک ہے۔"

"ہاں ہاں، آپ بھی یہ ہی کہیں گے، چڑھ جا بیٹا سولی پر، رام بھلی کرے گا۔" اصغر میاں بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔

"اللہ کسی کو اکلوتی اولاد بلکہ اکلوتی بیٹی نہ بنائے اور بنائے تو جہیز میں مکان نہ دلوائے۔ مکان بیگم صاحبہ کا، کرایہ ان کا، کرایہ دار میرے متھے لگا دیا۔ جاؤ جی "مشن امپاسیبل" پر، ٹام کروز کو تو مشن امپاسیبل کے لیے کئی ملین ڈالر ملے تھے۔ یہاں تو لگ رہا ہے الٹا اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑے گا۔" اصغر تمام راستے بڑبڑاتا رہا۔

مطلوبہ مقام (اصغر کے الفاظ میں جائے مقتل) پر پہنچا تو گھنٹی — کے جواب میں اندر سے کسی خاتون نے آ کر دروازہ کھولا۔

"جی فرمائیے۔" نرم، شائستہ، نسوانی آواز سن کر اصغر میاں کی جان میں جان آئی۔

"جی مجھے دلدار صاحب و بیگم دلدار نے بھیجا ہے، دو ماہ کا کرایہ لینے۔ میں ان کا خاص الخاص اور اکلوتا ملازم ہوں، میرا نام اصغر ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے سارا آموختہ سنا دیا۔

"ارے تم اصغر ہو، اصغری بوا کے پوتے؟"

خاتون کی بات پر اصغر کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

"جی...... آپ...... آپ کون ہیں؟" اصغر میاں تذبذب میں پڑ گئے۔ ایک نظر میں تو خاتون کو پہچان نہیں سکا تھا اور غور سے دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کرنا یقیناً بد تہذیبی ہوتی۔

"میں فرحین آپا ہوں، تمہاری پڑوسن۔ جب تم تیسری بار میٹرک میں فیل ہوئے تھے تو میری شادی ہوئی تھی۔ میں نے تو خیر اسی سال پہلی بار میں ہی میٹرک کلیئر کر لیا تھا، آؤ اندر آؤ، چائے پی کر جانا۔" سارے انکشافات ایک ہی سانس میں کر کے وہ اندر چل پڑیں۔

اصغر ان کے نقش قدم پر یوں چل پڑا، جیسے لالی وڈ لباس کے معاملے میں بالی وڈ اور ہالی وڈ کے پیچھے پیچھے ہے بلکہ تقریباً ہم سفر ہی ہو گیا ہے۔

ایک سادہ سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے وہ فرحین آپا کی رام کہانی سن رہا تھا۔

پچھلے ماہ یہ اے ٹی ایم سے تنخواہ نکال کر گھر آ رہے تھے، دو لڑکوں نے گن پوائنٹ پر چھین لی۔"

"لو بھئی چوروں کو مور پڑ گئے۔" اصغر دل ہی دل میں استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔ فرحین آپا اس کے خیالات سے بے خبر اپنی بولے جا رہی تھیں۔

"یہ اس وقت وردی میں نہیں تھے، پستول بھی پاس نہیں تھا۔ خیر ملزمان کا تو حسب معمول کچھ پتا نہیں چلا، ہم نے ادھار قرض کر کے جیسے تیسے مہینہ گزارا۔ اب اس ماہ کی تنخواہ ابھی ملی نہیں، جیسے ہی ملے گی، کرایہ بھجوا دیں گے۔"

"ایک بات پوچھوں آپا؟" اصغر نے ان کے حالات سن کر اور گھر کے مجموعی حال کو دیکھ کر چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ کے شوہر نامدار تنخواہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں کیا؟ کبھی اوپر کی طرف دھیان نہیں دیا۔" سوال گول مول لفظوں میں تھا مگر فرحین آپا کسی وزیر تعلیم کی طرح کوڑھ مغز تھوڑی تھیں، سنجیدگی سے بتانے لگیں۔

"میرے سسر بھی پولیس میں تھے، ڈاکوؤں سے پولیس مقابلے (اصلی، جعلی نہیں) میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی جگہ ان کے بیٹے کو نوکری مل گئی، یہ کہتے ہیں کہ کوئی غلط کام کر کے باپ کی شہادت کو بدنام نہیں کروں گا۔" فرحین آپا نے بولتے بولتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اسے دیکھا اور مسکرائیں۔

"ویسے ہمارا گزارا ہو جاتا ہے، ہم نے اپنی خواہشات اور ضروریات کو محدود کر دیا ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ آج چھٹی کا دن ہے، اتنے عظیم بھائی جان سے ہماری ملاقات ہو جائی۔"

"ارے پولیس والوں کی کیا چھٹی، کیا عید تہوار۔ کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ڈیوٹی لگی ہی رہتی ہے۔ بیچ میں چھٹی مل جائے تو مل جائے۔ اب دیکھ لو، آج چھٹی کا دن ہے مگر کوئی وی آئی پی مومنٹ ہے، ڈیوٹی لگ گئی۔ ہماری طرف سے معذرت کر لینا، تنخواہ ملتے ہی کرایہ پہنچا دیں گے۔" فرحین آپا کے لہجے میں ایسی لجاجت تھی کہ اصغر کو شرم سی آنے لگی، چائے پی کر وہ فوراً اٹھ گیا۔

گھر جا کر بیگم صاحبہ اور صاحب کو روداد سنائی۔

"چلو دیکھ لیتے ہیں دو چار دن اور۔" بیگم صاحبہ بے دلی سے گویا ہوئیں۔

"ایسا کرو اصغر میاں! ان سے کہنا کہ ایک ماہ کا کرایہ دے دیں اور باقی جب آسانی ہو تب دے دیں۔" خلاف توقع بیگم صاحبہ نے صاحب کو جھٹلانے یا بحث کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی اور جاننے والے جانتے ہیں کہ خاموشی نیم رضا۔ اگر کپتان خان اور محترم زرداری صاحب کینیڈین سیاست دان کے بنائے ہوئے اسٹیج پر یکے بعد دیگرے تقاریر کر سکتے ہیں تو بیگم صاحبہ اپنے مجازی خدا سے اتفاق کیوں نہیں کر سکتیں، آخر ان کا قصور ہی کیا ہے سوائے اس کے کہ وہ ایک شوہر ہیں۔

☆❀☆

لکھتے لکھتے صاحب تھک گئے تو کچھ دیر موسیقی سے دل بہلانے لگے۔ آنکھیں بند کیے اسی سرور میں گم تھے کہ رنگ میں بھنگ پڑ گیا یعنی اصغر میاں کی آمد ہو گئی۔

"صاحب۔" وہ پھسکڑا مار کر قالین پر بیٹھ گیا۔

"اونہوں......" انہوں نے بدمزا ہو کر آنکھیں کھول دیں، پہلے موسیقی بند کی پھر اپنا منہ کھولا۔

"اس وقت آپ کی وجۂ نزول جان سکتا ہوں؟"

"ہمارا کام ختم ہو گیا ہے، بیگم صاحبہ گھر پر نہیں ہیں، بور ہو رہے تھے بہت۔ اس لیے سوچا کہ آپ سے ہی دو چار باتیں کر لیں۔"

"میاں، ہمیں کیا دربار اکبری سے وابستہ بیربل سمجھا ہوا ہے، جو آپ کی بوریت دور کریں گے؟" صاحب کا لہجہ ذرا طنزیہ ہو گیا۔

چودھری نثار بن رہے تھے اور اصغر کو غالباً چودھری پرویز رشید سمجھ رہے تھے، مگر اصغر میاں اپنے پروں پر کہاں پانی پڑنے دیتے تھے فوراً موضوع کی طرف آ گئے۔

"ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کو موسیقی سے زیادہ دلچسپی ہو گئی ہے؟"

"ہاں میاں! موقع ہی اب ملا ہے اور ویسے بھی کچھ عادت سی پڑ گئی ہے سننے کی۔ چاہے وہ سرکار ہو، موسیقی ہو یا بیگم۔" انہوں نے تین مختلف سنانے والوں کو ایک کوزے میں بڑی مہارت سے بند کیا۔

"تینوں سے کچھ بھی سن لیتے ہیں آپ۔" اصغر نے اپنی مخصوص کھی کھی کی۔ "سرکار سے بے پر کی، بیگم سے واہی تباہی اور موسیقی میں طنبورہ، سارنگی ستار، حتیٰ کہ طبلہ بھی سن سن کر سر دھنتے ہیں۔"

"تو گدھی کمہار کی تجھے رام سے کیا کام۔" صاحب نے اصغر میاں کو ایسی حقارت بھری نظروں سے دیکھا جیسے الیکشن جیتنے کے بعد سیاست دان، عوام کو دیکھتا ہے۔

"تم کیا جانو میاں! طبلے کا مقام، تمام سازوں میں الگ ہی ہے۔ سارے ساز اکیلے ہی بجتے ہیں اور......"

"ہاں جیسے دنیا بھر کے مسلم ممالک، سب کی اپنی ڈفلی، اپنا راگ، ہر کوئی ماضی سے نا آشنا، حال سے بے خبر اور مستقبل سے لاپروا۔ اپنی اپنی پسند کے کونے میں منہ دیے، اپنی مرضی اور مطلب کا راگ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

الاپ رہا ہے۔'' اصغر میاں نے بڑی بے صبری سے ان کی بات کاٹ کر اپنی دانش وری جھاڑی۔

''عمومی تنقید نگاروں کی طرح مکمل تصنیف پڑھے بغیر تعریف یا تنقید کرنے مت بیٹھ جایا کرو۔ پہلے میری پوری بات سنو، پھر کچھ کہنا۔'' صاحب نے ڈانٹ کر سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے ختم کیا تھا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ طبلہ باقی سازوں کی طرح لنڈورا نہیں بجتا، اپنے جوڑی دار کے ساتھ جوڑی اور رنگ جماتا ہے۔ تمہیں تو علم بھی نہیں ہوگا، انسانوں، جانوروں اور پودوں کے بعد یہ واحد ساز ہے جس میں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔'' صاحب نے اپنی علمیت بگھاری اور اصغر میاں کا حیرت سے کھلا منہ دیکھ کر لطف اندوز ہونے لگے مگر اصغر کے جوابی جملے نے ان کا مزا توڑ کر کرا کر دیا۔

''اچھا، تب ہی میں کہوں کہ بعض طبلچی ایک طبلچی پر تو ایسے پیار سے ٹھیکا بجاتے ہیں گویا کہ محبوبہ دل نواز اور دوسرے کو اس بری طرح رگیدتے ہیں جیسے کہ رقیب، یقیناً اس میں سے اول الذکر مادہ اور موخر الذکر نر ہوتے ہوں گے۔

ویسے آپ کو کس نے بتایا کہ طبلہ میں نر اور مادہ ہوتے ہیں؟'' سر ہلاتے ہلاتے اصغر میاں نے حسب عادت سوال کر ڈالا، ٹاک شو کا اینکر نہ ہو تو......

''یوسفی صاحب نے بتایا تھا۔''

''یہ اپنے کونے والے یوسفی صاحب؟ جن کے آنگن میں نیم کا پیڑ لگا ہے۔ اسی کڑوے درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر میٹھی زبان سے اپنے ماضی کے قصے کہانیاں دہراتے رہتے ہیں۔''

''ہاں یہ سب یعنی نیم کا درخت، میٹھی زبان اور ماضی کی کہانیاں یوسفی صاحب کے ہاں ہیں مگر یہ ہمارے محلے والے نہیں۔ بہت مشہور لکھاری ہیں مشتاق احمد یوسفی۔'' صاحب نے اصغر میاں کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''انہوں نے بذات خود بتایا تھا آپ کو طبلے کے بارے میں؟'' اصغر مرعوب ہوا۔

''بذات خود نہیں، بقلم خود، ان کی کتاب میں پڑھا تھا بھئی۔ اب جاؤ، تمہاری بیگم صاحبہ کی آواز آ رہی ہے، ان سے باتیں سنو۔'' صاحب نے اصغر کو وہاں سے پہلے اٹھایا پھر بھگایا جیسے اردو غزل کے بعض اشعار کی رُو سے ظالم حسینائیں اپنے عاشقوں کو بھری محفل سے اٹھاتیں اور پھر بھگاتی ہیں۔

☆❁☆

جس دن ایک ماہ کا کرایہ آیا اس کے اگلے روز فرحین آپا کے شوہر پولیس ٹریننگ سینٹر میں ہونے والے بم دھماکے میں شہید ہو گئے۔

وردی چاہے خاکی ہو یا گہری نیلی۔ اسے پہن کر جو کوئی ملک و قوم کے لیے جان دیتا ہے، اس کی یکساں تعظیم و تکریم سب پر واجب ہے۔ میڈیا کے شاید اپنے قواعد و ضوابط ہیں، کسی رنگ کی وردی میں ملبوس شہادت خاص اہمیت کی حامل اور کسی رنگ کی وردی میں ملبوس شہید عام اہمیت کا حامل۔ رتبہ اور جزا اللہ دینے والا ہے، دنیا والوں کو اپنا فرض ایمان داری سے انجام دینا چاہیے۔

☆❁☆

صاحب ریٹائرمنٹ کے بعد کارِ سرکار میں بسر ہونے والی زندگی کا اعمال نامہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر رہے تھے۔ ایک تازہ باب کا اختتام ان لفظوں پر کیا۔

''کبھی، کسی نے محاورہ ایجاد کیا تھا ''ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا'' وہ اگر آج کے زمانے میں ہوتا تو کہتا کہ ناچنا تو سب کو آتا ہے اور سب خوب ناچ بھی رہے ہیں مگر آنگن پھر بھی ٹیڑھا کا ٹیڑھا۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عتیقہ ایوب

تیری راہ میں تیری چاہ میں

"میری زندگی کے مالک، میرے دل پہ ہاتھ رکھ دے۔"

کمرے میں داخل ہوتے ہی دھیمے سروں میں بجتا میوزک اس کے کانوں سے ٹکرایا۔

"تیرے آنے کی خوشی میں...... میرا دم نکل نہ جائے۔"

وہ حیران ہوئے بغیر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی اور لائٹ جلا دی۔ روشنی ہوتے ہی اس کی نظر بیڈ پر

ناولٹ

لیٹے وجود پر پڑی تھی۔ روشنی کے باوجود اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی، وہ ویسے ہی بازو آنکھوں پہ رکھ کے لیٹا ہوا تھا۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھی اور سائڈ ٹیبل پر رکھا ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ وہ ابھی بھی ساکت تھا۔ مطلب وہ واقعی سو گیا تھا اور وہ جو کھانے کے لیے اسے بلانے آئی تھی، آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے پیروں میں آ بیٹھی اور بہت احتیاط سے اس کے جوتے اتارنے لگی۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ شاید ستانے کے لیے لیٹا تھا، جوتوں سمیت، لیکن اب نیند کی وادیوں میں جا چکا تھا۔ جوتے اتار کے اس نے ایک طرف رکھے، تکیہ درست کیا اور پھر کمبل اڑھانے لگی تو ٹھٹک گئی۔

گردن پر چمکتا براؤن تل...... وہ جب بھی اسے دیکھتی تھی، ایسے ہی ٹھٹکتی تھی۔ عجیب سے انداز میں وہ اسے اپنی طرف کھینچتا تھا، ایک ٹھنڈی سانس بھر کے اس نے کمبل اس پر اچھی طرح ڈالا اور بے بسی سے دوبارہ اس کے چہرے کو دیکھا جس پر جی آنکھیں اس نے بازو رکھ کے چھپائی ہوئی تھیں۔ گویا نیند میں بھی کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ ان آنکھوں کو پڑھے، ٹھیک ہی تو کرتا تھا وہ، کوئی جو ان کو پڑھ لے تو بس پھر ساری عمر اسی کتاب کو پڑھنے میں لگا دے اور کہیں کا نہ رہے......

"زینب!" باہر سے آئی آواز پر وہ جو یک ٹک ہمیشہ کی طرح سب کچھ بھلائے اس کو دیکھ رہی تھی ہوش میں آئی اور ٹھنڈی سانس بھر کے لائٹ بجھا کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دروازہ بند کرتی باہر آ گئی۔

''بھائی نہیں آئے؟'' عائشہ نے رائتہ دستر خوان پر رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ سو گئے ہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور برتن سیٹ کرنے لگی۔

''آئے ہائے، کھانا کھائے بغیر ہی سو گیا میرا بیٹا!'' اماں بھی سن کر تسبیح ہاتھ میں پکڑے باہر آ گئی تھیں۔

''مجال ہے جو اس گھر میں کبھی اس کے آنے سے پہلے بنا ہو کھانا، بچہ تھکا ہوا آتا ہے ویسے ہی سو جاتا ہے۔ بس کل سے میں خود ہی پکا لیا کروں گی روٹی، ابھی اتنی ہمت ہے مجھ میں...... لو بتاؤ بھلا، دن بھر کا بھوکا پیاسا......''

وہ بڑبڑاتے ہوئے ''بچے'' کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں جب کہ وہ دونوں مسکراہٹ دباتی باقی کے لوازمات دستر خوان پر سجانے لگیں۔ جانتی تھیں اماں ابھی واپس آ جائیں گی، وہ بھی صرف ان کے سامنے ہی بول سکتی تھیں، اپنے پیارے بیٹے کے غصے سے وہ بھی خائف ہی رہتی تھیں لیکن ماں تھیں اس لیے دیکھے بغیر سکون سے بیٹھ بھی نہیں سکتی تھیں۔

☆❁☆

صاف ستھرے کھلے صحن میں نفاست سے سجے پودے، برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھی اماں اور صحن سے چھن چھن کر آتی سردیوں کی نرم دھوپ...... اسے عجیب سا سکون اپنی روح کے اندر اترتا محسوس ہوا۔ وہ وہیں اماں کے پاس تخت پر آ کر بیٹھ گیا، اماں نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔

''میرا بیٹا......!'' وہ کھل اٹھی تھیں، ساتھ ہی کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا۔

وہ مسکراتا ہوا موبائل نکال کے دیکھنے لگا، چار ہزار ـــــ وائس ایپ میسجز دیکھ کر اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

''حد ہو گئی، فارغ ہی ہیں لوگ بھی۔'' اس نے جھنجلا کر موبائل ویسے ہی سائڈ پر رکھ دیا اور نیم دراز۔ ہو کر دھوپ کے ساتھ ساتھ اماں کی اندر سے آتی آواز سننے لگا جو اٹھ کر اندر چلی گئی تھیں اور اب اندر بھونچال آیا ہوا تھا۔

''ارے، میں کہتی ہوں کسی کو کوئی خیال ہے بھی یا نہیں...... ناشتے کی راہ دیکھ رہا ہے وہ بیٹھا۔ ان کو ڈراموں سے فرصت نہیں۔'' اماں ان کے سر ہو گئی تھیں۔

''اللہ اللہ آنٹی...... بیٹھ جائیں ادھر۔'' زینب نے بوکھلا کر انہیں صوفے پر بٹھایا۔

''پراں ہٹ۔'' انہوں نے ہاتھ جھٹکا۔ ''مجھے کچن میں جانے دے، میں خود ہی بنا لوں گی ناشتا۔'' وہ بچوں کی طرح روٹھ کے بیٹھ گئی تھیں۔

''اماں! بس بھی کریں، بھائی چھٹی والے دن ویسے ہی لیٹ ہی کرتے ہیں ناشتا۔ آج پتا نہیں کیسے جلدی اٹھ گئے۔'' عائشہ نے فیڈر حرم کے منہ میں ڈالتے ہوئے جھنجلا کر کہا۔

''ریلیکس ہو جائیں آنٹی! میں بس جا ہی رہی تھی ناشتا بنانے۔'' زینب نے پھر سے انہیں رام کرنا چاہا۔

''ارے اچھی دلہن ہو تم بھی...... نہ کہیں سے لگتی ہو نہ کچھ اور...... نہ چوڑی نہ بالی۔'' ان کی نظر اب زینب کے ہاتھوں پر۔ گئی تھی جو اس نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے ان کے کندھے پر رکھے تھے۔ ان کے ٹوکنے پر اس نے گڑبڑا کے ہاتھ پیچھے کیے اور مدد طلب نظروں سے عائشہ کو دیکھا۔

''اماں...... میری پیاری اماں...... حرم بہت مشکل سے سوئی ہے، پلیز، بس کریں۔'' اس نے اب لاڈ سے ماں کو کہہ کے ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی مگر وہ بھی اماں تھیں، ان کی ذہنی رو جس طرف ہو جاتی پھر وہاں سے ہٹنا مشکل ہو جاتا تھا۔

''کاہے بس کروں، لے دس...... ایسی ہوتی ہے کوئی دلہن، آج کل تو نہ بیاہی کا پتا، نہ بن بیاہی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کا......'' وہ پھر سے شروع ہوگئی تھیں۔ زینب بے بس سی کان لپیٹے کچن کی طرف دوڑی اور تیزی سے ناشتا تیار کرنے لگ گئی۔ اماں کی بڑبڑاہٹ البتہ اب بھی جاری تھی۔

☆❁☆

''بھابھی!'' منزہ کی آواز پر وہ حیران سی اس کی طرف مڑی اور موبائل بند کر دیا۔ منزہ اپنے بھائی کی طرح ہی کم گو تھی، اس لیے اس کے اس طرح مخاطب کرنے پر وہ حیران ہوئی تھی۔ ورنہ تو ان تین ماہ میں جب بھی بات کی اس نے خود ہی بات کی منزہ سے۔

''آؤ منزہ! اندر آ جاؤ۔'' وہ اپنی روایتی خوش اخلاقی سے بولی۔ منزہ کنفیوز سی چشمہ سیٹ کرتی اندر آ گئی۔

''وہ بھابھی......'' اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے بات شروع کرنا چاہی۔

''کیا بات ہے منزہ! ریلیکس ہو کر بتاؤ۔'' وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کے پاس صوفے پر ہی آ گئی۔

''بھابھی! ایک کام تھا آپ سے، کر دیں گی ناں؟'' وہ معصومیت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، زینب کو بے ساختہ اس پر پیار آیا۔

''میری جان!'' اس نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''کیوں نہیں کروں گی بھلا، بتاؤ تو کیا کرنا ہے؟'' اس نے تسلی دی۔ منزہ کے چہرے پر تھوڑا سا سکون کا احساس ابھرا تھا۔

''وعدہ کریں پلیز۔'' اس نے مزید تسلی چاہی۔

''وعدہ...... پکا وعدہ...... گاڈ پرامس۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''بھابھی! وہ اصل میں...... یہ کام کوئی بھی نہیں کر سکتا، نہ اماں، نہ عائشہ باجی، نہ علی بھائی اور نہ میں خود...... صرف آپ کر سکتی ہیں۔''

''ارے......'' وہ حیران ہوئی، ایسا کون سا کام تھا بھلا۔

''بھابھی وہ ہماری کلاس ٹرپ پر جا رہی ہے مری، ایک ہفتے کا ٹرپ......'' وہ کہتے کہتے رکی۔

''بھابھی! مجھے جانا ہے پلیز......'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''ارے......'' اس نے بے اختیار اسے ساتھ لگا لیا۔ ''ہاں تو جاؤ...... کس نے روکا ہے تمہیں۔'' وہ حیران ہوئی، جس طرح کے ماحول سے وہ آئی تھی، اس کے لیے یہ بہت عام بات تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ منزہ کے لیے یہ عام بات بہت بڑا مسئلہ ہے۔

''بھابھی...... وہ...... ابراہیم بھائی کی بہن بھی جا رہی ہیں۔'' اس نے مزید ٹکڑا لگایا۔

''ہاں تو تم بھی جاؤ ناں، اس میں مجھ سے کیا کام ہے؟'' وہ اور حیران ہوئی، منزہ نے کنفیوز ہو کر اسے دیکھا۔

''بھابھی وہ...... عمر بھائی...... وہ کبھی اجازت نہیں دیں گے۔ انہیں یہ سب بالکل پسند نہیں ہے۔'' اصل بات اب اس کی زبان پر آ گئی تھی، زینب ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔ ''لیکن بھابی! پلیز آپ ان سے اجازت لے دیں پلیز...... میں کہوں گی تو وہ غصہ ہوں گے۔''

منزہ کی بات پر اس نے بمشکل تھوک نگلا، وہ اسے نہیں بتا سکتی تھی کہ منزہ کی بات پر صرف وہ غصہ ہو گا پر زینب کو تو شاید وہ بات کرنے کا موقع بھی نہ دے۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کے منزہ کو دیکھا، اپنا بھرم بھی تو رکھنا تھا پھر وہ اتنے مان سے اس کے پاس آئی تھی، زینب الفاظ ہی ڈھونڈتی رہ گئی معذرت کے۔

''بھابھی......'' منزہ نے اس کا کندھا ہلایا۔

''ہاں......'' وہ چونکی۔

''بات کریں گی ناں؟'' منزہ کے لہجے کی آس...... اس نے بے اختیار ہی نظریں پھیر لیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ہاں کروں گی، ضرور کروں گی اور وہ مان جائیں گے۔ کچھ نہیں کہیں گے، ڈونٹ وری۔'' اس نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ منزہ کے چہرے پر دھنک اتر آئی تھی۔

''تھینک یو...... تھینک یو سو مچ بھابھی!'' وہ کھلکھلا کر کہتی باہر چلی گئی جب کہ وہ وہیں بیٹھی اپنی متوقع عزت افزائی سوچ رہی تھی۔

عمر سعید اس کی زندگی میں آنے والا واحد مرد تھا اور مرد بھی ایسا مشکل کہ وہ حلفاً کہہ سکتی تھی' ان تین ماہ میں وہ اسے ایک فیصد بھی نہیں جان پائی تھی۔ بظاہر وہ بہت خاموش طبع، کم گو اور نہایت ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ دیکھنے میں بہت ڈیسنٹ، نارمل اور پُرکشش لیکن اس کی خاموشی اتنی رعب والی تھی کہ مقابل کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس میں ذرا سا بھی خلل ڈالنے کی۔ اماں بتاتی تھیں کہ ابا کے بعد کم عمری میں اس پر گھر کی ذمہ داری آ گئی تھی۔ خاندان والوں کی عیاریوں اور مکاریوں کا مقابلہ، ہر طرح کے حالات سے اپنے بہن بھائیوں کو دلیری سے بچا کے اس مقام تک لانے میں اور ذمہ داریاں نبھانے میں اس کی اپنی شخصیت خود بخود ایک خول میں سمٹتی چلی گئی تھی گو کہ زینب نے اس کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی اماں سمیت یہاں ہر بندہ ہی اس کے رعب میں تھا۔

اور وہ اعتراف کرتی تھی کہ اس کی خاموشی واقعی اگلے بندے کو چپ کروا دیتی ہے۔ وہ خود بے حد پُراعتماد اور بہادر لڑکی تھی، ایک آزاد اور دوستانہ ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہی تھی، کزنز کے ساتھ ہلا گلا، پارٹیاں اور منہ پر سب کچھ بول دینے کی عادت...... وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتی تھی، نہ جھجکتی تھی بلکہ وہ حیران ہوتی تھی کہ لڑکیاں کیوں شرماتی ہیں، کیوں کنفیوز ہوتی ہیں۔

لیکن اتنی بولڈنیس کے باوجود بہرحال عمر سعید کے ابا کے دوست کے توسط سے آنے والے رشتے پر اس نے کوئی اعتراض نہ کرتے ہوئے ہاں کی تھی گو کہ امی کو کچھ تحفظات تھے لیکن ابا نے لڑکا بہت ہی میچور اور ڈیسنٹ ہے کہہ کر امی کو چپ کروا دیا تھا اور وہ خوش تھی، بہت خوش۔ اس کی تصویر دیکھ کر ہی وہ عجیب سے انداز میں متاثر ہوئی تھی۔

مگر شادی کے بعد پہلے ہی دن بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہے گئے فقرے۔

''میری ماں، بہنیں اور بھائی اب آپ کے بھی اتنے ہی سگے ہیں جتنے میرے۔ امید ہے آپ انہیں سب سے زیادہ اہمیت دیں گی۔'' صرف یہ الفاظ تھے جو اس نے کہہ کے اسے ـــــ چپ کرا دیا تھا۔ اس کے بعد وہ تین ماہ کچھ بھی نہ بول سکی، تھوڑی بہت بات چیت ہوتی اور بس۔ وہ بھی موقع نہیں دیتا تھا خود کو جاننے کا، حالانکہ اگر دیکھا جاتا تو وہ بہت خیال رکھنے والا شوہر تھا۔ اپنے فرائض سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بنا کہے اس کی ہر ضرورت وقت سے پہلے پوری کرتا تھا۔ حقوق و فرائض کا پورا خیال رکھتا تھا۔ اسے خود امی ابا سے ملوانے کے لیے لے کے جاتا تھا اور امی ابا بلکہ سب ہی گھر والے بہت خوش تھے کہ ان کی سب سے لاڈلی اولاد سکون سے ہے۔

پھر زینب نے کبھی اسے بلاوجہ نخرہ کرتے نہیں دیکھا تھا، وہ کچھ بھی پہن لیتا تھا، کچھ بھی کھا لیتا تھا اور کبھی بھی مین میکھ نہیں نکالتا تھا، چاہے اماں جتنا بھی بولتی رہتیں' وہ خود کچھ نہیں کہتا تھا لیکن اس سب کے باوجود ایک دوسرے کے سب سے زیادہ قریب ہونے کے باوجود وہ اسے نہیں جانتی تھی۔

یہاں اسے سب سے ہی پیار ملا تھا۔ اماں، عائشہ اس کی بڑی نند جو ایک بیٹی کی ماں تھی اور زینب کی طرح ہی ہنسنے ہنسانے والی لڑکی تھی، آج کل میکے رہنے آئی ہوئی تھی۔ علی بھائی تھے، وہ اسلام آباد میں جاب کرتے تھے پھر منزہ تھی بہی معصوم بے ضرر......

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''میں ضرور بات کروں گی، کھا تو نہیں جائیں گے ناں۔'' اس نے پرانی زینب بن کر خود کو مضبوط کیا اور حوصلہ کرتی کچن میں آ گئی۔ دل ہی دل میں ورد بھی شروع کر دیا کیونکہ بہرحال وہ جانتی تھی، ایک دفعہ اس نے نہ کی تو ہاں میں نہیں بدلے گا پھر۔

☆❁☆

آنگن سے جاتی دھوپ اور اترتی شام، اس کا دل معمول سے زیادہ رفتار سے دھڑکنے لگ گیا۔

''کیا ہو گیا ہے زینب! کیوں اتنی کنفیوز ہو تم، زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے، منع کریں گے ناں۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو سمجھایا مگر پھر بھی دل وہیں اٹک گیا تھا۔

''اگر ناراض ہو گئے تو......'' اس پر پہلی بار کھلا کہ وہ اسے ناراض نہیں کر سکتی، اس کی خاموشی اور قدرے مغرور شخصیت میں وہ ایسا الجھی تھی کہ ہمیشہ اس الجھن میں رہنا چاہتی تھی۔ ان آنکھوں کو پڑھنے کی خواہش شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی، قربت کے انتہائی لمحات میں بھی وہ اس کی پہنچ سے بہت دور چلا جاتا تھا، پتا نہیں کب یہ اجنبیت ختم ہو گی۔

''زینب......'' عائشہ کی آواز پر وہ ہوش میں آئی اور اسے دیکھا جو حیرانی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ زینب نے گڑبڑا کر ہاتھ میں پکڑے چائے کے کپ کو دیکھا جو کب کا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اس نے بے اختیار لب بھینچ لیے۔

عائشہ کی حیرانی بجا تھی، وہ جانتی تھی زینب چائے کی دیوانی ہے۔ آج کیسے ٹھنڈی کر دی بھلا؛ لیکن زینب اسے سمجھا نہیں سکتی تھی کہ وہ اب چائے کی نہیں، عمر سعید کی دیوانی ہے اور اس کو سوچتے وقت وہ خود کو بھول جاتی تو چائے تو بہت دور کی بات تھی۔

☆❁☆

چائے کے کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اس نے ازسرِنو اپنے عزم کو تازہ کیا اور مضبوطی سے قدم اٹھاتی کمرے کی طرف بڑھی۔ اندر سے آتی دھیمے سروں کی آواز......اس نے زندگی میں اتنا کلاسیکل میوزک یا غزلیں یا پرانے گانے کبھی نہیں سنے تھے۔ وہ ہلا گلا کرنے والی لڑکی تھی اور ایسے ہی گانے سنتی تھی لیکن عمیر کلاسیکل موسیقی سنتا تھا، کبھی کبھی وہ حیران ہوتی تھی کہ بھلا یہ برف جیسا ٹھنڈا بندہ بھی احساسات رکھتا ہے جو ایسی موسیقی سنتا ہے۔ اگر جو کبھی یہ بھی ایسا محسوس کریں جیسا میں ان کے لیے کرتی ہوں تو......؟ خوشی سے ہی مر جاؤں شاید...... پتا نہیں کس چیز سے متاثر ہوتے ہوں گے، کیا چیز ان کو اٹریکٹ کرتی ہے۔ خوب صورتی تو شاید اتنا نہیں کرتی ورنہ میں اتنی گئی گزری تو نہیں ہوں۔

وہ ایک مرتبہ پھر سوچوں میں مگن کمرے کے بیچ و بیچ ٹرے لیے کھڑی بے دھیانی میں اسے دیکھتی اپنے خیالوں کی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ اگر جو یہ بندہ فرض سمجھنے کے بجائے سچ میں محبت بن کے مجھ پر برسے تو......سفید شرٹ میں اس کے ماتھے پر آئے بال اور بے تاثر مغرور نقوش، لیپ ٹاپ پر جمی گہری اندر تک اترتی آنکھیں......اس کو کیا پتا ہو گا کہ اس کی بیوی اس پر اتنا مرتی ہے اور......

''بیٹھ جائیں...... اگر آپ بیٹھ کر بھی مجھے دیکھتی رہیں گی تو میں کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس نے بنا آنکھ اٹھائے اپنے مخصوص ٹھنڈے لہجے میں اسے مخاطب کیا اور وہ جو مدہوش تھی، بری طرح سے گڑبڑا اٹھی۔ کپ ٹرے میں ہل سے گئے۔

اگلے ہی لمحے شرمندگی کی لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔

''کیا سوچ رہے ہوں گے ...... تو بھی ناں زینب!'' اس نے خود کو ڈپٹ کے چائے اس کے پاس رکھی اور خود صوفے پر بیٹھ کر خود کو سنبھالتی کچھ دیر پہلے کی شرمندگی کا تاثر زائل کرنے لگ گئی۔

''ہاں تو کیا ہوا، پھر میرا حق ہے دیکھنے کا۔ شرمندگی کی کیا بات ہے، ڈھیٹ بن زینب شاباش!'' اس نے خود کو بھرپور تسلی دی اور سکون سے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چائے کا گھونٹ بھرا۔ مگر گھونٹ بھرتے ہی اسے منزہ سے کیا وعدہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی چائے پینا اس کے لیے دوبھر ہو گیا۔

''عمر!'' اس نے اتنا آہستہ کہا کہ وہ خود ہی شاید اپنی آواز بمشکل سن پائی مگر اس کی توقع کے برعکس عمر نے سکون سے ''ہوں'' کہہ کر اسے حیرت کے سمندر میں غرق کر دیا تھا گو کہ اس نے سر اٹھا کر اب بھی نہیں دیکھا تھا بلکہ لیپ ٹاپ پر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے ہی ''ہوں'' کہا تھا مگر وہ حیران تھی کہ اس نے سن لیا تھا۔ کچھ دیر جب اس کی طرف سے پکارنے کے بعد کوئی جواب نہ آیا تو عمر نے بے اختیار ہی لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائیں اور اسے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ چھپانے کے لیے دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا کیونکہ وہ پورا منہ کھولے حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''منہ بند کر لیں، مچھر چلا جائے گا۔'' اس کی آواز پر اس نے جھٹکے سے منہ بند کیا تھا۔

''یا اللہ زینب!'' وہ ایک دفعہ پھر خود کو کوستی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''کچھ کہنا ہے آپ کو؟'' لہجہ ہمیشہ کی طرح ٹھنڈا مگر آج کافی نرم تھا۔

اس کے دھڑ دھڑ کرتے دل کو تھوڑی سی حوصلہ افزائی ملی تھی، اس نرم لہجے پر۔

''جی۔'' اس نے آہستہ سے نظریں جھکائے جھکائے ہی جواب دیا۔

وہ فیصلہ کر چکی تھی بات کر کے ہی رہے گی، آخر پڑھا لکھا بندہ ہے، وہ کیوں اعتراض کرے گا بھلا ٹرپ پر جانے سے۔

''کہیے۔''

عمر کے کہنے پر اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا جو سکون سے تھوڑی بازو پر جمائے بڑی تسلی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے سے زیادہ وہ نہیں دیکھ پائی تھی اور فوراً ہی نظریں جھکا دیں۔ دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے باہر ہی آ جائے گا، اتنی ٹھنڈ میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ بڑی ہمت سے اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور خود کو نارمل کرنے کی ناکام سی کوشش کی، ہاتھ بلاوجہ ہی ایک دوسرے میں اس نے سختی سے جکڑ لیے تھے۔

''یا اللہ......''

''خیریت ہے؟'' وہ اب دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا تھا۔ شاید وہ اس کی گھبراہٹ محسوس کر چکا تھا البتہ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا، کچھ بھی جتانے، ظاہر کرنے میں ناکام۔ اسے دوبارہ کام کرتا دیکھ کر وہ پھر سے ہمت باندھنے لگی۔

''یونیورسٹی کی سب سے بولڈ ڈی بیٹر رہی ہو تم زینب...... اپنی نند کی اتنی سی بات نہیں کر سکتیں...... تف ہے تم پر۔'' اس نے خود کو غیرت دلائی اور واقعی اسے غیرت آ بھی گئی۔

''وہ...... منزہ کا ٹرپ مری جا رہا ہے اور وہ بھی جانا چاہتی ہے تو آپ اسے اجازت دے دیں۔'' اس نے جھٹکے سے ایک ہی سانس روکے کہہ دیا اور پھر زبان ایسے دانتوں تلے دبالی سختی سے کہ خون رس آیا تھا مگر وہ ویسے ہی سانس دبا کے بیٹھی رہی۔ عمر کے کام کرتے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکے تھے اس کی بات سن کر، پھر وہ دوبارہ ٹائپ کرنے لگ گیا تھا۔

''اتنا ایٹی ٹیوڈ......'' ایک لمحے کے لیے تو زینب کو آگ ہی لگ گئی۔

''میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔'' سارا احترام، ڈر، رعب اور دیوانگی ایک طرف رکھ کر وہ بے اختیار پرانی زینب بنی۔

''میں سن چکا ہوں۔'' لہجہ اب صرف ٹھنڈا تھا، نرمی ختم ہو چکی تھی۔ زینب وہاں بیٹھے بیٹھے برف ہونے لگی مگر ہمت وہ بھی نہیں ہاری تھی۔

''تو پھر...... جائے وہ؟'' اس نے گویا پھر سے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالا۔

عمر نے ہاتھ روک کر بھنویں اچکائیں اور خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا، زینب کے ہاتھوں کی گرفت صوفے پر بے اختیار ہی مضبوط ہونے لگی۔

"کوئی بھی کہیں نہیں جارہا۔" قطعیت سے کہتا وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر کیوں...... وجہ؟" اس کے اندر کی خودسر زینب نے سر اٹھایا تھا۔

وہ جاتے جاتے پلٹا، اب کہ اس کے بے تاثر چہرے پر ہلکی سی حیرانی اور قدرے غصے کی ملی جلی حیرت تھی جیسے کہہ رہا ہو تمہاری اتنی جرأت...... زینب نے بے اختیار ہی اپنے قل پڑھ لیے۔

"وجہ یہ کہ میں کہہ رہا ہوں...... اوکے؟" اس کے قریب آکے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے اتنے سکون اور ٹھنڈے لہجے میں کہا کہ زینب کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزنے لگی۔

"اوکے؟" اس کے ہاتھ اب کندھوں میں اتنی سختی سے گڑ گئے کہ مارے تکلیف کے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر باہر وہ بھی نہیں آئے تھے۔

"اوکے؟" کے لہجہ اتنا سخت تھا کہ اس کا سر بے اختیار ہی ہاں میں ہل گیا اور ساتھ ہی آنسو بھی گالوں پر آگئے تھے۔ اس سے بھلا کب کسی نے اتنی سختی اور غصے سے بات کی تھی، وہ تو دو منٹ بھی نہ سہہ سکی۔

"اونہوں......" وہ آنسو دیکھ کر جزبز ہوا۔ "صاف کریں انہیں، روتی دھوتی عورتیں مجھے بالکل اپیل نہیں کرتیں۔" وہ آرام سے کہتا شب خوابی کا لباس اٹھائے واش روم کی طرف بڑھ گیا اور وہ ساکت سی بے آواز روتے روتے ادھر ہی ڈھے گئی تھی۔ اندر کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا...... شاید دل یا منزہ کا مان یا اس کا بھرم یا پھر شادی سے پہلے والی زینب کا وجود تھا جو آج پوری طرح ٹوٹ گیا تھا۔

بے دم سی وہ بستر پر آکے بیٹھی تھی، آنسو اب بھی زاروقطار باہر آرہے تھے، کچھ دیر بعد وہ اس کے برابر میں آکے بیٹھا تھا اور کچھ لمحوں بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے قریب کیا۔ وہ بنا مزاحمت کے اب سر اس کے کندھے پر رکھ کر اس کے ظلم پر ہی رو رہی تھی، ہچکیاں لے لے کر جب کہ وہ خاموش اپنی شرٹ کو بھیگتا دیکھ رہا تھا۔

☆❁☆

اگلی صبح آٹا گوندھتے ہوئے وہ بالکل خاموش تھی، دماغ میں مسلسل ایک ہی بات گھوم رہی تھی کہ وہ کیسے منزہ کو منع کرے گی۔

"ارے بہو نہیں اٹھی آج...... عائشہ، منزہ...... پتا تو کرو، طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی کہ نہیں؟"

اماں کی آواز پر وہ زور سے اچھلی، آج نماز پڑھتے ہی وہ سیدھی کچن میں آگئی تھی۔ اماں کو سلام بھی نہیں کر کے آئی تھی، اس نے تیزی سے ہاتھ دھو کے قدم اماں کے کمرے کی طرف بڑھائے۔

"السلام علیکم آنٹی!" اس نے دوپٹا سر پر جمایا۔ دوپٹا سر پر لینے کی عادت بھی یہاں آکے ہوئی تھی۔

"ارے...... وعلیکم السلام! جیتی رہو۔ سدا سہاگن رہو۔" انہوں نے اس پر پھونکتے ہوئے دعائیں دیں۔ وہ بمشکل مسکراتی ہوئی ان کے پاس بیٹھ گئی اور منزہ کو دیکھنے لگی جو نماز پڑھ رہی تھی، ایک دفعہ پھر سے وہ ہی فکر لاحق ہونے لگی۔ وہ ایسی ہی تھی، کسی کا دل توڑنا یا مان توڑنا اس کے لیے بے حد مشکل کام تھا، پی ٹی سی ایل پر آتی کال نے اس کا دھیان بٹایا۔

"اتنی صبح کس کا فون آگیا، اللہ خیر کرے۔" اماں پریشان سی بولی تھیں، اس نے ہاتھ بڑھا کے فون اٹھالیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"السلام علیکم!" اس نے کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔" دوسری طرف علی تھا۔ "کیسی ہیں بھابھی؟" اس کے پوچھنے پر وہ جھینپ سی گئی۔ اس کی پہلے کبھی ڈائریکٹ علی سے بات نہیں ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں علی بھائی؟" اس نے کہہ کر اماں کو دیکھا جو علی کا نام سن کر سکون سے دوبارہ تسبیح پڑھنے لگ گئی تھیں۔

"میں بھی ٹھیک ہوں، ہمارے بھائی کیسے ہیں؟" علی کا لہجہ اب شرارتی ہوا تھا، وہ یقیناً مزاج میں عائشہ پر گیا تھا، اسی لیے اتنا شگفتہ مزاج تھا۔

"وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں۔" اس نے کہہ کر بے اختیار دروازے کی طرف دیکھا۔

وہ اٹھ کر آ گیا تھا، اس نے جلدی سے فون اماں کو پکڑایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی وہیں آ گیا تھا، اسے ناشتا دے کر وہ اماں کے لیے ناشتا تیار کرنے لگی جب ہی منزہ کی آواز سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یقیناً وہ کالج جانے سے پہلے کنفرم کرنا چاہتی ہوگی۔ اس نے چور نظروں سے اس بے نیاز کو دیکھا جو سکون سے ناشتا کرنے کے بعد سنک پر ہاتھ دھو رہا تھا پھر مڑا اور اس کی قریب آیا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوئی، اس نے ہاتھ بڑھا کے دوپٹا پکڑا، ہاتھ پونچھے اور منہ صاف کرتا مڑے سے باہر نکل گیا۔

ادھر وہ گیا اور اُدھر منزہ اندر آ گئی، اس کے چہرے پر خوشی کے سارے رنگ پھیلے ہوئے تھے، زینب کو شدت سے شرمندگی کا احساس کچوکے لگانے لگا۔

"آؤ منزہ! ناشتا کرو۔" اس نے شرمندہ ہو کر کہا لیکن وہ ناشتا کرنے کے بجائے سیدھی اس کے قریب آئی اور اس سے لپٹ گئی، زینب بوکھلا کر رہ گئی۔

"تھینک یو سو مچ بھابھی! تھینک یو سو مچ۔ مجھے بالکل یقین نہیں آرہا کہ بھائی مان گئے۔ اوہ مائی گاڈ!" وہ پُرجوش ہو کر بول رہی تھی، زینب حیران پریشان اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہائے! اس کو میں کیسے بتاؤں کہ وہ نہیں مانے۔"

"ایسا ہے منزہ کہ تمہارے بھائی...... وہ...... اصل میں......" الفاظ ٹوٹ رہے تھے۔

"ہاں ہاں بھابھی! میرے بھائی جیسا اس پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ مجھے پتا تھا آپ منا لیں گی انہیں، پتا ہے بھائی نے اماں کو نہ صرف ٹرپ کے لیے پیسے دیے بلکہ کہا کہ اس کو شاپنگ بھی کروا دیجیے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی بازار...... ٹھیک ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھی جب کہ وہ ابھی تک اسی فقرے پر اٹک گئی تھی "بھائی نے اماں کو پیسے دے دیے" خوشی کی ایک لہر نے بے اختیار اسے لپیٹ میں لیا۔

"تو کیا واقعی...... مان گئے۔" وہ حیران تھی۔

"بھابھی جائیں گی شاپنگ پر؟" اس کے ہلانے پر اس نے فوری سر ہلایا، وہ خوش ہو کر پلٹ گئی جب کہ وہ اب بھی بے یقین سی کھڑی تھی۔

"تو عمر سعید صاحب...... آپ میں بھی بہرحال محسوس کرنے کی حس ہے۔" وہ کھل کے مسکرائی، دل بے اختیار ہی خوش فہمیاں پالنے لگ گیا۔

"چل زینب اپنا کام کر، تین گھنٹے رلانے کے بعد اگر مان ہی گیا تو سودا برا نہیں۔" وہ خود سے کہتی کھلکھلائی اور دوبارہ کام میں مگن ہو گئی لیکن خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

☆❁☆

موسم نے یکا یک ہی پلٹا کھایا تھا، سردیوں کی نرم سی دھوپ لمحوں میں غائب ہوئی تھی۔ سورج بھی بادلوں کی اوٹ میں ہو گیا تھا، موسم بے حد سرد ہو گیا تھا۔ قوی امکان تھا کہ بارش ہوگی، ایسے میں اماں کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دہائیاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

"عائشہ! حرم کو لحاف سے باہر نہ نکالنا، کوئی میرے عمر کو فون کر کے پوچھے، کدھر ہے...... ارے بہو! ذرا کال تو ملاؤ۔ منزہ! علی کو فون کرو، پوچھو وہ ٹھیک ہے، اسے کہنا سردی سے بچائے خود کو۔" وہ بار بار یہی باتیں دہرا رہی تھیں۔

"علی بھائی بالکل ٹھیک ہیں اماں! بے فکر رہیں اور حرم بھی سو رہی ہے۔" عائشہ نے انہیں تسلی دی۔

"زینب! عمر کو کال ملا پتر...... اسے کہہ آج جلدی آ جائے گھر، موسم کی کیا خبر۔" اماں نے دوبارہ کہا تو اس نے فوری کال ملا کے فون اماں کی طرف بڑھا دیا، اماں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ان کو کال ملا دی ہے، بات کرلیں۔" زینب نے جواب دیا، اماں کے ماتھے پر بے اختیار ہی لکیریں سی بن گئی تھیں۔

"ناں...... تیرا پردہ ہے اس سے؟" انہوں نے فون پکڑے بغیر آگے ہو کر بڑی بے زاری سے پوچھا، زینب بوکھلا کر رہ گئی۔

"نن...... نہیں آنٹی...... وہ میں تو......" اس سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پایا۔

"بھئی عجیب بات ہے، کمرے میں چاہے گھنٹہ گھنٹہ اس سے کال ملاتی ہو۔ میں نے کہہ دیا تو فون میرے ہاتھ میں تھما دیا، خود کو شوہر کی فکر نہیں ہے کیا، اتنا خراب موسم ہے۔" اماں شروع ہو گئی تھیں۔

منزہ نے سر پکڑا اور عائشہ نے زینب کا اُترتا رنگ دیکھ کر مسکراہٹ دبائی تھی۔

"وہ...... وہ آنٹی میں تو...... میں نے کہا کہ آپ......" وہ گھبرائی ہوئی' الفاظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"اماں کہتے ہوئے کیا زبان دکھتی ہے، کیا غیروں کی طرح آنٹی آنٹی ہر وقت...... بھئی ان تین ماہ میں پتا چل گیا ہے کہ بہت انگریزی آتی ہے تمہیں۔"

زینب کا یہ وقت ہی بُرا تھا، روز اماں کسی نہ کسی کی کلاس لیتی تھیں' اس وقت وہ بڑا انجوائے کرتی تھی، اب خود پر پڑی تو اسے بچنے کی کوئی راہ نہیں مل رہی تھی۔

"اماں بس بھی کردیں، بھابھی اب رونا شروع ہو جائیں گی۔" منزہ کی نظر اس کے سرخ ہوتے چہرے پر تھی، اماں نے فوراً عینک لگا کے اسے دیکھا۔

"آئے ہائے...... جا میری دھی! میں تو تخول کر رہی تھی ایسے ہی...... لے دس۔" اس کی شکل دیکھ کر وہ فوراً ہی اپنی نرم دلی کے باعث پگھل گئی تھیں، زینب کی جان میں جان آئی۔

"اماں' وہ فون نہیں اٹھا رہے۔" اس نے اب کی دفعہ آنٹی کہنے کی غلطی نہیں کی۔

"ہے ہی لاپروا...... شروع سے ہی ایسا ہے بے دید۔" اماں نے منہ بنا کر تسبیح اٹھائی اور وہ جو توقع کر رہی تھی کہ اماں مزید پریشان ہو جائیں گی۔ فون نہ اٹھانے کا سن کر، ان کا ایسا لٹھ مار جواب سن کر ہکا بکا انہیں دیکھ رہی تھی۔

"یا اللہ! یہ ماں بیٹا کسی دن مجھے حیرت کے جھٹکے دے دے کر اوپر پہنچا دیں گے۔" وہ حیران سی —— دوبارہ نمبر ملانے لگی۔

☆❁☆

"ہونٹوں میں ایسی بات میں دبا کے چلی آئی۔"

ٹیپ ریکارڈر میں دھیمے سروں میں بجتے گانے نے اس کی توجہ کھینچی۔ اس نے تہ کیے ہوئے کپڑے الماری میں رکھتے ہوئے ذرا کی ذرا اس بے نیاز کو دیکھا جو موبائل پر بزی تھا۔

ہونٹوں میں ایسی بات میں دبا کے چلی آئی
کھل جائے وہ ہی بات تو دہائی ہے دہائی

"واہ واہ......" وہ سن کر اش اش کر اٹھی تھی، کمال کی شاعری تھی، عمر کا ذوق بہت اچھا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''زینب......'' اس کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔

''جی۔'' اس نے بے بسی سے اسے سگریٹ سلگاتے دیکھا، کتنے برے لگتے تھے اسے سگریٹ پینے والے مرد...... لیکن عمر سعید کے معاملے میں دل نے ایسی دغا دی تھی کہ اسے پھر بھی بہت اچھا لگتا تھا۔

''عائشہ نے جانے کے لیے کہا ہے، اگلے ہفتے وہ چلی جائے گی۔ آپ کل اسے شاپنگ پر لے جایئے گا۔'' اس نے دھواں اگلتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز بہت خوب صورت تھی اور وہ عام طور پر بہت دھیما، ٹھنڈا اور سکون سے بولتا تھا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' زینب نے سر ہلایا۔ گو کہ وہ عائشہ کے جانے کا سن کر اداس ہوگئی تھی۔ اس کے آنے سے گھر میں بہت رونق ہو جاتی تھی۔

''منزہ کو بھی لے جایئے گا۔'' اس کے کہنے پر زینب نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر اُدھر وہی ازلی سکون تھا۔ بالکل بے تاثر چہرہ، کل رات کی داستان کا کوئی حوالہ تک نہ تھا۔ زینب مایوس سی ہوگئی، دل پھر سے اداس ہونے لگا۔ مطلب وہ اس کے آنسوؤں سے بالکل بھی نہیں پگھلا تھا، پتا نہیں یہ شخص کبھی مجھے اپنے اندر اُترنے دے گا ـــ یا نہیں۔ میں کبھی جان ـــ پاؤں گی کہ یہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہے، کیا محسوس کرتا ہے، ذمہ داری کے علاوہ بھی کچھ سمجھتا ہے مجھے یا نہیں......

یا پھر شاید میں ہی ناشکری ہوں، سب کچھ تو اللہ نے دیا ہے' خیال بھی رکھتے ہیں پھر بھی میں پتا نہیں کیوں جذباتی ہو جاتی ہوں لیکن خود کو سمجھانے کے باوجود بھی وہ اداس تھی۔ اسے اس کا ایسا فرض سمجھ کر نبھایا جانے والا خیال نہیں چاہیے تھا، وہ جاننا چاہتی تھی اسے، اس پر حق جتانا چاہتی تھی، اس کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی، اس کے ساتھ جینا چاہتی تھی۔

ایک بار...... ایک بار ان آنکھوں کو پڑھنے کی اجازت دو عمر سعید! ساری عمر تمہاری پجارن بن کے رہوں گی، کسی بے اعتنائی پر اُف نہ کروں گی، کوئی شکوہ لبوں تک نہ آئے گا۔

وہ پھر سے دور چلی گئی تھی، اپنی سوچوں کی دنیا میں، کپڑے ہاتھ میں تھے اور الماری کھلی ہوئی تھی۔ عمر نے طویل سانس بھر کے اس کے ہاتھ سے کپڑے لیے اور الماری میں رکھ دیے جب کہ وہ چونک کر ہوش میں پھر مارے شرمندگی کے زمین میں گڑ کے رہ گئی۔

''یا اللہ! یہ ساری بونگیاں میں ان کے سامنے ہی کیوں مارتی ہوں۔'' وہ آنکھ نہیں اٹھا رہی تھی۔

''آپ بیٹھ کر سوچ لیا کریں، کھڑے ہو کر سوچنے سے دماغ کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی تھک جاتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی، شاید وہ مسکرایا تھا۔ زینب نے دیکھنے کے لیے بے اختیار ہی سر اٹھایا مگر وہ چالاکی سے دھواں اس کے منہ پر چھوڑتا مڑ گیا اور وہ بے اختیار ہی ہاتھ سے دھواں پیچھے کرتی رہ گئی۔

☆❁☆

''پلیز مجھے کچھ کھلا دو، نہیں تو میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔'' پچھلے تین گھنٹوں کی شاپنگ نے سب سے زیادہ منزہ کو تھکا دیا تھا جب کہ وہ دونوں ابھی بھی بالکل فریش تھیں۔

''بس یہ آخری جوتا لے لیں پھر کچھ کھانے چلتے ہیں۔'' زینب نے اسے تسلی دی، جوتا خرید کے وہ ایک ریسٹوران میں آ گئی تھیں۔

''جلدی سے آرڈر کرو بس۔'' زینب کرسی پر ڈھے گئی، اسے بھی اب بھوک ستا رہی تھی۔

''بھائی...... ی...... ی......'' کھانا کھاتے ہوئے عائشہ کے منہ سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی' دونوں نے چونک کے عائشہ کو دیکھا جو گھبرائی سی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں کی پشت دروازے کی طرف تھی، عائشہ کے اس طرح دیکھنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پر وہ بھی بے اختیار مڑیں اور سامنے سے آتے عمر کو دیکھ کر وہ بھی بوکھلا گئیں۔ عائشہ نے یہاں آنے سے پہلے اسے بتایا تھا کہ عمر کو لڑکیوں کی ہوٹلنگ زیادہ پسند نہیں ہے۔

"کچھ نہیں کہتے...... سکون سے کھانا کھاؤ۔"

زینب نے لاپروائی سے کہا تو ان دونوں کو تسلی ہوئی حالانکہ اندر سے وہ بھی ڈر رہی تھی لیکن وہ عائشہ کو دیکھ کر حیران تھی جو شادی شدہ ہونے کے باوجود اتنا ڈرتی تھی بھائی سے۔ اتنے میں وہ بھی انہیں دیکھ چکا تھا اور وہ جو ایک بزنس ڈیلنگ کے لیے یہاں آیا تھا انہیں دیکھ کر اُدھر ہی آ گیا۔ عائشہ اور منزہ اسے آتا دیکھ کر کھڑی ہو گئیں لیکن اس نے آ کے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ دونوں مطمئن ہو گئیں۔

"ہو گئی شاپنگ؟" اس نے ایک نظر دوسری طرف سرخ دوپٹے میں بیٹھی زینب پر ڈالی اور اسے دیکھتے ہی ہلکی سی ناگواری اس کے چہرے پر بے اختیار ظاہر ہوئی جو زینب جیسی حساس لڑکی کی آنکھوں سے چھپی نہیں رہی تھی۔ اس کا دل بیٹھ گیا۔

وہ کھانے میں ان کے ساتھ شریک ہو چکا تھا، شاید اسے ان تینوں کا اکیلے یہاں بیٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اس لیے وہ ان کے ساتھ ہی کھانا کھانے لگا، کھاتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک نظر اس پر بھی ڈالتا اور ہر دفعہ ہی اسے اس کی آنکھوں میں غصہ ہی نظر آیا۔

زینب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے، اس طرح غصے سے تو اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو غصے میں بھی بڑا پرسکون رہتا تھا۔ اس سے بالکل بھی کھانا نہیں کھایا گیا تھا "شاید ہوٹلنگ پر خفا ہو رہے ہوں مجھ پر۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی اور ڈرتی رہی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے ان تینوں کو ساتھ آنے کا کہا اور خود گھر تک چھوڑنے آیا۔

گھر کے آگے رکتے ہی منزہ اور عائشہ تیزی سے اتریں، وہ درمیان میں بیٹھی تھی، اس لیے ان کے بعد اترنا تھا۔

"آئندہ آپ کبھی بھی چادر کے بغیر مجھے بازار میں نظر نہ آئیں۔" گاڑی سے اترتے ہوئے اس کی سخت آواز سن کر وہ سُن ہو گئی۔

اس نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر پچھلا دروازہ بند کیا اور زن سے گاڑی آگے لے گیا جب کہ وہ ساکت وہیں کھڑی تھی پھر آہستہ آہستہ اندر آئی اور خاموش سی عائشہ اور منزہ کو دیکھنے لگی جو اماں کو شاپنگ دکھا رہی تھیں لیکن وہ ان کے وجود کے گرد لپٹی سیاہ چادریں دیکھ رہی تھی جو انہوں نے اتارے بغیر ہی شاپنگ دکھانا شروع کر دی تھی۔ بے اختیار ہی اس کی نظر سامنے شیشے میں اپنے عکس پر پڑی، پرنٹڈ لینن کے سوٹ پر سرخ کریب کا دوپٹا تھا، اس نے تو دوپٹا بھی سر پر لینا اب شروع کیا تھا، اسے عمر کی غصیلی نظریں یاد آئیں تو اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

"میری توبہ جو آئندہ بغیر چادر کے نکلوں۔"

وہ دل ہی دل میں عہد کرتی واپس آ گئی جہاں اماں بیٹیوں پر خفا ہو رہی تھیں کہ زینب نے اپنے لیے کیوں نہیں کچھ لیا، وہ مسکراتی ہوئی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"سب کچھ ہے اماں میرے پاس، سب کچھ۔" اس نے احترام سے ان کے ہاتھ تھامے، وہ عظیم بیٹے کی ماں تھیں۔ اماں نے بغور اس محبت کے مظاہرے کو دیکھا پھر آگے کو ہوئیں۔

"کم (کام) دس...... کم......" آنکھیں گھما کر پوچھ رہی تھیں، زینب بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

"کوئی کام نہیں ہے اماں! ایسے ہی آپ پر پیار آ رہا ہے۔" اس نے لاڈ سے ویسے ہی ان کے گلے میں بازو ڈالے جیسے وہ امی کے گلے میں ڈالتی تھی۔ اماں اور منزہ حیران' جب کہ عائشہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بھی کھل کے مسکرا دی تھی، اسے آج اماں سے بالکل گھبراہٹ نہیں ہوئی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆❁☆

عائشہ سسرال چلی گئی تھی اور منزہ ٹرپ پر، گھر پر مزید خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ سارا دن بوکھلائی سی پھرتی رہتی۔ اماں بھی ٹھنڈ کی وجہ سے جوڑوں میں ہونے والے درد کے باعث زیادہ تر خاموش ہی رہتی تھیں۔ اب بھی بوریت سے بچنے کے لیے اس نے صحن چمکانے کا فیصلہ کیا، وہ کئی دن سے اسے اچھی طرح دھونے کا سوچ رہی تھی مگر اماں نہیں دھونے دیتی تھیں کہ ٹھنڈ بہت ہے، رہنے دو، بیمار پڑ جاؤ گی۔

آج ذرا سورج صاحب بھی موڈ میں تھے، دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی، اس نے فوری پائپ لگایا اور شروع ہوگئی۔ ابھی آدھے سے زیادہ صحن دھویا تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ وہ دوپٹا درست کرتی گیٹ پر آئی اور باہر کھڑے ادھیڑ عمر آدمی اور ان کے ساتھ کھڑی خاتون کو دیکھ کر سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ بھی حیران مگر خاتون کچھ زیادہ ہی غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''جی؟'' اس نے پوچھا۔

''تم......عمر کی دلہن ہو؟'' وہ خاتون بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

عمر کا نام سن کر اس نے طویل سانس لیا۔ یقیناً ان کے رشتہ دار ہی ہیں، شادی اتنی سادگی سے ہوئی تھی کہ وہ ان کے بس اکا دکا ہی رشتہ داروں کو جانتی تھی۔

''ہاں جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا کے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ خاتون اب بڑے غور سے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لے رہی تھیں زینب جز بز سی ہوکر انہیں اندر لے آئی۔

''ارے بہو! میرا چشمہ نجانے کدھر رہ گیا، دیکھو تو بھلا۔'' اماں نے اسے دیکھ کر دہائی دی۔

''اماں......یہ......'' اس نے اپنے پیچھے آنے والوں کی طرف اشارہ کیا مگر اماں پہلے ہی اس کے پیچھے آنے والوں کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

''السلام علیکم بھابھی!'' وہ دونوں بڑی گرم جوشی سے اماں سے مل رہے تھے۔

''وعلیکم السلام! خیر سے تم آج کیسے راستہ بھول گئے عبدالستار۔'' اماں نے دیور کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ شرمندہ سے بیوی کو دیکھ رہے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں تم ہی جواب دو اب۔

''ارے بھابھی! میں تو کب سے آنے کا سوچ رہی تھی بس ذرا مصروفیت تھی ورنہ آپ سے ملنے کا تو بڑا دل تھا میرا۔'' وہ خاتون جو غالباً عمر کی کراچی والی چچی تھیں بڑی مٹھاس سے اماں کو کہہ رہی تھیں۔

''ہوں......'' اماں نے ہنکارا بھرا۔

''یہ بہو ہے؟'' ان کی ایکسرے کرتی نگاہیں ایک دفعہ پھر سے اس پر تھیں جو آرام سے کھڑی تھی، اماں نے ان کی نظر کے تعاقب میں دیکھا پھر بولیں۔

''ہاں، اللہ کا کرم ہے۔ بیٹیوں جیسی بہو مل گئی۔'' ان کے کہنے پر زینب جی اٹھی تھی گویا، اماں کبھی بھی اس کی برائی نہیں کرتی تھیں بلکہ ضرورت سے زیادہ ہی مان رکھتی تھیں اس کا، اس گھر میں سب ہی مان رکھنے والے تھے۔

''ہوں......'' چاچی کو شاید تعریف سن کر مایوسی ہوئی تھی، وہ مسکراتی ہوئی کچن میں آگئی اور چائے کے ساتھ دیگر لوازمات کا اہتمام کرنے لگی جب اماں کی دوبارہ آنے والی آواز پر وہ باہر آئی۔

''جی اماں!'' اس نے کہا۔

''اوپر کے دونوں کمرے کھلوا دینا، تمہارے چاچا چاچی کچھ دن یہیں رکیں گے۔ دوسرا کمرہ بھی سیٹ کرا دینا، بچیاں بھی ہیں ان کے ساتھ۔ ماموں کے گھر ٹھہری ہیں، شام تک آجائیں گی۔'' اماں نے تفصیلی ہدایات جاری کیں' جب کہ وہ سر ہلاتی مڑ گئی۔

اماں، عمر اور باقی سب بھی بہت زیادہ مہمان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نواز واقع ہوئے تھے حالانکہ عائشہ نے اسے بتایا تھا کہ یہ ہی وہ لوگ تھے جن کی وجہ سے وہ بچپن میں گھر بدر ہوئے تھے مگر اماں کی ہمت سے وہ آج ان سب لوگوں سے بہت آگے نکل گئے تھے پھر بھی وہ کھلے دل سے ان کی مہمان داری کر رہی تھیں۔

وہ دل ہی دل میں ان کی مزید معترف ہوئی۔

☆❁☆

گھر میں چاچا، چاچی اور زارا، سارہ کے آنے سے کافی ہل چل ہوگئی تھی گو کہ وہ دونوں کم گو تھیں۔ عمر کی فیملی مجموعی طور پر ہی کم بولتی تھی مگر پھر بھی ایک رونق سی ہوگئی تھی۔ ان کی آمد پر عمر نے کوئی خاص تاثر نہیں دیا تھا، شاید وہ واقعی ایسا ہی تھا کہ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بلا کا بے نیاز اور بلا کا پرسکون، البتہ علی، منزہ اور عائشہ سے وہ رات واٹس ایپ پر بات کرتے ہوئے جب چاچا کی فیملی کی آمد کے بارے بتا رہی تھی تو عائشہ نے بے اختیار آنکھوں پر دل والی ایموجی بھیج کر اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ ''شکر وہ پہلے ہی سسرال آگئی تھی''۔ منزہ نے بھی بڑی خوشی سے کہا کہ ''شکر وہ ٹرپ پر ہے'' البتہ علی کے کمنٹ پر وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی، اس نے لکھا تھا کہ......

''اس کا اس ہفتے گھر آنے کا ارادہ تھا لیکن وہ اب ان کے جانے کے بعد ہی آئے گا۔'' ساتھ ہی لکھا تھا۔

''بھابھی! ذرا بچ کے، ہمارے خاندان کی لڑکیاں عمر بھائی پر دل و جان سے فدا تھیں۔'' وہ سٹپٹائی اس بات پر تھی کہ یہ واٹس ایپ پر بنا ہوا ان کا فیملی گروپ تھا۔ وہ عائشہ، منزہ اور علی کے ساتھ ساتھ عمر بھی اس میں ایڈ تھا اور یہ ساری بات چیت گروپ میں ہی ہو رہی تھی، جس وقت علی کا کمنٹ آیا، عمر اس کے ساتھ ہی تھا کمرے میں۔ زینب کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے گو کہ عمر نے کبھی بھی اس گروپ میں کوئی کمنٹ کرنے کی زحمت نہیں کی تھی مگر وہ پڑھتا ضرور تھا، اس لیے وہ چپ کر کے آف لائن ہوگئی اور دوبارہ منزہ کی ٹرپ کی تصاویر دیکھنے لگی۔

اگلی صبح چاچی اور زارا اس سے پہلے کچن میں موجود تھیں اور ناشتا تیار کر رہی تھیں، زینب ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گئی پھر جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے چھری اور پیاز لے لی، جو وہ آملیٹ بنانے کے لیے کاٹ رہی تھیں۔ چاچی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''چاچی! میں بنا لیتی ہوں، آپ بیٹھیں پلیز۔'' اس نے نرمی سے کہا اور زارا کو بھی منع کیا۔

''کیوں بیٹھیں...... بھئی بعد میں باتیں بھی تم ہی بناؤ گی کہ ماں بیٹیاں مفت میں روٹیاں توڑ رہی ہیں اور میری زارا تو ویسے بھی بہت سگھڑ ہے، فارغ بیٹھ ہی نہیں سکتی۔'' انہوں نے منہ بناتے ہوئے زارا کو دوبارہ اشارہ کیا، وہ فوراً اٹھ کر چولہے کے پاس چلی گئی، زینب بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔

''لیکن چاچی......'' الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ وہ سیاہ شرٹ اور گرے پینٹ میں روشنیاں بکھیرتا ناشتا کرنے کچن میں آ گیا۔

اس نے ایک نظر ان تینوں پر ڈالی اور پھر خاموشی سے آ کر ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی چچی الرٹ ہوئیں۔

''ارے زارا! پہلے عمر کو ناشتا دو، میرے بیٹے نے آفس جانا ہوگا۔'' ان کے لہجے میں بے حد مٹھاس تھی۔ زارا کے ہاتھ مزید تیزی سے چلنے لگے۔

''زینب! مجھے ناشتا بنا دیں۔'' اس نے اپنے مخصوص پرسکون لہجے میں بنا کسی کو مخاطب کیے ڈائریکٹ زینب سے کہا۔ چاچی کا چہرہ سبکی کے احساس سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ زینب سر ہلاتی آگے بڑھی مگر چاچی نے ایک دفعہ پھر اس کا بازو پکڑ کر روک دیا۔

''ارے بیٹا! زارا بنا رہی ہے نا۔'' ان کی بات

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پر عمر نے پہلی دفعہ سر اٹھایا اور بغور انہیں دیکھا، پھر کہا۔

''زینب...... میرا ناشتا بناؤ۔'' وہ اب بھی چاچی کو ہی دیکھ رہا تھا جن کا رنگ بری طرح اڑ گیا تھا اس نے دوبارہ سر جھکا لیا، زینب نے زارا کے ہاتھ سے بیلن لیا جو اس نے مسکراتے ہوئے ہی زینب کو تھمایا تھا۔ یقیناً وہ اچھی لڑکی تھی۔ وہ بیلن تھما کر باہر چلی گئی جب کہ چاچی شرمندگی سے کچھ دیر کھڑی رہیں پھر باہر چل دیں جب کہ زینب بھی شرمندہ سی ناشتا بنا رہی تھی۔ اسے چاچی کا شرمندہ ہونا اچھا نہیں لگا تھا، بہر حال وہ بڑی تھیں مگر یہ بات عمر سعید کو کون سمجھائے۔ یہاں وہ ہی ہوتا تھا جو وہ چاہتا تھا اور بس......

☆❁☆

''بہو! ادھر آؤ ذرا۔'' وہ مغرب کی نماز اماں کے کمرے میں ادا کرتی تھی، آج بھی ادا کر کے جانے لگی تو ان کے پکارنے پر مڑی۔

''جی......'' وہ ان کے بیڈ پر ہی آ گئی۔

''عبدالستار نے باتوں ہی باتوں میں علی کے لیے کہا ہے۔' اماں نے کہا تو وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا کہا ہے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی، اماں سٹپٹائیں۔

''یہ لو...... سیدھی بات کی ہے' پھر بھی سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ گویا اس کی دماغی حالت پر شبہ کر رہی تھیں۔ زینب شرمندہ سی ہو گئی، واقعی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''عبدالستار اور عذرا چاہ رہے ہیں کہ علی کے لیے زارا یا سارہ میں سے کسی کو لے لیں۔'' اماں نے اب باقاعدہ ہاتھ نچا کے اسے سمجھایا تو اس کے منہ سے بے اختیار ''اوہ ہ ہ'' نکل گیا۔

''بتاؤ تم، کیا کہتی ہو؟'' اماں نے اب آگے کو ہو کے آہستہ سے پوچھا، وہ ایک دفعہ پھر حیران ہوئی۔

''میں...... میں کیا کہوں ہے؟'' اس کی آنکھیں پھیل سی گئیں جب کہ اس کے یوں کہنے پر اماں نے بے اختیار ہی سر پر ہاتھ مارا اور ناراض سی پیچھے کو ہو گئیں۔

''مانو...... بالکل ہی عقل سے پیدل ہو، ارے میں پوچھ رہی ہوں تمہاری کیا رائے ہے؟'' وہ اب تھوڑی ناراضی سے بول رہی تھیں۔

''میں کیا رائے دے سکتی ہوں اماں! علی بھائی سے پوچھ لیں اگر وہ کہیں اور انٹرسٹڈ نہیں ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ زارا اور سارہ دونوں ہی اچھی لڑکیاں ہیں، باقی آپ کی مرضی۔'' اس نے گول مول سا جواب دیا۔

جواباً اماں نے لمبا سا ہمممم...... کہنے پر اکتفا کیا پھر ایک طویل سانس بھر کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''تم ذرا پوچھنا آج علی سے اور پھر عمر سے بھی پوچھنا۔'' اماں کے کہنے پر وہ زور سے اچھلی۔

''نن...... نہیں اماں! عمر سے آپ خود پوچھ لیجیے گا۔'' اسے صبح والا اس کا رویہ یاد آ گیا تھا۔ اماں نے جواباً گھور کے اسے دیکھا، وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''او کے او کے...... میں ہی پوچھ لوں گی۔''

اسے اماں کے ہاتھوں ہونے والی پچھلی بار کی عزت افزائی بھی یاد آ گئی تھی، اس لیے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ـــــ اٹھ کے باہر آ گئی۔ ماں ہو یا بیٹا...... سہنا تو اسے ہی تھا۔

☆❁☆

ان آنکھوں کی مستی کے مستانے ہزاروں ہیں
ان آنکھوں سے وابستہ افسانے ہزاروں ہیں

وہ کمرے میں آئی تو وہ سگریٹ سلگائے ہمیشہ کی طرح ٹیپ ریکارڈ آن کیے چت لیٹا تھا۔ زینب' علی سے بات کر کے آئی تھی، جواباً اس کا سارا فیصلہ عمر پر چھوڑ دینے پر وہ عمر سے بات کرنے آئی تھی۔ علی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے اس سے کہا تھا کہ وہ کہیں بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے، اگر عمر بھائی راضی ہیں ادھر تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ شرارتی تھا۔ وہ مطمئن سی اندر چلی آئی۔

اسے کم گو اور سادہ سی زارا بہت اچھی لگی تھی حالانکہ سارا زیادہ ملنسار تھی مگر پھر بھی اسے پتا نہیں کیوں زارا زیادہ اچھی لگی تھی، رہی چاچی کی بات تو انہوں نے تھوڑی آنا تھا۔ بیٹی کے ساتھ بیاہ کے، اگر یہ رشتہ ہو جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔

اس شمع فروزاں کو آندھی سے ڈراتے ہو
اس شمع فروزاں کے پروانے ہزاروں ہیں

مغنیہ گنگنا رہی تھی اور وہ مسلسل سگریٹ پھونک رہا تھا۔

"عمر۔" اس نے بیڈ کی دوسری طرف پر بیٹھ کر آہستہ سے پکارا۔

"ہوں۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں بغیر چونکے کہا۔

"ایک بات کرنی ہے آپ سے۔" اس نے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

"کریں۔" اس کے سکون میں کوئی فرق نہ آیا' وہ اب تیسری سگریٹ سلگا رہا تھا، زینب نے —— ہونٹ بھینچ لیے۔

"کیا آپ اسے دومنٹ کے لیے بند نہیں کر سکتے۔" اس کے منہ سے بے اختیار ہی نکل گیا تھا۔ جواباً اس کے لائٹر جلاتے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکے، اگلے ہی لمحے اس نے بڑے سکون سے اسے سلگایا اور اس کی اس حرکت پر وہ غصے سے سرخ ہوگئی تھی یعنی کہ حد ہوگئی۔

اس کے اندر کی خودسر زینب ایک بار پھر جاگ گئی تھی، علی، سارا، چاچی...... وہ سب بھول گئی اور جھٹکے سے آگے ہو کر اس نے سگریٹ اس کے ہاتھ سے کھینچ کر بازو پیچھے کر لیا جب کہ عمر اس کی اس جرأت پر اسے آگ برساتی نظروں سے دیکھ رہا تھا، مگر اس نے بازو آگے نہیں کیا تھا، وہ ڈٹ گئی تھی۔

"یہ دے دیں مجھے۔" آنکھوں کے برعکس لہجہ بلا کا پرسکون تھا۔

"پہلے میری بات سنیں۔" وہ بے خوفی سے بولی۔ وہ کھول کے رہ گیا تھا۔

"زینب۔" اس کا لہجہ تنبیہی تھا، دھمکاتا ہوا وہ' سر جھکا گئی تھی مگر سگریٹ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں دبا تھا۔ اگر وہ ضدی تھا تو پھر اس نے ابھی زینب فاطمہ کی ضد بھی نہیں دیکھی تھی، چلو آج دیکھ ہی لے۔

"آئی سیڈ...... واپس کریں۔" وہ اب ایک ایک لفظ چبا رہا تھا، سکون ختم ہو رہا تھا۔ زینب نے آہستہ سے سگریٹ والا ہاتھ آگے کیا اور اسے واپس کرنے کے بجائے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا، دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ......" سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ اسے روک ہی نہیں سکا اور اس کے ہونٹ جلنے پر وہ ہوش میں آیا۔ ایک جھٹکے سے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے اس سے سگریٹ چھیننی چاہی مگر اس نے مٹھی بند کر لی تھی۔ ہتھیلی بھی ہونٹوں کی طرح جل اٹھی تھی، تکلیف کے مارے اس کی آنکھوں سے متواتر پانی بہہ رہا تھا، دانت اس نے اتنی سختی سے ہونٹوں پر جمائے ہوئے تھا کہ خون رسنے لگا تھا۔ سگریٹ بند مٹھی میں بجھ چکی تھی۔ جب کہ وہ حیران سا ماؤف دماغ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ ان بے تاثر آنکھوں میں لکھی حیرانی کی تحریر پڑھ رہی تھی۔

کتنی خواہش تھی کہ وہ ان آنکھوں میں کبھی کوئی تاثر دیکھے تو ثابت ہوا عمر سعید! تمہیں پڑھنے کے لیے مجھے ہر بار خود کو تکلیف دینی ہوگی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

ان آنکھوں کی مستی کے مستانے ہزاروں ہیں
ان آنکھوں سے وابستہ افسانے ہزاروں ہیں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کمرے میں — یہ ہی آواز گونج رہی تھی، وہ کچھ لمحے بے بس سا اسے دیکھے گیا پھر بہت شدت سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"پاگل ہیں آپ؟" لہجہ پرسکون — اور آنچ دیتے جذبوں کی شدت لیے ہوئے تھے۔

خول اتر رہا تھا، وہ بند آنکھوں کے ساتھ مسکرائی تھی جب کہ وہ ہر چیز بھلائے بس مرہم رکھ رہا تھا پوری شدت کے ساتھ، پورے جذبوں کے ساتھ۔

☆❁☆

اگلی صبح اس کے لیے ہر لحاظ سے خوش گوار تھی اور اس خوش گواریت میں مزید اضافہ علی اور منزہ کو گھر میں دیکھ کر ہوا تھا۔ وہ آگے پیچھے ہی آئے تھے، شاید ان کے آنے کی خوشی تھی یا کچھ اور بات تھی' آج تو عمر سعید نے بھی چھٹی کر لی تھی۔

"مری سے تو میں ہو کے آئی ہوں لیکن نکھری ہوئی آپ ہیں۔" منزہ شرارت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی، اندرونی خوشی پھوٹ پھوٹ کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

"خیر تو ہے' بڑی خوش ہیں؟" اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"ہاں ناں...... بہت خوش......" اس نے ہونٹ کا ایک کونا دباتے ہوئے مسکراہٹ دبائی۔

"دراصل میں مس کر رہی تھی تمہیں، شکر ہے تم آ گئیں۔ اس لیے میں خوش ہوں۔" وہ دانستہ بات بدل گئی تھی۔

"السلام علیکم! یا اہلیان کچن۔" علی کی آواز پر وہ دونوں چونکیں۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"عمر بھائی چلے گئے آفس؟" علی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ عمر کے نام پر اس کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے تیز ہوئی، بے اختیار ہی اس نے ہتھیلی بھیگتی محسوس کی۔

"آج وہ نہیں گئے...... میں نے جگایا تھا اور آپ دونوں کے آنے کا بھی بتایا، کہنے لگے نہیں جانا آج۔ پھر دوبارہ سو گئے۔" اس نے جلی ہوئی ہتھیلی پر دوسرا ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر، آپ ملے سارہ سے؟" اس کو یک دم جیسے یاد آیا، علی بے اختیار مسکرایا۔

"ہاں جی۔" اس کے لہجے میں پسندیدگی کا تاثر تھا۔

"اچھی ہے ناں؟" وہ پُر جوش ہوئی' علی اس کا جوش دیکھ کر ہنس پڑا۔

"بھابھی! میں نے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے، میری کزن ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کئی سالوں بعد دیکھا ہے تو فرق تو آیا ہے اور......" وہ کہتے کہتے رکا۔

"اور......؟" وہ دونوں آگے کو ہو گئیں۔

"اور یہ کہ واقعی اچھی ہے، اب آپ فائنل کر لیں بس۔" اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا، ان دونوں کے منہ سے بے اختیار "یاہو" نکلا تھا۔

"خدا کی مار...... پھر سے چھپکلی آ گئی ہو گی، بس آج کل کی لڑکیاں بھی ناں۔ یہ اتنی اتنی سی چیز دیکھ کر ڈر جاتی ہیں۔" اماں ان کا نعرہ سن کر ہڑبڑا اٹھی تھیں اور قیاس آرائی کر رہی تھیں۔

"ارے بہو! یہ عمر نہیں اٹھا، طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی۔" انہوں نے وہیں سے آواز لگائی۔

"جی اماں! ٹھیک ہیں، رات کافی دیر تک کام کرتے رہے، اس لیے آج نہیں گئے۔" اس نے ناشتا سامنے رکھ کر انہیں تسلی دی، چاچا اور چاچی بھی ادھر ہی آ گئے تھے۔

"بات کی تُو نے عمر سے؟" اماں کا لہجہ ان کے آتے ہی سرگوشیانہ سا ہو گیا تھا۔

"اماں وہ...... وہ...... وہ مصروف تھے رات، اب کرتی ہوں۔ ویسے علی بھائی اپنی رضامندی دے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چکے ہیں۔" اس نے اپنے تئیں اماں کو مطمئن کیا۔

"ہونہہ...... خیر عمر سے بات کر کے بتانا۔"

اماں نے ہنکارا بھر کے ناشتا شروع کر دیا اور وہ بھی دل ہی دل میں عمر سے بات کرنے کا ارادہ کر کے کچن میں آ گئی۔ جہاں سارہ اور منزہ پہلے سے موجود تھیں۔ علی برآمدے میں کھڑا اُدھر ہی دیکھ رہا تھا، اس کے دیکھنے پر جھینپ کر رہ گیا۔

☆❁☆

ناشتے کی ٹرے اس نے صوفے کے سامنے ٹیبل پر رکھ کے آئینے کے سامنے کھڑے بال بناتے عمر کو دیکھا۔ خواہ مخواہ ہی اتنا تردد کیا جا رہا تھا حالانکہ اس کے سنہری بال کبھی بھی سیٹ نہیں ہوتے تھے، اس کی طرح ہر وقت الجھے سے رہتے تھے۔ وہ پھر سے کھو گئی تھی، بال بنا کے وہ مڑا تو وہ ہوش میں آئی۔

"یہ...... ناشتا......" وہ خواہ مخواہ ہی نروس ہونے لگی حالانکہ وہ بالکل پرسکون تھا۔

"آ جائیں آپ بھی۔" عمر نے ہاتھ پکڑ کر اسے بھی بٹھا لیا تھا۔ وہ دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ اس عنایت پر حیران ہوتی ادھر تک گئی اور نظریں اس کی مخروطی انگلیاں پر ٹھہر گئیں۔ بڑے آرٹسٹک ہاتھ تھے، ہاتھوں سے نظر اب کلائیوں پر تھی، دائیں کلائی پر سجی بلیک رسٹ واچ، اس سے کچھ اوپر ہمیشہ کی طرح فولڈ کی ہوئی آستینیں......

"میں کھلا دوں؟" عمر کی آواز پر وہ بوکھلا کر رہ گئی۔

"نن...... نہیں...... میں لے رہی ہوں ناں۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا اور دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتی تیزی سے لقمہ توڑنے لگی۔

"کچھ کہنا ہے؟" آج اس کا لہجہ بے حد نرم تھا۔ بہت آہستہ سے ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے اس نے دوبارہ اس کا جلا ہوا ہاتھ تھام لیا، زینب کا دل پھر سے رفتار پکڑنے لگا۔

"سوری...... آئندہ نہیں پیوں گا مگر آپ کے سامنے۔"

وہ دکھ سے اس کی ہتھیلی دیکھ رہا تھا پھر اس کی طرف دیکھا جو دھڑکتے دل کے ساتھ خوشی سے کانپ سی رہی تھی گویا وہ معنی رکھتی ہے۔ اس کی تکلیف، اس کی بات عمر سعید کے لیے معنی رکھتی ہے، اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں، وہ پوری شدت سے ان لمحوں کو محسوس کرنا چاہتی تھی، کیا ہوا جو وہ کہتا نہیں تھا۔ ہر بات کہنے کی بھی نہیں ہوتی، لمحوں میں اس نے خوش فہمیوں کے جال بُن لیے تھے۔ کیا جادو تھا اس شخص کے پاس، وہ چھڑی گھماتا تھا اور وہ خوش ہو جاتی تھی۔ اس کے سحر میں جکڑی جاتی تھی، اگر یہ جان جائے کہ کتنی پاگل ہوں میں اس کے لیے......

"اپنے ہونے پر فخر کرو تم عمر سعید! اگر تمہیں علم ہو جائے کہ کوئی تمہیں اتنا چاہتا ہے اور پوجتا ہے۔ تمہارے ایک نرم فقرے پر پگھل جاتا ہے۔" وہ پہنچ گئی تھی اپنی دنیا میں۔

"زینب!" عمر کے مسکراتے لہجے پر اس نے بمشکل تھوک نگل کر اپنی شرمندگی چھپانا چاہی، کیا کہتے ہوں گے، پاگل ہے یہ لڑکی۔

"کوئی بات کرنی ہے آپ کو؟" اس کے پوچھنے پر اس نے بے اختیار ہی ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"ہاں جی...... کرنی تو ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بات یاد کر کے وہ پھر سے پرجوش ہو گئی تھی۔

"سارہ ہے ناں اپنی، اماں چاہتی ہیں علی بھائی کے لیے مانگ لیں۔ ان فیکٹ چاچی بھی چاہتی ہیں اور علی بھائی کو بھی اعتراض نہیں۔ اماں کہہ رہی تھیں کہ آپ سے پوچھ لوں تو فائنل کر دیں۔" وہ جوش سے کہتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی جو بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں چاچی کے جانے سے پہلے ہی فائنل کر دیتے ہیں، ٹھیک ہے؟" اس نے تائید

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چاہی۔

"اس کی ضرورت نہیں، علی کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں جو چاچی کی بیٹی یہاں آئے۔ اس بات کو یہیں ختم کردو۔" اس نے بے تاثر لہجے میں قطعیت سے کہا۔ زینب سُن سی بیٹھی رہ گئی، اس کی بات پر پھر اس کے کھڑے ہونے پر ہوش میں آئی۔

"مگر علی بھائی اور اماں راضی ہیں، سارہ بہت اچھی لڑکی ہے آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں؟" وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

"بس......" نرمی غائب ہوگئی تھی لہجے سے۔

"کون راضی ہے کون نہیں، ڈزنٹ میٹر...... میں نے کہہ دیا نہیں تو نہیں...... دیٹس فائنل۔" اس کے لہجے میں اب تحکم تھا۔

"وائے ڈزنٹ میٹر...... شادی علی کی ہونی ہے، جب اسے کوئی اعتراض نہیں تو آپ کیوں اعتراض کررہے ہیں۔" وہ بحث پر آ گئی تھی۔

عمر نے مڑ کر ایک نہایت سرد نظر اس پر ڈالی، اس کے پورے وجود میں سردی لہر دوڑ گئی۔ وہ بے اختیاری ڈر کے پیچھے ہوگئی۔

"مجھے بحث کرنے والی اور آگے سے تڑتڑ جواب دینے والی عورتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔" اس نے ناگواری سے کہا، وہ چپ چاپ سر جھکا کر رہ گئی۔

"میری پیکنگ کردو، مجھے دس بارہ دن کے لیے سندھ جانا ہے، امپورٹنٹ ہے اور......" وہ کہتے کہتے رکا، زینب نے سر اٹھایا۔

"آئندہ یہ بات میں دوبارہ نہ سنوں...... اس گھر میں چچا کی بیٹی کے علاوہ ہر عورت آ سکتی ہے، مگر وہ نہیں۔" غصے سے کہتا ہوا وہ سگریٹ کی ڈبیہ اٹھاتا باہر چلا گیا تھا اور بوجھل دل کے ساتھ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆❁☆

وہ نم آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ علی کو سارہ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے دیکھ رہی تھی۔ یہ اس کا دل جانتا تھا کہ وہ کیسے لرز رہی ہے اندر سے۔ عمر سعید کے اس رات سندھ جانے کے بعد علی نے بے تابی سے اس سے پوچھا تھا کہ آیا اس نے عمر سے بات کی یا نہیں۔

"بھابھی! آپ نے بات کی، میں چاہتا ہوں جلدی فائنل ہو سب، کہیں چاچا' چاچی کسی اور جگہ نہ بات کرلیں اس کے لیے۔" علی کے لہجے کی بے تابی پر وہ دوبارہ سُن ہوگئی تھی۔ اس کے لیے سمجھنا مشکل نہیں رہا تھا کہ وہ کتنا سیریس ہوگیا ہے اور پھر اس رات اس نے زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ کیا۔

"اماں! عمر کہہ رہے تھے انہیں کوئی اعتراض نہیں، بات پکی کردیں۔ کہہ رہے تھے ان کا انتظار نہ کریں اور نہ ہی انہیں فون کرکے جلدی آنے کا کہیں، وہ بہت مصروف ہوں گے۔" اس کے کہنے پر پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی گو کہ اماں عمر کے بغیر رسم کرنے پر ہچکچا رہی تھیں مگر اس نے......

"عمر کہہ رہے تھے" کی رٹ لگا کر اماں کو منا ہی لیا۔ وہ جانتی تھی عمر کی فیملی میں "بات پکی ہوجائے" تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ منگنی چھوڑنا بہت ہی برا سمجھا جاتا تھا اور آج اس کو گئے آٹھ دن ہوگئے تھے اور رسم ہو رہی تھی۔ دو دن بعد اسے آ جانا تھا اور پھر...... پھر نجانے میرے ساتھ کیا ہوگا، سوچ سوچ کر اس کی جان نکل رہی تھی مگر چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ علی اور سارہ کے چہرے پر پھیلی مطمئن مسکراہٹ دیکھ رہی تھی، چاچا' چاچی کے شرمندہ سے چہرے، اماں کا پرسکون چہرہ، عائشہ اور منزہ کی کھلکھلاہٹیں...... اتنے سارے رشتوں کے لیے کچھ تو کھونا پڑتا ہی ہے۔

چلیں' آپ کی نظروں میں میرا مقام ــــ نہ سہی، اس نے آنسو پیتے ہوئے خیالوں میں اسے مخاطب کیا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

☆❁☆

واٹس ایپ فیملی گروپ میں عائشہ نے فنکشن

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی ساری تصاویر اپ لوڈ کر کے علی اور سارہ کو بیسٹ وشز دی تھیں اور اوپر سے سارہ کو ایڈ کر کے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ بوکھلائی سی تصویریں دیکھ رہی تھی، اس گروپ میں عمر بھی ایڈ تھا، یہ پہلو تو اس کے ذہن میں ہی نہیں رہا تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ''عمر کالنگ'' دیکھ کر اس کا دل حقیقی معنوں میں اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس وقت تو بڑی دلیری دکھا رہی تھی، اب سرد ہوتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے ریسیور کان کو لگایا۔

''کر لی آپ نے اپنی مرضی...... مل گیا سکون...... اٹس اوور ناؤ۔'' کال اٹینڈ کرتے ہی اس کا برف لہجہ اسے اس برف میں دفن کرنے لگا، اس سے ایک لفظ بھی نہ بولا گیا۔

''مجھے لگا تھا ساری دنیا ایک طرف ہو جائے...... زینب فاطمہ میرے ہی پیچھے کھڑی ہوگی، میرے ساتھ۔'' اب اس کے لہجے میں اذیت تھی، وہ تڑپ اٹھی۔

''خیر آپ نے بھی ثابت کر کے دکھایا کہ میری بات کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں، الٹا میری طرف سے ہاں بول کے آپ نے میری ذات کی ہی نفی کر دی۔ اس لیے آئندہ آپ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید نہ رکھیے گا۔ آپ کی عزت میں رکھ لی ہے اماں کے آگے کہ ہاں میں نے ہاں بول دی تھی مگر آج کے بعد آپ میرے لیے ایک اجنبی کے سوا کچھ نہیں۔'' فون کٹ چکا تھا اور وہ پتھرائی سی کھڑی تھی، بالکل ساکت۔

''زینب فاطمہ میرے پیچھے کھڑی ہوگی مگر نہیں۔''

اس کے لہجے میں مان ٹوٹنے کی اذیت تھی، زینب نے دونوں ہاتھوں سے بے اختیار اپنا منہ ڈھانپ لیا تھا۔

''آج کے بعد آپ میرے لیے ایک اجنبی کے سوا کچھ نہیں۔''

بہت آہستہ سے جان اس کے وجود سے نکلی تھی۔ ان چار ماہ میں اس نے کبھی اسے اتنا تلخ بولتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، وہ اسے دیکھ کر خود سے بھی اجنبی ہو جاتی تھی اور آج اس کے لیے ہی اجنبی تھی۔

''تو کیا...... وہ...... وہ مجھے چھوڑ دیں گے...... نہیں......'' وہ کانپ اٹھی۔

''عمر بھائی کی ضد اور غصہ اللہ کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ وہ غصے میں کچھ بھی کر دیتے ہیں۔'' عائشہ کی کہی ہوئی بات اسے یاد آئی۔

''نہیں...... پلیز نہیں...... یہ...... یہ نہیں ہو سکتا...... نہیں......'' اس کے حلق سے چیخیں نکلتی چلی گئی تھیں اور اگلے ہی لمحے وہ لہرا کر وہیں گر گئی تھی۔

☆❀☆

کسی نے کاٹا تھا یا شاید کچھ باریک سا اس کے بازو پر چبھا تھا، اس کے ذہن پر چھائی تاریکی سمٹنے لگی۔ لاشعور سے شعور میں آتے ہوئے اس نے بمشکل بھاری ہوتی آنکھیں کھولیں، اور دھندلی سی نظروں سے دیکھا، وہ ہسپتال میں تھی شاید، بے اختیار ہی اسے کچھ یاد آیا تو ساری حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔

''عمر......'' وہ تڑپ کر اٹھی، اماں اور عائشہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تیزی سے اس کی طرف مڑے۔
"میری بچی......" اماں نے فوری اسے ساتھ لگایا۔
"شکر ہے تجھے ہوش آ گیا۔" وہ اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ "ہماری تو جان نکل گئی تھی۔" انہوں نے اس کا منہ چوما۔
"اماں......" وہ سسک اٹھی۔ "عمر......" اس نے ہچکی لی۔
"اماں...... عمر!" رونے کی وجہ سے کوئی لفظ منہ سے نہیں نکل رہا تھا۔ اماں نے آہستہ سے اسے پیچھے ہٹایا۔
"یہ کھڑا عمر...... کر لے حساب کتاب...... میں تو بعد میں ہی نپٹوں گی اس سے۔" وہ سکون سے کہہ کر عائشہ کو لیتی باہر چلی گئیں جب کہ وہ ساکت' خوف زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر آہستہ سے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا، اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔
"مجھے مت چھوڑیں پلیز...... میں کبھی آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گی، کبھی ناں نہیں کروں گی، آپ...... آپ بے شک مجھے کبھی نہ بلایئے گا مگر میرے سامنے رہیں، مجھے دور نہ کریں......" وہ ہچکیاں لے رہی تھی، اسے کھو دینے کا خوف ایسا تھا کہ اس کی جان واقعی نکل رہی تھی۔
"زینب! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" وہ بولا، اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ "میں بھلا چھوڑ سکتا ہوں آپ کو؟" وہ اپنے فیصلے سنانے والا اس سے پوچھ رہا تھا۔
"چھوڑ دیں گے آپ...... آپ کو میں اچھی ہی نہیں لگتی۔" وہ سسکی۔
"کس نے کہا اچھی نہیں لگتیں؟" لہجہ بہت نرم تھا۔
"کوئی بات نہیں مانتے آپ میری۔" شکوے شروع ہو گئے تھے۔
"آپ کی ہی تو مانتا ہوں...... منوا لیتی ہیں آپ۔" اس کا گمبھیر لہجہ آنچ دے رہا تھا۔
"کبھی رو کے، کبھی خود کو تکلیف میں ڈال کے۔" وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔
"جان گئی ہیں ناں کہ آپ کے آنسو تکلیف دیتے ہیں مجھے، اس لیے رو کر منوا لیتی ہیں۔ آپ کی تکلیف پر تکلیف ہوتی ہے، اس لیے منوا لیتی ہیں۔"
وہ ہارے ہوئے لہجے میں اس پر جھکا، زینب کی سانسیں الجھنے لگیں۔ وہ بے یقین سی پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔
"مگر یہ آخری بار ہے، سنا آپ نے۔" اس نے ماتھے پر مہر ثبت کی اور ساتھ ہی تنبیہ کی۔ وہ آنکھیں موندے دل کی دھڑکن سنبھال رہی تھی۔
"آئندہ ویسے ہی منوا لیجیے گا...... یہ طریقہ چھوڑ دیں اب۔" وہ اب جلی ہوئی ہتھیلی جو کافی ٹھیک ہو چکی تھی — دیکھ رہا تھا۔
"مجھے لگا چچا چچی نے ماضی میں جو کیا ہمارے ساتھ، ہم بھی بدلہ لیں گے مگر اماں نے ہمیشہ ہمیں سکھایا تھا کہ اپنا ظرف بڑا کرو اور دیکھیں ذرا۔ میں کم ظرف بن کر ان جیسا ہی ہونے لگا تھا، غصے میں، میں نے سوچا ہی نہیں کہ مجھ میں اور ان میں فرق ہونا چاہیے کیونکہ میری ماں کی تربیت یہ ہی ہے۔" وہ شرمندہ سا کہہ رہا تھا، زینب نے بے اختیار مسکراہٹ چھپائی۔
"آپ راضی ہیں ناں اب؟" وہ پرجوش ہوئی۔
"آپ نے راضی کر لیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے پھر سے جھکا جب کہ وہ دھڑکنیں سنبھالتی سرخ ہو کر آنکھیں بند کر گئی اور دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگی جس نے اسے پھر سے نواز دیا تھا۔ اس کی اوقات سے بڑھ کر۔
زندگی بس اسی کا نام ہے کہ رشتوں کی نازک ڈور کو سنبھل کر تھامنا ہے اور پھسلنے بھی لگیں تو بھی ڈرنا نہیں ہے۔ صحیح جگہ پر اپنے قدم جمانے کی کوشش کرنی ہے اور بس پھر تو اللہ تھام لیتا ہے۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عندلیب زہرا

آسرے والا اُجالا

بعض اوقات قدرت کے فیصلے اور کام بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ وہ گوہر نایاب کو ایسی جگہ اور مقام پر لا کھڑا کرتی ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ "نہیں ایسی جگہ نہیں ہونا چاہیے" یا "نہیں تو کسی اعلا و برتر مقام پر ہونا چاہیے تھا۔" لیکن وہ گوہر نایاب وہیں رہتے ہیں جہاں مقدر نے ان کا مقام متعین کیا ہوتا ہے۔

فروا بتول عرف ننھی بھی ایسا ہی کردار تھی۔

اندرون لاہور کی تنگ گلیوں اور تاریک مکان میں جنم لینے والی ننھی۔۔۔ جہاں تعلیم' تہذیب اور طریقہ انجان سے الفاظ لگتے۔ ننھی' جس کی ہر بات نزاکت سے شروع ہوتی اور ہر کام نفاست پر ختم ہوتا۔

ڈپٹی نذیر احمد کی مراۃ العروس کی اصغری کے سارے اوصاف اس کی سیرت و کردار میں جگمگاتے تھے اور بشریٰ رحمٰن کی ہیروئن کا ملکوتی حسن لشکارے مارتا۔ یہ اوصاف قدرت کی دین تھے اس میں ننھی کا کوئی کمال نہ تھا۔ ہاں اس نے جس شکر اور سلیقے کے ساتھ ان نعمتوں کو برتا تھا تو یہ بات قابل تعریف تھی۔

✡ ✡ ✡

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس نے محمد بخش کے گھر بہار کے اولین دنوں میں جنم لیا تھا۔ بہن بھائیوں میں وہ پانچویں نمبر پر تھی۔ وہ ایک عام سا دن تھا' کسی ان ہونی کا شائبہ تک نہ تھا لیکن جس دن اس نے جنم لیا' اسی دن محمد بخش کی پرانی خدمات اور وفاداری پر خوش ہو کر مالکوں کی طرف سے تنخواہ میں اضافہ ہو گیا۔ (اتفاقا")۔ سعودی عرب والے ماموں کو برسوں بعد غریب بہن کی یاد آئی تو اس نے خطیر رقم بمعہ تحائف بھجوا دی۔ (بس یوں ہی)۔ تایا کا دس ہزار کا پرائز بانڈ نکلا۔ دادی کو کسی مخیر شخص نے عمرہ کروانے کا عندیہ دے دیا۔ یہ سب اتفاقات یا خوش گوار حادثات ایک ہی دن وقوع پذیر ہوئے تو سب کو یقین ہو گیا کہ یہ بچی قسمت کی وہ دیوی ہے جو سب پر مہربان ہوتی ہے۔

یوں تیسری بیٹی ہونے کے باوجود اس کی قسمت میں سب کا پیار تھا' لیکن محمد بخش کو تو وہ خاص طور پر عزیز تھی۔

"میری بیٹی کا مقدر سب سے خوب صورت ہو گا۔" وہ اکثر یہ کہتا۔

دیگر بہن بھائیوں کی نسبت اس نے تعلیمی میدان میں خوب جھنڈے گاڑے تھے۔ بلند عزائم اور روشن خواب اب کالج جانے کے منتظر تھے۔ لیکن۔۔۔

"ابا! یہ دیکھیے اخبار میں میری غزل شائع ہوئی ہے۔" اس نے فخر سے محمد بخش کو ہفتہ وار رسالہ دکھایا۔

محمد بخش نے پہلے حیرت اور پھر طیش سے غزل پڑھی۔ اپنی کم عمر کنواری اور باپردہ بیٹی کے قلم سے محبوب' انتظار' وصل اور لذت درد جیسے الفاظ اسے چراغ پا کر گئے۔ اس نے اخبار کے دو ٹکڑے کیے۔

"بے شرم" غزل کا یہی عنوان سوجھا تھا اسے۔

"یہ خرافات تمہیں کس نے سکھائی ہیں؟ استانی جی نے یا ان ہم جماعتوں نے جنہیں زیب النسا اور حور پڑھنے سے فرصت نہیں۔" منجھلی آپا نے غصے سے کہا۔

سب گھر والے جمع تھے اور ننھی ملزم بنی سہمی کھڑی تھی۔

"اب ہماری بیٹیوں' بہنوں کا نام پان والے کی دکان پر لیا جائے گا یا نائی کی دکان پر لوگ مزے لے لے کر یہ خرافات پڑھیں گے۔ شاعرہ کا نام کھوجیں گے اور پھر تصور میں۔۔۔" بھائی نے دھاڑ کر کہا۔

"میں تو اپنے قلمی نام مشعل سے لکھتی ہوں۔ میں نے تو اصلاحی افسانے اور مضامین لکھے ہیں۔ میری استانیاں کہتی ہیں۔۔۔" ننھی کی صفائیاں دیتے دیتے آواز بند ہو گئی تھی۔

لیکن جہاں شک اور تنگ نظری ہو وہاں ہر دروازہ مقفل ہو جاتا ہے خواہ دل کا ہو یا دماغ کا۔۔۔ ننھی کے گھر والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ بھابھی کو شک تھا کہ کسی لڑکے کی محبت نے اس سے یہ رومانوی شاعری اور محبت بھرے اشعار لکھوائے ہیں اور افسانے ضرور وہ رقعے ہیں جنہیں ننھی نے افسانوں کا نام دیا ہے اور اپنے تعفن بھرے خیالات کا اظہار کرنے میں انہوں نے دیر نہ لگائی تھی۔

بہنوں کو اپنی کچھ الگ' منفرد اور نازک سی بہن سے پیار تھا جس کی ہر بات میں ادا تھی اور ہر عادت خوب صورت تھی۔ جس کی روشن نگاہوں میں سنہرے مستقبل کی جھلک تھی' لیکن یہ جرم جو اس کی قلمی کاوش تھی' سب کے نزدیک نا قابل معافی جرم تھا۔

"ننھی! تیرا اسکول جانا بند۔" بھائی نے حکم صادر کیا تھا۔ ابا نے بھرپور ناراضی کا تاثر دیا۔ بات نہ کر کے۔ صفائی کا موقع دیے بغیر۔ اسکول میں اس کی غیر حاضری طویل ہوئی تو استانی بہ نفس نفیس خود تشریف لائیں۔ اس کا مرجھایا چہرہ اور مایوس آنکھیں دیکھیں تو حیران رہ گئیں۔

"بس اس عید کے بعد اس کی اپنے چاچے کے گھر شادی ہے۔ لڑکا کپڑے کا کاروبار کرتا ہے۔ اللہ مقدر اچھا کرے۔" دادی نے سلیقے سے بات سمیٹ دی۔

"اچھی بات ہے فروا بتول۔۔۔ تم اپنی پڑھائی تو نہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چھوڑ تیں۔ تم نے تو بہت آگے جانا تھا۔" استانی کا لہجہ ہمیشہ محبت بھرا اور حوصلہ افزا ہوتا تھا۔ ننھی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"ہم نے اپنی لڑکی سے نوکری نہیں کروانی۔۔۔ جتنا پڑھ لیا' کافی ہے۔" اب کی بار بھابھی نے روکھے انداز میں استانی کو مزید مدح سرائی سے روک دیا۔

انہیں شروع دن سے اپنی لاڈلی اور خوش اطوار نند سے بیر تھا جو اب ظاہر ہوا تھا۔ یوں مستقبل کی خدیجہ مستور' ہاجرہ مسرور' ادا جعفری یا قراۃ العین حیدر جیسا ہنر رکھنے والی اپنی قلمی شناخت کی داد لیے بغیر اپنی عملی زندگی میں گم ہو گئی۔

کاروباری' سخت مزاج شوہر' مشترکہ نظام زندگی' تعلیمی پسماندگی' تنگ نظری۔۔۔ وہ اکثر قلم کاغذ دیکھ کر سوچتی۔

"مشعل کی ادھوری غزلیں' نامکمل افسانوں کے مسودے اور کردار آس و نراس کے عالم میں اپنی تخلیق کار کی راہ تکتے ہوں گے۔"

اخبار اور کتابیں تو اس ماحول میں گویا شجر ممنوعہ تھیں اور جب اوپر تلے بچوں کی آمد ہوئی تو ادبی ہنر اور ذوق رکھنے والی مشعل بجھ گئی اور صرف فروا بتول زوجہ عبدالمتین زندہ رہ گئی جو صبا' حمنہ' فرخ اور عمار کی محبت کرنے والی ہنر مند ماں تھی۔

اس نے بچوں بالخصوص بیٹیوں کو شاعری کرنے' مصوری کرنے سے کبھی نہ روکا تھا۔ صبا کی آواز میں قدرتی سوز اور ایک ترنم تھا۔ موسیقی اور نعت کے مقابلوں میں اول انعام اس کا مقدر بنتا۔ حمنہ کو شاعری کا شوق تھا۔ فروا بتول ہر قدم پر ان کی حوصلہ افزائی کرتی۔ فرخ اور عمار۔۔۔ انہیں اس نے بہنوں سے محبت کا ہنر سکھایا تھا۔

وسیع القلبی اور آگے بڑھ کر حوصلہ دینے کا ہنر۔۔۔

صبا کالج میں داخلہ لینا چاہتی تھی۔ سب اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ عمار نے آگے بڑھ کر حمایت کی اور اگلے دن ہی اس کا داخلہ کالج میں کروا دیا۔

ماضی کی فروا بتول عرف ننھی تھی جس کے اپنے خواب ادھورے رہ گئے تھے اور تخلیقی ہنر اپنی موت آپ مر گیا تھا۔ قدرت نے اس کے خواب اس کی اولاد کی صورت میں مجسم کردیے تھے بلکہ شرمندہ تعبیر کردیے تھے۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے ماضی کے اوراق اپنی اولاد کے سامنے کھولے تھے۔

"تو کیا آپ نے اپنے آپ کو اندر سے مار دیا۔۔۔" صبا نے افسردہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میرے اندر کے تخلیقی ہنر نے خوابوں کو نئے راستوں سے روشناس کروادیا۔" فروا نے آنکھوں کے نم گوشے انگلی کی پور سے صاف کیے۔

"میں نے سوچا کہ میں آگے تعلیمی سفر جاری نہ رکھ سکی۔۔۔ ادھوری غزلیں اور ناتمام افسانے میری راہ تکتے رہ گئے۔ میں بے جا شک اور تنگ نظری کا شکار ہو گئی' تو کیا اجالے کا سفر مجھ تک آکر رک جاتا۔۔۔" فروا کی آواز میں نمی تھی' لرزش تھی۔ صبا' حمنہ اور عمار ہمہ تن گوش تھے۔

"میں نے شادی کے بعد اپنے حالات' اپنے ہنر کو مقدر کی سیاہی کا نام نہیں دیا' بلکہ اپنے تخلیقی ہنر کو اپنی اولاد میں منتقل کر دیا۔۔۔" فروا نے مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ اب کی بار اس کی آواز واضح اور بااعتماد تھی۔

"لیکن یہ ہنر' یہ شاعری' یہ مصوری کا ہنر مجھ میں تو نہیں آیا۔۔۔" عمار نے شکوہ کیا۔

"تم میں' میں نے رشتوں کا احترام' محبتوں کا ہنر اور وسیع القلبی کے بیج بو دیے ہیں۔ اس لیے صبا اور حمنہ کی ہر کامیابی' تمہیں اپنی کامیابی لگتی ہے۔ انہیں سراہتے ہو' حوصلہ دیتے ہو۔۔۔" فروا نے عمار کی پیشانی کو محبت سے چوم لیا۔

"ایسا وقت عورت کی زندگی میں ضرور آتا ہے' جب اس کے ہنر کا اظہار ہوتا ہے اور میں نے اپنا تمام ہنر تم لوگوں کی تربیت پر آزما لیا ہے۔۔۔"

ہاں آنے والا اجالا اب نئی نسل کا تھا جس نے وسیع القلبی کا ہنر سیکھ لیا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مصباح علی

دیکھے تمنا نے روشنی

سفید برجوں والی اونچی حویلی کی سارے علاقے میں کبھی ایسی دھاک تھی جیسے دو برجوں کے درمیانی فاصلے میں محرابوں کی نقاشی، دور سے دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی محسوس ہوتی تھی، مگر وقت نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔ حویلی کا صرف نام رہ گیا تھا یا ایک خستہ عمارت۔ اب برجوں والی کے اندر صرف اوسط درجے کے لوگ رہ رہے تھے۔ محرابوں کے بیچ میں نصب سفید سیمنٹ کی پتیوں والی سیم زدہ جالی کے سامنے اس نے خود کو بیٹھے پایا۔ اس کی نگاہ مشرقی پہاڑ سے ڈھلوان کی جانب زمین پر تھی جہاں نئی عمارت کے ڈھانچے میں کہیں کہیں سے چھوٹے زرد بلب جلتے دکھائی دے رہے تھے۔ رات اتری آتی تھی لیکن وہ وہاں کام کروا رہا تھا۔ نگاہ کے سامنے سے شیشے کی کھڑکی ہٹ گئی۔ وہاں دیودار، شیشم کے درختوں سے ڈھکی بل کھاتی سیاہ سڑک بھی معمول سے زیادہ پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ کبھی اس سڑک کے بچھنے پر نشیبی علاقے والے خاصے برہم ہوئے تھے، سب کا خیال تھا شاید، بارش سے بہہ آنے والے پانی سے گھبرا رہے ہیں، امام دین جس کے کہے میں سب بوڑھوں کا ایکا تھا۔ بڑھاپے سے لرزتی آواز میں انوکھی بات کہہ گیا۔

”پانی کا کیا ہے، وہ تو نشیب میں آئے گا، سڑک سے نہ سہی پہاڑوں سے پھسل کر، مگر صاحب سڑک پر چل کر جو نکل گیا، وہ پلٹ کر نہیں آنے والا،

مکمل ناول

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ پانی ہو یا اولاد، پانی تو زمین میں اتر کر سوکھ جاتا ہے لیکن اولاد سکھا کر زمین میں اتار دیتی ہے۔۔۔"

سب نے حیرت سے اس کے جھریوں سے بھرے چہرے کو دیکھا تھا، جہاں فکر بھی غم تھا۔

"میرے بیٹے جوان ہو رہے ہیں، اگر وہ اس پر چڑھ نکلے میرا بڑھاپا تو رل گیا' شہر نگل لے گا انہیں اور مجھے جدائی۔"

امام دین کا یہ جملہ اس نے اپنے بڑوں سے سنا تھا اور بہت حیرت ہوئی تھی، بھلا شہر کسی کو کیسے نگل سکتا ہے، پھر امام دین کو روتے دیکھا اور سڑک کو بنتے۔ وہ روتا جاتا، سڑک بنتی جاتی، پھر اس کا خدشہ پورا ہوا تھا، اس کا بیٹا سڑک پر چڑھ کر شہر نکل گیا تھا۔ آتا تھا کبھی کبھی، شروع میں مہینوں بعد پھر عید، شب برات سے ہوتی بات سالوں پر گئی، بیوی بچے سب ادھر ہی تھے امام دین کے ساتھ۔ شروع میں خرچا بھی بھیجتا تھا، کم کرتے کرتے بات ہی ختم کر دی۔

کوئی کہتا اس نے وہاں شادی کر لی، کوئی کہتا اس کا خون سفید ہو گیا۔ وقت گزرتا گیا، اس کی بیوی انتظار میں بوڑھی ہو گئی، بچے جوان، امام دین نے انہیں سڑک پر چڑھنے کے لیے فارغ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اسکول تو کیا دکھاتا، س، ڑ، ک جیسا کوئی حرف لکھنے نہیں دیا، امروز خان کی زمینوں پر چھوڑتے ہوئے زور دے کر کہا تھا، انہیں اتنی فرصت ہی نہ دینا سڑک لکھ تو کیا دیکھ بھی سکیں، اور اب ان کا سوچ کر خجستہ کا دل بند مٹھی میں دھڑکا۔

"کل ریز چاچا، اینٹیں تو اپنے بچوں کو چڑھانے کے لیے رکھی جاتی ہیں، تم تو ان کے لیے دیوار ہی بنا گئے۔"

وہ خود سڑک پار بیٹھی تھی۔ فیصلے میں آسانی ہو گئی۔ ہتھیلی کے کناروں سے سبز آنکھیں پونچھ کر واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھی، ہر اٹھتا قدم پہلے سے زیادہ مضبوط لگا۔ ☆☆☆

بیم بیریر ہٹتے ہی ان کی کیب بڑے سے آہنی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ چوڑی سی سلیٹی سڑک کے دونوں جانب بڑے بڑے ایسے میدان تھے جن میں گھاس کہیں اونچی کہیں بالکل کچلی گئی تھی۔ کچلی گھاس کو مزید روندتے اسٹوڈنٹس کے گروہ تھے لڑکے لڑکیاں، کچھ نے سفید اوور آل پہن رکھے تھے، کچھ کہنیوں پر ڈالے اپنی دنیا میں مگن۔۔۔ کئی گروپس کی صورت بیٹھے تھے۔ کتابیں کھلی تھیں اور کئی ہاتھ پاؤں کے مشابہہ ماڈلز لیے ایک دوسرے کو جانے کیا سمجھا رہے تھے۔ امروز خان نے ان سب پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انہیں خاصا معیوب لگا تھا لڑکے لڑکیوں کا اتنا کھلے ملے انداز میں اکٹھے بیٹھنا۔ ان کی کیب ٹیکسی اسٹینڈ پر رکی تو امروز خان نے اس سے پوچھا تھا۔

"پہلے جانا کہاں ہے' کچھ پتا بھی ہے۔۔۔؟"

"ایڈمن آفس۔۔۔ یہ جمع کرانی ہے نا۔"

اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی اپنی اور بجنل ڈاکومنٹس کی فائل دکھائی تھی۔

"تمہیں یقین ہے' تمہارے اصل ڈاکومنٹس پانچ سال ان کے پاس رہیں گے؟"

امروز خان کو خاصی حیرت ہو رہی تھی، اتنی اہم اسناد۔ پانچ سال میں کوئی بھی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ خجستہ پورے وثوق سے کہہ رہی تھی۔

"جی.....ایم بی بی ایس کمپلیٹ ہونے تک، یہ اسٹوڈنٹ کی توجہ کی گارنٹی ہے۔۔"

ان کی ہر بات سے انجان زر بخت 'دانت میں چادر کا پلو دبائے حیرت سے ادھر ادھر دیکھتی چل رہی تھی، ایسے تعلیمی ادارے میں پہلی بار آنا ہوا تھا، اور اسے کون پوچھتا تھا یہاں آتے ہوئے اگر اس کے علاج کا خیال نہ ہوتا کہ چلو اسی بہانے سے اس کا چیک اپ بھی ہو جائے گا۔ بہانے سے ہی سہی اس کا علاج ہو جائے گا' وہ بہت خوش تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد کوئی ایمبولینس ٹوں ٹوں سائرن بجاتی پاس سے گزرتی تو وہ اچھل جاتی۔

"اللہ رے.....لگتا ہے کوئی لڑائی جھگڑا ہوا ہے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پورے علاقے میں ٹاپ کر جائے گی۔ حیرانی تھی اور بہت تھی اُس سے زیادہ تب ہوئی جب اس نے کہا وہ کالج جائے گی۔ صفورا چاچی کو اس کی بات انتہائی احمقانہ لگی، خانی بیگم نے جھاڑ کر رکھ دیا۔ وہ شادی کا سامان دھڑ دھڑ اکٹھا کیے بیٹھی تھیں، اور وہ منہ سر کتابوں میں جھونکنے کی باتیں کر رہی ہے، اور زر بخت تو اس کے دسویں سے آگے پڑھنے کا سوچنے پر ہی دم بخود تھی۔

"میری بھی تو شادی کردی تھی، اس کی بھی ہونی چاہیے ورنہ چہرے کا نور کتابیں چاٹ لیں گی۔ نہ بھولپن رہے گا نہ حسن۔"

نجتہ نے ان عورتوں میں سر کھپانے کے بجائے امروز لالہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"آپ تو کہتے تھے' ہم آپ کے بچوں کی طرح ہے...... اگر آپ کی بیٹی پڑھنے کا کہتی تو نہ پڑھاتے۔"

امروز خان کی گہری نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر گڑی رہ گئیں۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک تین سال کی ایک چار کی، اس وقت اس کے چہرے میں ان کا بھولپن جھلکا تھا۔ نجتہ کے کندھے پیار سے تھپکے۔

"جو داجی فیصلہ کریں گے، ویسا ہوگا۔"

داجی سن کر کچھ دیر تو چپ رہے پھر تحمل سے پوچھا۔

"آگے پڑھ کر کیا کرو گی۔"

"ڈاکٹر...... ڈاکٹر بنوں گی۔"

خانی بیگم، صفورا چاچی، اور زر بخت کو تو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"پہاڑ سے جو گرتے ہیں ہسپتال پہنچتے پہنچتے جان سے چلے جاتے ہیں۔ پہاڑ پر ہسپتال بناؤں گی، عورتوں کو اجازت نہیں۔ مرد ڈاکٹر کے پاس جانے کی، لیڈی ڈاکٹر ہونی چاہیے ہماری عورتوں کے لیے۔"

وہ ایسے وجد میں بولی تھی جیسے پہاڑ چٹیل میدان میں ڈھل گیا ہو، اور ہسپتال کی عمارت اونچی ہوتی جا رہی ہو۔ داجی کو امروز نے اشارے سے چپ رہنے کا کہا تھا۔

"انٹر کا کیا ہے کر لینے دو، اب تو علاقے کی کئی لڑکیاں کالج جا رہی ہیں، رہی بات ڈاکٹر بننے کی، وہ بننا اتنا آسان نہیں جیسا میٹرک میں ٹاپ کرنا، ابھی تازہ تازہ خبریں سنی تھیں' میڈیکل کا میرٹ آسمان سے باتیں کرنے لگا ہے۔ ہر سال اونچا جمپ، بچوں کا رونا پیٹنا، احتجاج، توڑ پھوڑ، خودکشی و خودسوزی کی کوشش، بورڈ کے ٹاپر رہ جاتے ہیں یہ تو پھر علاقے کی ہے...... پھر انکار کر کے اس میں بغاوت ضرور بھرنی ہے۔" داجی نے نہ چاہتے ہوئے نیم رضا مندی دے دی تھی مگر درخزئی متھے سے اکھڑ رہا تھا۔

"آج کالج جانے کا کہہ رہی ہے، کل شہر جا کر پڑھنے کا کہے گی...... لوگ ہم کو باتیں ماریں گے۔"

چادر ماتھے تک کھینچتی نجتہ اس کے پاس سے گزرتے گزرتے آہستگی سے کہہ گئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ڈنڈے تو نہیں ماریں گے۔"

"دیکھا دیکھا...... داجی، ابھی سے کتنی زبان ہے اس کی...... کل کو اور آگے سے چلانے لگے گی۔"

کمرے کی جانب بڑھتے خجستہ کے قدم اس کے جملوں پر رکے، پلٹ کر آئی اور مستحکم انداز میں کہا۔

"پڑھوں گی تو قلم چلے گا، زبان رک جائے گی۔"

درخزئی نے نخوت سے گھورا تھا۔ اس کی ایک فیصد مرضی بھی نہیں تھی وہ مزید آگے پڑھے، ہر ممکن احتجاج کیا تھا لیکن امروز لالہ نے اس کے غصے کو نرمی سے قابو کر لیا تھا۔

☆☆☆

اس کا ڈگری کالج میں پہلا دن تھا اور خجستہ نے ذہن پر ایسے سوار کر رکھا تھا جیسے اس کا پہلا امتحان ہو۔ ایک ایک چیز بیگ میں موجود ہونے کے باوجود کوئی دس بار اٹھ اٹھ کر بیگ چیک کیا تھا، پھر یہ معمول بن گیا۔ رات کو ہر چیز تیار کر کے تسلی سے سرہانے رکھتی تھی، اسے پتا تھا اس کام میں اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہے، عام طور پر بچوں کی چیزیں مائیں تیار کر کے رات کو سوتی ہیں، لیکن خانی بیگم اس حق میں ہی نہیں تھیں کہ وہ پڑھے، انہیں یہی فکر تھی کہیں پڑھائی اس کا دماغ اونچا ہی نہ کر دے۔ ہم میں، ہماری روایات میں نقص نکالنے لگے۔ صرف داجی یا امروز ہی تھے جنہوں نے ڈرتے ڈرتے۔ اسے داخلہ دلوا دیا تھا، خجستہ کے لیے یہی بہت تھا۔

وہ امروز لالہ یا داجی کے ساتھ ہی کالج آتی جاتی، بہار، سردی، گرمی، بارش طوفان اسے کسی چیز سے غرض نہیں تھی۔ بس اسے نمبر چاہیے تھے، اتنے کہ اس کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہو جائے۔ اسے اتنا پتا تھا پرائیوٹ میڈیکل تعلیم کے لیے اس پر کوئی پچاس ساٹھ لاکھ خرچ نہیں کرنے والا، اور کرتے بھی کہاں سے؟ گھر کا ساز و سامان بیچتے، یا خود کو......؟ جو کرنا ہے اسے اپنی محنت کے بل پر کرنا ہے۔

اس کی محنت پر ہی درخزئی کو بل پڑتے تھے، کوئی حربہ نہیں چھوڑا تھا اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا، کاغذ کی ضرورت ہوتی تو دھڑ دھڑ اس کی کتابیں پھاڑ لیتا، قلم، پیمانہ چاہیے، خجستہ کا بیگ حاضر، اسے پڑھائی میں مصروف دیکھ کر اسے اپنی مصروفیات یاد آ جاتیں، کمرے میں وہ دھما چوکڑی مچاتا صاف کرنے والے کے کئی گھنٹے برباد ہو جاتے، زر بخت بچیوں کے کام اور گھر والوں کے لیے کھانے پکانے کا کرتے کرتے ہی تکلیف سے دہری ہو جاتی تھی، دوسری بیٹی کے بعد سے اس کی صحت کچھ گرتی جا رہی تھی۔ علاقے کی (L.H.V) لیڈی ہیلتھ وزیٹر سے دوا لی۔ کچھ دیر کو فرق پڑ جاتا لیکن بھاری کام کرنے سے گردے کی جگہ بہت درد ہوتا تھا' اسی لیے صفائی ستھرائی کا سارا کام خجستہ کے سر تھا۔

کالج جانے سے پہلے چیزیں سمیٹ جاتی، آتے ہی گھر الٹا ملتا تھا، ہر جگہ درخزئی کی چیزیں، جو کمرے کی حالت تھی وہ تو الاامان، وقت کی کمی کا بہانہ اس نے اس خوف سے نہیں رویا کہ وقت نکالنے کے لیے اسے کالج سے اٹھا لیا جاتا۔

ایک دن مغفورا چاچی کو ہی خیال آیا تھا، وہ بھی اس لیے کہ کئی دن سے دیکھ رہی تھیں' وہ کالج سے تھکی تھکی آتی ہے' کھانا کھا کر کام میں لگ جاتی ہے۔ کئی بار دیکھا اپنا یا تھا، کن پٹیاں پوروں سے آہستہ آہستہ سہلا رہی ہوتی تھی۔

"تھک گئی تو رہنے دے، ٹھہر کر ہو جائے گا...... آتے ہی لگ جاتی ہے۔"

اس نے فوراً ہاتھ نیچے کر لیے۔

"نہیں چاچی، ویسے ہی بس...... شام کو تو پڑھنا بھی ہوگا۔"

"ایک تو تجھے پڑھنا لے ڈوبے گا...... لعنت بھیج ایسے پڑھنے پر، جوانی میں سر دکھنے لگے۔"

خجستہ نے لعنت اپنے سردرد پر بھیجی اور کام میں لگ گئی۔ اس کے شوق پر دل کچھ پسیجا بھی تھا تو درخزئی سے چاچی نے کہہ ہی دیا۔

"لگتا ہے تو گھر میں رہنا بھول گیا...... تجھے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

یا بم دھماکا، کیسے ایمبولینس آئے جا رہی ہیں؟"

امروز نے مسکراتے ہوئے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"یہ میڈیکل کالج ہے، یہاں ایمبولینس نہیں آئے گی تو کیا ہمارے پہاڑوں پر پھرے گی۔" زر بخت کو خجستہ کی فکر ہوئی تھی۔

"خجستہ! تمہیں یہاں ڈر تو بہت لگے گا۔"

"ڈرنے کی کیا بات ہے۔ ہماری خجستہ بہت بہادر ہے۔"

خجستہ کی جگہ جواب امروز خان نے دیا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اسے کبھی بھی یہ یقین نہیں تھا اس کے اس شوق میں کم از کم اس کی اپنی فیملی ساتھ دے گی جب اس نے پہلی بار یہ بات منہ سے نکالی۔

"مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔"

خانی ماں تو ہنسی ہی تھیں' صفورا چاچی تحیر میں ہنس ہنس کر دہری ہوتی گئیں۔

"مڑے (ارے) خانی! تیری بیٹی نے دو نمبر کیا لے لیے، اس کا تو بھیجا پلٹ گیا...... یہ ڈاکٹر بنے گا، لو کر لو بات، ہم نے کبھی اسکول نہیں دیکھا' یہ ڈاکٹر بنے گا۔"

خانی ماں کو اس کے ارادوں سے خوف محسوس ہوا۔ وہ بچپن سے ایسی ہی تھی۔ جو بات کہہ دی سوار گئی، پوری کروا کر دم لیتی تھی۔ اسکول تک جانا، سہیلیوں سے مل لینا' یہاں تک تو بات درست تھی لیکن ڈاکٹر یعنی پڑھنے کے لیے دور شہر جانا...... یہ تو ان کے لیے ایسے ہی تھا جیسے ایمان سے پھر جانا۔ وہ تو اس بات پر راضی نہیں تھیں کہ علاقے کے کالج سے انٹر ہی کر لے۔ بات سیف خان تک جا پہنچی۔

رات در و دیوار پر پھسلتی حویلی کے اندر تک جا گھسی تھی۔ صنوبر کی سنہری لکڑی سے بنے بھاری سے صوفے پر سیف خان ٹیک لگائے بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ کمرے میں قہوے کی گرماہٹ، اور صنوبر کی مہک تب پھیلی، جب خجستہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سیف خان نے ہاتھ میں پکڑی پیالی تھمی پر رکھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں پچکارا۔

"آؤ بیٹھو......"

انہوں نے اپنے پاس اس کی جگہ بنائی تھی مگر وہ سامنے بیٹھ گئی۔ نگاہ پیالی میں موجود گرم قہوے پر تھی۔

"میں نے سنا ہے، گھر میں کوئی بات چل رہی ہے...... کیا مسئلہ ہے......؟"

"مسئلہ نہیں خواہش۔"

لہجہ ٹھوس تھا' صنوبر جیسا مگر نگاہ میں ہلتے قہوے جیسی التجا سی تھی۔

"خواہشیں صرف مردوں کی ہوتی ہیں...... عورتیں تکمیل کے لیے ہوتی ہے بچے۔" سیف خان کے اندر کا روایتی پٹھان گرم ہوا تھا۔

"میں مان لیتی داجی...... اگر دل کی دھڑکن محسوس نہ کرتی، دماغ بار بار سوچنے پر نہ اکساتا، کہ عورت دل رکھتی ہے، اس کے اندر احساسات پھوٹتے ہیں۔"

گہرا تاثر دیتے ہوئے سیف خان کی بھنوؤں کے کنارے آپس میں جڑ گئے تھے۔ آج سے پہلے کسی لڑکی کو ایسے بولتے سنا تھا نہ دیکھا تھا، اس سے پہلے وہ کچھ کہتے' امروز لالہ اور درخزئی ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ حاضر وقت مسئلہ جاننے میں انہیں زیادہ وقت نہیں لگا تھا کیونکہ کئی دن سے ایک بحث چل رہی تھی" خجستہ کالج جانا چاہتی ہے، اور یہ جا کر دم لے گی۔"

اس کا کالج جانے کا کہنا ایسا ہو گیا تھا جیسے اس نے لندن جانے کا کہہ دیا ہو یہ ایک پہاڑ کی مسافت پر ڈگری کالج تھا۔ کئی برس پہلے جمال خان علاقے کے ضلعی ناظم بنے تھے تب ہی ووٹ لینے کے لیے علاقے میں بہت سے کام کروائے تھے۔ لڑکیوں کا ایک ڈگری کالج منظور کروالیا۔ وقت کے ساتھ اسٹاف بھی آ گیا۔ اب تو اس جانب کافی رونق تھی۔ سڑک بھی پکی ہو گئی تھی۔ کئی گھرانوں کی لڑکیاں کالج

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جانے لگی تھیں لیکن برج حویلی سے ابھی کوئی نہیں گئی تھی یہاں تھی ہی کون جو کالج جاتی۔

ایک زر بخت، دوسری نجستہ جمال خان کی ناگہانی وفات نے سیف خان کو بالکل توڑ کر کھ دیا تھا۔ دنیا میں دو ہی بھائی تھے۔ بھائی بھی ایسے کہ محبت وخلوص میں پورے علاقے پر بھاری، اس طرح جڑے درمیان سے کوئی سوئی نہ گزار سکے، اک اک چیز میں یا دبسی تھی، پھر وارث بھی نہ چھوڑا، کوشش بہت کی تھی پر اللہ کو منظور نہیں تھا، منتیں مرادیں۔ دائیوں مائیوں کے ٹوٹکے مگر توڑ نہ چڑھے، ڈاکٹر سے مشورہ شرم کی حد توڑنے کے مترادف تھا۔ گھریلو علاج سے خانی کو لنگ ضرور مل گیا تھا مگر بیٹا نہیں۔ جمال خان کے دل کا ملال اپنی جگہ مگر اظہار کبھی نہیں کیا تھا، کچھ شاکری طبیعت تھی، ماشاء اللہ بھائی کے دو چراغ

تھے سو گھر کے دروازے پر روشنی رہی۔

وقت گزرا کہ جمال خان بھی گزر گئے، ترکہ میں جائیداد کے ساتھ چھوڑی دو بیٹیوں کو دیکھ کر سیف اللہ کا دل بھر بھر آتا تھا۔ جمال خان کی پہلی برسی پر زر بخت کا نکاح امروز خان سے کر کے زخمی دل پر پھایا رکھ لیا۔ زر بخت اس وقت دسویں میں تھی، امروز کو بی اے کیے بھی دو سال سے اوپر ہو چکے تھے۔ باپ کے ساتھ اپنا آبائی کام بہت خوشی سے کر رہا تھا۔ شادی کے وقت دونوں کی عمروں کا آٹھ نو سالہ فرق جو اس وقت محسوس بھی ہوا زر بخت نے خانی بیگم کی کاپی بن کر دو سالوں میں ہی مٹا دیا تھا۔ درخزئی شروع سے لاپروا، جم کر بیٹھنے سے اوب جانے والا تھا۔ بمشکل مڈل کی تھی۔

''جب امروز لالہ بی اے کے بعد بھی پہاڑ کی پچھلی زمین پر باجرہ مکئی اگا رہے ہیں تو اسے اگاتے شرم آئے گی......؟ جب کرنا ہی یہی کام ہے تو بی اے جائے بھاڑ میں'' آٹھویں کی کتابیں دوست کو تحفہ کر ،خود زمینوں پر جانے لگا، زمینوں سے سارے علاقے میں گھومتا گھماتا کچھ سر چڑھا من موجی ٹائپ بن

گیا، پورے گھر میں ایک نجستہ تھی باقاعدگی سے اسکول جانے والی، امروز لالہ اُسے لاتے لے جاتے تھے، کبھی اگر درخزئی کو لانا پڑ جاتا ناک منہ چڑھاتا، سارے رستے گھور گھور کر سانس خشک رکھتا۔ کچھ عرصہ اس نے برداشت کیا آخر ایک دن سیف خان سے کہہ ہی دیا۔

''داجی! ہم درخزئی کے ساتھ نہیں جائیں گے۔''

صفورا چاچی نے گھر کا، خانی بیگم برس ہی پڑیں۔

''کیوں نہیں جائے گا......؟''

''کیوں کہ یہ بہت غصہ کرتا ہے، کسی دن ہمیں پہاڑ سے دھکا دے دے گا۔''

''آرام سے بات کرو۔''

خانی بیگم اونچی آواز میں بڑبڑائی تھیں۔ ''اونہہ، پہاڑ سے دھکا دے دے گا...... مالک ہے وہ تیرا......''

بارہ تیرہ سالہ بچی کے منہ سے الفاظ تو نہیں نکلے تھے البتہ بھولی سی سبز آنکھوں میں الجھن امڈتی تھی۔ ''مالک تو زمین کے ہوتے ہیں، جانوروں کے ہوتے ہیں...... مس کہتی ہے 'مالک اللہ ہے'، پر میرا مالک یہ ہے، یہ بدتمیز......!

خانی بیگم سے پھسل کر نگاہ فاصلے پر کھڑے درخزئی پر گئی تھی جس کی گردن مالک کا سنتے ہی مزید تن گئی تھی۔ ماتھے پر کرختگی۔

نجستہ گھر کا سب سے چھوٹا بچہ تھی اور سیف خان بہت مہربان، وہ اپنی نشست سے اٹھے، بہت پیار سے بولے تھے۔

''چلو آج سے ہم چھوڑنے جائے گا تمہیں۔''

دو چار سال کی تو بات تھی، پھر شادی کر دینی تھی۔ سیف خان کو اس کی بات ماننا اچھا لگا تھا۔

☆☆☆

پہاڑوں پر اترتی چڑھتی دھوپ نے سال بتاتے وقت نہیں لگایا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سیاہ کڑھائی والی چادر میں لپٹی سر جھکائے چلتی لڑکی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اصطبل بھجوادوں......؟"
اس نے نا سمجھی سے ماں کو دیکھا۔
"کیا مطلب......؟"
"مطلب کیا......"
انہوں نے فرش سے بکھری چیزیں اٹھاتے ہوئے اسے گھر کا۔ "جہاں بیٹھا وہیں کھایا، ادھر گرا اُدھر گرا...... کپڑے جوتے چادر سب بکھیر رکھا ہے، کوئی عقل نامی چیز ہے تجھ میں، یا گھوڑوں کی طرح گھاس کھائی دم ہلائی۔"
ماں کی ضرب المثال پر تو کھول کر رہ گیا۔
"گھر کی عورتیں مرگئی ہیں کیا...... کریں کام۔"
اس نے بال بنا کر کنگھا بیڈ پر اچھال دیا۔
"مری نہیں، بوڑھی ہوگئی ہیں......نہیں دم رہا اب ہڈیوں میں اتنا، خوامخواہ کا گند سمیٹوں۔" اس کے بیڈ سے کنگھا اٹھاتے ہوئے اسے ایک بار پھر نخوت بھری نگاہ بخشی۔
"جو جوان ہے اس سے کیوں نہیں کرواتیں ......بٹھا و گھر اسے، بلاوجہ تماشا لگا رکھا ہے۔"
گردن جھٹکتے ہوئے گرم مفلر گردن کے گرد لپیٹا دانتوں تلے آئے کڑوے بادام جیسا منہ بناتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ دریچے کے آخری کونے میں انگیٹھی کے پاس بیٹھی وہ ہل ہل کر اپنا سبق یاد کر رہی تھی۔ انگیٹھی کی ساری تپش درخزئی میں بھر گئی۔ دانت کچکچاتا ہوا اس کے قریب ہوا، اسے اور اس کی کتابوں کو تنفر سے دیکھا تھا۔
"کیا سمجھتی ہے چار لفظ پڑھ کر ہم پر حکومت کر لے گی۔"
سبز آنکھوں میں ساری بے بسی اتر آئی تھی۔
"حکومت کرنے کے لیے تو حمایت کا ہونا ضروری ہے، میں تو خدمت کرنا چاہتی ہوں۔"
"ہونہہ خدمت...... خدمت تو تجھ سے ایسی لوں گا، تو ان کا غذوں کو دیکھ دیکھ کر روئے گی۔"
وہ اس کی چوکی کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا، اوس میں ڈوبی سبز آنکھیں اس کی پشت دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"خواہشوں کو تکمیل کا رنگ تو اللہ چڑھاتا ہے، انسان کی کیا اوقات......"

☆☆☆

سبز پتوں پر ٹپ ٹپ برس کر پھسلتی بوندوں کی طرح دن، سنگلاخ پتھروں میں جذب ہوتے جاتے تھے، سال اول کا نتیجہ بہت زبردست رہا تھا۔ سہیلیوں کی آنکھیں پھیل گئیں۔ استادوں کا مان بڑھ گیا تھا۔ جہاں خجستہ کی امید بڑھی تھی وہاں سر کا درد بھی بڑھ گیا تھا، تختہ سیاہ پر لکھے سفید لفظ کہر کی طرح مٹے مٹے لگتے، آنکھیں چندھیا چندھیا کر غور کرتی، کن پٹیوں پر زور پڑتا، بار بار نشست سے اٹھ کر جاتی، کاپی پر اتار لاتی ایک دن مس نے کہہ ہی دیا۔
"خجستہ! تمہیں آنکھیں چیک کروانی چاہئیں، تمہاری نگاہ کا مسئلہ ہے۔"
"نہیں نہیں مس......"
اُسے مس کے جملے سے بھی خوف آیا تھا۔ صرف یہ سوچ کر کہیں یہ سچ نہ ہو جائے، پھر تو گھر والے اس کی کسی صورت نہیں مانیں گے۔ رات کو خانی بیگم کمرے کا بلب جلانے نہیں دیتی تھیں، انہیں روشنی میں نیند نہیں آتی تھی۔
چاچی کہتی تھی "رات کو پڑھ پڑھ کر تیرے بال گر رہے ہیں، چٹیا آدھی رہ گئی۔"
داجی کہتے گھر میں دکھائی نہیں دیتی، ان کتابوں نے میرا بچہ چھین لیا۔"
زر بخت کو کون سا پسند ہے دیر تک دریچے کا زیرو پاور بلب جلائے رکھنا، تھوڑی روشنی نے نگاہ پر اثر ڈالنا شروع کیا تھا، درخزئی کے تو کہنے ہی کیا، وہ تو چاہتا تھا بھلے اندھی ہو جائے، گھر تو ٹکے گی۔ خجستہ نے دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔
"اللہ میری آنکھیں ٹھیک رکھنا۔"
سہیلی کے کئی سال سے عینک لگی تھی اس نے اپنی اتار کر دی۔
"خجستہ یہ لگا کر دیکھو، صحیح نظر آتا ہے تم کو؟"
باریک کمانی کی چھوٹی سی عینک پتلی ناک پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جماتے ہی لحہ بھر کے لیے تو چکر سا آیا تھا۔ جھٹکے سے آنکھیں بند ہوئیں، پھر کھولیں، بالکل صحیح تو نہیں لیکن کچھ سکون ملا تھا۔ خاص کر دائیں آنکھ کو، ہوسکتا ہے دونوں کی دائیں آنکھ کا نمبر ایک ہو، کچھ دیر لگا کر رکھنے کے بعد جب اسے لوٹائی تھی تب عدسے کی اہمیت کا پتا چلا تھا۔ آنکھ شدت سے چاہ رہی تھی اسے اس عدسے سے دیکھا جائے۔ نجستہ نے پلوشہ سے استفسار کیا۔

"یہ کتنے کی ہے......؟"

"پورے ہزار کی، میرے داجی کتبہ موڑ والے عینک ساز کے پاس لے کر گئے تھے، تم بھی اسی کے پاس چلی جانا۔"

"میں داجی سے کہوں تو شاید وہ مجھے بھی لے جائیں، عینک تو لگ جائے گی، مگر اور بہت کچھ چھن جائے گا۔" سندوری ہونٹ کچلتے اس نے دل میں سوچا تھا۔

کوئی اور تدبیر نہیں تھی اس درد سے چھٹکارے کی، دو دن بعد اس نے پلوشہ سے التجا کی۔

"ایسا نہیں ہوسکتا تم اپنی عینک مجھے دے دو، میں تھوڑے تھوڑے کر کے پیسے دے دوں گی۔"

اس کی احمقانہ بات پر پلوشہ حیرت میں گھر گئی۔

"ہر کسی کا الگ نمبر ہوتا ہے نجستہ! تم چیک کرواؤ۔"

"نہیں، مجھے اس سے صحیح دکھائی دے رہا تھا، میرا یہی نمبر ہوگا، تم اور بنوالینا۔"

پلوشہ نے کچھ دیر سوچا پھر چھٹی کے وقت اتار کر اسے دے دی۔

"میں داجی سے کہہ دوں گی، میری ٹوٹ گئی...... یہ تم رکھ لو۔"

درد کی مجبوری نہ ہوتی تو وہ کبھی کسی کی چیز یوں نہ لیتی۔ خوددار پٹھان تھی، لیکن کیا کریں ظالم درد کا جو بعض اوقات خودداری پر چھا جاتا ہے۔ اس نے پکڑ کر عینک بیگ میں رکھ تو لی اب لگانا کون سا آسان تھا۔ ایسی چیز تو تھی نہیں گلے میں پہن دوپٹے سے چھپائے رکھتی، یا بازو پر باندھ لیتی، چہرے پر ٹکانی تھی، دن میں جیسے تیسے چندھی آنکھوں سے گزارا کر لیتی تھی مگر رات کو جب سب اپنے کمروں میں ہوتے، وہ عینک جما کر پڑھتی، کسی آہٹ پر اتار کر بیگ میں رکھ لیتی۔ اس عینک کی آنکھ مچولی کو تیسرا دن تھا۔ وہ اپنے پڑھنے میں مگن تھی۔ امروز لالہ کسی کام سے باہر نکلے اس کے عینک جمی دیکھ کر ٹھٹک سے گئے۔

"یہ کب لگی......؟"

وہ جلدی میں چھپا بھی نہ سکی، ہلتی رنگ چہرے پر چھا گیا تھا۔

"پلوشہ کی ہے۔"

"تم نے کیوں لگا رکھی ہے......؟"

"وہ مجھے...... اس سے...... صحیح نظر آتا ہے۔"

اس کے تھوک نگل نگل کر کہنے پر لحہ بھر تو اسے دیکھتے رہے، اپنی گرم چادر صحیح طرح سے لپیٹی پھر ایک کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"اگر اتنا مسئلہ تھا تو کیا بتانا نہیں چاہیے تھا، اس طرح کسی دوسرے کی لگا کر مزید خراب ہو گئیں تو......؟"

"جسے بتاتی اس نے ایک ہی بات کہنی تھی۔"

اس کے لہجے میں یک لخت نمی گھل گئی تھی۔ "پڑھنے سے ہوئی ہیں، دفع کرو پڑھائی کو......"

"غلط بھی نہیں ہے یہ...... اتنا پڑھ کر کیا کرو گی نجستہ...... ہم پہاڑی لوگ ہیں۔ ہمیں پہاڑوں میں ہی رہنا ہے۔"

"ہاں...... لیکن ہم پہاڑ تو نہیں ہیں...... انسان ہیں، ہمیں پہاڑوں میں ہی راستے بنانے ہیں۔"

اس کے ٹھوس انداز پر وہ کچھ دیر اس کا چہرہ ٹٹولتے رہے، اس گھرانے کی کسی لڑکی نے کبھی ایسا سوچا بھی نہ ہوگا جو وہ کہہ جاتی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا نجستہ! تم میں پڑھائی کا اتنا جنون کس نے بھر دیا؟"

"لیکن میری سمجھ میں آتا ہے لالہ۔"

توقف کے دوران ہونٹوں کو کچلتی بہت درد سے بولی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھی۔ "میرے باپ کی خون میں لت پت لاش نے، میری ماں کے ناقص علاج سے ہونے والے لنگ نے، اور میری بہن کے روز اٹھنے والے درد نے۔"

☆☆☆

صبیح چہرے کی سبز آنکھیں لال پانی میں تیر رہی تھیں، جس میں جمال خان کا خون میں لتھڑا جسم کراہ رہا تھا۔ پہاڑی لوگوں کی خاندانی دشمنی کی داستان ایک معمول کی بات ہے، وہ بھی اسی معمول کا شکار ہوا تھا۔ پہلے دادا اس خاندانی دشمنی کی بھینٹ چڑھا پھر جمال خان حالانکہ مرنجاں مرنج انسان تھا۔ جس کا معاملہ پھر کسی وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔

کیسے صلح ہوئی، کتنے لوگ اس کی بھینٹ چڑھے، کتنا سرمایہ لگا، کون کون سی زمین بکی، لیکن فی الوقت جمال خان کی جان لبوں پر تھی۔ ٹانگ پر اور کمر کے نیچے چار گولیاں لگی تھیں، ٹانگ والی تو گوشت کو پھاڑ کر خود ہی نکل گئی مرہم پٹی قریبی ڈسپنسری میں ہوگئی لیکن کمر والی گولی ہڈی میں اٹک گئی تھی جسے نکالنے کے لیے باقاعدہ آپریشن کی ضرورت تھی۔ ڈسپنسری میں نہ تو آپریشن تھیٹر تھا، نہ ہی کوئی سرجن۔

یہ اٹک کے قریب ہی کامرہ نواحی علاقہ تھا، گاؤں اور شہر کو ملاتا کتبہ موڑ اب اتنی دور بھی نہیں تھا یہی کوئی تیس سے چالیس منٹ کی ڈرائیو پر، وہاں ڈاکٹر بھی تھے ہسپتال بھی، کچھ وقت ڈسپنسری میں برباد ہوگیا تھا، کچھ تیس چالیس منٹ کا فاصلہ طے کرنے میں، اس سے پہلے کہ جمال خان کے قدم ہسپتال تک پہنچتے، اس کے پیروں سے روح نے قدم باہر نکال لیے تھے۔

خجستہ کی عمر اتنی نہیں تھی کہ کچھ سمجھ سکے، لیکن لوگوں کے بین نے سمجھنا بہت آسان کردیا تھا۔ پلوشہ کی ماں بار بار کہہ رہی تھی۔

"خانہ خراب ڈسپنسری والا گولی نکال دیتا تو اتنا خون ضائع نہ ہوتا۔"

"مڑے (ارے) بتایا تو ہے، ڈاکٹر یہاں نہیں ہوتا۔"

"جو تھا پاگل کا باچہ (بچہ) وہ خود نکال دیتا، ڈاکٹر ضروری ہے......؟"

"اے بہن، گولی بڑا ڈاکٹر نکالتا ہے ڈسپنسر نہیں۔"

"اوہ تو گولی ڈاکٹر نکالتا ہے۔" خجستہ کے سہمے ذہن نے ایک بات سیکھی ہی تھی کہ چاچی نے ایک سفید چادر لاکر بہت دیر سے سسکتے میں مجیھی خانی بیگم کے اوپر ڈال دی تھی پھر جو خانی بیگم کا سکتہ ٹوٹا تھا، اس کی چیخیں آج بھی خجستہ کے کانوں میں گرم سلاخوں کی طرح گھس رہی تھیں۔ نم پلکوں کے سائے میں ماضی ابھر کر معدوم ہوا، لرزتی پلکیں اٹھا کر اس نے امروز خان کو دیکھا تھا وہ متاسفانہ مسلسل اسے دیکھ رہے تھے۔

"لالہ! میرا باپ گولی لگنے سے نہیں مرا تھا، گولی نہ نکلنے کی وجہ سے مرا تھا...... اگر ڈاکٹر ہوتا، شاید میرا باپ بھی ہوتا۔" سبز جھیل سے پانی گلابی رخساروں پر چھلکا۔ "سب کچھ ہے میرے پاس، محبت، شفقت، خیال، پیار لیکن میرے داجی نہیں ہیں۔" اک ننھی سسکاری نے سندوری ہونٹوں پر دم توڑا، جبڑے نم ہوکر بھاری ہونے لگے، بھلے باپ سخت گیر ہو، مگر اس کا ہونا ہی بیٹیوں کے لیے آہنی چھت جیسا ہے، اور خجستہ کو اپنی چھت تنکوں کی لگتی تھی۔

"اور لالہ ...... مرا تو میرا باپ تھا، سفید کفن میری ماں پر کیوں لپیٹا تھا، میری ماں کی وہ چیخیں، میرے باپ کے خون کے قطرے میرے اندر جنون بھر رہے ہیں، مجھے ڈسپنسری میں ڈاکٹر بن کر بیٹھنا ہے...... کسی اور کی ماں سفید کفن نہ لپیٹے، بہت درد ہوتا ہے بچوں کو ماں کی چیخوں سے، باپ کی موت سے۔"

اس کے لہجے کی نمی سے امروز خان کے دل کو دھکا سا لگا تھا، دل گرفتی سے اٹھتے اٹھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"خجستہ بچہ! یہ سب تقدیر میں لکھا تھا، ہونا ہی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھا۔"

"تقدیر کون لکھتا ہے لالہ......؟"

وہ یک لخت ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔" اللہ لکھتا ہے ناں تقدیر، تو پھر اس نے جنت دوزخ کے راستے کیوں بتائے ہیں...... تقدیر میں تو لکھا گیا ہوگا فلاں برا ہے، وہ دوزخ میں جائے گا، جس کو اچھا لکھا اس نے نیکی کرنی ہی کرنی ہے...... پھر جنت کے حصول اور دوزخ سے بچاؤ کی محنت کیوں......" امروز خان کی متاسفانہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی جا رہی تھیں "نہیں لالہ...... تقدیر میں بہت سا حصہ تدبیر کا بھی ہے...... اور میں صرف تدبیر کی کوشش کر رہی ہوں...... تقدیر کو رنگ اللہ نے چڑھانا ہے۔"

☆☆☆

مشکلات ضرور تھیں لیکن اس کی کوشش رائیگاں نہیں جا رہی تھی، امتحان نزدیک آرہے تھے، محنت بڑھتی جا رہی تھی۔ امروز خان پہلے ہی اسے کتبہ موڑ کے ڈاکٹر سے عینک لگوا لائے تھے۔ پلوشہ کی واپس کر دی تھی۔ عینک کا بھی عجیب ہی قصہ تھا۔ حد درجہ احتیاط کے باوجود ٹوٹی ہوئی ملتی تھی۔ خانی بیگم الگ ڈانٹتیں، چاچی الگ لاپروائی کے طعنے دیتی۔ ٹوٹتی بھی ایسے جیسے غصے میں پکڑ کر دو ٹکڑے کی گئی ہو۔ یہ آج تک پتا نہ چل سکا کہ عینک پر غصہ کون نکالتا تھا، جب کہیں رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے اٹھی، ٹوٹی ہوئی ملی۔ نجستہ نے آخر اسے ڈوری سے باندھ لیا۔ سوتے ہوئے گریبان میں ڈال لیتی، عینک محفوظ ہوگئی، درخزئی کا غصہ بڑھ گیا۔

انٹر کے امتحانات کا شیڈول جاری کر دیا گیا تھا، اسے یقین تھا سال دوم کا نتیجہ سال اول سے بھی بہترین ہوگا۔ بات ایف ایس سی پر ہی تھوڑا ختم ہوتی ہے، UHS (یونی ورسٹی آف ہیلتھ اینڈ سائنسز) نے میڈیکل کے داخلے میں طلبہ کے قد سے بھی اونچی رکاوٹ انٹری ٹیسٹ کی لگا رکھی ہے، پڑھے لکھے خاندان، یا شہروں میں رہنے والے پھر اس بات کو کسی حد تک سمجھتے ہیں کہ انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے لیے بھی کسی ادارے میں جانا پڑتا ہے، لیکن جن علاقوں میں میڈیکل کی بنیاد ہی نہ ہو وہ اس بات کو کیا سمجھیں۔

"مڑے (ارے) تم تو کہہ رہی تھیں بارہویں کی کتابوں سے پرچا آئے گا، وہ پڑھ تو لیں، اب کیسی تیاری۔"

خانی بیگم حیران تھیں، چاچی گھور رہی تھیں۔

نجستہ ان معصوم عورتوں کو اپنا فرسودہ نظام تعلیم کیا سمجھاتی، ایف ایس سی کے اندر استاد جو حصہ یہ کہہ کر چھڑوا دیتے ہیں۔

"بچوں یہ چیپٹرز چھوڑ دو، اس میں سے کبھی پیپر نہیں بنتا، پچھلے پانچ، چھ سال کے پیپرز دیکھ لو، یہ سوال نہیں ملیں گے، باقی کی تیاری کرو۔" وہ ہی ایف اس سی کا مشکل ترین حصہ میڈیکل کالج کے انٹری ٹیسٹ کا نچوڑ ہے،، دو سالوں میں استاد وہ مشکل حصہ پڑھانے سے گھبراتے ہیں، یو ایچ ایس یہ چاہتی ہے بچے نوے دن کی تیاری میں وہ انگلیوں کی پوروں پر کسی روبوٹ کی طرح یاد کر لیں۔ سلام ہے اس دور کے بچوں پر، وہ پھر بھی کر لیتے ہیں۔ کرتو نجستہ بھی لے گی مگر اسے اس ادارے تک جانے کا رستہ تو ملے۔

ایم۔ کیٹ (میڈیکل کالج انٹری ٹیسٹ) کی کلاسز تمام کوچنگ سنٹرز میں پیپرز سے اگلے دن ہی شروع ہو چکی تھیں اور میڈیکل کے تمنائی بچے دھڑا دھڑ اس میں داخلہ لے کر اکیڈمی مافیا کی ہانڈی بھر رہے تھے، ایک تو کامرہ اٹک کا نواحی علاقہ، پھر گھر والوں کو قائل کرنے میں اسے پندرہ دن لگ گئے تھے۔ امروز خان اس کے شوق کے آگے ہار گئے، انہوں نے ہی داجی کو قائل کیا تھا۔

"ایک میڈیکل کالج لڑکیوں کا بھی ہے فاطمہ جناح میڈیکل کالج...... ہوسکتا ہے اس میں نام آجائے، آج کل سب کی لڑکیاں پڑھ رہی ہیں اور اس کا شوق ہے، ہمیں دیوار نہیں بننا چاہیے داجی......

اگر شوق کو راستہ گھر والے نہ دیں تو وہ جنون بن جاتا ہے۔ جنون پستی کا دوسرا نام ہے۔" داجی کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قائل کر کے اسے پستی سے امروز لالہ نے بچالیا تھا، انہوں نے ہی ایک وین کا انتظام کیا جو اسے اٹک شہر کی اکیڈمی تک لاتی لے جاتی، دن تو بہت گرم تھے مگر پہاڑ ان کی گرمی کو کسی حد تک جذب کر لیتے تھے اس نے دن رات محنت کی تھی، ساری تیاری مکمل تھی، رول نمبر دے کر دن کا اعلان ہو چکا تھا۔

☆☆☆

عموماً اکیڈمی ''بیسٹ آف لک'' کارڈ دیتے ہوئے آخری دن کی چھٹی دے دیتی ہے، تاکہ بچے مطمئن ہو کر اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے لیں، اس نے ساری رات پڑھا تھا، فجر پڑھ کر کچھ دیر کو سوئی، سورج اونچا ہوتے ہی اٹھ گئی۔ آج اکیڈمی نہیں جانا تھا، کیوں کہ بیسٹ آف لک آزمانا تھی، سارا دن اپنا تھا۔ آٹھ کتابیں، دو سال کی محنت اک طرف اس ایک دن کی محنت ایک طرف۔ وہ ناشتہ کرتے ہی کتابیں لے کر دریچے میں بیٹھ گئی۔ داجی اور امروز لالہ اپنے کام سے باہر تھے، کچھ ہی دیر میں صحن کے بیچوں و بیچ دھاڑ دھاڑ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس نے دو تین بار ناگواری سے دیکھا۔ اور درخزئی گھر کا مین دروازہ اتارے جانے اس میں کیا ٹھوک رہا تھا۔ چاچی سر پر دوپٹا باندھتی ہوئی پوچھنے آئی تھیں۔

''کیا ٹھکا ٹھک لگا رکھی ہے، ہمارا سر پھٹنے کو ہو گیا۔''

''دروازہ خراب ہو رہا ہے، وہ ٹھیک کر رہا ہوں۔''

کہہ کر اس نے پوری قوت سے پکی لکڑی پر ہتھوڑے برسانے شروع کیے، نجستہ سارے دن کی ٹھا ٹھا سے تنگ آ گئی تھی۔ اٹھ کے آئی اور بہت لجی انداز میں بولی۔

''خدا کے واسطے، کل ٹھیک کر لینا۔''

''اچھا!! تاکہ گھر میں چور گھس آئیں، دیکھا نہیں، دیمک نے سارا لکڑی کھالیا ہے۔''

اس نے آری کے ساتھ دروازے کا ایک حصہ کاٹ کر الگ کیا اور پکی لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کر میخیں اس میں گاڑنے لگا۔

''ایک دن سے کیا ہوتا ہے' ایک دن میں دیمک نہیں کھا جاتی۔''

نجستہ کی منتوں پر اس نے استہزائیہ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''دیمک ایک دن میں واقعی نہیں کھاتی ...... ہونہہ۔''

اس نے گردن جھٹک کر پہلے سے بھی زیادہ قوت سے ہتھوڑے برسانے شروع کیے۔ نجستہ نے جا کر کمرے کا دروازہ بند کر کے ہتھیلیاں کانوں پر جما لی تھیں۔ اسے اپنی بے بسی پر بہت رونا آیا تھا۔ اسے وہ سب لڑکیاں یاد آنے لگیں جو روز کہتی تھیں۔

''میرے داجی نے، آج کل گھر میں مہمانوں کی آمد پر پابندی لگا رکھی ہے...... میں ڈسٹرب نہ ہوں ناں۔''

کوئی کہتی ''مورے (ماں) میرا بہت خیال کرتی ہے۔ بادام اخروٹ دودھ کے ساتھ دیتی ہے...... پڑھ پڑھ کے سر دکھنے لگتا ہے ناں۔''

اور نجستہ کے سر پر ہتھوڑے برس رہے تھے، آہنی ہتھوڑے سے میخیں لکڑی میں ٹھونکنے کی آواز سارے گھر میں گونج پیدا کر رہی تھی۔ اسی گونج میں اسے تیاری کرنا تھی اور وہ کر بھی رہی تھی۔

☆☆☆

دروازہ ٹھیک ہو کر لگ چکا تھا۔ در و دیوار کی گونج ختم ہوئی ہی تھی کہ سارے گھر میں یک لخت اندھیرا چھا گیا۔ اس نے دروازے سے باہر درخزئی کو جاتے دیکھا تھا اور بس اندھیرا، گھر کی ساری بتیاں چیک کر لی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا لائٹ کو ہوا کیا، داجی گھر آ چکے تھے۔ امروز خان نے سوئچ چیک کیے، یہی لگا شاید وائرنگ اڑ گئی، داجی نے تو درخزئی سے کہا بھی۔

''تم گھر میں تھا' کسی کو دکھا دیتا۔''

''داجی جو ہوا ہے ابھی ہوا ہے، ہمیں کیا پتا' وائرنگ خراب ہوا یا بجلی پیچھے سے گیا ہے۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اللہ تو بہر حال جانتا ہی تھا' خجستہ کو بھی پورا یقین تھا۔ درخزئی کا کچھ ہاتھ ضرور ہے، اور واقعی اس نے میٹر کا سپلائی تار چپکے سے کاٹ دیا تھا۔ گھر میں ایک دو چار جنگ لائٹیں تھیں۔ کوئی لے کر کمرے میں جا رہا تھا، کوئی باتھ روم یا کچن میں، خجستہ نے امروز لالہ کے موبائل کی ٹارچ آن کی۔ موبائل منہ میں دبائے نو میریکلز حل کیے تھے۔ اس کی آنکھوں میں امڈ کر آتا پانی اور دل کی دھڑکن واضح کہہ رہی تھی۔

''درخزئی تمہارے اندھیرا کرنے سے کچھ نہیں ہونے والا، بس میرا اللہ اندھیرا نہ کرے۔''

☆☆☆

تھکن سے چور رات ختم ہوئی سنہرا دن طلوع ہو چکا تھا۔ انٹری ٹیسٹ کے مرکزی سنٹر کا بھرپور تار چرا اپنے نازک کندھوں پر اٹھاتے بچے گروہ در گروہ موجود تھے، تیار ایمولینسیز، ٹمپریری میڈیکل کیمپ، اور ماں باپ کی تسبیحات...... چونتیس سوسیٹوں کے لیے اس ملک کے ذہین ترین ساٹھ ہزار بچے تقدیر اور تدبیر کے رنگ دیکھنے نکلے تھے۔ ہر طبقے کا بچہ تھا۔ خجستہ نے مرکز میں قدم رکھنے سے پہلے ایک نگاہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھتے ایک بات سوچی تھی۔

''نہیں بدل سکتا کوئی اسے، اگر میرا رب ارادہ کر لے۔''

ہمیں وقت سے پہلے چاہیے ہوتا ہے لیکن رب کے ارادے وقت پر رنگ دکھاتے ہیں، رب کے ارادے کا رنگ چڑھنا شروع ہو گیا تھا۔

حسب روایت مشکل سے مشکل ترین پیپر مخصوص وقت میں حل کر کے وہ بہت پر امید واپس لوٹی تھی شام تک نیٹ پر آنسر کی لسٹ (درست جواب) بھی آ چکی تھی۔ خجستہ کی تقدیر پر تدبیر کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ جب میڈیکل کالجز کی لسٹیں لگیں' اپنا مکمل نام تاریخ پیدائش، شہریت، راولپنڈی میڈیکل کالج کی لسٹ میں جگمگاتا دیکھ کر وہ اندھا دھند بھاگتی آئی تھی۔ خوشی سے بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا، اور سبز آنکھیں نم، دالان کی جانب بڑھتے اس کے قدم داجی کی آواز پر تھم گئے تھے۔

''امروز خان! تم تو کہتا تھا اس کا داخلہ لڑکیوں کے کالج میں ہو جائے گا، لیکن پنڈی کے کالج میں تو لڑکے ساتھ پڑھتے ہیں۔''

ہاں داجی...... نمبر تو اس کے بہت تھے، میرٹ اس سال اوراوپر چلا گیا...... کیا کیا جا سکتا ہے۔''

یعنی کہ امروز لالہ اس سے پہلے میرٹ لسٹ چیک کر چکے تھے۔

''کیا مطلب ہے کیا کرنا ہے۔''

امروز کے جواب پر درخزئی پورے کروفر سے تڑپ کر اٹھا تھا۔ ''اب ہم اتنا بے غیرت ہو گیا ہے، اسے لڑکوں کے ساتھ پڑھنے بھیجیں...... بٹھاؤ گھر میں، ورنہ بھاگ جائے گا وہ۔''

سنتے ہی خجستہ کے پاؤں زمین میں گڑ گئے تھے، اس نے ترحم بھری نگاہ سب پر ڈالی تھی۔ خانی بیگم، سر پکڑے بیٹھی تھیں۔ چاچی انگلی گال میں گاڑے درخزئی کی بات پر غور کر رہی تھیں۔ شروع سے دبو زربخت کو تو بھاگ جانے کے خوف سے پسینہ آ گیا تھا۔ امروز لالہ، داجی چپ تھے۔

کبھی کبھی ہماری جنگ میں ہمارے ماں باپ بھی ساتھ کھڑے نہیں ہوتے، حالات سے ڈر جاتے ہیں۔ باپ تو تھا نہیں، اور ماں خوفزدہ، اسے اپنے لیے خود لڑنا تھا۔ وہ قدم اٹھاتی ان کی جانب بڑھی، قدم اس قدر بھاری تھے اسے لگا زمین اس کے قدموں سے چپک گئی ہو۔ خوشی سے لرزتا بدن خوف میں ڈھل گیا تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اس نے اپنے قدموں میں جان پیدا کی، آواز پر قابو رکھا۔

''داجی! میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں...... پستیوں سے بچنے کے لیے، اونچے نیچے راستوں پر مجھے جما کر قدم رکھنے آتے ہیں۔''

سب نے ہی چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ درخزئی تو ایسے دیکھ رہا تھا، جیسے ابھی چیر پھاڑ کر اسے پستیوں میں پھینک دے گا مگر وہ ملتجی انداز میں داجی کو دیکھتے ہوئے کہتی رہی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"جو خود کھائی سے ڈرتی ہو، وہ اپنے داجی یا لالہ کو کرنے دے گی.....؟"

اس کے سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ مگر اس سے کرنے کے لیے سوال بہت تھے کیے' بھی، وہ جواب دیتی رہی' قائل کرتی رہی اور آخر جب کچھ بات بنتی نظر نہ آئی تو آخری حربے کے طور پر کہا تھا۔

"امروز لالہ! مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دیں' میں ضد چھوڑ دوں گی۔"

امروز اور سیف اللہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ وہ قطعیت سے کہہ رہی تھی۔ "ہم بیٹیوں کو ڈاکٹر بننے نہیں دیتے، بہت کھلی تعلیم ہے یہ، لیکن بیوی کے علاج کے لیے لیڈی ڈاکٹر ہی کیوں ڈھونڈتے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر کی تلاش میں وہ درد سے تڑپ کر مر جائے۔"

درخزئی اس کی بات پر استہزائیہ ہنسا تھا۔ امروز نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے مگر اس کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"زوار کاکا کی بیوی تو سب کو یاد ہو گی ایسی بھولنے والی بات ہے تو نہیں۔"

زوار خان پہاڑ کی پچھلی جانب کی گلیوں میں رہتا تھا۔ بہت نیک خدا ترس انسان، اس کی بیوی زرمینہ کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ تکلیف ہاتھوں کی معمولی خارش سے شروع ہوئی تھی پھر سارے بدن میں پھیل گئی۔ خارش کرنے پر چھوٹے چھوٹے دھپڑ بن جاتے جن میں سرخ دانے بننے لگے، کوئی چھپاکی کہتا کوئی چنبل، دانے سرخی سے زردی میں ڈھلنے لگے تھے، پہلے گھریلو علاج شروع ہوا، فرق نہ پڑنے پر اڑوس پڑوس کے ٹوٹکے، تکلیف شدت پکڑنے لگی تو بات حکیم تک جا پہنچی۔ زوار خان حکیم کو حالت بتا کر مرہم لے آیا جتنی دیر مرہم لگا رہتا، سکون رہتا جیسے جیسے کچھ وقت گزرتا گیا' خارش میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ زخم رسنے لگے۔ کسی نے اٹک لے جا کر ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دیا تھا۔ زوار نے کئی لوگوں سے پتا کر لیا تھا اٹک میں جلد کی کوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں تھی۔ مرد ڈاکٹر کو وہ اپنی بیوی کا جسم دکھائے، اس سے کہیں بہتر تھا وہ مر جائے، پھر ایسا ہی ہوا' لیڈی ڈاکٹر تو نہ ملی البتہ وہ خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کے مرنے سے فرق کسی کو نہیں پڑا تھا، نہ زوار کو نہ زوار کے گھر کو، کیوں کہ گھر کی ابتری دیکھ کر دو ماہ میں ہی زوار نے دوسری شادی کر لی تھی، لیکن اس کی دو سالہ بیٹی کی زندگی سارے محلے نے دیکھی تھی۔ تین وقت کے کھانے کے ساتھ مار پیٹ بھی خوراک میں شامل ہو چکی تھی۔ کسی وقت کی خاموش بچی کی ضد اب پورے علاقے میں مشہور تھی۔ سب کو ترس آ جاتا تھا سوائے زوار خان کے۔

خجستہ نے جس انداز میں کہا تھا امروز کی آنکھوں کے سامنے زوار خان کی روتی ہوئی بیٹی آ کھڑی ہوئی تھی' داجی چپ تھے، درخزئی کا چپ رہنا ہمیشہ ہی مشکل رہا تھا، نتھنے پھلاتے ہوئے بولا تھا۔

"بیماری اور شفا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں زوار کاکا کا کیا قصور.....؟"

"شفا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، شفا کے لیے بھاگ دوڑ بھی اللہ ہی کا حکم ہے، اگر علاج کا حکم نہ ہوتا تو علاج کے اللہ طریقے ہی نہ بتاتا.....کیوں امروز لالہ.....؟"

اس نے درخزئی کو نظرانداز کرتے ہوئے امروز کی جانب دیکھا تھا۔ "علاج کا حکم ہے نا.....اور کیا ہم علاج کے لیے لیڈی ڈاکٹر نہیں ڈھونڈتے.....بے شک تلاش میں بیماری کتنی بڑھ جائے۔"

امروز کی نگاہ میں پشیمانی لہرائی تھی۔ زربخت کی گردے کی تکلیف بھی یوں ہی بڑھتی جا رہی تھی، علاقے کی گائناکالوجسٹ کو دکھایا تھا۔ اس کا خیال تھا الٹرا ساؤنڈ ہو، تا کہ بیماری واضح ہو۔ اور الٹرا ساؤنڈ لیڈی اسپیشلسٹ نزدیک علاقے میں کہیں بھی نہیں تھی۔ یہی طے تھا کبھی وقت نکال کر راولپنڈی جائیں گے تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔ خجستہ کی باتوں پر امروز کی نگاہ زربخت پر پڑی۔ کچھ دیر بیٹھے رہنے سے اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے اچھے خاصے آثار تھے،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کی گود میں بے فکر سوتی چھوٹی سی پری پر امروز کی نگاہیں گڑی رہ گئی تھیں اور ایک منٹ لگا تھا انہیں نجستہ کی حمایت کرنے میں۔

"تم اپنی تیاری شروع کرو، میں تمہیں چھوڑ کر آؤں گا۔"

داجی امروز کا چہرہ دیکھتے رہ گئے مگر بولے کچھ نہیں۔ درخزئی نے بہت شور مچایا، یہاں تک کہا کہ منگنی توڑ دے گا...... امروز نے اس سے ایک بات کہی تھی۔

"خوامخواہ کی ضد پر احمقانہ فیصلے نہیں کیے جاتے۔"

☆☆☆

گھر کا فرد ہاتھ تھام کر چلائے تو خوشی دگنی ہوتی ہے، نجستہ بھی بے حد خوش تھی جب امروز لالہ اور زر بخت اسے کالج چھوڑنے آئے تھے۔ امروز نے دو دن پہلے آ کر ہاسٹل اور کالج کے تمام واجبات جمع کروا دیے تھے، اصل ڈاکومنٹس کیوں کہ اسٹوڈنٹ کو خود جمع کروانے ہوتے ہیں اس لیے یہی کام رہ گیا تھا۔ وہ تیزی سے ایڈمن آفس کی جانب بڑھے ہی تھے سامنے سے سینئرز کا ایک بیچ قریب آیا۔

"آپ فرسٹ ائیر میں ہیں۔"

"یس۔"

اول تو فرسٹ ائیر کی تصدیق قطعاً ضروری نہیں اپنے ہونق پن سے دور سے پہچانی جاتی ہے، لیکن نجستہ نے خاصے اعتماد سے گردن ہلائی تھی۔

"ویلکم ویلکم۔"

ایک لڑکا جوش سے ہاتھ ملانے کے انداز میں آگے بڑھا، نجستہ جھینپ کر دو قدم پیچھے ہو گئی۔ امروز خان کی آنکھوں میں یک دم آ جانے والی سرخی اس کی ساتھی لڑکی نے پل میں محسوس کی اور اپنا ہاتھ بڑھاتے مسکرائی تھی۔

"ایکچوئلی ہم سب فرسٹ ائیر کا ہی ویٹ کر رہے تھے، ہم آپ کے سینئرز ہیں، ہماری ڈیوٹی ہے آپ کو گائیڈ کرنا، آپ کی کلاس تک لے جانا۔"

نجستہ نے اپنے دونوں ہونٹ اندر کی جانب بھینچ رکھے تھے۔ وہ لڑکی اب امروز خان سے مخاطب تھی۔ "آپ ان کے......؟"

"بھائی۔"

"بس پھر بھائی! اب آپ بے فکر ہو کر جا سکتے ہیں...... یہ اصل جگہ پہنچ چکی ہیں، یہاں سے فارغ ہو کر ہم سب ہاسٹل چلے جائیں گے، یہ ہمارے ساتھ ہوں گی۔"

امروز کا وہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن جانا تو تھا ہی، جاتے جاتے کئی بار کی کہی نصیحتیں پھر سے دہرائی تھیں۔

"پہاڑ سے اترنا بہت آسان ہے نجستہ، لیکن چڑھائی کے لیے، صرف مضبوط ارادہ اور ہمت چاہیے۔"

"لالہ! میرے قدم جب بھی ڈگمگائے میں واپس آ جاؤں گی۔"

خواہ وہ اندر سے جتنی بھی ڈری ہوئی تھی لیکن بہت آرام سے امروز کی تسلی کی تھی۔

"شاباش۔"

اس کے سر پر پیار بھری تھپکی دے کر واپسی کے لیے مڑے تھے، نجستہ گردن موڑے انہیں جاتا دیکھ رہی تھی جب اسی لڑکے نے اس کے ہاتھ میں پکڑی فائل اچک لی۔ وہ یکدم گھومی تھی۔

"یہ میری ہے۔" نجستہ کی دبی سی آواز نکلی تھی۔

"اوریجنل ڈاکومنٹس ہوں گے......؟"

اس نے فائل کھولتے ہوئے تبصرہ کیا، نجستہ ہاں میں سر ہلاتی رہ گئی۔ جب کہ وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"نو پرابلم، اسے میں سب مٹ کرواتا ہوں، آپ جائیں ان کے ساتھ، آپ کی کلاس ہے......"

"لیکن یہ تو اسٹوڈنٹ کو جمع کروانے ہیں...... میں نے سنا ہے سائن وغیرہ۔"

اس کے ڈرے لہجے پر سارے گروپ نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قہقہہ لگایا، وہ خفت سے سرخ پڑ گئی۔ وہ ہی لڑکا دوبارہ بولا تھا۔

''ہم کون سا کھوتے ہیں، ہم بھی اسٹوڈنٹ ہی ہیں بی بی! سائن بھی کرنے آتے ہیں...... بھلے آپ کا نام مشکل سہی مگر لکھ لیں گے۔ ہماری ایڈمن سے جان پہچان ہے۔ ذرا جلدی کام ہو جائے گا آپ کا۔''

گروپ کی کچھ لڑکیاں ہادی کو دانت نکوستے دبے دبے انداز میں اشارے کر رہی تھیں۔ ''دو اس کی فائل'' ہادی نے واضح کندھے اچکائے اور گروپ کو ڈپٹ کر بولا۔

''سینئرز کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ...... انہیں ڈی ایچ لے جاؤ، دیر ہو رہی ہے۔ ان کی کلاس مس نہ ہو جائے۔''

''بہت برُے ہو تم ہادی......''

''اسٹوپڈ......!''

''بدتمیز......!''

جس کے منہ میں جو آیا اس نے کہا اور نجستہ کو ساتھ لے کر چل پڑے۔

ہاتھوں کو مسلتے ان کے پیچھے چلتی نجستہ کو اپنی فائل کی فکر تھی۔ ''میرے اللہ میں یہاں آ تو گئی، پتا نہیں یہاں کے لوگ کیا کریں گے...... زندگی میں ایک درخزئی کم تھا؟'' پاؤں کے نیچے گھاس روندتا بے فکر چلتا سنیئرز کا گروپ اسے مزید ہراساں کر رہا تھا۔

''ڈاکٹر بننا آسان تھوڑی ہے، بڑے مرحلے ہیں یہاں، کم از کم چھری چاقو سے بالکل نہیں ڈرنا...... خیر ہم ہیں ناں آپ کی مدد کو۔''

اور نجستہ کو لگا تھا واقعی اس کی مدد ہونے جا رہی ہے' آنکھیں تو تب کھلی تھیں جب وہ ڈی ایچ ہال پہنچی تھی۔ ایک عجیب سی بساند میں رچا کمرہ جس کی چار دیواری پر شیشے کی کیبن نما الماریاں بنی تھیں اور سب میں انسانی اعضاء کی ہڈیاں مختلف رنگوں کے ساتھ رگوں اور خلیوں کے ڈائیگرام سے سجا کر ایسے رکھی تھیں جیسے قیمتی ڈیکوریشن ہوں، کچھ پلاسٹر آف پیرس کی کچھ اصل، بنا آنکھوں کی کھوپڑی، اور ایک

جار میں تیرتی آنکھیں دیکھ کر حلق خشک ہوا تھا، لیکن وہاں پہلے ہی فرسٹ ائیر کے لڑکے لڑکیاں کھڑے تھے جنہیں سینئرز کا ایک اور گروپ عجیب و غریب لیکچر دے رہا تھا۔ بچے بھی شرم سے سرخ پڑ جاتے کبھی خوف سے پیلے۔ نجستہ بھی ان میں آ کر شامل ہو چکی تھی۔ وہ جہاں کھڑی تھی اس کے آگے ایک بڑا سا اسٹیل کا پیٹی نما لمبا چوڑا ڈبا سا رکھا تھا۔ اس ہال میں کئی ڈبے تھے۔ انہیں دیکھ کر یہی تاثر ملتا'' میڈیکل کالج کے ڈیسک لکڑی کے بجائے اسٹیل کے ہیں، کمال ہے۔''

تب ہی اس نے اس پر اپنی کہنیاں اور غور سے سینیرز کی باتیں سننے لگی، جن میں اہم بات یہی تھی جو وہ بار بار دہرا رہے تھے۔

''سینئرز کا بہت احترام ہوتا ہے میڈیکل سائنس میں، آپ کو لیکچر ٹیچرز دیں گے مگر سمجھائیں گے ہم، ہماری مدد کے بغیر آپ پاس نہیں ہو سکتے، اس لیے ہم سے بنا کر رکھیے گا۔''

یہاں تک تو بات بالکل ٹھیک تھی۔ میڈیکل میں سنئیرز کے بغیر جونیر واقعی صفر ہوتے ہیں لیکن اس صفر کو اپنی حیثیت بڑھانے کے لیے سینیرز کی کیسی کیسی باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں یہ بے چارے جونیرز ہی جانتے ہیں۔ ہال میں ہادی کے داخل ہوتے ہی نجستہ کی نگاہ اس پر گئی تھی۔

''بھائی میری فائل......؟''

ہادی نے اس کے قریب ہوتے انجان بننے کی اداکاری کی تھی۔

''کون سی فائل......؟''

نجستہ کے کان سنسنا گئے۔ ''وہ میرے اوریجنل ڈاکومنٹس...... وہاں گراؤنڈ میں آپ نے لی تھی......''

وہ ابھی یاد کروا رہی تھی۔ ہادی کی نگاہ فارملن باکس پر گئی جیسے وہ اسٹیل کا ڈیسک سمجھے کہنیاں ٹکائے کھڑی تھی، اس نے اپنی شرارت کو کنٹرول کرتے بہت معصومیت سے کہا تھا۔

''اوہ اچھا وہ فائل...... وہ تو اس میں آ گئی۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس نے بھنویں فارملن باکس کی جانب نچائی تھیں۔

"اس میں...... کیسے؟" وہ بے یقین تھی۔

"آپ کو نہیں پتا...... ایم بی بی ایس میں سب سے پہلے میجک ہی سیکھا یا جاتا ہے، سیمپل ہے یار......"

وہ ایک کرسی کھینچ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ "درد آپ کے سر میں ہوتا ہے، ڈاکٹر عینک آنکھوں پر لگا دیتا ہے، ٹھیک ہو جاتا ہے نا درد...... خراب پیٹ ہوتا ہے، ڈرپ آپ کے ہاتھ پر لگتی ہے...... بتاؤ غلط کہہ رہا ہوں۔ خون کا پریشر دل میں بڑھتا ہے اور بی پی آپ کے بازو سے چیک کیا جاتا ہے...... ہوتے ہیں نا ڈاکٹر پاگل۔"

سینئرز ہنسی روکے فرسٹ ائیر کو دیکھ رہے تھے اور فرسٹ ائیر پتھر جیسے سر ہاں میں ہلاتے رہے ہادی جیسے اسٹائل سے بیٹھا تھا ویسے ہی اٹھا اور ٹھوس انداز میں نجتہ سے بولا۔

"اسی جادو کے ذریعے آپ کی فائل اس میں آ گئی ہے۔۔ اب ایسا ہے کہنیاں ہٹا کر ذرا ڈھکن اٹھائیں اور فائل نکال لیں۔"

اس نے حمایتی نگاہ سب پر ڈالی تھی اور سینئرز کی تائیدی نگاہیں اسے ڈھکن اٹھانے کا کہہ رہی تھیں۔ ڈھکن اس اکیلی سے تو اٹھنے سے رہا تھا جس طرح سے جما تھا۔ فرسٹ ائیر کے دو تین بچے اس کی مدد کو بڑھے تھے۔ اور پھر کیا تھا' پورا ڈائی سیکشن ہال فرسٹ ائیر کی دبی دبی چیخوں سے گونج رہا تھا۔

بکس میں فارملن (محفوظ کرنے والا کیمیکل) میں بھیگا ایک انسانی ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جس کا سارا جسم کسی سیاہ لکڑی کی مانند اکڑا ہوا' خوف ناک لگتا تھا۔

سب لڑکیاں ایک دوسرے کے بازو تھامے قدم قدم پیچھے ہوئیں۔ ہادی نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں "ہائیں...... کیا ہوا...... چلو نجتہ! آپ آگے آؤ...... سلام کرو پھر یہ فائل دے دے گا۔"

"نہیں۔" وہ مزید پیچھے ہوگئی۔

"بھئی کیا نہیں نہیں...... فائل نہیں چاہیے۔" وہ انکار میں سر ہلاتی رہی۔ "سوچ لو...... پھر کالج والے نکال دیں گے۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' کس مشکل سے تو یہاں تک آئی تھی۔ گھر میں صرف درخزئی تھا، مگر یہاں بہت سے لڑکے لڑکیاں اس کی بے بسی پر جس طرح مسکرا رہے تھے سب اسے درخزئی ہی لگے

☆☆☆

ان کا پہلا دن ویسا ہی گزرا تھا جیسا ہر ادارے میں نئے آنے والے جونیئرز کا گزرتا ہے، سنیئرز کا حد سے زیادہ مذاق کرنا یہاں تک کہ جونیئر رو دینے والے ہو جائیں مگر ان کے مذاق کی حد تمام حدود سے باہر تھی۔

نجتہ نے کئی بار سوچا تھا' اس کا فیصلہ درست بھی تھا یا غلط، شاید وہ واپسی کا ارادہ کر ہی لیتی اگر ہادی

کچھ دیر میں اس کی فائل واپس دینے نہ آتا۔

"یہ آپ کی فائل...... اب تو ایڈمن آفس بند ہو گیا ہے، کل فائن کے ساتھ سب سٹ کروا دینا"۔

"اچھا مذاق ہے"۔ نجتہ کو غصہ تو بہت آیا تھا اور جی کیا کھری کھری سنا دے لیکن اتنے گھنٹوں میں سب لوگ یہ باور کر چکے تھے "اگر سینئرز سے بگڑ گئی، سمجھو ایم بی بی ایس مشکل ہو گیا۔"

اور یہ بات غلط بھی نہیں ہے۔ میڈیکل میں اتنا استاد نہیں پڑھاتے جتنا سینئرز سمجھا دیتے ہیں، اور اگلے دن ہونے والی افتتاحی تقریب میں حلف کے بعد پرنسپل نے واضح الفاظ میں سمجھا دیا تھا۔

"ragging (مذاق) ہر یونیورسٹی اسکول کالج میں چلتی ہے، ٹیچرز منع کر دیں تب بھی لیکن میڈیکل ایسا ادارہ ہے جہاں استاد خود چاہتے ہیں سینئرز بچوں کے ساتھ خوب گھل مل جائیں تا کہ ان کا خوف ہر طرح کی جھجک چند دن میں نکل جائے۔ ہمیں ایک ہفتے کے اندر تیار بچے چاہیے ہوتے ہیں جو سب کے بیچ میں اٹھ کر بلا جھجک ہر طرح کا سوال کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سکیں...... یہ میڈیکل ہے، اس میں شرم و جھجک نہیں چلتی، gender (جنس) کو آپ ایک طرف رکھ دیں، آپ نے ساری باڈی پڑھنی ہے اور سب کے ساتھ پڑھنی ہے...... اس لیے سینیئرز جو کچھ کہہ رہے ہیں مائنڈ مت کریں...... کلیئر۔"

دل سے تو شاید کسی کے بھی کچھ نہ نکلا ہو سوائے پچھتاوے اور ایک دوسرے کو کہنی کے ٹہوکے مارنے کے مگر زبانیں خود ہی کہہ گئیں۔

"لیس کلیئر"

☆☆☆

شروع کے چند دن تو خیر بہت ہی جھجک رہی تھی لیکن پھر وہ آہستہ آہستہ اس معمول کے عادی ہونے لگی۔ سینئرز کا رویہ بہت ہمدردانہ ہو چکا تھا اگر کوئی ہلکا پھلکا مذاق کر لیتے تو اس کے بعد ٹاپک کو سمجھانے میں پورے دل سے مدد کرتے تھے۔ کئی نے تو اپنی کتابیں تک جونیئرز کو دے دیں کتابوں کا بھی عجیب قصہ تھا جب پہلی بار کھول کے دیکھیں آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ یہ تو پہلے ہی معلوم تھا میڈیکل کی بکس بہت موٹی اور مشکل ہوتی ہیں لیکن اندر سے کیسی ہوتی ہیں یہ تو کھول کے پتا چلا تھا۔ پہلے ویک اینڈ کے بعد جب ردا آئی تھی بہت مزے لے کر کہہ رہی تھی۔

"یار! میرے بیگ کا پہرہ مجھ سے زیادہ میری اماں نے دیا تھا، کہیں میرے چھوٹے بہن بھائی کوئی بک نہ کھول لیں۔"

سب کے مشترکہ قہقہے میں بریرہ چپ رہے ناممکن۔

"اور میری دادی کی اچانک نظر پڑ گئی، یقین کرو استغفار پڑھتے ہوئے وضو کیا۔ دو نفل صلوٰۃ التوبہ پڑھ ڈالی...... اور مجھے کہہ رہی تھیں، بریرہ صبح شام کلمہ ضرور پڑھ لیا کر، ڈاکٹر تو بن جائے گی پر اللہ جانے مسلمان رہے گی بھی یا نہیں، جیسی تیری کتابیں ہیں' استغفر اللہ۔"

"اور میرے ابا کی سنو" مریم چہکی۔ "انہوں نے جتنے فخر سے کتاب اٹھائی کہ میری بیٹی ڈاکٹر بن رہی ہے اتنی ہی کھسیاہٹ سے واپس رکھ دی، لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے کمرے سے نکل گئے ہاہاہا......"

خجستہ کسی بات میں نہیں بولی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا......؟" بریرہ نے اسے کہنی سے ٹہوکا دیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" ایک تو وہ پہلے ہی اپنے لباس، لب و لہجے سے مختلف لگتی تھی، اوپر سے اپنے خاندان کی سوچ کیا بتاتی، بریرہ سے تو صرف کلمہ پڑھنے کو کہا تھا اور اس کے باقاعدہ کلمے پڑھا دیے جائیں گے اگر درخزئی نے دیکھ لیں......

اس کا ڈر سامنے آ گیا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے کی مسافت پر واقع گھر میں وہ تین ماہ بعد آئی تھی، داجی تو اسے دیکھ دیکھ خوش ہو رہے تھے، سب نے خوب آؤ بھگت کی سوائے درخزئی کے، رات کو کسی وقت پڑھتے ہوئے رکھی گئی اناٹومی کی کتاب درخزئی کے ہاتھ لگی، وہ دیکھتے ہی بھڑک گیا۔ قریب ہی تھا وہ اس کی کتاب پھاڑ کر چولہے کی نذر کر دیتا کہ امروز خان اچانک سے آ گئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم......؟"

"بے شرمی کی باتیں جلاؤں گا نہیں تو اور کیا کروں گا...... یہ کچھ سیکھ رہی ہے یہ شہر میں۔"

امروز نے اس کے لال بھبھوکا چہرے کو نخوت سے دیکھا پھر اگلے دانت جما کر بولے تھے۔

"جو مسئلہ ہم اپنے باپ بھائی کو بھی بتاتے گھبراتے ہیں، وہ ڈاکٹر کو بتا دیتے ہیں...... کیوں؟ کیوں کہ ہمیں دوائی چاہیے ہوتی ہے، ڈاکٹر اگر یہ سب نہیں پڑھے گا تو علاج خاک کرے گا۔"

"پھر علاج کی باتیں پڑھے...... تصویروں سے کیا سیکھ رہی ہے۔"

"اوہ خوچہ!!"

امروز اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھے تھے اور کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"کچھ چیزیں تصویروں اور ڈائیگرام سے سمجھ میں آتی ہیں.....تم جاہل کو کیا پتا۔ آٹھویں سے آگے پڑھا ہوتا تو پتا ہوتا۔"

امروز نے کتاب اسے پکڑا دی اور راستے سے ہٹ گئے تھی۔ درخزئی نے اپنے گرد لپیٹی گرم شال کو غصے میں کھول کر زور سے لپیٹتے، خجستہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا، اس نے نگاہ کا زاویہ بدلیا، وہ دو قدم آگے بڑھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پھنکارا تھا۔

"تم ہم کو جاہل ثابت کرنا چاہتی تھیں..... ہوگئی تسلی۔"

"میں خود کو انسان ثابت کرنا چاہتی تھی۔"

اس کے نرم لہجے پر وہ ناک بھوں چڑھاتا۔ بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ خجستہ کے کان اس کے غصیلے قدموں کی دھمک سنتے رہے۔

"اے اللہ، میرا نصیب اس شخص سے جڑا ہے، تو اس کے دل کو بدل دے، اسے کیوں وہم ہے میں اسے جاہل ثابت کرنا چاہتی ہوں۔"

یہ بھی درست تھا۔ درخزئی تعلیم یافتہ نہیں تھا لیکن ڈگریوں کا ہونا نہ ہونا کسی کا جاہل ہونا کب ثابت کرسکا ہے، جہالت کا تعلق تو دماغ کے خلل سے ہے اور یہ خلل بعض اوقات بڑے بڑے تعلیم یافتہ خاندانوں میں بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔ کبھی ضد میں کبھی خود کو برتر ثابت کرنے میں اور عورتوں کو پیچھے رکھنے جیسی جہالت کہیں بھی مل سکتی ہے اس کے لیے پہاڑی درخزئی کا ہونا ضروری نہیں تھا۔

☆☆☆

فرسٹ ائیر کی یہ تیسری پریزنٹیشن تھی جو اپر لیمب نروسسٹم (بازو کا اعصابی نظام) پر پیش کرنی تھی۔ کلاس کے سی۔ آر (class re presentative) اطہر نے ٹیچر کو فوراً ہی اپنا نام پیش کیا تھا کہ یہ پریزنٹیشن وہ دے گا۔ اطہر کے ماموں اسی کالج میں فیزیالوجی کے ایچ او ڈی (ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ) تھے۔ باپ سرجن، ماں فزیشن۔ پورا خاندان میڈیکل سے وابستہ تھا۔ اس کا کام بہترین ہونا چاہیے تھا۔

اطہر نے اپنی پوری کارکردگی سے پریزنٹیشن ایک یو ایس بی میں تیار کی تھی۔ اگلے دن ٹیچر کے کہتے ہی اس نے پورے اعتماد سے اٹھ کر یو ایس بی دیوار میں لگی ایل ای ڈی میں لگائی۔ اسکرین کے روشن ہوتے ہی سوال ایک ترتیب سے سلائیڈ کی صورت چلنے لگے، مختصر اور بڑے سوال الگ الگ رنگ سے نمایاں تھے۔ تمام اہم نروز کے مختصر فنکشن کو ڈائیگرام کے ساتھ نمایاں کرنے پر ٹیچر نے اسے سراہتی نگاہ سے دیکھا۔

"گڈ ورک!" اطہر کے چہرے پر مزید اعتماد لہرایا تھا۔ "آپ نے بہت زبردست طریقے سے سسٹم پیش کیا ہے..... کیا اسی طرح یاد بھی ہے؟"

"یس سر۔"

"ہم..... نائس۔"

انہوں نے اب کلاس سے مخاطب ہوتے کہا تھا۔ "اینی کوئسچن۔"

چند اسٹوڈنٹس سوال کرنے اٹھے تھے اطہر نے ان کے کیے سوال پر متعلقہ نرو کو ریموٹ سے ہائی لائٹ کر کے سمجھا دیا۔ تب ہی خجستہ اپنی زرد چادر کو اچھی طرح سے درست کرتی اٹھی، چشمے سے جھانکتی ذہین آنکھیں اسکرین پر تھیں۔

"سر اس سارے سسٹم میں میوزیکل نرو کون سی ہے.....؟"

ٹیچر نے وضاحتی نگاہ اطہر پر اٹھائی تھی۔ اطہر کی بھنوؤں کے دونوں سرے ایسے جڑے تھے جیسے اُس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

"جی اطہر! جانتے ہیں آپ..... کون سی ہے وہ نرو؟"

چاہیے تو اطہر کو یہ تھا کہ زبان سے اقرار کرتا۔ "نہیں۔" جو بات نہیں پتا اسے مان لینے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں آخر حرج کیا ہے۔

اس نے تسلیم کرنے کے بجائے مختلف نروز بار بار ہائی لائٹ کیں، کبھی کہنی سے کندھے تک کے، کبھی ہتھیلی سے کہنی تک کے، ٹیچر ہر بار ''نو'' میں سر ہلا دیتے۔ آخر ٹیچر نے پوری کلاس سے پوچھا تھا۔

''کوئی اور جانتا ہے؟'' سب کے سب خاموش تھے سر نے خجستہ سے ہی پوچھا تھا۔

''آپ جانتی ہیں......؟

''نو سر! میں جاننا چاہتی ہوں۔''

ٹیچر حیران تھے جو چیز سلیبس میں ابھی شامل نہیں کسی ساتھی کو پتا نہیں، اسے کیسے پتا؟

''لیکن آپ کو کیسے پتا میوزیکل نرو ہمارے سسٹم میں شامل ہے؟''

یاد تو اسے اچھی طرح تھا لیکن پھر بھی تھوڑا سا گڑبڑا گئی تھی، وہ دونوں ہونٹوں کو اندر کی جانب بھینچے پھر سے اٹھی تھی۔

''ایکچوئلی سر! میں نے دو تین سال پہلے ایک میگزین میں آرٹیکل پڑھا تھا، اس میں میوزیکل نرو کی ٹرم استعمال ہوئی تھی، مجھے جاننا ہے آیا کہ وہ ہمارے جسم میں ہوتی ہے یا جسٹ مذاق تھا۔''

''دو تین سال پہلے ......مم'' ٹیچر نے سراہتے ہوئے سر ہلایا۔ ''یعنی تب آپ ایٹ نائنتھ میں ہوں گی، گڈ یہ بات آپ کا میڈیکل سے انٹرسٹ شو کرتی ہے، آئی وش آپ مستقبل کی قابل ڈاکٹر ہوں......بیٹھیں آپ سب کو بتاتا ہوں۔''

اطہر اندر تک تلخ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے اچھی بھلی اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں کہ یک دم ایک پینڈو لڑکی کی وجہ سے کام میں نقص نکل آیا۔ وہ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے تندی سے خجستہ کو دیکھتے بڑبڑایا۔

''یہ مراثیوں کی نہیں ڈاکٹرز کی کلاس ہے...... میوزیکل نرو......ہونہہ۔''

اس کی چبا چبا کر کی گئی بڑبڑاہٹ ٹیچر سن چکے تھے۔ انہوں نے بجائے اس اکیلے کو مخاطب کرنے کے تمام کلاس سے کہا تھا۔

''اگر آپ کے کام پر کوئی سوال اٹھتا ہے وہ آپ کی ناکامی نہیں بلکہ اس کام کی کامیابی ہے جس کی وجہ سے آپ سمیت تمام کلاس کو سیکھنے کا موقع مل رہا ہے......اوکے۔''

تمام بچوں نے اثبات میں سر ہلائے، مگر اطہر نے خجستہ کو کئی بار کٹیلی نگاہ سے دیکھا تھا۔ ''اس کی وجہ سے۔''

خجستہ پوری توجہ سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں سر پہلی دو انگلیوں کے نچلے نروز کو ہائی لائٹ کرتے سمجھا رہے تھے کہ یہ کہاں سے کہاں تک جڑے ہوتے ہیں اور ان کی کس حرکت کی وجہ سے انہیں میوزیکل نرو کہا جاتا ہے، اطہر تب متوجہ ہوا جب سر نے بات ختم کرتے ہوئے بہت آرام سے کہہ دیا تھا۔

''یقیناً سب کو کلیئر ہو گیا ہے......اب کل اسی سسٹم پر بات ہو گی، خاص کر میوزیکل نرو پر خوب ریسرچ کر کے آیئے گا۔''

پریڈ ختم ہوا۔ سر کے پیچھے سب ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ اسٹیج، میڈیکل میں وہ ضروری ٹیسٹ ہیں جنہیں اگر کلیئر نہ کیا جائے تو پورے سال کا ریکارڈ خراب ہو جاتا ہے۔ اطہر غصے کی وجہ سے توجہ ہی نہ دے پایا تھا۔ اسٹیج کا سن کر مزید خون کھول گیا۔ وہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے آگے زرد چادر والی لڑکی چلتی دکھائی دی۔ اس نے مزید لمبے قدم اٹھائے اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''کون سے گویّوں کے خاندان سے ہو تم......ہاں؟''

خجستہ اچھی خاصی چونک گئی تھی۔ آنکھوں میں ہرنی جیسی وحشت در آئی۔

''میرے کام میں آج تک کسی نے نقص نہیں نکالا، تمہاری جرأت...... برداشت نہیں ہو رہی تھی میری پریزنٹیشن......''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''میں نے نقص نہیں نکالا، میں صرف اپنی کنفیوژن دور کرنا چاہ رہی تھی۔''
''اوہ!'' اس کے ہونٹ گولائی میں سکڑے۔ ''مستقبل میں طبلے بجانے ہیں......تم نے جان کے کیا ہے ایسا۔''
ڈی ایچ کی جانب بڑھتی بریرہ کے قدم ان کی آواز پر تھمے، وہ واپس ان کی جانب پلٹی۔
''کیا بات ہے بخجستہ......؟''
''کچھ نہیں......'' بخجستہ وہاں سے ہٹنا چاہ رہی تھی۔ اطہر بھی ہونہہ میں گردن جھٹک کر بڑبڑایا۔
''آجاتے ہیں پنڈ سے اٹھ کر میڈیکل کالج دیکھنے۔''
بریرہ فوراً ہی سمجھ گئی اور زور سے بولی ''زبان سنبھال کے بات کرو، مسٹر اطہر۔''
اطہر نے میکانکی انداز میں سر گھمایا تھا۔ ''تمہیں اپنا کیا کام خود نہیں آتا تھا۔ اس میں بخجستہ کا کیا قصور ہے......اماں تمہاری ڈاکٹر، ابا تمہارے ڈاکٹر، بہن بھائی تمہارے میڈیکل کالجز میں بھرے پڑے ہیں۔ ننھیال ددھیال سارا اسی سے منسلک...... ایک چھوٹی سی نرو کا نہیں پتا، سیم اون یو......تم سے اچھی تو یہ پینڈو ہے جس نے سر تک کو حیران کردیا۔''
''چلو چلتے ہیں۔'' بخجستہ نے بریرہ کو آگے کی جانب دھکیلنا چاہا مگر وہ ڈٹی رہی۔
''کیوں اس کے باپ کا کالج ہے۔''
''تم بیچ میں مت آؤ۔'' اطہر نے اسے ٹوکا۔
''کیوں نہ آؤں...... میں جی۔ آر ہوں (girl representative) تم کلاس کی لڑکی کو ہراساں کرو، میں چپ رہوں۔''
ان کی بڑھتی آوازیں بینچ پر بیٹھے سیکنڈ ائیر کے ہادی تک گئیں، ہادی اطہر کا بڑا بھائی تھا وہ اٹھ کر فوراً ادھر آیا تھا۔
''فرسٹ ائیر! اینی پرابلم......؟''
''نو نو......'' اطہر نے ایک تلخ نگاہ دونوں لڑکیوں پر ڈالی، اور جانے لگا تھا مگر وہاں بریرہ موجود تھی جو بدتمیزی پر اتنی آسانی سے اُسے بخشنے والی نہیں تھی۔
''کیا نو نو...... بتاؤ نا اپنے بھائی کو، اپنی پریزنٹیشن پر ایک پینڈو کے سوال کا جواب نہیں دے سکے، اب اس لیے اُسے تڑیاں لگا رہے ہو۔''
ہادی نے ان تینوں کو باری باری دیکھا تھا۔ اطہر کی کچکچاتی نگاہیں بخجستہ پر جمی تھیں جس کے گال گھبراہٹ سے مزید سرخ ہو رہے تھے جیسے ابھی لہو ٹپک پڑے گا۔
''بہت بُری بات اطہر......تم میڈیکل کے اسٹوڈنٹ ہو، یہ ایک ٹیم ایجوکیشن ہے، لڑ جھگڑ کر تو کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گا...... چلو سوری کرو بخجستہ سے......''
''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔''
بخجستہ کے ماتھے پر وحشت کے بل تھے۔ اس نے بریرہ کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھتے سراسیمگی سے کہا تھا ''چلو بھی اب۔''
''رکو......ابھی وہ سوری کرتا ہے۔'' بریرہ بڑبڑائی......پھر اپنے ہاتھ اوورآل میں ڈالتے ہوئے تجاہل عارفانہ سے کندھے اچکائے ''چلو اب جلدی کرو سوری، ہمیں کینٹین بھی جانا ہے۔ بی پی ہائی کردیا میرا......اب جوس شوس پئیں جا کر۔''
''سوری۔ اور میں، اس جنگلی سے...... مائی فٹ۔''
اس کے رویے پر ہادی نے سرزنش کی تھی۔
''اطہر۔''
''اطہر کی جانے بلا، وہ ناک بھنویں چڑھاتا اگلے دانت جما کر بریرہ کو کہہ گیا تھا۔
''دیکھ لوں گا تمہیں میں، اور تمہیں بھی۔''
دوسرا جملہ بخجستہ سے کہا۔ وہ اندر تک لرز گئی تھی۔
''دیکھا آپ نے اپنے بھائی کے رویے کو۔''
بریرہ کے شکایتی انداز پر وہ قدرے غصے سے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بولی۔ ''بس کر جاؤ بریرہ۔'' اسے اپنی آواز کانپتی ہوئی محسوس ہوئی وہ وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ بریرہ نے اسے روکا۔

''کہاں جا رہی ہو...... کینٹین چلتے ہیں۔''

''نہیں میں ہاسٹل جا رہی ہوں۔''

''رکیں پلیز...... آئم سوری، میں سمجھاؤں گا اسے...... اور چلیں میں آپ کو کینٹین لے چلتا ہوں۔''

''نہیں شکریہ......'' وہ اب پہلے سے بھی تیز قدموں سے ہاسٹل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ بریرہ اسے آوازیں لگاتی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

☆☆☆

امروز خان کو اس پر آج معمول سے زیادہ غصہ تھا۔ اس کے انتظار میں بہت دیر دریچے میں ٹہلتے رہے۔ دو تین بار اس کے کمرے میں جھانک آئے۔ رات کے دس بجنے کو تھے مگر وہ ابھی تک گھر سے باہر تھا۔ اس کا بڑھتا لا ابالی پن امروز خان کو تپا کر رکھ دیتا، آج صبح ہی وہ اسے سختی سے کہہ کر گیا تھا۔

''پہلے ٹائم ہی زمین پر آجائے......'' مکئی کے بیج ڈالے جا رہے تھے۔ امروز خان کو کھاد کے سلسلے میں اٹک شہر جانا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں، مزارعوں پر کوئی تو نظر رکھے، مگر درخزئی کی بلا سے۔ امروز کے گھر سے نکلتے ہی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر نکل گیا۔ رات ہونے کو آگئی تھی پر وہ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ امروز خان کتنی دیر ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کرتے رہے، رات کو تو اس سے ملاقات نہ ہوسکی مگر صبح ہوتے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ بھی اکڑ کر بولا۔

''ہم مرد کا بچہ ہے، شکار نہیں کرے گا تو دشمنوں کا مقابلہ کیسے کرے گا۔''

''کون سے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تم نے......'' امروز خان نے لتاڑا تھا۔ ''خوچہ، اصل دشمن یہ پیٹ ہے، اس کا مقابلہ کرو۔''

امروز اسے کھانے کو دوڑا تھا، سیف خان گھر پر نہیں تھے مگر خانی اور صفورا درمیان میں آگئیں۔

''اسی لیے ہم کہتا تھا۔ اس کی شادی کر دو، ذمہ داری میں خود عقل آجاتا ہے لیکن نہیں، تم نے نجستہ کو شہر بھیجا ہے...... اب بھگتو۔''

امروز نے اگلے دانت جما کر نخوت سے اسے گھورا۔ ''نجستہ سے شادی کرنی ہے، تو پہلے انسان کا بچہ بنے، ورنہ اس کا خیال دل سے نکال دے۔''

خانی اور صفورا دونوں نے حیرت سے امروز کو دیکھا تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہا ہے۔ امروز خان...... ان کا بچپن کا رشتہ ہے، اور بچپن کا رشتہ مرتے دم تک چلتا ہے۔''

''اور کیا۔'' خانی بیگم نے صفورا کی تائید کی۔

''ہم کو نہیں اسے پڑھانا وڑھانا...... بلاؤ اسے اور شادی کروان کا۔''

ڈری ڈری زر بخت بھی دروازے میں کھڑی ساس اور ماں کی حمایتی لگ رہی تھی۔ امروز نے بے چارگی بھری نگاہ ان عورتوں پر ڈالی اور ایک بار پھر اسے انگلی اٹھا کے سے تنبیہ کی تھی۔

''آئندہ میں آوارہ پھرتا نہ دیکھوں...... ورنہ......'' اس نے غصے سے گردن جھٹکی ''شکر کرو تمہارے نام ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے، ورنہ تم جاہل کو......''

آخری لفظ اسے گالی سے بھی زیادہ کاٹ دار لگا۔ اس کا دل کیا ایک قبر کھودے اور نجستہ کو اس کی تمام کتابوں، ڈگریوں سمیت دفنا دے۔

☆☆☆

کئی دن خاموشی سے سرک گئے تھے۔ ہادی نے اطہر کو سمجھایا تھا یا نہیں لیکن اس کا رویہ اب بالکل سرد سا تھا۔ اس کے رویے پر شروع کے کئی دن وہ اچھی خاصی ڈسٹرب رہی تھی، وہ لڑکا ہے، کچھ بھی غلط کر سکتا تھا، اسے رہ رہ کر بریرہ پر غصہ آ رہا تھا۔

''اگر تم چپ کر جاتیں تو اچھی بھلی بات ختم ہو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جاتی، مگر تم نے اس کے بھائی کو ضرور بتانا تھا......"

"کیوں چپ کر جاتے، گونگے ہیں ہم......؟

بریرہ اس سے متفق نہیں تھی۔

"وہ لڑکا ہے بریرہ...... تم کیوں نہیں سمجھتیں۔"

"تو ہم لڑکیاں ہیں، وہ سمجھ جائے......" بریرہ اسے جتا کر بولی لیکن خجستہ کی پریشانی دور نہیں ہوئی تھی تب ہی اس نے اسے پیار سے سمجھایا تھا۔"لڑکوں کو ان کی حد میں رکھو تو یہ ٹھیک رہتے ہیں، ورنہ انہیں دیر نہیں لگتی اپنی اوقات بھولنے میں...... اور تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کچھ غلط کرے گا تو اس کی ہڈیاں توڑ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دوں گی۔"

جس انداز میں اس نے کہا تھا کتاب پر جھکی مریم ہنستی ہوئی دہری ہوگئی۔

"ویسے تمہارے ارادوں سے لگتا ہے یار، تم آرتھوپیڈک ہی بنوگی۔"

ان دونوں کے قہقہوں میں خجستہ کا موڈ کچھ دیر کو سہی مگر بحال ہوگیا تھا اور پھر سب معمول کی طرح چلتا رہا۔ چھوٹی موٹی بدمزگیاں اسٹوڈنٹس میں ہوتی رہتی تھیں۔ پڑھائی میں گم ہو کر سب بھول جاتے تھے۔ اطہر بھی یقیناً بھول چکا تھا، اس کا سرد رویہ آہستہ آہستہ پگھلا اور معمول پر آنے لگا، خجستہ بھی بھول گئی۔

☆☆☆

مگر اطہر بھولا نہیں تھا بس اسے موقع نہیں مل رہا تھا کس طرح بدلہ لے، پیپرز میں گنتی کے دن تھے اور ہاسٹلز میں موت کا سا سناٹا، حالانکہ تعداد معمول سے زیادہ تھی عموماً میڈیکل کالج میں اُسی شہر کے بچے آٹھ دس نہ ہونے کے برابر ہی ہوتے ہیں اور پیپرز میں وہ بھی ہاسٹل آجاتے ہیں کیونکہ تنہا تو ایک ٹاپک بھی یاد نہیں کیا جاسکتا۔ گروپس میں بیٹھ کر تیاری ہوتی ہے اور دو دو دن مسلسل جاگ کر بھی بغیر چیٹنگ کے پورا پیپر کرنا بے حد مشکل ہے۔ تمام طالب علم اپنی پوری تیاری کے ساتھ آڈیٹوریم پہنچ چکے تھے اور ایک دوسرے کو سمجھا رہے تھے۔ انہیں مزید سمجھانے کے لیے سیکنڈ ایئر نے بھی چکر لگائے۔

"چیٹنگ کا کیا سوچا ہے......؟"

فارہ کی بات سن کر سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ تو ہادی بول پڑا"اتنا نیک یہاں کوئی نہیں کہ چیٹنگ نہ ہو۔"

ساری سیکنڈ ایئر نے نفی میں سر دھنتے اس کی تائید کی"ناممکن۔"

ہادی بتانے لگا۔"آپ سب ایک کلاس ہو، پوری کوشش کرنی ہے سارے ساتھی پاس ہو جائیں، لیکن منہ سے بول کر نہیں خاموشی سے، کوڈز میں، اور اگر بوٹیاں شوٹیاں ہیں تو یہاں ہی نکال دو، پکڑے گئے تو میڈیکل سے باہر ہو جاؤ گے، وہ بھی بے عزتی کے ساتھ...... بس مدد، مگر خاموش!

کچھ مشورے سے خاموش کوڈز طے پا گئے تھے، اطہر نے سوالوں کا کوڈ جوتا بجانا بتایا تھا، یعنی جس نمبر کا سوال نہیں آرہا وہ اتنی بار اپنا پاؤں زمین سے ٹکرائے گا۔ میڈیکل کا پیپر تقریباً معروضی ہوتا ہے، چار آپشن سے ایک درست جواب کا کوڈ بریرہ نے بتایا جسے جواب آتا ہو وہ درست آپشن پر کھانسے گا، یعنی آپشن اے تو ایک بار کھانستا ہے، بی تو دو بار، اسی طرح ڈی تک۔

ہال میں پہنچتے ہی پیپر شروع ہوا۔ کچھ دیر خاموشی سے پیپر ہوتا رہا پھر تو ہال کے ایک کونے سے کبھی کھانسی ابھرتی، کبھی جوتے ٹکراتے، یو ایچ ایس سے آئے ایگزامنر کچھ دیر برداشت کرتے رہے پھر اپنا ماضی بھلا کر گرجے۔

"آج سارے استھما اور مرگی کے مریض پیپر دے رہے ہیں، جو سانس نہیں آرہا، ایڑیاں رگڑی جارہی ہیں...... خاموش ہو کر کام کرو ورنہ چھین لوں گا سب سے۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پھر تو جس بیچارے کو سچ مچ کھانسی آ رہی تھی اس نے سانس بھی روک لیا۔ اطہر خجستہ سے ایک قطار کے فاصلے پر تھا، اسے اندازہ ہوا کہ وہ خاموشی سے پیپر کر رہی ہے یقیناً درست بھی، وہ چوتھے سوال پر بری طرح اٹکا ہوا تھا۔ اس نے رک رک کر چار بار جوتا بجا کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی، وہ ہوئی بھی لیکن ایگزامنر کے خوف سے کھانسنا اسے محال لگ رہا تھا۔ اس نے دوبارا اُسے بھنوؤں سے بھی اشارہ کیا کہ شاید بتا دے، آپشن بھی ڈی تھا چار بار کھانسنا اففف! اس نے کھانسنے کے بجائے ہتھیلی پر لکھ کر اس کے سامنے کر دی۔

"آپشن ڈی۔"

عین اسی وقت ایگزامنر نے اسے ہتھیلی دکھاتے دیکھ لیا۔ فوراً اس کے پاس آ گئے۔

"اسٹینڈ اپ۔"

دنیا کی تمام گھبراہٹ اس وقت خجستہ کے چہرے پر تھی، منہ وحشت سے وا ہو گیا۔ "کیا لکھا ہے ہاتھ پر......؟"

"کک کچھ نہیں سر۔" اس نے مٹھی زور سے بند کر لی، اطہر کی بھی سانس رک گئی تھی۔

"پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے، دکھائیں ادھر" مٹھی دیکھتے ہی وہ بھنا گئے۔

"کیا ہے یہ......کیا بتا رہی تھیں اسے......؟"

وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔ سر نے اطہر سے استفسار کیا، لمحہ بھر تو وہ سٹپٹایا پھر سنبھل کر بولا

"سر بتا نہیں رہیں، انجھو کی ایک سوال کی آپشن پر یہ کنفیوژ تھیں۔ وہ پوچھ رہی ہیں ہے، مگر میں نے بتایا نہیں۔"

اس کی بات سن کر خجستہ کی پھٹی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "نو نو سر یہ جھوٹ بول رہے ہیں...... انہوں نے۔"

"میں نے...... میں کیوں پوچھنے لگا تم سے ...... مجھے تو سب آتا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر زور زور سے بولنے لگا۔

"خاموش۔" سر نے زور سے ڈپٹتے ہوئے دونوں کے پیپر اٹھا لیے تھے۔ "ملک کی آبادی آپ سے مروا کر کنٹرول نہیں کروانی، انڈرسٹینڈ...... اینڈ آؤٹ۔"

دونوں کی منتوں کے باوجود ان کے پیپر پر "چیٹنگ" لکھ کر باہر نکال دیا گیا۔

☆☆☆

ایک ہفتے سے اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ سب نے اس کو ملامت کی، آخر لکھ کر پوچھنے کی ضرورت کیا تھی، جوتا بجا لیتی، کم از کم اس حرکت کا کوئی ثبوت تو نہیں ہوتا ناں، اپنی صفائی میں وہ کچھ نہیں بولی تھی، بس چیٹنگ جیسی بدنامی کا بے حد دکھ تھا۔ اس سے زیادہ دکھ اور حیرت اس کے ٹیچرز کو ہوئی تھی جب ایک ماہ بعد رزلٹ آیا۔

بائیو کیمسٹری میں سوائے چند نالائق اسٹوڈنٹ کے تمام کلاس پاس تھی۔ اطہر کی سپلی آ جانا کوئی معانی نہیں رکھتی تھی باقی دو سبجیکٹ میں بھی گزارے لائق نمبر تھے، لیکن اُس میں خجستہ فیل......!

وہ خجستہ جو اناٹامی جیسے مشکل سبجیکٹ اور فزیالوجی میں ڈسٹنکشن پر ہے، میڈیکل میں اسی فیصد نمبر پر ڈسٹنکشن لگ جانے کا مطلب بچہ اس سبجیکٹ میں گولڈ میڈل کے لیے نامزد ہو چکا ہے، بائیو کیمسٹری کے سر نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"خجستہ...... فیزیو، اناٹامی میں ڈسٹنکشن ...... بائیو کیم میں کیا ہو گیا تھا آپ کو......؟" اس کے جواب دینے کے بجائے پیچھے سے کسی کی گنگناہٹ سے ہانک آئی تھی۔

"جی...... بنک......"

"اوہ تو......!" سر کے ہونٹ گولائی میں سکڑے، خجستہ کے سارے بدن میں ایک لہر سی سنسنائی تھی۔ جبڑے جم گئے۔

"بہت بری بات...... آپ لوگوں کو بریف

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرنے کے لیے ہم پانچ پانچ بجے تک کالج میں رہے ہیں، ایچ او ڈی تو آٹھ بجے آف کر رہے تھے، اگر کوئی کنفیوژن تھی تو ـــــــ آپ ڈسکس کیوں نہیں کرتے...... چیٹنگ کو کیوں پریفر کرتے ہو...... بہر حال فورتھ ڈیز ہیں آپ کے پاس...... جس جس کی سپلی ہے کلیئر کرلے نہیں تو ایم بی بی ایس آپ سے معافی چاہتا ہے۔"

سپلی آجانے کے باوجود اطہر آج اتنا خوش ہوا تھا...... اسے لگا دونوں بار کا بدلہ ایک بار میں سود سمیت اترا۔

☆☆☆

رات کی سیاہی دن کی چاندنی میں بدل کر سنہرا پن بکھیرتی رہی، سپلی دونوں کی کلیئر ہوگئی تھی لیکن اس واقعے سے نجستہ نے ایک سبق سیکھ لیا تھا، دنیا میں سب لوگ اس جیسے نہیں ہیں، دوسرے کو پچھاڑنے کی ریس لگی ہے وہ یا تو اس دوڑ سے نکل کر ایک جانب کھڑی ہو جائے یا پھر بھاگے اور تیز بھاگے، اسے بھاگنا تھا مگر کسی کو گرائے بنا، پہلا سال مشکل تھا پھر دل پر لینا چھوڑا تو سب آسان لگنے لگا تھا۔ پہلے دو سالوں کی کلاسیں کالج میں ہوتی رہیں۔ اطہر نے زچ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ تیسرا کلینیکل سال شروع ہوتے ہی پہلے پریڈ کے بعد اسٹیتھسکوپ اور اوور آل تھامے فائل اٹھا ہاسپٹل چلے جاتے وہاں جا کر بیچز کے سینیئرز کے ساتھ یونٹ بن گئے تھے۔ اطہر اور اس کا یونٹ الگ الگ تھا۔ کم کم سامنا ہوتا۔ پھر اکثر ٹائمنگ کا بھی فرق ہو جاتا، نجستہ کا یونٹ ہادی کے ساتھ تھا۔ اس سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ شکل وصورت میں تو بھائی جیسا لمبا چوڑا خوبصورت سا تھا۔ کچھ تیسرے چوتھے سال میں جاتے ہی ڈاکٹرز کی اتنی گرومنگ ہو جاتی ہے۔ عام سی شکل صورت والے بھی دلکش لگنے لگتے ہیں، لیکن وہ اطہر کے برخلاف اخلاق کا بھی دلکش تھا۔

نجستہ اس کے اخلاق سے متاثر تھی جب کہ وہ پوری نجستہ سے متاثر ہو چکا تھا۔ باقی لڑکیوں سے مختلف اپنی ذات میں قید مگر ذہین نجستہ، اسے شروع میں ہی بہت اچھی لگی تھی۔ فری وقت میں ایک دوسرے سے ٹاپک ڈسکس کرتے ہوئے وہ اس کی فیملی کے بارے میں بہت کچھ جان گیا تھا، یقیناً جاننے میں اسے دلچسپی بھی محسوس ہوتی تھی، اسے اس کے شوق اور ہمت پر حیرت تھی کہ کس علاقے کی ہو کر کتنی دلچسپی سے پڑھ رہی ہے، پھر سب کے بیچ چلتے ہوئے مکمل اعتماد بھی۔

☆☆☆

درخزئی کا مزاج بدلنا ناممکنات میں سے تھا، لیکن امروز اس پر کڑی نگاہ رکھتا تھا۔ امروز کی سختی، ڈانٹ ڈپٹ پر سیف خان نے انہیں ہی سمجھایا تھا۔

"تم فکر مت کرو، شادی کے بعد خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"داجی! آپ کو لگتا ہے، وہ ٹھیک ہو جائے گا"

"کیوں تمہیں نہیں لگتا، ذمہ داری بڑے بڑے کو ٹھیک کر دیتی ہے۔"

"پتا نہیں داجی، مجھے نہیں لگتا...... نجستہ اور درخزئی میں بہت فرق ہے، مجھے تو اس فیصلے پر افسوس ہوتا ہے۔"

"کس بات کا فرق امروز خان!" سیف خان غصے سے اپنا صافہ جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اگر نجستہ چار لفظ پڑھ گئی ہے تو گھر کے بچے میں تمہیں نقص دکھائی دینے لگے...... ہم پہاڑی لوگوں کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، جمے ہوئے...... چار کتابیں ہماری روایات نہیں بدل سکتیں۔" سیف خان نخوت سے گردن جھٹک کر جاتے جاتے کہہ گئے۔ "اس کی ڈاکٹری پوری ہونے والی ہے، شادی کے لیے گھر میں جو مرمتیں کروانی ہیں شروع کروالو تم۔"

☆☆☆

چار سال تیزی سے گزر گئے، یہ ان دنوں کی بات تھی جب نجستہ پانچویں سال میں تھی اور ہادی کا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چھٹا ہاؤس جاب کا سال شروع ہو چکا تھا، ان کے یونٹس تبدیل ہوئے تھے، لسٹ میں خجستہ اور اطہر کا نام ایک یونٹ میں تھا، اور اس کا پورا دل تھا اپنا یونٹ کسی طرح تبدیل کروا لے۔ بے شک اب ان کے درمیان کبھی کوئی ناخوش گوار بات نہیں ہوئی تھی، لیکن خجستہ کی غیر معمولی قابلیت نے اسے تمام ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس میں خوب نمایاں کر دیا تھا جو اطہر کے لیے اندرونی حسد کا سبب بن رہی تھی، وہ اس کا اظہار لفظوں کے بجائے انداز سے کرتا، اس کی ہتک آمیز نگاہیں، اور خاندانی پروفیشن کا رعب خجستہ کے سامنے زیادہ سر اٹھاتا تھا۔

یونٹ تبدیل کروانے کے لیے اگر وہ ایچ او ڈی سے بات کرتی مسئلہ تب بھی حل ہو جاتا لیکن انہیں سمجھانے کے لیے کئی طرح کی وضاحتیں دینی پڑتیں، ہاؤس جاب کے اسٹوڈنٹس کی ایسے معاملات میں بہت چلتی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ ایمرجنسی میں بائیس بائیس گھنٹے کی ڈیوٹی ہے جو وہ اپنے سینیئر ڈاکٹرز کی جگہ دیتے ہیں اور ہادی سے کہتے ہوئے اسے زیادہ ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی۔ وہ ہادی ہی تھا جو بنا کہے کئی بار اس کے کام آچکا تھا، ایک بار تو فرشتہ ہی ثابت ہوا تھا، خاصی پرانی بات تھی تب خجستہ کا سیکنڈ ائیر ختم ہو رہا تھا۔ اسے ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرے کو پڑھنا تھا، اسی سلسلے میں وہ لیب اٹینڈنٹ کے پاس گئی۔ اسے باڈی کی ہڈی چاہیے تھی، لیب میں اس وقت اس کے تین ماڈل اور ایک اصل رکھی تھی۔ اس کے اصلی مانگنے پر اٹینڈنٹ نے کہا بھی تھا۔

"آپ بون کا ماڈل لے جائیں...... اوریجنل بون کہیں آگے پیچھے نہ ہو جائے۔"

"اتنی لاپروا نہیں ہوں میں سر...... دو تین دن میں واپس کر دوں گی، مجھے ضروری ڈائیگرام بنانی ہے۔"

تھوڑی پس و پیش کے بعد اٹینڈنٹ نے اس کا نام رجسٹر پر لکھ کر ایشو کر دی، اور اسی دن اچانک ہی دو تین دن کی چھٹی اناؤنس ہوئی۔ دو ویک اینڈ کی مل گئیں، سب لوگوں نے گھر جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔
خجستہ بھی گھر آ گئی تھی، اس کے گھر آنے پر عید کا سا سماں ہوتا تھا۔ وہی گھر والے جو اس کے شہر جا کر پڑھنے پر پریشان تھے، اب سارے ملنے ملانے والوں کو فخر سے بتاتے تھے۔

"مڑے (ارے) خجستہ ڈاکٹر بن رہی ہے۔"

اس شام بھی وہ اپنی چیزیں لیے دریچے کے ایک کونے میں بیٹھ گئی، اس کے سامنے اسکیچ بک اور ایک کتاب کھلی تھی۔ ہاتھ میں بون پکڑے اس پر وین (رگوں) کی ڈائی گرام سمجھ رہی تھی

"خجستہ دریا خان کی بہو آئی ہے تم سے ملنے، مورے (ماں) کے کمرے میں بیٹھی ہے مل لو...... بلا رہی ہے۔" زرتخت آ کر بولی۔

اسے پتا تھا وہ بیماریوں کی لمبی چوڑی فہرست لائی ہوگی، اگر نہ گئی تو ناراض...... بون کتاب پر رکھ کر وہ خانی بیگم کے کمرے میں گئی تھی، اس کے اندازے کے مطابق دریا خان کی بہو اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی۔ اس کی بات تو اس نے جانے سنی تھی بھی یا نہیں اس کی نگاہ کھڑکی سے دکھائی دیتے درخزئی پر گئی جو بون اٹھا کر معائنہ کر رہا تھا، وہ فوراً باہر کی جانب لپکی۔

"یہ ادھر دے دو۔"

درخزئی نے تیوری چڑھائی "یہ گھر ہے قبرستان نہیں، جہاں مردے لانے لگی ہو۔"

وہ کہہ کر باہر کی جانب بڑھا وہ پیچھے پیچھے مانگتی ہوئی میکانکی انداز میں اس پر جھپٹی مگر اس نے دروازہ کھولتے ہی بہت دور نالے میں اچھال دی۔ خجستہ کی سانسیں رکیں۔

"یہ...... یہ کیا کیا تم نے درخزئی...... کتنی مہنگی تھی وہ، جانتے بھی ہو کالج والے کیا کریں گے اب میرے ساتھ۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کی بے بسی پر درخزئی نے ٹھٹھا مارنا چاہا تھا مگر پانی سے بھری سبز آنکھیں قہقہے میں کھلے منہ کو اکڑا گئیں، سبز پہاڑوں کو پہلی بار سیلاب میں بہتے دیکھا تھا، اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا تھا، کہا تو اس نے کچھ نہیں، اپنا سر جھٹک کر وہاں سے ہٹ گیا، ہاں ایک ملامت سی محسوس ہوئی تھی، جسے وہ ظاہر ہونے دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے دل کا حال کیا بتاتا، اسے کس بات کا ڈر ہے۔ اگر وہ سچ مچ ڈاکٹر بن ہی گئی تو کیا پلٹ کر آئے گی؟ کبھی نہیں...... اور نجستہ کو وہ کھو دے یہ ناممکن۔

☆☆☆

خانی بیگم کو بھی اس کے پلٹنے کی فکر تھی۔ داجی بھی بنیادوں کا درس دیتے۔ زربخت ایک ہی بات کرتی۔

''امروز خان نے تمہاری ضمانت دی ہے، پڑھ لکھ کر اس کے سر پر خاک نہ ڈلوانا''۔

امروز لالہ کی خاموش نگاہیں اسے التجائیہ لگتی تھیں اور جس کی خاطر اسے سب واپس لانا چاہتے تھے اس کی ہٹ دھرمی...... اُسے اپنی قسمت پر رونا آیا تھا، اور اس دن وہ روئی بھی بہت، جب اٹینڈنٹ نے بون واپس مانگی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا، اطہر کو جیسے ہی اندازہ ہوا نجستہ بون لے گئی تھی اور واپس نہیں دے رہی، اس نے اٹینڈنٹ سے بار بار مانگنی شروع کر دی۔

''مجھے پڑھنی ہے...... لیں اُس سے، مجھے ضرورت ہے۔'' ہادی کو جی آر بریرہ نے بتایا کہ کوئی حل ڈھونڈے تب اس نے اٹینڈنٹ سے بات بنائی۔

''سوری سر، وہ تو مس نجستہ سے میں نے لے لی تھی۔''

نجستہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ جھوٹ بول کر اٹینڈنٹ کو مطمئن کر چکا تھا۔ ''پڑھ کر دو چار دن میں لوٹا دوں گا۔'' بھلے بعد میں اس نے نجستہ کو لاپروائی پر، اطہر کو ڈھٹائی پر ڈپٹا تھا

''شرم کرو، تمہاری کلاس فیلو ہے۔ حادثہ کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے''۔ اور اٹینڈنٹ کو جانے کیسے فائن دے کر چپ کروایا، مگر نجستہ کو پوری کلاس اور ٹیچرز کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ اور ایسے کتنے کام اس نے کیے تھے، پھر یونٹ تبدیل کروانا تو ایسا کوئی بڑا کام بھی نہیں تھا۔ صرف ہادی نے اتنا ضرور پوچھا تھا۔

''کیوں......؟''

وہ چپ رہی۔ ہادی نے ساری یونٹ لسٹ چیک کی تقریباً اس میں ساری اس کی فرینڈز ہی تھیں۔ اطہر کے نام پر اس کی الجھی پیشانی یک دم سیدھی ہوئی، سکڑے ہونٹ کھلے، اس نے اپنی عینک اتار کر شیشے صاف کرتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''اطہر Irritate (تنگ کرنا) کرتا ہے آپ کو۔''

وہ چپ چاپ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ عینک پھر سے جماتے دھیمے لہجے میں بولا۔

''اینچو ٹلی گھر میں سب سے چھوٹا ہے، کچھ لاڈلا بھی...... بہر حال میں سمجھاؤں گا اسے...... اور یونٹ کا کوئی ایشو نہیں۔ ڈونٹ وری چینج ہو جائے گا۔''

وہ کہہ کر جا چکا تھا پشت سے اس کی ہموار چال کو دیکھتے نجستہ نے لمحہ بھر سوچا تھا۔

''کتنے اچھے ہو تم ہادی لیکن......'' اس نے خود کو فوراً سرزنش کی۔ ''تم اس کی اچھائی کیوں سوچ رہی ہو نجستہ......؟''

☆☆☆

یونٹ تبدیل ہونے میں زیادہ دن نہیں لگے تھے۔ بہت آرام سے ہوا اور کام معمول پر ہوتا رہا تھا، وہ بھی ایک عام سا دن تھا، کلینکل شروع ہوتے ہی آپی ڈیڈ باڈی کے بجائے مریضوں پر ہونے لگی تھی، آپی کے سلسلے میں معلومات اکٹھی کرنے وہ اسٹاف روم میں کچھ مریضوں کی فائل لیے بیٹھی تھی،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈاکٹر ہادی نائٹ ڈیوٹی کے بعد ہاسٹل کے لیے نکل رہا تھا۔ اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر، کینٹین گیا چائے کے دو کپ لیے اور اس کے پاس آ بیٹھا۔ اپنی جانب بڑھتا کپ دیکھ کر وہ اپنی چادر درست کر کے مسکرائی۔

"تھینکس...... میں بریک فاسٹ لے چکی ہوں۔"

"لیکن یہ تو ڈاکٹرز کا ایندھن ہے، پکڑیں۔" شکریہ میں سر خم کرتے اس نے کپ پکڑا۔

"کیا دیکھ رہی تھیں آپ؟"

"آج آپسی ہے، کل فارما کا وائیوا، میں نے سوچا پیشنٹ فائلز چیک کرلوں۔"

ہادی کو جتنی معلومات تھیں وہ اسے بتاتا رہا، پھر کچھ دیر بعد عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

"آپ کا فائنل ائیر کمپلیٹ ہو رہا ہے...... اس کے بعد کیا ارادہ ہے......؟"

لمحہ بھر کو خجستہ کے چہرے پر سکون کی چمک آئی۔

"ہاؤس جاب......!"

"وہ تو یقیناً...... میرا مطلب ہے آپ کی پرسنٹ اسٹیج پر پلیب آفر ہے...... تو؟"

(پلیب، امریکن میڈیکل اسپشلائزیشن اسکالر شپ) اس کی آنکھیں پھیکی سی ہوئیں اور نفی میں سر ہلایا تھا۔

"وائے...... یہ تو آپ کا کریڈٹ ہے، اس سال صرف چار اسٹوڈنٹ اناؤنس ہوئے ہیں جن میں آپ شامل ہیں، اتنی بڑی اپرچونٹی آپ چھوڑ دیں گی۔"

سرد تاثر کے ساتھ وہ چپ تھی۔ اب کیسے بتاتی اس کے خاندان نے یہاں تک جانے کیسے پہنچا دیا۔ امریکہ اس کا خرچا کیا، اس کے سارے خاندان کا خرچا بھی اٹھانے کا کہے، تب بھی کوئی جانے نہ دے، "انسان اپنے خواب خاندان سے بہت اونچے رکھے بھی کیوں"۔ ہادی نے بھی زیادہ نہیں کریدا۔ لمحوں کی خاموشی کے بعد آہستگی سے پوچھا تھا۔

"ایک بات کرنا چاہتا ہوں آپ سے......؟"

اس نے گردن اس کی جانب گھما کے سوالیہ نگاہ اٹھائی تھی۔ ہادی پل بھر سبز آنکھوں کا سحر برداشت کر سکا، پھر سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کسی سے کمیٹڈ ہیں......؟"

سبز آنکھیں تحیر سے پوری کھل گئیں۔ وہ فوراً سنبھلا۔ "میرا مطلب ہے کہ۔" اس نے اپنا چوڑی کمانی کا چشمہ اتار کر صاف کیا۔ "میری ہاؤس جاب کمپلیٹ ہو رہی ہے، اور ہر ماں باپ کی طرح میرے والدین بھی چاہتے ہیں میری شادی کردی جائے۔ ہماری ایجوکیشن تو تاحیات چلنے والی ہے، اسپشلائزیشن پریکٹس کے ساتھ ہوتی رہے گی...... اور میری خواہش یہ ہے کہ میری زندگی کا سفر آپ کے ساتھ گزرے۔"

اتنی جدید تعلیم حاصل کر لینے کے بعد بھی خجستہ کے اندر کی پہاڑی لڑکی مری نہیں تھی۔ آن واحد میں اس کے سپید گالوں پر سرخی لہرائی، گھنی پلکیں لرز کر اٹھیں۔ وہ خالی کپ سیٹ پر رکھتے ہوئے کہہ گئی۔

"آئی ایم آل ریڈی انگیجڈ۔"

ہادی کے لیے یہ بہت بڑا جھٹکا تھا، تقریباً اس کی ساری فیملی کو جان گیا تھا۔ لینے چھوڑنے کے دوران ان پانچ سالوں میں امروز لالہ سے بات چیت بھی ہوئی تھی، باقی سب کا ذکر بھی کئی بار کیا مگر منگیتر کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ اس نے بھنویں اچکا کر اسے جاتے ہوئے مایوسی سے دیکھا تھا۔

کوریڈور کی جانب بڑھتے قدم خجستہ کو خود بھی تھکے تھکے لگے، جیسے اپنے کہے پر اسے خود بھی یقین نہ ہو۔ عین اسی لمحے اطہر ادھر سے گزرا تھا یقیناً پوری بات اس نے نہیں سنی ہوگی، صرف آخری جملے سے ہی اندازہ لگا لیا۔ کچھ آج کل اس کے دوست بھی کہہ رہے تھے۔

"تمہارا بھائی اور ڈاکٹر خجستہ آج کل بہت ساتھ ساتھ دکھائی دے رہے ہیں۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ ہادی کے قریب آنے کے بجائے تیز قدموں سے نجستہ کی جانب بڑھا۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر تھی۔

"ایکسکیوزمی......" اس نے گردن موڑتے ہوئے استفہامیہ نظریں اٹھائیں۔

"کچھ عرصہ پہلے آپ کا یونٹ اچانک سے تبدیل ہوا تھا، جاننا یہ ہے وہ ہادی نے تبدیل کروایا تھا، یا ہادی کے لیے تبدیل کروایا گیا تھا۔"

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔" وہ سختی سے بولی تھی۔

"سمپل۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "اُس یونٹ میں آخر مسئلہ کیا تھا؟"

"آپ......" اس کے ٹھوس انداز پر اطہر کی آنکھیں پھیل کر سکڑیں "آپ مسئلہ تھے، میں آپ کے ساتھ پراپر کام نہ کر پاتی۔"

اطہر کے تو سارے بدن میں گرم لہر دوڑ گئی، چبا چبا کر بولا تھا۔ "آپ نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھ کو، تھرڈ کلاس، آوارہ، نکما...... میں اچھے اچھوں کو منہ نہیں لگاتا......اور آپ کی اوقات ہی کیا ہے۔" اس نے گردن میں جھولتا اسٹتھو اسکوپ کھینچ کر اتارا اور اوورآل کی پاکٹ میں اڑسا۔ "اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بدلنے کے لیے میرے بھائی کو سیڑھی مت بنائیں، وہ بہت رحم دل ہے، بھولی صورتوں پر ترس آجاتا ہے، اس کے ترس کو محبت مت سمجھیے گا......رائٹ۔"

نجستہ نے سر سے پاؤں تک اسے ایک نظر دیکھا پھر استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"اور کچھ کہیں گے آپ......؟"

"کہہ ہی نہیں، میں بہت کچھ کر بھی سکتا ہوں شوق سے۔" وہ کہہ کر تیز قدموں سے ایک وارڈ میں داخل ہو گئی تھی، پیچھے وہ تلملا کر رہ گیا۔

☆☆☆

اطہر کے جملے اتنے محسوس نہیں ہوئے تھے جتنا ہادی کا دھیما لہجہ اس پر کارگر ثابت ہوا، کتنے دن وہ شعوری کوشش سے ہادی سے کتراتی رہی، مگر اندر کچھ کھٹک رہا تھا، چاہتے ہوئے بھی اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پائی تھی۔ اس دن وہ ہاسپٹل کے گراؤنڈ میں بینچ پر کچھ پڑھنے کے لیے بیٹھی تھی، لیکن ذہن بے طرح منتشر ہو رہا تھا، تب ہی وہاں ہادی بھی آبیٹھا، وہ اس کے بیٹھنے پر چونکی ضرور مگر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وہ بینچ پر آگے کو ہو کر بیٹھا۔ کچھ دیر بعد آہستگی سے بولا تھا۔

"مس نجستہ، غالباً آپ نے بتایا تھا آپ کے تایا کے دو بیٹے ہیں، ایک تو آپ کے بہنوئی ہیں امروز لالہ، دوسرے......" وہ رک کر ذو معنی سا اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "کیا وہ آپ کے......؟"

نجستہ نے آنکھیں سختی سے بند کیں۔ اثبات میں سر ہلایا۔ ہادی کے ماتھے کی ناگواری لہجے میں در آئی۔ سال پہلے اسپورٹس گالا پر اس نے درخزئی کو تب دیکھا تھا جب وہ نجستہ کو گھر لے جانے آیا تھا۔ اس کی چال ڈھال، دیکھنے بولنے کا انداز ہادی کو بہت عجیب لگا تھا۔ خاص کر جب اس نے اسٹال پر کھڑی لڑکیوں کو اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ بے فکری سے باتیں کرتے دیکھ کر نخوت سے ناک چڑھائی۔

"ماں باپ سمجھتے ہیں ڈاکٹر بن رہی ہیں۔ اِدھر تو یاریاں چل رہی ہیں۔"

ہادی کا جی چاہا تھا اس کا منہ توڑ دے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا 'چادر میں لپٹی نجستہ اپنی چیزیں اٹھائے اس کے پاس آکھڑی ہوئی، پھر پتا چلا تھا یہ اس کا کزن ہے۔

اس کے پیچھے چلتی نجستہ کو دیکھ کر وہ تاسف سے سوچتا رہ گیا۔ "سچ کہتے ہیں گدڑیوں میں بھی لعل ہوتے ہیں۔"

اس وقت نجستہ کا اقرار میں ہلتا سر اسے پھر سے تپا گیا۔

"کیا آپ سمجھتی ہیں، یہ ایک پرفیکٹ میچ ہے؟"

"ہمارے میچ ہمارے بزرگ بناتے ہیں......"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ جو ـــــ انہیں پرفیکٹ لگتا ہے۔"

"لازمی تو نہیں بزرگ ہر بار پرفیکٹ ہوں، انہیں سمجھایا جاسکتا ہے، قائل کیا جاسکتا ہے...... آپ پڑھی لکھی ہیں نجستہ، وہ کسی صورت بھی آپ کے قابل نہیں"۔

"ہمارے ہاں قابلیت کا معیار روایات ہیں...... اور پلیز" وہ مزید بات نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن ہادی آج بہت کچھ کہنے بیٹھا تھا۔

"آپ ایک ڈاکٹر ہیں، جو اپنے ساتھ سنسیئر (مخلص) نہیں، وہ اس پیشے کے ساتھ کیسے سنسیئر ٹی دکھا سکتا ہے......"

اس نے اپنے لہجے کی نمی کو قابو کرتے اٹل انداز میں کہا تھا۔

"ڈاکٹر ہادی ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں۔"

"بالکل کر سکتے ہیں نجستہ، میں آپ سے بہت محبت کرنے لگا ہوں...... اور آپ کو یوں ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

نجستہ نے اسے میکانکی انداز سے دیکھا۔

"پلیز سوچیے گا ضرور۔" وہ کہہ کر چلا گیا تھا مگر اس کے دل کی دھڑکن بے حد بے ترتیب ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ہادی نے ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی اپنے حلف کے مطابق گورنمنٹ جاب کے لیے اسی ہاسپٹل کو ترجیح دی تھی، نجستہ کی بھی ہاؤس جاب شروع ہو چکی تھی۔ جیسے ہی اس کے گھر والوں کو پتا چلا تھا اس کا کورس پورا ہونے میں کچھ ہی وقت رہ گیا ہے۔ خانی بیگم نے شادی کی تیاریاں تیز کر دی تھیں، اور داجی نے جمال خان کے حصے کی زمین پر کلینک بنوانے کا کہا۔ درخزئی جو گھر کی مرمت اور پتھر کے فرش ڈلوانے میں بہت دلچسپی لے رہا تھا، کلینک کی تعمیر پر اس کا ماتھا ناگوار بلوں سے بھر گیا۔

"کیا مطلب ہے، شادی کے بعد بھی وہ باہر رہے گی...... رہنے دیں داجی، کچھ سالوں بعد دیکھیں گے یہ سب، پہلے گھر بار دیکھے، بچے پالے...... یہ بعد میں ہو جائے گا۔"

امروز کو اس کی بات پر غصہ تو بہت آیا تھا، مگر داجی کی وجہ سے اپنا لہجہ قدرے نارمل رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"سب کام ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ وہ پڑھی لکھی ہے، سنبھال لے گی۔"

چادر کی بکل مارتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھا "لیکن شادی کے بعد میری مرضی۔"

اس کے الفاظ بیچ میں رہ گئے تھے، باتھ روم سے صفورا بیگم کی خطرناک چیخ سنائی دی تھی۔ باتھ روم میں سادہ فرش توڑ کر پتھر کی ٹائلیں لگوائی گئی تھیں۔ صفورا کا پاؤں پھسلا، دونوں بیٹے بہت مشکل سے بھاری بھر کم ماں کو اٹھا کر باہر چارپائی تک لائے، ان کے کراہنے میں کسی صورت کمی نہیں آرہی تھی۔ خدشہ تھا گھٹنے کی ہڈی ٹوٹی ہے۔ امروز خان جراح کو گھر لے آیا، جو عورت ٹوپی والا برقع لے کر گھر سے نکلتی ہو وہ چارپائی پر جراح کے سامنے لیٹی تھی۔

اس نے پہلے اس کی ٹانگ کو ڈھکے ڈھکے ہی جانچا پھر "گھٹنا ٹوٹ گیا ہے" کہہ کر کچھ پھٹیاں، پٹیاں اپنے سامان سے نکالنے لگا۔ جب اس نے بوڑھی صفورا کی شلوار کا پائنچہ اوپر کو سرکایا تو درخزئی کا چہرا یک لخت تپ گیا اس نے آنکھیں سختی سے بھینچی اور وہاں سے ہٹ گیا، جتنی ماں کو تکلیف تھی اسے ٹوٹی ٹانگ کے ساتھ چھوڑا بھی نہیں جاسکتا تھا، کسی مرد کے سامنے اپنی ماں کی برہنہ ٹانگ دیکھنا بھی مشکل تھا، اسے زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ عورتوں کے علاج کے لیے عورت معالج کا ہونا بھی ضروری ہے۔

صفورا چارپائی سے لگ گئی تھیں۔ جراح روز دیکھنے آتا تھا۔ نجستہ کو پتا چلا اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"کیا مطلب ہے۔ آپ لوگوں نے ایسے ہی ان کی ٹانگ بندھوا دی...... ان کا ایکسرے کرواتے پھر پتا چلتا...... آپ انہیں فوراً یہاں لے آئیں۔"

ایکسرے کا سن کر درخزئی کے کان مزید تپ گئے، یعنی اب تصویر بھی مرد سے اتروائیں، اور جانے کیا کیا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوگا کیونکہ ایک مہینہ ہوگیا تھا جراح کے علاج سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، اس نے خجستہ سے فون پر کہا تھا۔

''کیا تم نہیں یہ سب کر سکتا ...... مطلب مورے (ماں) کی مرہم پٹی، تم بھی تو کب سے ڈاکٹر بن رہا ہے۔'' وہ پھیکا سا ہنسی تھی۔

''پہلی بات تو یہ، میں صرف ابھی ایم بی بی ایس ہوں، اسپیشلسٹ نہیں، دوسری بات ایکسرے کرنے کی پڑھائی شروع سے الگ ہے، وہ وہی کرتے ہیں جنہوں نے پڑھا ہو۔''

''یعنی کہ مرد۔''

''نہیں، اب لڑکیاں بھی اس شعبے میں ہیں، شکر ہے کچھ لوگ ہیں، جنہیں اب سمجھ میں آنے لگا ہے، عورت کی ضرورت کس کس شعبہ زندگی میں ہے...... خیر تم چاچی کو یہاں لے آؤ...... ہو جائے گا۔''

صفورا کا علاج وہاں بہت اچھا ہوا تھا۔ کچھ مہینے پلاسٹر چڑھا پھر پہلے کی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھیں، اس سب سے درخزئی میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ اس نے جمال چاچا کی زمین کے ساتھ اپنے حصے میں آنے والی زمین بھی اسپتال کی تعمیر میں شامل کر دی۔ اس کی نگرانی میں مزدور مستری تیزی سے کام کر رہے تھے۔

☆☆☆

آنکھوں کے کناروں پر تیرتا اس کا بچپن کا خواب جیسے جیسے تکمیل کی جانب بڑھ رہا تھا، اسے بے پناہ خوش ہونا چاہیے تھا لیکن کبھی کبھی دل چاہتا تھا یہ کبھی مکمل ہی نہ ہو۔ دن میں کئی بار خود کو جھٹلاتی کہ وہ خوش ہے اور ہر بار جھٹلانے کے بعد اس کی تھکن سوا ہو جاتی۔ پانچوں سالوں میں ڈسٹنکشن (امتیازی گولڈ میڈل) لینے والی خجستہ کو مشکل ترین پڑھائی نہیں تھکا سکی تھی، جتنا آنے والے لمحوں کی سوچ نے تھکا دیا تھا۔ جس دن ڈاکٹر ہادی نے کہا تھا۔

''ڈاکٹر! خجستہ میرا لندن اسپشلائزیشن کا اسکالر شپ آ گیا ہے، اور میری شدت سے خواہش ہے، میرا واپسی کا انٹرسٹ آپ ہی رہیں۔''

''کب جا رہے ہیں آپ......؟''

اس کے یکسر الگ سوال پر وہ پھیکا سا ہنسا۔ ''چھ سات ماہ لگ جائیں گے اپروول میں...... لیکن یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔''

''ڈاکٹر ہادی، ہماری زندگیوں میں بہت سی باتوں کے جواب نہیں ہوتے۔''

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ وہ بولتے ہوئے ساتھ اٹھا تھا۔ ''لیکن مجھے اس بات کا چاہیے...... پلیز روایات کی بھینٹ اپنا فیوچر مت چڑھائیں، میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔''

اس کے چند جملے لاشعوری طور پر درخزئی اور ہادی کا موازنہ کرنے پر اکساتے، ان کی چال ڈھال، اخلاق، انداز، سوچ اور مستقبل۔ ہادی ہر بار آگے آ کھڑا ہوتا، وہ سختی سے آنکھیں بند کر کے خود کو باور کرواتی تھی۔

''نہیں میں کیوں کسی کو سوچنے لگی'' اپنے اندر چھڑی جنگ کا اندازہ اسے اس دن ہوا جب وہ عصر کی نماز پڑھ کر دعا مانگنے لگی ہی تھی کہ امروز لالہ کا فون آ گیا جائے۔ نماز پر بیٹھے ہوئے اس نے فون اٹھایا۔ صفورا چاچی کی خیر خیریت پوچھ لینے کے بعد، معمول کی باتیں کرتے کرتے امروز خان نے کہا تھا۔

''تم بتا رہی تھیں، تمہارا کورس پورا ہونے والا ہے، پھر کب لینے آؤں تمہیں......؟''

''ایسی بھی کیا جلدی ہے لالہ، جب پورا ہوگا بتا دوں گی۔''

اس کے جواب میں وہ آرام سے بولے تھے۔

''مجھے نہیں، درخزئی کو جلدی ہے شادی کی، سب تیاری ہو گئی ہے، بس تمہارا انتظار ہے۔'' سنتے ہی اس کے تن بدن کی گرمی لہجے میں اتری۔

''اسے کب جلدی نہیں تھی لالہ...... اس کی جلدی کی خاطر میں اپنی تعلیم تو داؤ پر نہیں لگا سکتی ناں۔''

یک لخت اس کے فون بند کر دینے پر جہاں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

امروز خان بری طرح چونکے تھے وہاں وہ خود اس سے زیادہ چونکی اور پھر اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے زور زور سے رونے لگی تھی۔

”کاش میں بھی زر بخت جیسی ہوتی، ہر فیصلہ اپنی قسمت سمجھ کر شاکر رہتی...... میرے اللہ! مجھے اپنی تقدیر کو خوشی خوشی قبول کرنے کی طاقت دے دے...... ایک طرف میرا مستقبل ہے، ایک طرف میری روایات، میں نہیں چاہتی ان دونوں کے بیچ سزا وار میری تعلیم بن جائے۔“

آن واحد میں اس کی نگاہوں کے سامنے زمینوں پر کام کرتے اکرم چاچا کے میلے کچیلے بچے گھوم گئے، اس کا سر ٹرانس کی صورت نفی میں ہلا تھا۔ زر بخت کی دو پیاری پیاری بیٹیاں اسے اپنے گرد کھڑی نظر آئیں۔ ترسی نگاہوں میں سوال لیے، اس نے اپنی آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑ ڈالیں۔

”نجستہ تو ان کے لیے رستہ بنانے نکلی تھی، اور دیوار بنانے میں لگ گئی، یہ سکھایا ہے تعلیم نے تجھے......؟“

”نجستہ، یعنی مبارک، خوش بختی پھر کیوں زر بخت کی بیٹیوں کے لیے بد بختی کی علامت بننے لگی۔“

پانی پی کر اپنے بھرائے لہجے کو قابو کر کے اس نے امروز خان کو کال ملائی۔

”جی لالہ، سگنل نہیں آ رہے...... میں نے آپ کو بتایا تھا کورس تو پورا ہونے والا ہے لیکن کچھ ٹائم لگ جائے گا، مجھے اپنی کلیئرنس کروانی ہے، پھر اگلے مہینے کا نوٹیفیکیشن ہے اس میں اسناد اور میڈلز ملنے ہیں، بس یہی دو تین ماہ ہیں، پھر میں آ جاؤں گی۔“

☆☆☆

وہ اپنے دل کو مکمل طور پر سمجھا چکی تھی اور اس پر کار بند رہنے کے لیے ڈاکٹر ہادی سے جان کر گریز کرتی رہی، یہ اس رات کی بات ہے جب نائٹ ڈیوٹی دینے کے بعد دو گھنٹے کے لیے ملنے والے آرام کے بریک میں وہ اسٹاف روم میں رکھے لکڑی کے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت-/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سخت بینچ پر لیٹی تھی، اس کی آنکھ لگے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بریرہ کے رونے کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی، اسی وقت روم میں کئی سینئر ڈاکٹرز بھی اس کے ساتھ داخل ہوئے تھے جن میں ڈاکٹر ہادی بھی شامل تھا۔ سینئر ڈاکٹر بریرہ کو سمجھا رہے تھے۔

"ڈاکٹر بریرہ! اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے، ہمارا کلچر ہی ایسا ہے۔ پہلے تو گھر والے خود ڈاکٹر بننے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں، جب بات ہاتھ سے نکل جائے تو پیشنٹ ڈاکٹر کے سر لگانے لے آتے ہیں۔"

"سر! وہ مر گیا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں...... اس کی بیوی مجھے بددعائیں دے رہی تھی، کہ ہمیں اپنی فیس سے غرض ہے، میری لاپروائی سے اس کے میاں کی ڈیتھ ہوئی۔"

ایچ او ڈی تاسف سے ہنکارا بھرتے آگے بڑھے۔ "ڈاکٹر صرف وسیلہ ہے، اور وسیلوں کی سلامتی کی دعا کرنی چاہیے، لیکن نادان لوگ ہمیں خدا سمجھ لیتے ہیں...... کیا دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں کہیں نقصان نہیں ہوتا، انسان کی بنائی ہوئی مشین کو ٹھیک کرنے میں انسان غلطی کر جاتا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی مشین کس قدر پیچیدہ اور ہر ایک دوسرے سے بے حد مختلف، کیا یہاں انسان سے غلطی نہیں ہو سکتی...... دل کے مریض کو پمپ کرنے میں مریض کی چند ٹوٹی پسلیاں لوگوں کو دکھائی دے جاتی ہیں، جو زور لگانے میں ڈاکٹرز کے کندھے اتر جاتے ہیں، وہ دکھائی نہیں دیتے، کیوں کہ واویلا کرنے والے ہمارے بیوی بچے پاس نہیں ہوتے......

ہزاروں مریضوں میں گنتی کی چند ڈیتھ ہماری فیسیں اور کوتاہی لگتی ہے، جو ہزاروں صحت یاب ہو کر گھروں کو جاتے ہیں، نیا جنم پاتے ہیں، تب ہماری نیند سے خالی آنکھیں دکھائی نہیں دیتیں......

ڈاکٹرز کے ہاتھ، دماغ، آنکھیں دنیا کے قیمتی ترین ہاتھ، دماغ، آنکھیں ہیں، جو اللہ کی بنائی مخلوق کی بہتری میں بہر حال مصروف ضرور ہیں...... چلیں شاباش منہ ہاتھ دھوئیں اور چائے پئیں...... ہمارے لیے یہ اعزاز بہت ہے۔ لوگ بے شک ہمیں گالیاں دیں، لیکن ان کے دکھ تکلیف سننے کے لیے اللہ نے ہمیں چنا ہے، انہیں ٹھیک کرنے کا ہمارا عہد ہے، ہم پوری کوشش بھی کرتے ہیں۔"

باقی ڈاکٹرز اس کے شانے تھپکتے ایک ایک کر کے چلے گئے مگر ڈاکٹر ہادی وہیں تھا، اس نے کن اکھیوں سے خجستہ کی نیند سے تھکی تھکی گلابی آنکھیں دیکھ کر کہا۔ "چلیں آئیں میں آپ کو چائے پلاتا ہوں۔"

"نہیں...... خجستہ تو اٹھارہ گھنٹے بعد اب سوئی تھی، میری وجہ سے اٹھ گئی...... سو جائیں خجستہ۔" بریرہ شرمندہ ہوئی۔

اس نے اپنی پوریں آنکھوں پر رکھتے ہوئے دبائیں۔ "نہیں اب نیند نہیں آئے گی......"

ہادی فوراً بولا "چائے یہیں منگوا لیتے ہیں۔"

پیون کے چائے لاتے ہی بریرہ نے گرم گرم چائے حلق میں انڈیلی اور بھاگی۔ "مجھے تو وارڈ کا راؤنڈ لگانا ہے۔"

"لوگ ایک مریض کے ساتھ صرف ایک رات جاگ کر ظاہر کرتے ہیں، وہ تھک گئے، وہ پریشان ہیں...... ہم ہر روز ایسے ہی سوتے جاگتے ہیں، لیکن ہماری کوئی قدر نہیں۔"

ڈاکٹر ہادی کے متاسف لہجے پر خجستہ مسکرا دی۔ "کیا کہا جا سکتا ہے، ہم نے اپنی مرضی سے یہ شعبہ چُنا ہے۔"

"بالکل...... لیکن کچھ قدر تو ہونی چاہیے...... چلیں کوئی نہ کرے۔ مگر ہمیں خود تو اپنی قدر کا احساس ہونا چاہیے......؟"

اس کے سوالیہ رک جانے پر خجستہ کچھ خفیف ہوئی۔ کچھ توقف کے بعد وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے آپ کے علاقے کا ایڈریس چاہیے...... میرے پیرنٹس ایک کوشش کرنا چاہتے ہیں۔"

☆☆☆

ہادی نے جب خجستہ کا نام اپنے والدین کے آگے رکھا تو انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا صرف والد

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے اتنا پوچھا تھا۔ "اطہر کی کلاس فیلو......؟ جو ٹوٹلی ڈسٹنکشن ہے"۔ ہادی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"گولڈ میڈ لسٹ ہماری بہو بنے ہمارے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔"

باپ کا سراہنا اطہر کو تپا گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اس پینڈو کو ہادی کے دماغ سے مٹائے۔

"جی بالکل......اُس کے رشتہ داروں میں جہلاء کا پورا خاندان بھی شامل ہے، وہ بھی یاد رکھیے گا۔"

"اطہر......" اس کے باپ نے سرزنش کی۔

"زندگی ہادی نے گزارنی ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں، تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے......" پھر ہادی سے کہا۔ "تم ایڈریس لو، ہم ضرور جائیں گے۔"

اتنا تو اسے پتا تھا وہ اٹک کے قریبی علاقے سے ہے لیکن ایڈریس لینے کا موقع نہیں مل رہا تھا...... اب موقع ملتے ہی اس نے مانگا، وہ تحیر سے اسے دیکھتی رہی۔

"خجستہ......ابھی سر عارف کیا بتا کر گئے ہیں، ہمارے ہاتھ، دماغ، آنکھیں بہت قیمتی ہیں، یہ اتنے بے مول نہیں ہیں، ان کی کوئی قیمت نہ لگے، میں نے آپ کا کزن دیکھا ہے، وہ اس قابل نہیں کہ آپ کی قدر جان سکے۔ میں آپ کو آپ ہی کے ہاتھوں ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ پلیز پلیز...... ایک کوشش کر لینے دیں، پھر جو ہماری تقدیر رنگ دکھائے، مجھے منظور ہے۔"

ہونٹ اندر کی جانب بھینچے وہ سکتے کی صورت اسے دیکھے گئی، پھر بنا کچھ بولے وہاں سے اٹھ کر وارڈ کی جانب بڑھنے لگی۔

"میں نے کچھ کہا ہے آپ سے۔"

"جب سوال کا جواب خاموشی ہو، تو سمجھ جانا چاہیے" کہہ کر وہ رکی نہیں۔

☆☆☆

اس کے اندر کی تھمی جنگ میں ایک بار پھر سے اس نے بم گرایا تھا، جس سے وہ اچھی خاصی ڈسٹرب ہوئی تھی، مگر کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیا، یہاں تک کہ اس کی ابھی کیفیت پر کئی بار بریرہ نے کریدا، مگر ہنس کر ٹال گئی۔ گھر سے الگ فون آتے رہتے، مرمتیں ہو گئیں، پینٹ ہو گئے، کس کے کپڑے آ گئے، کس کے سل گئے، اسے کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہی تھی سوائے اس کے کہ وقت یہیں تھم جائے۔

انہی دنوں تعلیمی اداروں کے بارے میں عجیب سی خبریں آنے لگی تھیں اُن میں صداقت تو کیا تھی البتہ چینلز نے اپنا پیٹ بھرنے کو خوب اچھالا تھا کہ تعلیمی ادارے خاص کر میڈیکل کالجز منشیات فروشی میں سرگرم ہیں یہ بات یہاں تک صحیح تھی کہ ڈاکٹرز کی رگوں میں خون سے زیادہ چائے کافی دوڑتی ہے، اسے نشہ کہا جائے یا ضرورت، جس طرح کی پڑھائی ہے، اس میں ایسا ہونا اتنا معیوب بھی نہیں۔ آخر انہوں نے بھی اپنے اعصاب پرسکون رکھنے ہیں۔ لیکن اسے منشیات سے ملا دینا سراسر غلط۔

کالج میں کانووکیشن کی تیاری عروج پر تھی، پرنسپل نے اسی موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف میڈیکل کالجز کے ساتھ ایک مشترکہ کانفرنس بھی رکھ دی، جس کا مقصد اس شعبے کا تقدس، اور اعتماد کی پامالی کی مذمت تھا۔ فائنل کے اسٹوڈنٹس کے لیے چھوٹے چھوٹے مقابلے ترتیب دیے گئے، تقاریر، کالم، چھوٹے سے خاکے، فرسٹ ائیر کی لڑکیوں نے اس ٹاپک پر پوسٹر تیار کیے تھے۔ خجستہ کی ڈرائنگ بہت اچھی تھی اس کی پریکٹیکل کاپی ہمیشہ سراہی گئی، ان اسٹوڈنٹس کو جانے کس نے مشورہ دیا تھا۔

"ڈاکٹر خجستہ کو چیک کروالو۔"

اور خجستہ اتنی نرم خو تھی کہ کبھی کسی جونیئر کو اس سے کچھ بھی پوچھتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔ اکثر ہی اسٹوڈنٹس کو آن لائن لیکچرز کی ویب سائٹ بھیجتی رہتی تھی، اسی لیے دو لڑکیاں بلا جھجک اپنا پوسٹر لیے اس کے پاس آ گئیں۔

"ڈاکٹر خجستہ! کیا یہ ہم نے صحیح بنایا ہے۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس نے پوسٹر کا تنقیدی جائزہ لیا۔ وہ لنگز (پھیپھڑوں) کا پوسٹر تھا ایک ڈرگ لینے کی وجہ سے سیاہی مائل بیمار، دوسرا تازہ ہوا کے سبب تروتازہ گلابی سا۔ اس پر عام سی کوٹیشن لکھ دی تھی۔ ''فیصلہ آپ کا'' خجستہ نے ایک دو جگہ سے ڈرائنگ صاف کر کے ٹھیک کی، بریرہ نے یک دم مشورہ دیا تھا۔

''خجستہ! اگر ڈرگ والے میں رئیل سگریٹ چپکا دیں، پوسٹر کمال لگے گا۔''

اس نے تائیدی سر ہلاتے کہا۔ ''لیکن اس وقت سگریٹ کہاں سے آئیں گے، ہم ابھی تو آئے ہیں ہاسٹل سے، پہلے پتا ہوتا تو کہیں سے لے ہی آتے۔''

پانچ بجے کے بعد عام اسٹوڈنٹس کو وارڈن گیٹ سے باہر قدم نہ رکھنے دیتے سوائے ہاؤس جاب والوں کے، وہ آرام کرنے تو ہاسٹل آئی تھی، باہر جانے کے خیال سے بھی کوفت ہونے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ نے فوراً کہا تھا۔

''میم میں اپنے سی آر کو فون کروں...... شاید وہ لا دے۔''

خجستہ نے لمحہ بھر سوچا پھر اپنا فون اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔ ''ڈاکٹر ہادی ہاسپٹل میں تھے، ان سے پوچھتی ہوں، شاید دے جائیں۔''

ایک، دو، تین کتنی دفعہ نمبر ملایا مگر فون ریسیو نہیں ہو رہا تھا۔ ہوتا بھی کیسے وہ سینئر ڈاکٹرز کے ساتھ او ٹی (آپریشن تھیٹر) میں مصروف تھا۔ اس نے لڑکی سے کہا۔

''چلیں آپ سی آر سے ہی کہہ دیں۔''

قسمت آج خجستہ پر مہربان نہیں تھی۔ شاید اسی لیے اس لڑکی کے موبائل میں بیلنس نہ ہونے کے سبب اس نے خجستہ کا فون استعمال کیا تھا۔ سی آر سنتے ہی ہونق زدہ سا بولا۔

''سگریٹ...... تم لوگوں ___ نے سگریٹ کیا کرنی ہے۔ گرلز ہوسٹل میں آخر ہونے کیا لگا ہے......؟ دماغ ٹھکانے ہے، صبح میڈ کون (میڈیکل کانفرنس) ہے، پرنسپل تمہارے پرخچے اڑا دے گا۔''

''او ہو ہمیں چاہئیں اور وہ بھی دو ڈبیاں، کسی بھی طرح، ابھی، اسی وقت۔''

سی آر کو پریشانی تھی۔ آخر انہیں بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا سگریٹ پینے کی، خجستہ نے فون لے کر انہیں سب بتا ہی دیا۔ وہ فوراً ادب سے بولا تھا۔ ''جی جی ڈاکٹر خجستہ...... ہم کسی طرح ارینج کرتے ہیں۔''

رات کے اس پہر کیا، دن میں اجازت نہیں ہے لڑکے گرلز ہاسٹل میں قدم رکھیں۔ انہیں بھی سمجھ میں نہ آتا کہ کس طرح سگریٹ ان تک پہنچائیں، اگر قدرتی طور پر ڈاکٹر اطہر ان کے پاس کچھ ماڈلز چیک کرنے نہ آئے ہوتے، خجستہ کے نام پر چونکے اور رک کر پوری بات سنی۔

''ہاں تو یہ کون سا مشکل ہے، لیکن تم لڑکے ہو کام کے بدلے، کچھ رعب تو دکھاؤ...... چلو ان سے کہو، جس کے فون سے آرڈر ہوا ہے، وہ خود گیٹ پر لینے آئے۔''

فرسٹ ائیر کا اسٹوڈنٹ ہچکچا کر بولا۔ ''بھائی وہ سینئر ہیں، ہم کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''جیسے اس نے آرڈر دیا ہے، کہو شاباش...... اور کون سا گیٹ سے باہر آنا ہے، صرف اندر سے ریسیو کرنا ہے۔'' اسٹوڈنٹ نے ڈرتے ڈرتے کہا تو خجستہ سن کر ہنس دی۔

''اچھا چلو، وہ لائیں تو سہی، میں جاتی ہوں۔''

☆☆☆

وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کرتی ہوئی ہاسٹل گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، گیٹ کیپر ایک بیگ ہاتھ میں پکڑے گیٹ کے اندر کی سمت کھڑا تھا۔ فرسٹ ائیر کے لڑکے ایک کالج بیگ اسے یہ کہہ کر پکڑا گئے تھے۔

''اے بلاک، روم نمبر نائن کی ڈاکٹر خجستہ کا بیگ کالج میں رہ گیا تھا، یہ انہیں دینا ہے۔''

گیٹ کیپر نے کھول کر اوپر اوپر سے اندر جھانکا اسٹیتھسکوپ، بی پی آپریٹس اوور آل، ایک دو کاپی، اس نے بیگ بند کیا، تب ہی خجستہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔

''انکل میرا کچھ سامان آنا تھا؟'' کیپر نے بیگ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کی جانب بڑھایا، وہ شکریہ ادا کرکے مڑی ہی تھی کہ اسی وقت ڈاکٹر ہادی کی کال آ گئی۔ انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"آپ کال کر رہی تھیں خیریت......؟"

"جی جی، وہ......" اس کی وضاحت بیچ میں رہ گئی تھی کہ وارڈن تیز تیز اس کی جانب بڑھتے قدرے زور سے بولی تھی۔

"کیپر سے کیا لیا ہے آپ نے......؟"

"میم! یہ بیگ، ہاسپٹل میں رہ گیا تھا۔" اس نے فون نیچے کرتے ہوئے جھوٹ کا سہارا لیا۔

"ادھر دکھائیں۔" اس نے آگے بڑھ کر یک دم اس کے ہاتھ سے بیگ کھینچا خجستہ "وہ وہ میم" کرتی رہ گئی کہ ادھر ہادی پوچھ رہا تھا۔ "کیا ہوا"۔

وارڈن نے سیکنڈوں میں زپ کھول چیزیں نکالیں۔ اوور آل کھینچتے ہی سگریٹ کی ڈبیاں دھپ سے باہر گریں اس کی کوئی وضاحت سنے بنا وارڈن زور زور سے چلانے لگی "کیا ہے یہ...... تم ڈرگ سپلائی کر رہی ہو ہاسٹل میں، پھر کہتے ہیں میڈیکل کے خلاف پروپیگنڈا ہوتا ہے...... ابھی پرنسپل سے بات کرتی ہوں۔"

"خدا کے لیے میڈم میری بات سنیں۔" اس کے زور سے چلانے پر وہ اور زور سے بولی۔

"اب جو سننا سنانا ہے، اپنے پرنسپل اور پولیس کو سنانا"۔ پولیس کے نام پر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں۔ اس کی کوئی بھی بات سنے بنا وارڈن پرنسپل کو کال کر چکی تھی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ادھر ہادی پریشان تھا، ہوا کیا......؟

گرلز ہوسٹل سے ڈرگ پکڑی جانا معمولی بات نہیں تھی۔ پرنسپل ہاسٹل سے خاصے فاصلے پر تھے۔ انہوں نے اسی وقت تین چار ایچ او ڈی کو گرلز ہاسٹل بھیجا تھا۔ ڈاکٹر ہادی بھی ان کے ساتھ ہونے کے سبب آ گئے، اُسے اطہر گیٹ سے کچھ فاصلے پر ملا تھا۔ اور استہزائیہ سرگوشی کی تھی۔

"سنا ہے تمہاری لور ڈرگ سپلائی کرتی پکڑی گئی۔" ہادی نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

ویسے تو اطہر کو کوئی اندر گھسنے نہ دیتا، بڑی عمر کے ڈاکٹرز کی ٹیم کے ساتھ چلتے ہادی سے باتیں کرتے وہ بھی ساتھ ہو لیا تھا، کیپر نے گیٹ کھولا ادب سے چلتا ہوا انہیں وارڈن آفس تک لے گیا۔

☆☆☆

خجستہ سر ہاتھوں میں گرائے خاموش بیٹھی تھی۔ باقی لڑکیاں وضاحتیں دے رہی تھیں۔ وارڈن ایسے بیٹھی تھی جیسے اسے سنائی نہ دیتا ہو۔ ڈاکٹرز کے داخل ہوتے ہی یک دم سکوت سا چھایا۔

"اور کس کس کو اطلاع دی ہے، آپ نے......؟" نیورو کے ایچ او ڈی اتنی زور سے بولے تھے، وارڈن اگر کرسی کا بازو نہ پکڑتی تو نیچے ہی گرتی جس طرح وہ اچھلی تھی۔

"صرف پرنسپل کو۔" آواز کپکپا گئی۔

"خجستہ میری اسٹوڈنٹ، پھر مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، کیا میرا نمبر نہیں ہے آپ کے پاس؟" ان کا غصہ عروج پر تھا اور وارڈن کے بعد، جب خجستہ نے ساری بات بتائی تو ان کی گہری رنگت تانبے کی مانند تپی تھی۔ فرسٹ ایئر کے سی آر کو بھی فوراً تحقیق کے لیے اُدھر بلوا لیا تھا۔

"لیکن اس کا کیا ثبوت ہے، وہ پوسٹر پر لگائی تھیں...... اور منگوانے سے پہلے مجھ سے اجازت نہیں لینی چاہیے تھی کیا۔"

پہلے خجستہ کو پھر اپنے دفاع میں بولتی وارڈن کو ایچ او ڈی نے گھر کا تھا۔

"پہلے آپ بتائیں، آپ کو الہام ہوا تھا، بیگ میں کچھ ہے؟"

"سر! مجھے کال آئی تھی۔" وہ جلدی سے اپنے موبائل میں کال لاگز چیک کرنے لگی۔ سی آر جیسے ہی ڈبیاں بیگ میں ڈال کر باہر نکلا۔ اطہر نے اپنا نام لیے بنا وارڈن کو انفارم کیا تھا۔

ساری بات واضح ہو گئی تھی۔ ایچ او ڈی کو رہ رہ کر خجستہ پر غصہ آ رہا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"پوسٹر فرسٹ ایئر کا ہے آپ کیوں گئیں یہ لینے؟"

نجستہ کے بولنے سے پہلے ہی فرسٹ ائیر کی لڑکی ہاتھ مسلتے منمنائی تھی۔ "سر! سی آر نے کہا تھا۔ جس نے آرڈر دیا وہ ہی وصول کرنے آئے۔"

سنتے ہی سی آر کو کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا اور نگاہ ڈاکٹر اطہر کی جانب اٹھی۔ اطہر کو بھی امید نہیں تھی وہ اُس کا نام لے دے گا مگر اس وقت ایچ اوڈی کا غصہ قیامت کا سماں پھیلا رہا تھا، سب کو اپنی پڑی تھی۔

"ڈاکٹر اطہر کا مشورہ تھا۔"

سب کی میکانکی انداز میں نظر اطہر پر اٹھی، سبز آنکھوں میں بے یقینی کا پانی اُمڈ آیا۔ کیا کوئی اتنا بھی گر سکتا ہے۔ دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اتنی نیچ حرکت۔ آخر کلاس فیلوز تھے، ڈاکٹر ہادی کی مٹھی سختی سے بھینچ گئی، جس کی رگیں تن کر ابھر آئیں۔ ایچ اوڈی کی نگاہوں کی تندی ہی کافی تھی، اطہر کی جان نکالنے کے لیے اس نے مکرتے ہوئے سی آر کو ڈپٹنا شروع کیا ہی تھا جب ایچ اوڈی نے وارڈن سے نمبر لے کر اپنے موبائل میں ڈالنا شروع کیا پہلے ہندسے سے ہی اطہر کا نام اسکین ہوا۔ ہندسے پورے ہونے تک اسی کا نام رہ گیا تھا۔ جلدی میں اس سے یہی غلطی ہوئی تھی۔ اپنے ہی نمبر سے کال کر دی۔ ایچ اوڈی نے اس کے ساتھ جو کرنا تھا سو کرنا تھا البتہ کمرے سے نکلتے ہادی کا ہاتھ بے اختیار اٹھا۔ اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

"آئی ایم شیمڈ آف بینگ یور برادر۔ (مجھے تمہارا بھائی ہونے پر شرم آ رہی ہے)۔"

نجستہ کو ایچ اوڈی نے اشارے سے باہر جانے کا کہا، سب بچے ایک ایک کر کے باہر نکل گئے تھے، پھر جو اطہر کی کلاس ایچ اوڈیز نے لی، یہ وہ ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

وہ رات اُسے زندگی کی بہت سیاہ رات لگی تھی۔

وہ جانتی تھی اس نے حیثیت سے بڑھ کے خواب دیکھ لیے تھے۔ لیکن خوابوں کی یوں پامالی، اتنا بڑا الزام پہلے چیٹنگ جیسا، اب ڈرگ سپلائی، یہ حیثیت دی خاندانی ڈگری ہولڈر نے، کل ہونے والی تقریب کی ساری خوشی آنسوؤں میں بہتی محسوس ہوئی۔ وہ کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ بیٹھی۔ رات کے سناٹے کو چیرتی جھینگروں کی آوازوں میں کئی دن پہلے ہونے والی داجی کی ٹیلی فونک گفتگو آج صحیح سنائی دے رہی تھی۔

"نجستہ بچے، جب تم آئے گا، حیران ہو جائے گا...... بڑا کام کیا ہے ہم نے یہاں۔"

"ایسا کیا کر دیا داجی......؟"

"اس پاگل کے بچے کو سیدھا کر دیا ہے...... صبح ہی نکل جاتا ہے، پہاڑ سے پچھلی زمین پر، رات کو بلب، لالٹینیں جلا کر کام پورا کروا رہا ہے...... اب بھی دیکھو، دس بج گئے ہیں، ابھی تک نہیں آیا۔ مزدور اُسے گالیاں دیتا ہوگا...... ہاہاہا۔"

پھر ان کا اونچا قہقہہ تھا۔ اس وقت تو وہ قہقہہ اپنے مستقبل کا مذاق اڑاتا لگا، لیکن اس وقت شیشے کی ونڈو کے پار دکھائی دیتی سیاہی میں ایک نوتعمیر عمارت کا ڈھانچہ نظر آیا، جس میں کہیں کہیں زرد بلب جل رہے تھے۔ سرخ اناری گالوں پر بہتے پانی کی دھار اس نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے پونچھی۔ اپنے موبائل سے ایک کال کر کے واپس اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

عام سا دن بہت خاص بن گیا تھا۔ پورا کالج ایسے جگمگا رہا تھا جیسے اس علاقے میں عید کا اعلان ہوا ہو۔ گراؤنڈز میں میڈیسنز اور آلاتِ جراحی کی بیشتر کمپنیوں نے جابجا اسٹال لگا رکھے تھے۔ حفظانِ صحت، وائرس سے بچاؤ، صاف پانی پر بڑے بڑے بینرز کے بیچ کالج کا آفیشلی جھنڈا لہرا رہا تھا، چہار اطراف سفید کوٹ میں ملبوس تیز قدموں کی آواز نے ایسا سماں باندھا تھا کہ چھوٹا سا بچہ بھی دیکھ لے تو اس ماحول کا حصہ بننے کی اسی دن سے تمنا کرے۔ سیدھی کمر، گردن اٹھائے سفید کوٹ والوں سے آڈیٹوریم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھرتے ہی پر وقار تقریب کا آغاز ہوا، چھوٹے چھوٹے مقابلوں کے بیچ جب ڈگریوں کی تقسیم پر اعلان شروع ہوئے۔ پہلا نام جو مائیک میں گونجا تھا نہ صرف پرنسپل کا سر فخر سے اٹھا، بلکہ پورا یو ایچ ایس کا وفد اعزازی تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ اعلان بار بار ہو رہا تھا۔

''ڈاکٹر خجستہ جمال خان...... ڈاکٹر خجستہ جمال خان...... پلیز کم آن دی اسٹیج...... پلیز۔''

گونج کے جواب میں کوئی چاپ نہیں ابھری تھی۔ متلاشی نگاہوں کے ساتھ گردنیں بھی ادھر اُدھر گھومیں۔ ایک سال میں ڈسٹنکشن لینے والوں کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی۔ کب ہمارے میڈل کا اعلان ہوگا، کب ہم اسٹیج پر جائیں اور جو پانچوں سال ڈسٹنکشن لے، جس کے لیے مہمانِ خصوصی خود انعام لے کر بیٹھا ہو، وہ تقریب سے غیر حاضر۔؟

وہ نہ تو کسی کو ہرانے آئی تھی نہ ہی جیتنے، بس اسے تو سنگلاخ پتھروں پر مرہم رکھنے تھے، اس تقریب کی ساری خوشی رات لگنے بے بنیاد الزام میں کافور ہوئی، خود پر بجنے والی ہر تالی نے دل میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ میڈلز اور ڈگری تو بعد میں آفس سے بھی لی جا سکتی تھی پھر اس تقریب میں خود پر تالیاں بجوا کر کیا مل جاتا۔ وہ اس میں سرے سے آئی ہی نہیں، حاضرین کی بے چینی، چہ مگوئیاں روکنے کے لیے اسپیکر سے دوسرے نام گونجنے لگے۔ ڈاکٹر ہادی کچھ سوچتے ہوئے خاموشی سے اٹھ کر دروازے کی سمت بڑھا۔

فون پر مسلسل بیل جا رہی تھی مگر ریسیو نہیں کیا جا رہا تھا۔ ہادی کی جھنجھلاہٹ میں پریشانی گھل گئی، اس کے قدم خود بخود گرلز ہاسٹل کی جانب تیزی سے بڑھنے لگے وہ ابھی کچھ فاصلے پر تھا جب سیاہ چادر میں لپٹی خجستہ ہینڈ بیگ کہنی میں ڈالے، اپنا ٹرالی بیگ گھسیٹتے ہوئے کالج کے ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ......!''

''جہاں سے آئی تھی، وہاں۔'' وہ بنا رکے بولی۔

''سب بیچ میں چھوڑ کر، ایسے کیسے جا سکتی ہیں...... میرا مطلب وہ کانویکشن......؟''

وہ رکی، مڑی اور ٹھوس لہجے میں بولی۔ ''جس مقصد کے لیے آئی تھی وہ پورا ہو چکا ہے...... ڈگری میں لے لوں گی، نو پرابلم۔''

''لیکن......'' اُس کے لہجے میں کوئی التجا سی ابھری۔ ''کل جو کچھ ہوا میں اس کی معذرت کرتا ہوں، بہت مین حرکت کی اطہر نے...... لیکن ایک کی سزا دوسرے کو کیسے دے سکتی ہیں آپ، ڈاکٹر خجستہ......؟''

اس نے ٹرالی بیگ کا ہینڈل چھوڑ کر بازو سینے پر لپیٹے پھر اٹل انداز میں بولی۔

''دیکھیں ڈاکٹر ہادی! میں ایک پہاڑی لڑکی ہوں، وہ پہاڑ جو زمین کی میخیں ہیں۔ یہ پہاڑ اپنے سلسلوں میں گڑے رہیں تو قیمتی رہتے ہیں۔ سلسلوں سے ہٹی پہاڑیاں، لوگوں کے لیے ایک تفریحی مقام سے زیادہ کچھ نہیں...... اور آپ تو جانتے ہی ہیں، تفریحی مقام پر گند ڈالنا بھی ہمارا ایک کلچر ہے۔''

بازو کھول کر اس نے اپنے بیگ کا ہینڈل تھاما، چادر ماتھے کی جانب سرکائی۔ ''اور رہی بات ڈاکٹر اطہر کی، تو ان کا شکریہ ادا کر دیجیے گا، فیصلہ کرنے میں انہوں نے آسانی کر دی...... آپ جیسے قابل ڈاکٹر کو بہت سی خجستہ مل جائیں گی، لیکن ان پہاڑوں پر رہ جانے والی ہر خجستہ کے آگے میرا خود غرض فیصلہ دیوار چُن دے گا...... مجھے اپنی نسل کے آگے دیوار نہیں چننی...... سو پلیز۔''

وہ بیگ گھسیٹتی تیز تیز آگے بڑھی، پہیوں کی رگڑ ہادی کو اپنے دل پر محسوس ہوئی تھی۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر امروز لالہ اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ وہ رات کو ہی انہیں آنے کا کہہ چکی تھی۔ ہادی کا جی چاہا وہ آگے بڑھے، لالہ سے ان کے گھر کا ایڈریس پوچھے، اپنا بتائے مگر پاؤں زمین سے چپک سے گئے تھے۔ وہ خاموش نگاہوں سے دیکھتا رہا اور ٹیکسی گرد اڑاتی نگاہوں سے دور، بہت دور بھاگتی چلی گئی۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

امبر خالد

قادر بولا کہانی سے

"تو کھینچ میری فوٹو تو کھینچ میری فوٹو تو کھینچ میری فوٹو پیا۔"

فل والیوم میں بجتے گانے پہ ماہی اپنے گرد و پیش سے بے خبر تھرکنے میں محو تھی۔ تو ین بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ دراصل یہ کل کی تقریب کے لیے کی جانے والی خصوصی تیاری کا حصہ تھا۔ جس کی پریکٹس پچھلے دو دنوں سے بڑی شد و مد سے جاری تھی۔ معاً" ماہی کے فوٹو کھینچنے کا اشارہ دیتے ہاتھ تھم گئے۔ کیونکہ کسی نے سی ڈی پلیئر آف کر دیا تھا۔ ماہی نے جھنجلا کر مڑ کر دیکھا تو تیوریوں پر بل ہی نہیں، چہرہ بھی نوے ڈگری کا زاویہ بنانے لگا۔

"کیا مصیبت ہے تمہیں؟" ماہی نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کڑے تیوروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"دو دن سے تمہاری دہائیاں سن رہا ہوں، سوچا آج تمہاری یہ دیرینہ خواہش پوری کر ہی دوں..... یہ لو۔" سنی نے بڑی پھرتی کے ساتھ ہاتھ میں پکڑے ڈیجیٹل کیمرے کی مدد سے ماہی کی دو، تین زاویوں سے تصویریں اتار لیں۔ ماہی ہکا بکا سی کھڑی سنی کی اس کارروائی پر کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکی۔

"ہاؤ ڈیر یو۔" تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آیا تو وہ زخمی شیرنی کی مانند اس پر پل پڑی بلکہ کیمرے پہ پل پڑی۔

"ارے... رے... رے اتنی اتاؤلی کیوں ہو رہی ہو۔ لو میں خود دکھاتا ہوں تمہارے شاہکار۔" سنی نے اس سے اپنا کیمرہ بچانے کے لیے اپنا کیمرے والا ہاتھ بلند کر لیا تھا اور محض پانچ فٹ دو انچ کے قد کی حامل ماہی اس چھ فٹ سے بھی نکلتے ہوئے قامت رکھنے والے کا مقابلہ کیسے کر پاتی سو دل مسوس کر رہ گئی۔

"یہ دیکھو۔" اس نے کیمرے میں ماہی کو اس کی تازہ بہ تازہ تصویریں دکھائیں۔ پسینے میں شرابور، دوپٹا برائے نام کندھے پر جھولتا ہوا، دو رنگ کے کپڑوں میں ملبوس، ڈانس کے دوران سر کو مسلسل دائیں بائیں جنبش دینے کی باعث بالوں کا قبلہ بھی مختلف سمتوں میں بٹ گیا تھا۔ مجموعی طور پر اس کا حلیہ اس وقت ان کے گھر کے کاموں پر مامور ماسی سروری سے مشابہہ تھا۔

سنی جانتا تھا کہ ماہی تصویروں کے معاملے میں کتنی حساس تھی۔ وہ کبھی بھی سوتے جاگتے، برش کرتے اور کچن میں کام کرتے ہوئے فضول سی تصویریں کھنچوانے کی قائل نہیں تھی۔ ہمیشہ نک سک سے تیار اور اگر تیار نہ بھی ہو تو کم از کم حلیہ اتنا معقول ضرور ہو کہ کسی کو دکھانے میں شرمندگی محسوس نہ ہو، جب کہ سنی کی اس وقت کھینچی گئی تصاویر میں کھلے منہ اور بند آنکھوں کے ساتھ وہ اتنی ہونق تو ضرور لگ رہی تھی کہ دیکھنے والے کی ہنسی چھوٹ جائے۔

"سنی! بدتمیز انسان! فوراً" ڈیلیٹ کرو اسے ورنہ میں تمہارا حشر خراب کروں گی۔" ماہی کا غصے سے برا حال تھا۔

"ڈیلیٹ...؟ ارے پاگل! میں تو اسے خاندان کے چیدہ چیدہ افراد کو واٹس ایپ کروں گا۔" وہ دل جلانے والا قہقہہ لگا کر بولا اور اس سے پہلے کہ ماہی کیمرے پر جھپٹتی وہ کیمرہ لے کر یہ جا وہ جا۔

"دیکھا تم نے اپنے بھائی کو؟ اول درجے کا کمینہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شخص۔" ماہی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کچا چبا جائے۔

"روز ہی دیکھتی ہوں تمہارے اور ان کے تماشے۔" نوین نے بے زاری سے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ اب کہاں کی پریکٹس اور کیسی تیاری' وہ بھی واش روم میں گھس گئی باتھ لینے۔

✡ ✡ ✡

اوپر والے پورشن میں تایا جی کے بڑے صاحبزادے عبداللہ کی شادی تھی۔ کل مایوں کی تقریب تھی اور چونکہ گھر میں پہلی شادی تھی لہٰذا خاندان بھر کی لڑکیاں یکجا ہو کر خوب غل غپاڑہ مچائے ہوئے تھیں۔ شادی بیاہ کے گانوں کی بھرپور ریہرسل کی جارہی تھی۔ ماہی اور شمسہ پھپھو کی صاحبزادی ماریہ' دونوں ہر گیت کی ٹانگ توڑنے پر مصر تھیں۔ جس پر احتجاجاً "نوین صاحبہ ڈھولک کو ایک جانب پٹخ کر کھڑی ہو گئیں اور کمرے سے نکلنے کے لیے دروازے کی چٹخنی گرا کر جوں ہی دروازہ کھولا' چار لڑکوں پر مشتمل ٹولہ سرعت سے اندر داخل ہو گیا اور اس ٹولے کی رہنمائی کرنے والا سنی کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

چونکہ یہ خالصتاً "زنانہ" محفل تھی اسی لیے ان تمام لڑکیوں نے کمرے میں لڑکوں کا داخلہ ممنوع قرار دے کر دروازہ اندر سے مقفل کر رکھا تھا۔ حالانکہ سنی نے اپنے ہی بھائی کی مایوں اور رت جگے کی محفل سے یوں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکالے جانے پر گھر کی خواتین کا ناطقہ بند کر رکھا تھا' مگر سوئے قسمت کہ امی اور چچی جان وغیرہ سب ہی ان ظالم کزنز کی ہمنوا ہو گئیں' مگر بھلا ہو نوین کا جس نے عین اس موقع پر دروازہ کھولا جب سنی اپنے تینوں کزنز کے ہمراہ دروازے کی ناب پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔

"اے... تم لوگ کیا مکھی بن کر دروازے سے چپک گئے تھے جو دروازہ کھلتے ہی اندر گھس آئے۔" ماہی نے خشمگیں نظروں سے چاروں کو گھورا۔

"شرم نہیں آتی اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں کے بیچوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گھسے چلے آئے‘ چلو نکلو پتلی گلی سے۔" ماہی نے ان سب کو انگلی کے اشارے سے باہر کا راستہ دکھایا۔

"پہلے آپ یہاں سے پتلی گلی دریافت کر کے دکھائیں۔ ہم ابھی چلے جائیں گے۔" سنی کا خالہ زاد عمیر دوبدو بولا۔ ماہی غصے سے بل کھا کر رہ گئی۔

"چلو بھئی لڑکوں! شروع ہو جاؤ۔" سنی نے ڈھولک اٹھائی اور تینوں لڑکوں کے ہمراہ ایک کونے میں اپنی محفل جمالی۔

"میرے انگنے میں تمہارا کیا کام ہے‘ جو ہے نام والا وہی تو بدنام ہے۔" سنی نے تان اٹھائی تو وہ تینوں بھی اس کے ہم آواز ہو گئے۔

"جس کی بیوی موٹی اس کا بھی بڑا نام ہے۔" سنی نے اپنی خالہ زاد ارم کی جانب اشارہ کیا جو قدرے فربہ تھی۔

"بستر پر لٹا لو گدے کا کیا کام ہے۔" ارم کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا۔

"جس کی بیوی دبلی اس کا بھی بڑا نام ہے‘ جس کی بیوی دبلی" سنی نے اب کے ماہی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تک بندی کی۔

"ارے جس کی بیوی دبلی اس کا بھی بڑا نام ہے‘ جھاڑو میں لگالو تنکے کا کیا کام ہے۔" سنی کی اس تک بندی پر جہاں لڑکے اش اش کر اٹھے وہیں لڑکیاں بھی منہ پر ہاتھ رکھے کھی کھی کرنے لگیں۔ ماہی نتھنے پھلائے خونخوار انداز میں اس کی جانب بڑھی اور سنی سے ڈھولک جھپٹ کر لے آئی۔

سنی کا ایک کزن لپک کر باہر گیا اور کچن سے آٹے کا تسلا لے آیا۔ جوں ہی لڑکیوں نے گانے کے لیے اسٹارٹ لیا تو لڑکوں نے بے ہنگم انداز میں تسلا بجانا شروع کر دیا۔ تسلے پر جب مردانہ ہاتھ پڑے تو اس کے بلند ہوتے شور میں ان کی ڈھولک کی تھاپ دب کر رہ گئی۔

"گڑبڑ گڑبڑ‘ ہاں گڑبڑ گڑبڑ" سنی نے شمیتا سین کے گانے "دلبر دلبر" پر بنائی ہوئی سکندر صنم کی مشہور زمانہ پیروڈی گانی شروع کر دی۔ لڑکوں کی بے سری آوازیں اور تسلے کا بے ہنگم شور لڑکیوں کو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑ گئے۔

"گڑبڑ گڑبڑ گڑبڑ ہاں گڑبڑ گڑبڑ
ماہی نے ہماری باسی دال کھلائی
جب سے کھائی پیٹ میں
ہو گئی گڑبڑ ہاں ہو گئی گڑبڑ"

ماہی اس کی اس خود ساختہ ترمیم پر جی جان سے کھول اٹھی۔ اس نے ایک نظر لوٹ پوٹ ہوتی غدار کزنز پر ڈالی اور تن فن کرتی وہاں سے نکل گئی۔

یہ کوئی آج کی بات نہ تھی۔ دونوں کے پورشنز اوپر نیچے ہونے کے باعث ان کی یہ خانہ جنگی بچپن سے ہی چلی آ رہی تھی۔ دونوں کا آپس میں "ٹام اینڈ جیری" والا بیر تھا اور اب اس میں کون "ٹام" تھا اور کون "جیری" یہ تو آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہو گا۔

☆ ☆ ☆

عبداللہ کی شادی کا ہنگامہ سرد ہوا تو معمول کی زندگی پھر سے رواں دواں ہو گئی۔ وہی کالج‘ وہی گھریلو کام کاج اور وہی ٹام اینڈ جیری مطلب کہ ماہی اور سنی کی جھڑپیں۔۔۔ اور اسی دوران گھر میں اچانک ایک نیا شوشا چھوٹا۔۔۔ جی وہی شوشا۔۔۔ دو لڑتے ہوئے پرندوں کو ہمیشہ کے لیے لڑنے کا قانونی اجازت نامہ عنایت کرنے کا۔ ماہی نے سنا تو اپنا سر پکڑ لیا اور سیدھی ماں کے حضور جا پہنچی۔

"اماں! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ آپ میرا رشتہ اس اسٹوپڈ اور ال مینرڈ شخص سے طے کر رہی ہیں۔"

"ہاں تم نے بالکل صحیح سنا ہے اور یہ ذرا اپنی زبان کو لگام دو۔" اماں نے چشمے کو ناک کی پھننگ پر رکھ کر اس کے پیچھے سے گھورا۔

"اماں! آپ جانتی ہیں میری بچپن سے آج تک کبھی نہیں بنی سنی سے‘ پھر بھی۔۔۔" بولتے بولتے اس کا گلا رندھ گیا۔

"ارے پاگل! ایسا ہی ہوتا ہے۔ پہلے نفرت‘ لڑائیاں۔ بعد میں سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔" اماں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے سمجھایا۔

ان کے اس تجزیے پر وہ کھول اٹھی۔

"افسانوں اور ناولوں میں ایسا ہوتا ہو گا پر میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی سن لیں آپ۔" ماہی پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی۔

✵ ✵ ✵

ماہی ہاون دستے میں مسالا جات کو سنی سمجھ کر شدومد سے کوٹنے میں مصروف تھی۔ ساتھ ہی سوچوں کا لامتناہی سلسلہ بھی جاری و ساری تھا۔ اسے رہ رہ کے سنی کے پروپوزل پر تاؤ آرہا تھا اور اپنے خاندان کے بزرگوں پر بھی۔

ارے کیا ضروری ہے کہ جہاں خاندان میں دو دشمن پائے جاتے ہوں انہیں پکڑ کر یکجا کر دیا جائے۔ یہ تو طے تھا کہ اماں کا بیان کردہ قدیم کلیہ اسے ہر حال میں ناکام بنانا تھا۔ "مگر کیسے؟" یہ ہی سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹا جا رہا تھا اور وہ اول درجے کا واہیات انسان اس نے کیسے رشتہ لانے دیا اپنے ماں باپ کو 'گھنا' میسنا کہیں کا۔"

"ماہی ارری او ماہی! کم بخت 'مسالا کوٹ رہی ہے یا پورا گھر مسمار کر رہی ہے۔ اتنی زور زور سے ضربیں لگا رہی ہے مانو سر پر ہتھوڑے برس رہے ہوں۔" اماں صحن میں رکھے تخت پر لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔

"اماں آپ بھی ناں! جب ڈھیرے ڈھیرے کوٹوں تو کہیں گی ناشتا نہیں کرتی کیا؟ جان نہیں ہاتھوں میں؟ اب جان لگا رہی ہوں تو وہ بھی برداشت نہیں۔" ماہی نے غصے سے ہاون دستے کو پرے کھسکایا۔

"ہاں تو ہر کام اعتدال کے دائرے میں کیا جائے تو ہی بہتر انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ کل ہی میں ایک ناول پڑھ رہی تھی 'یہ ہی بات مصنفہ نے اپنے ناول کے ذریعے قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ کیا نام تھا بھلا۔" اماں نے رائٹر کا نام دیکھنے کے لیے تکیے کے نیچے دبا ڈائجسٹ کھینچ کر نکالا۔

"اماں بس کریں' مجھے کوئی دلچسپی نہیں ان نام نہاد رائٹرز کے نام جاننے میں' ان ہی کی بدولت آپ کے دماغ میں وہ فارمولے والا خناس سما گیا ہے۔ نفرت + جھگڑے = محبت۔ اونہہ 'مائی فٹ۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا بس زیادہ ٹر ٹر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب سمیٹ کر رکھ اور چھت سے سوکھے کپڑے اتار کر الماری میں سلیقے سے جما دے۔ توبہ' پیر کا درد صحیح کرنے لیٹی تھی الٹا سر میں بھی درد ہو گیا اس لڑکی کی ٹھو کا ٹھاکی سے۔" اماں بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ محو استراحت ہو گئیں۔

"ہے تو آپ ہی کو شوق اس ٹھو کا ٹھوکی کا' ورنہ اس چوپر گرائنڈر کے دور میں کون پوچھتا ہے ہاون دستے کو۔" ماہی نے تلملا کر کہا۔

"پھر شروع ہو گئی۔" اماں نے لیٹے لیٹے ہی جھک کر اپنی چپل اٹھائی۔ اس سے پہلے کہ اماں کی چپل — میزائل کی طرح اڑتی ہوئی اس کے سر پر لگ کر اس کے خیالات کا تیا پانچہ کرتی' وہ پھرتی سے چھت کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ چھت پر پہنچی تو سنی کو کبوتروں کے ساتھ مصروف دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"لوگ کتنے گھنے' میسنے ہوتے ہیں' مجھے اب پتا چلا۔" ماہی نے الگنی سے کپڑوں کو بے دردی سے کھینچ کر اتارتے ہوئے کہا۔

سنی نے مڑ کر اسے دیکھا اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "اچھا! مگر مجھے تو بہت پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔"

"تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تم جیسے کبوتر باز سے شادی کر لوں گی۔" اب کہ ماہی نے صاف صاف اس سے بات کرنے کی ٹھانی۔

"اور تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تم جیسی سوکھی کاکڑی اور کالی بندریا سے شادی کر لوں گا۔" اس نے ماہی کے اسمارٹنس اور سلونے' پرکشش روپ پر چوٹ کی۔

"اچھا آآ۔ تو پھر اپنے ماں' باپ کو رشتہ لے کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھیجنے کا تمہارا مقصد؟" ماہی نے کپڑوں کا ڈھیر پلنگ پر پٹخا اور اس کے دوبدو ہو کر بولی۔

"ویسے تو تمہیں میرے ماں' باپ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ تم جیسی معمولی شکل و صورت والی کے لیے اپنے اتنے ہینڈسم سپوت کا رشتہ دیا ہے تم لوگوں کو' مگر تم سے ایسی امید کہاں' اونہہ۔۔۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔" سنی نے طنز بھری مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔

"او ہیلو مسٹر ثناء اللہ!" ماہی نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ جانتی تھی کہ اسے اپنے اس بزرگانہ سے نام سے کتنی چڑ تھی۔ اسی لیے اس نے اپنا نام مختصر کر کے سنی رکھ لیا تھا اور ماہی اس کی اس کمزوری سے کیونکر نہ فائدہ اٹھاتی۔

"شٹ اپ! بڑا ہوں تم سے' کچھ ادب لحاظ کر لیا کرو' مگر نہ جی' جب بد لحاظی گھٹی میں پڑی ہو تو چاہے اخلاقیات کے جتنے سبق رٹوا لو چکنے گھڑے کی طرح سب پھسل جاتے ہیں۔" سنی لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا نچا کر بولا۔

"او ہو! تم نے تو جیسے اخلاقیات میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے' ہے نا؟" ماہی دوبدو بولی۔ "اور سنو' یہ سیاسی لیڈروں والی حرکتیں ترک کرو سمجھے' ایک طرف تو مجھ سے چھتیس کا آکڑا پال رکھا ہے اور دوسری جانب اپنے والدین کو میرے رشتے کے لیے بھیجتے ہو' حد ہوتی ہے منافقت کی بھی۔"

"او میڈم! خوش فہمیوں کی جنت سے باہر آجاؤ۔ میرے اماں' ابا نے میری مرضی جانے بغیر یہ قدم اٹھایا ہے' جس کا خمیازہ وہ خود بھگتیں گے اور تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔" اس نے "میں" کو خوب چبا کر اور شہادت کی انگلی اپنے سینے پر ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "میں بھیجوں گا اپنے ماں' باپ کو تمہارے گھر؟ تم سے شادی کرنے سے تو اچھا ہے کہ میں سامنے والی رقیہ سے شادی کر لوں' لاکھ درجے بہتر ہے تم سے۔۔۔"

سنی کی بات پر ماہی کا منہ صدمے سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سامنے گھر میں رہنے والی رقیہ۔۔۔ جس کے سامنے کے چار دانت منہ بند کرنے پر بھی نچلے ہونٹ پر دھرے رہتے تھے۔ سر پر گنتی کے بال اور رنگ کوے سے شرط لگاتا ہوا۔

"اوہ اچھا آ آ آ۔۔۔" وہ اس کے وار سے سنبھل کر بولی۔ "چلو اچھا ہوا' تم نے اپنے جوڑ کی لڑکی خود ہی ڈھونڈلی واہ بھئی! پرفیکٹ میچ ہے۔ میں ابھی تائی اماں کو جا کر بتاتی ہوں کہ آپ غلط جگہ رشتہ لے کر آ گئی ہیں' آپ کا بیٹا تو اپنے جیسی لڑکی رقیہ کے فراق میں مرا جا رہا ہے۔" ماہی کے کیے گئے کاری وار پر سنی کو پتنگے تو بہت لگے مگر وہ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ماہی کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تو وہ پیچھے سے ہانک لگا کر بولا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ بتا دینا اور یاد رکھنا' میں مرتے دم تک لڑوں گا' اس شادی کو روکنے کے لیے' سمجھیں۔ یہ شادی کبھی نہیں ہو گی۔ لکھ کر رکھ لینا۔"

"آمین ثم آمین۔" ماہی بلند آواز سے کہہ کر نیچے اتر گئی۔

✲ ✲ ✲

"تائی امی کے پورشن میں دو دن سے ٹینشن نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ باپ' بیٹے میں عجیب رسہ کشی جاری تھی۔ باپ نے جانے کن وقتوں میں بالا ہی بالا اپنے بھائی سے عہد و پیماں باندھ لیے تھے۔ کچھ روز پہلے کیے گئے اس انکشاف نے سنی کا سکون تہہ و بالا کر ڈالا تھا اور تب سے ہی تائی اماں چکی کے دو پاٹوں کی مانند باپ' بیٹے کے درمیان پس رہی تھیں۔ تائی اماں کو تو کوئی اعتراض نہ تھا۔ گھر کی بچی تھی' سگھڑ بھی تھی' بس یہ تھا کہ اس کی سنی سے بالکل نہیں بنتی تھی۔

باپ کی ہٹ دھرم طبیعت کے آگے سنی کی دال گل کر نہ دے رہی تھی۔ وہ ہر حربہ آزما رہا تھا۔ دو دن قبل اس نے گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دی تو تایا ابا بڑے آرام سے بولے۔

"ٹھیک ہے' جیسی تمہاری مرضی' جاؤ شوق سے جاؤ' کوئی نہیں روکے گا تمہیں۔ انٹر کی واجبی سی ڈگری

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے لے کر ڈگر ڈگر گھومو گے تو چار دن میں ہی نانی یاد آجائے گی۔ کیونکہ سپر اسٹور جو میں نے تمہیں کھلوا کر دیا ہے وہاں تو میں تمہیں بیٹھنے دوں گا نہیں۔ جو کرنا اپنے بل بوتے پر کرنا اور وہاں ساری زندگی پلٹ کر مت آنا۔ اگر ایک بار گھر سے باہر قدم نکالو گے تو میرے جنازے کو کندھا دینے بھی نہیں آؤ گے‘ سمجھے۔" دھیمے مگر سرد لہجے میں کہتے ہوئے تایا ابا اس لمحے بڑے سفاک لگے۔

سنی کا گھر چھوڑنے کا ارادہ پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس سے اگلے دن اس نے خودکشی کی دھمکی دی تو فرمانے لگے۔

"کیا لا کر دوں صاحب زادے کو؟ کیا کھانا یا پینا پسند فرمائیں گے؟ زہر‘ ٹائی فون یا پھر کافور کی گولیاں؟ سنا ہے کافور کی گولیوں کا سفوف بنا کر پھانکنا بڑا مجرب ہے۔ انسان لمحوں میں عالم بالا پہنچ جاتا ہے۔ جاں کنی کے عذاب سے بچ جاتا ہے۔ ویسے سنا تو یہ بھی ہے کہ حرام موت مرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی اور وہ تاقیامت اسی طرح اپنے آپ کو مارتا رہتا ہے‘ جس طرح دنیا میں اس نے خود کو ختم کیا تھا۔ پھر بھی تمہیں یہ سب کر کے اپنے رب کو خفا کرنا ہے‘ اپنی آخرت برباد کرنی ہے تو تمہاری مرضی‘ سب کو اپنی اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا خود جواب دینا ہے۔"

تایا ابا کے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کھینچے گئے نقشے سے سنی کو تھرتھری لگ گئی۔ یہ نہیں تھا کہ تایا ابا کو اپنے بیٹے کی زندگی عزیز نہیں تھی‘ تب ہی وہ یوں لاتعلقی برت رہے تھے۔ بس ان کا سمجھانے کا انداز ذرا جداگانہ تھا۔ نہ بحث‘ نہ منتیں‘ نہ کسی قسم کی کوئی تاویلیں‘ سیدھی سلنگ دوٹوک بات‘ جو سیدھی ان کی اولادوں کے بھیجے میں داخل ہو کر اپنا آپ منوا کر ہی دم لیتی۔ اب بھی ایسا ہی ہوا۔ سنی کے مزاحمت کے سارے ارادے ریت کی دیوار ثابت ہوتے چلے گئے اور اس نے سابقہ تمام ارادوں کی طرح اس ارادے پر بھی فاتحہ پڑھ لی۔

☼ ☼ ☼

اوڈیڈی کول کول کول
میرا بیٹا فول فول فول
او بگڑے دل شہزادے کم عمر کی دلہن لا دوں گا
شادی ہے بربادی یہ نعرے میں لگوا دوں گا
باپ ہوں منڈے تیرا‘ تجھے گھوڑی پہ چڑھوا دوں گا
نہیں چڑھوں گا گھوڑی‘ میں سولی پہ چڑھ جاؤں گا

نوین کیبل پر چلنے والے شاہ رخ کے اس گانے سے اپنے گھر کی صورت حال کے حساب سے لطف لے رہی تھی اور مسکراہٹ دبائے ”گا ہے بگا ہے بھائی اور باپ پر نظر ڈال رہی تھی۔ سنی نے بھی دزدیدہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔ تایا ابا نے جزبز ہو کر اخبار ایک جانب پٹخا اور بلند آواز میں دہاڑے۔

"بند کرو ٹی وی‘ ہر وقت گانے فلمیں۔ نماز‘ روزہ تو ہوتا نہیں تم لوگوں سے‘ ٹی وی چوبیس گھنٹے دکھوا لو‘ ناہنجار کہیں کے۔" تایا ابا تن فن کرتے باہر نکل گئے۔

نوین نے برا سا منہ بنا کر ٹی وی بند کر دیا اور سنی کے نزدیک آکر بیٹھ گئی۔ "بھائی! چھوڑ دو نا بے جا ضد‘ دیکھو نا گھر کا ماحول کیسا کشیدہ رہنے لگا ہے۔ ہماری فقط چار ماہ پرانی بھابھی‘ بھی کتنی ہراساں ہو رہی ہیں‘ اس تمام صورت حال سے۔ کتنے ارمان تھے میرے کہ اپنے آخری بھائی کی شادی پر اتنا ہنگامہ کروں گی کہ وہ لمحے ہمیشہ کے لیے امر ہو جائیں گے۔ مگر یہاں تو دولہا ہی ساری دنیا سے ناراض بیٹھا ہے۔ شادی میں کیا خاک انجوائے منٹ ہو گی۔"

"تمہیں انجوائے منٹ کی پڑی ہے؟ اور یہاں میری پوری زندگی برباد ہونے جا رہی ہے۔ واہ اچھی بہن ہو تم۔" اس نے خفگی سے بہن کو دیکھا۔

"ارے خدانخواستہ کیوں برباد ہونے جا رہی ہے آپ کی زندگی؟ ایسی بھی کیا برائی ہے ماہ رخ میں؟ جانے کیوں آپ دونوں نے بیر پال رکھا ہے ایک دوسرے سے‘ کوئی وجہ بھی تو ہو ناپسندیدگی کی‘ ایویں بچوں کی طرح لڑتے رہتے ہیں۔ اچھا ایک بات بتائیں۔" نوین نے سنی کے ہاتھ تھام کر کہا۔

"کیا بتاؤں؟" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"آپ تمام جھگڑے لڑائیاں سب ایک طرف رکھ دیں اور پوری دیانت داری سے جواب دیں کہ کیا خامی ہے ماہ رخ میں۔ پُرکشش نہیں ہے' گھریلو معاملات میں طاق نہیں ہے۔ سب کا خیال تن دہی سے نہیں کرتی یا باکردار نہیں ہے۔" نوین نے بھائی کے چہرے کو ٹٹولا۔

"باکردار نہیں؟" سنی نے اس کی آخری بات پر چونک کر کہا۔ "تم نے یہ بات منہ سے نکالی بھی کیسے' اس کا کردار تو کھلی کتاب ہے۔ بالکل شفاف چشمے کے پانی کی مانند۔" سنی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو پھر؟" نوین نے ابرو اچکا کر کہا۔

"بھئی وہ میری عزت نہیں کرتی نا! دیکھا نہیں تم نے' وہ کس طرح مخاطب ہوتی ہے مجھ سے۔" وہ واپس اپنی جون میں لوٹ آیا۔

"اچھا! اور آپ کیسے مخاطب ہوتے ہیں اس سے؟ کبھی غور کیا آپ نے اپنے رویے پر؟ آپ اس سے پیار محبت سے بات کریں تو وہ کیوں خونخوار بلی کی مانند پنجے جھاڑ کر آپ کے پیچھے پڑے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ گیو اینڈ ٹیک' دنیا کچھ لو کچھ دو کے اصولوں پر ہی چلتی ہے۔ جیسا رویہ آپ کسی سے روا رکھیں گے ریٹرن بھی آپ کو یقیناً ویسا ہی ملے گا۔"

نوین نے تھوڑا توقف کیا اور پھر گویا ہوئی۔ "تو پھر میرے پیارے بھائی! یہ فضول کی ضد چھوڑیں۔ اس سے آپ اباجی کو کیا خاک پریشرائز کریں گے۔ الٹا اباجی آپ کا ہر وار ناکام بنا رہے ہیں۔ اب یہ ہی دیکھ لیں آپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا کہ یہ شادی نہ ہو اور انہوں نے بجائے آپ کی بات پر کان دھرنے کے' سال بھر بعد طے ہونے والی شادی کو دو ماہ کی قلیل مدت میں طے کر دیا ہے۔" اس نے شرارت بھری ہنسی کے ساتھ سنی کے بال بگاڑ دیے اور سنی کو سوچ کی ایک نئی راہ دکھا کر امی کی پکار پر نیچے چلی گئی۔

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جوں ہی دروازہ کھول کر حجلہ عروسی کے اندر داخل ہونا چاہا۔ کرسٹل کا نازک سا شوپیس اس کے قدموں میں آکر جام شہادت نوش فرما گیا۔ وہ چونک کر اس انوکھے استقبال کی وجہ دریافت کرنے ہی لگا تھا اور سوچ کے گھوڑے بہ مشکل دو قدم ہی چلے ہوں گے کہ دودھ سے بھرا مگ اس کے سر پر انڈیل دیا گیا۔

دودھو نہاؤ' پوتو پھلو کا مقولہ تو اس نے بارہا سن رکھا تھا۔ مگر آج اس کی عملی تفسیر بھی دیکھ لی۔ سنی نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دروازے سے باہر دیکھا کہ اس کی اس عزت افزائی کو کوئی انجوائے تو نہیں کر رہا۔ مگر وہاں مکمل سکوت دیکھ کر اس کے منہ سے ایک طمانیت بھری سانس خارج ہوئی اور پھر جلدی سے دروازہ بند کر کے اس بپھری شیرنی کو دیکھا جو اب ہاتھ میں تھامی مٹھائی کی پلیٹ کو گندے انڈے اور ٹماٹر سمجھ کر اس پر پھینکنے کی تیاری کر رہی تھی۔ مگر سنی کی بروقت پھرتی نے دلہن بنی ماہی کی اس کارروائی کو ناکام بنا دیا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے ماہی؟" سنی آواز میں ذرا رعب و دبدبہ پیدا کرتے ہوئے دہاڑا۔

"پاگل پن تم نے ابھی دیکھا کہاں ہے میرا۔ ذرا رکو تو..." اس نے چیل کی طرح جھپٹ کر اس کی بھیگی شیروانی کے گریبان پر حملہ کیا۔

سنی کو واقعتاً اب تپ چڑھنے لگی تھی۔ اس نے ماہی کے دونوں ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے کر اس کی خونخوار آنکھوں میں جھانکا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ بالکل جاہل' اجڈ لگ رہی ہو اس طرح بی ہیو کرتے ہوئے۔ سیدھی ہو جاؤ' ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا میں۔" سنی کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"اس سے زیادہ کیا برا کرو گے تم میرے ساتھ' تم نے کہا تھا کہ مرتے دم تک اس شادی کو ہونے سے روکو گے۔ میں مطمئن ہو گئی کہ چلو اب مجھے زیادہ ہاتھ پیر نہیں مارنے پڑیں گے۔ معاملہ تم خود ہی سنبھال لو گے۔ میں آخر تک اسی دھوکے میں رہی کہ تم کوئی نہ کوئی تدبیر لڑا لو گے' مگر نہیں۔ تم تو کچھ اور ہی سوچ بیٹھے تھے۔ تم نے سوچا ہو گا کہ شادی کر کے تم مجھے اپنا محکوم بنا لو گے۔ مجھے زیر کر کے سارے حساب چکتا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرو گے۔" بولتے بولتے اس کا تنفس بے حال ہو گیا۔

سنی سینے پر ہاتھ باندھے بنا ٹوکے آرام سے اس کی گفتگو سنتا رہا۔

"بولو نا! رک کیوں گئیں' میں بھی تو دیکھوں تمہاری قیاس آرائیاں اور کس حد تک جا سکتی ہیں اور کون سے پرانے حساب ہیں تمہاری طرف۔ جو میں چکتا کروں گا۔" اس نے ایک نظر ماہی کو دیکھا جو دلہن بنی قیامت ڈھا رہی تھی اور اضطراری حالت میں نظریں دیوار پر جمائے نچلا ہونٹ بری طرح کچل رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ مذاق ہی مذاق میں کی گئی وہ چھوٹی موٹی سی نوک جھونک' تمہیں اتنا متنفر کر دیں گی مجھ سے' کہ اتنا شدید رد عمل سامنے آئے گا تمہارا' ٹھیک ہے ان معمولی باتوں پر ہونے والی جھڑپوں کے باعث میں خود بھی برگشتہ تھا اس رشتے سے' مگر ٹھنڈے دماغ سے سوچنے پر مجھے اپنے بڑوں کے اس فیصلے سے انحراف کی کوئی ٹھوس وجہ نہ مل سکی۔ سو اپنی پوری مرضی اور آمادگی کے ساتھ میں نے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے۔" سنی نے اپنی باتوں کا رد عمل اس کے صبیح چہرے پر تلاشنا چاہا جو اب سپاٹ سے تاثرات لیے اپنے حنائی ہاتھوں میں بھری چوڑیوں سے کھیل رہی تھی۔ سنی کی وضاحت نے ماہی کے دل میں بھڑکتے الاؤ پر پانی کے چھینٹوں کا سا کام کیا تھا۔

"کچھ کہو گی نہیں۔" سنی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم سے شادی سے انکار کی وجہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔" آخر کار اس نے لب کشائی کی تو قدرے پر سکون تھی۔

"پھر کیا وجہ تھی۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"تھی ایک وجہ بس' میں نے خود سے ایک عہد کیا تھا اور میں اس عہد کی پاسداری نہیں کر سکی' جس کا ملال مجھے عمر بھر رہے گا۔" وہ تاسف سے بولی۔

"کیسا عہد؟" اس کی مبہم سی بات پر سنی نے الجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"اماں کی ڈائجسٹ والی رائٹرز کا فارمولا نفرت جمع' لڑائی' انجام کار محبت کو ناکام بنانے کا۔" ماہی اسی سابقہ ٹون میں بولی۔

سنی کی رتی بھر بھی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور جب اس نے ساری بات سمجھائی تو سنی چند ثانیے تک تو اس کی شکل ٹکر ٹکر دیکھے گیا اور پھر جو ——— قہقہہ لگا کر لوٹ پوٹ ہوا تو پھر اس کے لیے ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ ماہی اس کے یوں مضحکہ اڑانے پر کھول کر رہ گئی۔

"تم اتنی سی بات پر زندگی کا فیصلہ کرنے چلی تھیں' اتنی نان سیریس ہو تم۔ حد ہو گئی بھئی۔" سنی نے تاسف سے سر کو دائیں بائیں جنبش دی۔

"میری جگہ تم ہوتے نا اور تمہاری اماں دن رات میں تمہیں ستر مرتبہ یہ ہی بات باور کرواتیں تو پھر میں تم سے پوچھتی کہ تمہیں بھی اس نام نہاد فارمولے سے چڑ ہوتی یا نہیں۔" ماہی نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"نام نہاد؟ ابھی بھی تم نام نہاد ہی کہہ رہی ہو۔ جبکہ یہ کلیہ ہم پر کلی طور پر لاگو ہو چکا ہے اور ایک اور بات ـــ" سنی نے بیڈ پر کہنیوں کے بل نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ جو رائٹرز ہوتے ہیں نا' یہ ہمارے اردگرد رونما ہونے والے حادثات و واقعات کا مشاہدہ کر کے ہی اپنی تحریریں وجود میں لاتے ہیں' اس کی زندہ مثال میری اور تمہاری صورت سامنے ہے۔ میں نے لاکھ سر پٹخا' تم نے ہزار تاویلیں گھڑیں' مگر وہ لڑنے والوں کو ایک ہونا تھا' سو ہو کر رہے۔ کیونکہ اکثریت کا غالب گمان یہ ہی ہے کہ لڑائی جھگڑے دراصل محبت کی سیڑھی پر پہلا قدم ہے' جوں جوں یہ قدم اوپر کی جانب سفر طے کرنے لگتے ہیں۔ تمام فاصلہ بتدریج پاٹتے ہوئے آخری سیڑھی پر کھڑی محبت سے جا ملتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ لڑائی دراصل محبت کی ایک شکل ہے۔ مگر شادی سے پہلے والی ہاں۔" سنی نے بات کے آخری حصے تک پہنچ کر شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے دیکھا۔

"واہ! تجزیہ تو تم ایسے کر رہے ہو جیسے بہت پڑھ رکھا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے تم نے ان رائٹرز کو۔" ماہی نے وہی پرانا انداز اپناتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو پڑھ رکھا ہے' تب ہی اتنے وثوق سے کہہ بھی رہا ہوں۔ ابن انشاء' سعادت حسن منٹو وغیرہ میرے پسندیدہ ترین مصنف ہیں' مگر تم کیا جانو۔ تم تو کورس کی کتاب ہی سال میں ایک بار امتحان کے دنوں میں کھول کر دیکھتی تھیں۔ تمہیں ادبی شخصیات کے بارے میں کہاں کوئی علم ہوگا۔" سنی نے استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

وہ دونوں نامحسوس طریقے سے پھر پٹری سے اتر گئے۔ سنی جس نے نکاح سے پہلے تک ہزار بار عہد کیا تھا کہ اب وہ اس کو ہرگز تنگ نہیں کرے گا' ایک دن بھی اپنی بات پر قائم نہ رہ سکا۔

"دو کتابیں کیا پڑھ لیں' زیادہ ہی اکڑ دکھا رہے ہو حالانکہ اکڑنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ تو تم پہلے ہی اکڑ رہے ہو شیروانی سمیت' دودھ میں نہا کر ہاہاہاہا......" ماہی نے اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پہ مارا اور اپنی ہی بات کا مزا لیا۔

"زیادہ دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شرم آنی چاہیے تمہیں' اپنے مجازی خدا کے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کرتے ہوئے۔ بہت ہی جہالت کا ثبوت دیا ہے تم نے۔" سنی نے دودھ میں اکڑی شیروانی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جاہل کس کو کہا تم نے؟ مائنڈ یور لینگویج مسٹر ثناء اللہ!" ماہی نے پھر اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا۔

"سنی' مائی نیم از سنی۔" سنی نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"میں تو ثناء اللہ ہی کہوں گی' بلکہ...... رانا ثناء اللہ ٹھیک رہے گا۔" ماہی نے چٹکی بجا کر کہا۔

"تم......" سنی غصے سے اس کی جانب لپکا تو وہ نیچے منہ کرکے اپنی ہنسی ضبط کرنے لگی۔ ماہی کی اس شرارت بھری مسکان کا بھید جان کر وہ قدرے ڈھیلا پڑ گیا اور اس کے چوڑیوں سے سجے خوب صورت ہاتھوں کو تھام کر اس کے نزدیک آگیا۔

"دیکھو سنی! تمہارے یوں نزدیک آنے سے تمہارے اندر سے اٹھتی "مسحور کن خوشبو" مجھے دیوانہ بنا رہی ہے۔ لہٰذا تم جتنی جلدی ہوسکے اس "دل فریب مہک" کو خود سے دور کرلو' ورنہ میں ہوش و خرد سے بے گانہ ہوجاؤں گی۔" ماہی نے چکرانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اسے پرے دھکیلا۔

"اس......؟" یہ ڈائیلاگ تو سراسر دولہا یعنی کہ میرے ہونے چاہئیں۔ یہ ماہی کی بچی اتنی بے شرمی سے کیوں بول رہی ہے' سنی نے سر کھجاتے ہوئے سوچا' پر جب نگاہ ماہی پر پڑی تو اس کے چہرے کے تاثرات اس کے مکالموں کے برعکس دکھائی دیے' بے انتہا ناگواریت کا تاثر لیے ہوئے۔ تب اس نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر مارا۔

"اوہ" وہ اب سمجھا۔ دودھ میں بھیگ جانے سے اس کے کپڑوں سے ناگوار سی بو اٹھ رہی تھی۔ ماہی کا اشارہ اسی جانب تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"بہت ہی عجیب ہو تم یار! سیدھی بات بھی الٹے پیرائے میں کرتی ہو۔"

"اچھا مسٹر ثناء اللہ! اب آپ اپنا حلیہ درست فرمائیں گے یا نہیں۔" ماہی نے ہاتھ کے اشارے سے اس کے سراپے کی جانب اشارہ کیا۔

"اوکے مسز ثناء اللہ!" کدورتوں کے بادل کیا چھٹے اسے اپنا نام بھی معتبر لگنے لگا۔

"یار اچھے بھلے رومانس کے بیچ یہ فضول کا بریک آگیا۔" کمرے سے ملحقہ واش روم کی جانب بڑھتا سنی پلٹ کر اس کی جانب آیا تو ماہی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ دوبارہ واش روم کی جانب کیا اور پوری قوت سے آگے دھکیل دیا۔ وہ مسکراتا' اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرتا' دھمکاتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

ایک طمانیت بھرا سانس خارج کرکے وہ آرام سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "مائی ڈیئر اماں جان! آپ اور آپ کی ڈائجسٹ والی رائٹرز کا بیان کردہ کلیہ کامیاب ٹھہرا۔" وہ چشم تصور میں اماں کو مخاطب کرکے بولی اور نظریں سامنے کھلی کھڑکی سے جھانکتے چاند پر ٹکا دیں۔ جس کی چاندنی میں وہ پور پور نہا رہی تھی۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سلویٰ سیف اللہ بٹ

سنہری دھوپ

دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلے بھائی حماد کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں، ریاض احمد جن کی بیوی رابعہ احمد ہیں اور الیاس احمد جن کی بیوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے عمیر اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ عمیر بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے، جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جب کہ عمر ایک بگڑا ہوا ضدی اور خودسر نوجوان ہے۔

الیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آنے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد ہتھیانے کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسیڈنٹ میں معذور ہوتا ہے اور اس کی بیوی مر جاتی ہے، وہ ذہنی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

مکمل ناول

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انعم اور احسن ایک خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی ہے۔ انعم کے شک کرنے پر احسن اپنا ٹیسٹ کرواتا ہے۔ انعم بہت پریشان ہے، احسن اسے تسلی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہو کر اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پازیٹیو آتی ہیں، وہ بالکل وہ بالکل نارمل ہوتا ہے۔ انعم کا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ کمی اس میں ہوتی ہے۔

الیاس احمد بنیادی طور پر لالچی آدمی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا اکھڑا رہتا ہے اور اپنے بھتیجے عمیر کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمیر اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتیں۔ عمیر اور نوال دونوں بہن بھائی دعا کو اس کی ماں کے غم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بہن اور بھانجی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ عمر کو دعا ایک آنکھ نہیں بھاتی، وہ اسے ہر وقت ذلیل کرتا رہتا ہے۔

دعا کو دیکھ کر الیاس احمد کا لالچی ذہن مختلف منصوبے بنانے لگتا ہے۔

الیاس احمد، عمر کے کہنے پر اس کے والد سے اس کے علیحدہ بزنس کی سفارش کرتے ہیں، جسے ریاض احمد سختی سے رد کر دیتے ہیں۔ عمر ان سے مزید برگشتہ ہو جاتا ہے۔

تبریز ملک اپنے معذور بھائی کی شادی اور مریم کو ان کا حصہ دے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ میں رہائش پذیر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر الیاس احمد ایک شاطرانہ منصوبہ بناتا ہے اور عمر کو اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ عمر کا رویہ دعا کے ساتھ انتہائی دوستانہ ہو جاتا ہے۔ رابعہ احمد بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، کیوں کہ انہیں مریم نے مشورہ دیا ہوتا ہے کہ عمر اور دعا کی شادی ہو گئی تو باپ، بیٹے کے درمیان فاصلے کم ہو جائیں گے۔

ریاض احمد، عمر اور دعا کی باہم پسندیدگی کو جانتے ہیں۔ اور ان کی شادی کا عندیہ دیتے ہیں، مگر رابعہ، دعا کا عمر سے شادی سے گریز اور بار بار عمر اور دعا کا تعلق سب کی نظر میں آ جاتا ہے۔ ریاض احمد کو کھیل سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ وہ عمر کو اسلام آباد برانچ کا چارج دے دیتے ہیں۔

عمیر کو دعا کا شادی سے انکار اور عمر سے تعلق کا رویہ الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ دعا بھی ممانی کی نیت کا فتور سمجھ جاتی ہے۔ مگر کم ہمتی اور کوئی اور ٹھکانا نہ ہونے کے سبب خاموش رہتی ہے۔

منصوبے کے مطابق الیاس احمد بیمار ہو کر ریاض احمد کے گھر جاتے ہیں، جہاں دعا، عمر کے کمرے سے برآمد ہوتی ہے۔ عمر گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ رابعہ کو اس سارے ڈرامے کے باوجود دعا کی پاک دامنی پر یقین ہوتا ہے، وہ عمر کو ڈانٹتی ہیں۔ ریاض احمد صدمے سے بیمار ہو کر اسپتال پہنچ جاتے ہیں اور دعا کو الیاس احمد اپنے گھر لے آتے ہیں، جہاں مریم اسے خوب لعن طعن کرتی ہے۔ دعا اپنی پاک دامنی ثابت نہیں کر پاتی، اس کے باوجود عمیر کا دل اسے قصوروار نہیں مانتا۔

الیاس احمد، مریم کے معذور بھائی کے لیے دعا کا نام پیش کرتے ہیں۔

الیاس احمد اپنی لچھے دار باتوں سے مریم اور رابعہ احمد کو دعا کی آصف سے شادی پر راضی کر لیتے ہیں۔ ریاض احمد اور

نوال کے کہنے پر عمیر، دعا کو اس کی شادی سے ایک روز قبل الیاس کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے اور اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر اس کے سوتیلے بھائی کے دروازے پر چھوڑ آتا ہے۔

اس کا سوتیلا بھائی ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ دعا گھر فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ عمر نے نمیر کو گولی مار دی ہے۔ نوکرانی اسے کہیں اور جانے کا مشورہ دیتی ہے۔ بہت بری حالت میں دعا اپنی دوست انعم کے گھر پہنچ جاتی ہے اور اسے اپنے حالات بتاتی ہے۔

دعا کے متعلق رابعہ کے اصل خیالات اور عمر کے کرتوت جان کر ریاض احمد ان سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ آصف خودکشی کر لیتا ہے۔

انعم، دعا کو اپنے گھر میں پناہ دے دیتی ہے۔ انعم کی ساس کینیڈا سے ملنے آتی ہیں۔ انہیں یہ بات پسند نہیں آتی۔ وہ انعم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور دعا کا موازنہ کرتی ہیں۔ یہ بات دعا کو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ وہ انعم کو اس کی بے اولادی کا احساس دلاتی ہیں۔ عمیر قاتلانہ حملے میں بچ جاتا ہے۔ ریاض احمد، عمیر اور نوال کی بے رخی، رابعہ احمد کو اپنی غلطیاں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عمر نشے کی حالت میں ماں سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور الیاس احمد سے بھی پیسوں کا تقاضا کرتا ہے اور سارا سچ مریم کے سامنے اگل دیتا ہے۔ دونوں کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور عمر، الیاس احمد پر فائر کھول دیتا ہے۔ عمیر، الیاس احمد کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مریم، عمیر کو عمر اور الیاس احمد کے گٹھ جوڑ اور سازش کا بتاتی ہے۔ عمر کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ تھانے میں اس پر تشدد ہوتا ہے۔ عمیر اور ریاض احمد تھانے جاتے ہیں جہاں سے رہائی پانے کی خاطر عمر انہیں سچ سچ بتا دیتا ہے۔

تبریز احمد، مریم کو اس کے حصے کی جائیداد دے کر بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔ مریم کو ان کی بے رخی بہت کھلتی ہے۔ وہ الیاس احمد سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ الیاس احمد اپنی جگہ شرمندہ ہوتا ہے۔

احسن اپنی ماں اور بیوی کو ہر ممکن روکنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ناکام رہتا ہے۔ اس کی دعا سے شادی ہو جاتی ہے۔ وہ دعا کو اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے، دعا اس نئے رشتے سے خوش ہے۔ جب کہ انعم متضاد کیفیات کا شکار ہے۔

رابعہ احمد کو عمر بہت یاد آتا ہے۔ وہ عمیر سے معافی مانگتی ہیں۔ عمیر نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی ہر خطا کو معاف کر دیتا ہے۔

الیاس احمد کی کوششوں سے عمر رہا ہو کر گھر آ جاتا ہے۔ اس کی ندامت پر سب اسے معاف کر دیتے ہیں۔ الیاس احمد اپنے اور مریم کے درمیان جاری سرد جنگ کو ختم کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

انعم، دعا اور احسن کو گھلنے ملنے کا موقع نہیں دیتی۔ اور ذرا سی بات کا افسانہ بنا کر احسن کے ہاتھوں دعا کو ذلیل کروا دیتی ہے۔ انعم، دل آرا کو بھی دعا سے بات کرنے کا موقع نہیں دیتی۔ دل آرا، احسن کو معاملہ فہمی سے کام لینے کا مشورہ دیتی ہیں۔ اپنی بے عزتی پر دعا کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

گیارہویں قسط

انعم دن میں کئی بار احسن کو کال کیا کرتی۔ کبھی بلاوجہ، جب بور ہو رہی ہوتی یا پھر اسے احسن کی یاد ستانے لگتی تب اسے کال کرنا، اس کی روٹین کا حصہ بن چکا تھا۔ اس وقت وہ بیٹھی اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ یوں بھی وہ جس تکلیف میں مبتلا تھی۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت اس سے شیئر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس کا نمبر مصروف جا رہا تھا۔ ایسا کبھی کبھار ہو جاتا تھا۔

''وہ دعا سے بات کر رہا ہوگا۔''

اس نے خود سے فرض کر لیا۔ اس کے دل میں شک سر اٹھانے لگا۔ اس کا دھیان دعا سے احسن تک میں اٹک گیا تھا۔ وہ ماں بننے والی تھی خوش تھی اسے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن اگر احسن اتنا خوش اور اتاؤلا نہ ہوتا تو وہ بھی اس خوشی کو ضرور سیلبریٹ کرتی۔ اسے لگتا کہ دعا بہت جلد کوئی ڈھونگ رچائے گی۔

اس نے تھوڑی دیر بعد پھر سے نمبر ڈائل کیا، اب کے تیسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

''السلام علیکم!'' احسن کی بشاش آواز اسے سنائی دی۔

''کس کے ساتھ بزی تھے؟'' خاصی سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''کچھ کاروباری معاملات تھے۔ تم سناؤ، فون کیا ہے کوئی خاص بات؟'' وہ اس کے لہجے کی چبھن کو نوٹ نہ کر پایا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں احسن۔'' یہ جملہ اس نے زندگی میں پہلی بار بولا تھا۔

وہ حق دق رہ گیا۔ ''نہیں میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' وہ ٹھٹکا۔ پچھلے دنوں انعم کا رویہ اتنا اچھا تھا اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پھر اتنی بڑی خوشی، وہ اس کی پژمردگی اور اداسی نوٹ ہی نہ کر پایا۔

''نہیں بس یونہی۔'' وہ جلد ہی سنبھل گئی۔

''کیا کر رہی ہو؟'' وہ بھی بات کا بتنگڑ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

''اپنے بیڈروم میں لیٹی ہوں۔ کرنے کو کچھ ہے ہی نہیں......''

اس کے روم روم میں تھکن اتری ہوئی تھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

''تم یہاں اکیلی ہو، ادھر دعا اکیلی ہوگی، تم اس کے پاس چلی جاؤ، گپ شپ کرو، اس کا دل بہلے گا، تمہاری بھی بوریت دور ہوگی، اگر خدانخواستہ اس کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تو...... تمہیں خبر بھی نہیں ہو گی۔''

اس کا محتاط لہجہ بہت سی فکریں لیے ہوئے تھا۔

''بہت ٹینشن ہو رہی ہے تمہیں اس کی۔'' انعم کو اچھا نہیں لگا تھا۔

''ٹینشن تمہیں بھی ہونی چاہیے، اتنے عرصے بعد ہمارے گھر خوشی آئی ہے، ہمیں اس خوشی کو احتیاط سے سنبھال کے رکھنا ہے۔ کسی نازک آبگینے کی طرح اس کا خیال رکھو، جاؤ اسے چیک کرو، اس نے کچھ کھایا پیا بھی ہے کہ نہیں، اسے جوس اور میڈیسن وغیرہ تم خود دیا کرو، تمہاری رسپونسبلٹی ہے کہ......''

''خدا حافظ احسن، مجھے پیاس لگی ہے۔''

بودا سا بہانا بنا کر اس کی سنے بغیر اس نے کال منقطع کر دی۔ اس نے اپنی پریشانی ٹالنے کے لیے کال کی تھی مگر اس کا دل مزید بوجھل ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہونے لگا۔

☆☆☆

ناہید دعا کے لیے چائے کے ساتھ سینڈوچ بنا کر لائی تھی۔ اس نے صبح بھی احسن کے بے حد اصرار پر صرف جوس لیا تھا۔

''بی بی جی...... اٹھیں، تھوڑا سا کھا لیں۔'' ناہید ٹرے درمیانی میز پر رکھ کے پردے ہٹانے لگی۔

''ناہید آپا پلیز پردے مت ہٹائیں۔ تیز روشنی سے میرا سر اور آنکھیں دکھتی ہیں۔'' دعا نے احتجاج کیا۔

''کچھ نہیں ہوتا بی بی! آپ نے تو یونہی دل چھوڑ دیا ہے۔ تھوڑی ہمت سے کام لیں، اٹھیں منہ ہاتھ دھوئیں، کچھ کھائیں پئیں دل کو کسی کام میں لگائیں گی تو لگے گا۔'' ناہید نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

''میرا سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔'' اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے سر کو ہاتھوں سے تھام لیا۔

''ہو جاتا ہے ایسا بھی بی بی جی! آپ چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لیں، چلیں اٹھیں۔''

وہ جو پھر لیٹ چکی تھی۔ ناہید نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اسے اٹھنے میں مدد دی۔

''میں واش روم خود ہی چلی جاتی ہوں، آپ پلیز، یہ پردے برابر کر دیں اور میرے لیے چائے بنائیں۔''

اس نے سستی سے چپل پیروں میں اڑستے ہوئے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ تیز روشنی اس کی آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی۔

''جی وہ میں کر دیتی ہوں، لیکن میں آپ کو خالی چائے نہیں پینے دوں گی، ساتھ میں سینڈوچ بھی لازمی کھانے پڑیں گے۔'' پردے برابر کرتی ناہید نے واش روم کی طرف دیکھ کر کہا ـــــ دعا اتنی تکلیف میں بھی اس کی محبت پر مسکرا دی۔

☆☆☆

احسن آفس سے پورے وقت پر اٹھ آتا یا پھر آدھا گھنٹہ قبل، وہ خالی ہاتھ کبھی نہیں آتا تھا، فروٹس، جوسز کے ڈبے کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا۔

انعم کافی خاموش سی ہو گئی تھی' وہ دل آرا سے پہلے کی طرح شکایت نہیں کر سکتی تھی۔ نہ ہی دعا اور احسن کے ساتھ جھگڑا۔ اس لیے چپ سادھ لی گئی تھی۔ لیکن یہ چپ یقیناً کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھی۔

"انعم......دعا......دعا......"

اندر داخل ہوتے ہی اس نے حسب معمول آواز لگائی۔ مگر اب اس پکار میں "دعا" نام کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جو انعم کے دل پر برچھی کی طرح لگتا تھا۔

"جی......" مُتحمل سی دعا کمرے سے نکلی۔

"کیسی ہو؟" انعم دروازہ کھول کے، بیچ چوکھٹ میں کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہوں، آپ سنائیں۔" دعا نقاہت کے باوجود مسکرا رہی تھی۔

"یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔" اس کی آواز پر جوش تھی۔ اس کے ہاتھ میں بلیک ویلوٹ کیس تھا۔

"کیا ہے؟"

"نیکلس......!"

احسن نے نیکلس کیس سے نکالا۔

"میرے لیے......" دعا حیرت زدہ رہ گئی۔

انعم کی جان لبوں تک آ گئی۔ اس نے اپنے گرتے وجود کو سنبھالنے کے لیے چوکھٹ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"ہاں تمہارے لیے لایا ہوں کئی دنوں سے مارکیٹ جانے کا سوچ رہا تھا۔" اس نے نیکلس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"بہت......بہت خوب صورت ہے۔"

اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔ وہ پہلی بار اس کے لیے کچھ لایا تھا۔

"دو میں پہنا دوں۔" اس نے نیکلس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

انعم کی آنکھیں ساکت اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ کاش وہ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر جاتی۔

"بہت مہنگا ہے احسن۔" دعا نے اپنے بال آگے کیے۔

"جو خوشی تم نے مجھے دی ہے، وہ بہت قیمتی اور انمول ہے۔ میں سوچ رہا تھا پتا نہیں تمہیں پسند بھی آئے گا کہ نہیں۔" وہ اس کے گلے میں نیکلس پہنا کے سامنے سے آ کے دیکھنے لگا۔

"آپ پہلی دفعہ کوئی چیز لائے ہیں، مجھے بھلا پسند کیوں نہیں آئے گی۔" اس نے لاکٹ ہاتھ میں لے لیا۔

"تھینک یو۔" احسن نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

"آپ بیٹھیں میں ناہید کو چائے کا کہتی ہوں۔"

دعا شرمیلی سی مسکان لبوں پر سجائے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ انعم نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

☆☆☆

عمر موبائل کی میموری چیک کرتا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ رابعہ اور ریاض احمد لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"عمر بیٹا! ذرا اوپر سے عمیر کو تو بلا کے لے آؤ۔"

وہ شوہر کا دائیں بازو دبا رہی تھیں۔

"وہ آفس ورک کر رہا ہے، اسے تھوڑی دیر لگ جائے گی اگر کوئی ضروری کام ہے تو مجھے بتا دیں۔"

وہ موبائل جیب میں ڈال کے ان کے قریب آ گیا۔

"تمہارے پاپا جان کی میڈیسنز ختم ہو گئی ہیں، وہ منگوانی تھیں۔" انہوں نے نسخہ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ اس نے باپ کو بغور دیکھتے نسخہ پکڑ لیا ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار واضح تھے۔

"پاپا جان! زیادہ پین تو نہیں ہو رہا۔" ریاض احمد نے جواب دینے کے بجائے رخ پھیر لیا۔

"انہیں تو درد کی پروا نہیں لیکن میرا دل ڈر رہا ہے کہ کہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔"

رابعہ احمد جلدی سے بول پڑیں تاکہ عمر کا دل برا نہ ہو۔

"میری زندگی کا سب سے بڑا نقصان تو ہو چکا اب مجھے کسی نقصان کا خوف نہیں رہا۔"

ریاض احمد کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ عمر کا سر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جھک گیا، رابعہ احمد شوہر کو دیکھتی رہ گئیں۔
"اچھا آپ یہ مجھے دیں، میں میڈیسن لا دیتا ہوں۔" وہ ماں کے ہاتھ سے نسخہ پکڑ باہر کی طرف بڑھ گیا۔
"چلیں میں آپ کو بیڈروم میں لے جاؤں۔" انہوں نے دائیں بازو سے تھام کے شوہر کو اٹھایا۔
ان کا خیال تھا کہ اگر عمر سید ھا رستہ پکڑ چکا ہے۔ تو ہمیں اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، تاکہ اس کی ماضی کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دہرایا جاتا رہے لیکن وہ یہ سب ریاض احمد کو سمجھانے کی جرأت نہیں کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

"کیا آج کوئی بات ہوئی ہے؟" احسن نے دعا سے استفسار کیا۔
وہ شام کو بھی انعم کے کمرے میں گیا تھا۔ وہ منہ پر تکیہ رکھے گہری نیند سو رہی تھی وہ چونکا۔ یہ وقت اس کی واپسی کا تھا اور انعم اس وقت کبھی بھی نہیں آرام کرتی تھی۔
"احسن صاحب! وہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں بھوک نہیں، وہ نہیں آئیں گی۔" ناہید نے پیغام پہنچا دیا۔ اس کے اثبات میں سر ہلانے پر ناہید چل دی۔
"تم کھانا شروع کرو۔" اس نے اپنی خالی پلیٹ پیچھے کر دی۔
"آپ نہیں کھائیں گے۔" دعا کا دل بجھ گیا۔
"نہیں، میں انعم کے بغیر کھانا نہیں کھاؤں گا، تم لو ناں، میں اسے دیکھتا ہوں۔" وہ اس کی پلیٹ میں سالن ڈالنے لگا۔
"پلیز احسن! میں اتنا زیادہ نہیں کھاؤں گی۔" دعا نے اس کا ہاتھ روک دیا۔
"کھانے پہ کوئی کمپرومائز نہیں ہوگا، کھانا تمہارے اور بچے کی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔" اس نے پلیٹ میں روٹی رکھی۔

"یہ تم نے پوری ختم کرنی ہے۔" وہ اب پانی کا گلاس بھر رہا تھا۔ دعا نے بے دلی سے لقمہ توڑا۔ وہ احسن کو انکار نہیں کر سکتی تھی۔
انعم کا کمرہ خالی تھا اس نے واش روم کے دروازے پر زور ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ وہ کمرے سے نکل کے پچھلے لان میں آ گیا۔ وہ آخری سیڑھی پر بیٹھی مل گئی۔ یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔
"انعم۔" وہ پکارتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا، تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اس کے چہرے پر چھایا حزن و ملال دیکھ چکا تھا۔
"تم کیوں مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔" اس نے پژمردگی سے پوچھا۔
"تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا، ساری شام بھی تم سوتی رہی ہو، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔"
اس کی حالت دیکھ کر اس کے دل پر بوجھ سا آ گرا۔
"میں سو نہیں رہی تھی، سوتی بن رہی تھی۔" وہ اس سے اپنی کیفیت چھپا نہیں پائی تھی۔ اس کا دل بہت بھرا ہوا تھا۔
"کیوں؟" اس نے پوچھا جبکہ وہ اس کا سبب جانتا تھا۔
"آپ دعا کے لیے ڈائمنڈ کا نیکلس لائے ہیں۔" اس نے بے اختیار سچ بول دیا۔ یہ جلن وہ دل آرا یا دعا کے سامنے نہیں نکال سکتی تھی۔
"ہاں، پہلی بار اس کے لیے کچھ لایا ہوں۔" اس نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے کہا۔
"خوشی بھی تو پہلی بار ملی ہے ناں۔" وہ دوبدو بولی۔
"کیا میں تمہارے لیے کبھی کچھ نہیں لایا۔" اس نے تلخی سے بچنے کے لیے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"میں ......" وہ رکی پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں ...... میں تو آپ کی محبت ہوں۔" محبت پر زور دیا گیا۔

"دوست ہوں، کزن ہوں ......اور وہ۔" وہ ٹھہر گئی۔ چہرے پر کرب چھایا تھا۔

"وہ میری بیوی تو ہے ناں۔" وہ اس کا ذہن بنانا چاہتا تھا۔

"اب بچے کی ماں بھی......" اس نے افسردگی سے کہا۔

"تم یہی سب سوچ کے خود کو بیمار کرلو گی، یونو ویل انو، پہلے بھی تم کتنے لمبے ٹریٹمنٹ کے بعد سنبھلی ہو، اب پھر سے الٹا سیدھا وہم کرنے لگی ہو۔" اسے اس کی سوچ پر دکھ ہوا تھا، وہ اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

"میں کوئی وہم نہیں پال رہی احسن! حالات کے ساتھ ساتھ، آپ بھی بدلتے جارہے ہیں۔" وہ اپنی سوچ سے ہٹ نہیں سکتی تھی۔

"کیا وہ میری ذمہ داری نہیں......" وہ زچ ہوئے بغیر بولا۔

"صرف ذمہ داری نہیں احسن! اب وہ آپ کے بچے کی ماں......"

"اسٹاپ اٹ انو، تم...... تم مجھے اتنا چیپ سمجھتی ہو۔" اس نے تحمل سے کہا۔ وہ حتی الامکان برداشت کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"پلیز آپ خود کو برا بھلا مت کہیے۔" انعم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ ...... میری دلی کیفیت نہیں سمجھتے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"خود کو سنبھالو انو، بڑی ہو تو اپنا ظرف بھی وسیع کرلو، دعا کی کبھی اتنی جرات نہیں ہوگی کہ وہ تمہارے سامنے اف تک بھی کرجائے۔ مگر تم خود کو تو بیلنس رکھو یار۔"

وہ اسے محبت سے سمجھا رہا تھا۔ دل آزاری نہ ہو جائے۔

دعا تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھی۔ تکلیف تو تب شروع ہوتی تھی جب احسن کا جھکاؤ اس کی طرف ہوتا۔ یہ وہ کھل کے اس سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ اس شادی کے لیے اصرار بھی تو اس نے ہی کیا تھا۔

"جائیں وہ آپ کا انتظار کررہی ہوگی۔" اس نے خود پر پھر سے خول چڑھالیا۔

"میرا انتظار وہ نہیں بلکہ تم میرے آنے اور منانے کا انتظار کررہی تھیں۔" احسن نے اس کی چوری پکڑلی۔

"جی نہیں......" اس نے سر جھکا کے کمزور سی آواز میں انکار کیا۔

"اچھا جلدی سے اٹھو شاباش، میں بھلا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
حساب دل رہنے دو	ثبیلہ عزیز	400/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	400/-
ایک تھی مثال	رخسانہ نگار عدنان	500/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	400/-
دست مسیحا	نگہت سیما	400/-
گل کہسار	فرح بخاری	400/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تمہارے بغیر کچھ کھا سکتا ہوں مجھے سخت بھوک لگی ہے اٹھ جاؤ، میں تمہارے لیے کھانا گرم کروں گا۔"

احسن نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے، ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ اس کی ناراضی دم توڑ گئی۔ وہ آنسو حلق سے نیچے اتارتے ہوئے اٹھ گئی۔

☆☆☆

عمیر نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کر کے، کرسی سے پشت ٹکائے آنکھیں موند لیں، چند لمحے اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا، آنکھوں کی جلن بڑھتی جا رہی تھی۔ انگلی اور انگوٹھے سے آنکھوں کو زور سے دبا کے کھولتے، وہ کافی کا مگ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی کی سلائیڈ ہٹا کے اس نے باہر دیکھا۔ لان میں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ اس کی تھکن زدہ آنکھوں میں بہت سے مناظر گھوم گئے۔ اس کے آگے دعا اور پشت پر نوال تھی۔ وہ دعا کو پکڑنے کی کوشش میں تھی جبکہ دعا شور مچاتی ہوئی عمیر سے مدد مانگتی اپنا بچاؤ کر رہی تھی۔ عمیر نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔

اسی لان میں وہ کرکٹ کھیلتے تھے۔ دعا کو ٹھیک سے بیٹ بھی نہیں پکڑنا آتا تھا، نوال اس کا ریکارڈ لگاتی، وہ کمر کے گرد دوپٹہ کس کے الٹا سیدھا کھیلے جاتی۔ عمیر باؤلنگ کرواتا، اس لان میں لگے نیم اور سفیدے کے درخت ان دونوں نے لگائے تھے، چھوٹا سا انار کا بوٹا بہت محبت سے سینچا گیا تھا۔ اس نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا تھا۔ اپنے ایس پی دوست کی مدد سے اس نے ان جگہوں پر بھی تلاش کیا تھا جہاں کا نام لینا گالی تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی تھی۔ کہیں سے بھی کوئی چھوٹا سا سراغ بھی نہیں ملتا تھا۔ سب کے سامنے وہ بظاہر مطمئن نظر آتا لیکن تنہائیوں میں اس کا دل روتا تھا وہ لڑکی اس کی رگ و جاں میں سرائیت کر چکی تھی اس کو بھلا کے وہ جی سکتا تھا۔

"میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں دعا! تم کہاں چلی گئی ہو، پلیز لوٹ آؤ یا مجھے پکار لو پلیز دعا......"

اس کی آواز میں نمی گھلنے لگی۔ اس نے سر کو زور سے نفی میں جھٹکا۔

☆☆☆

احسن اس رات انعم کے پاس ہی سو رہا تھا۔ وہ واقعی میں بہت اداس تھی، رات گئے تک اس کے کندھے پر سر رکھے اپنے خدشات شکوے گلے اور محبتیں سناتی رہی۔ احسن کو اسے سننا اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی ہر بھول اور بے اعتنائی جو اس نے کی ہی نہیں تھی معافی مانگ لی۔

انعم جو کہہ رہی تھی وہ اس کے نزدیک بچکانہ مفروضے اور قیاس آرائی تھی لیکن وہ خاموشی سے ہر بات بغور سنتا رہا، وہ اس کے اندر کا غبار نکالنا چاہتا تھا۔

تمام گلے شکوے کر کے وہ ہلکی پھلکی ہو کے سوئی تھی۔

صبح فریش سی انعم ناشتے کی تیاری کے لیے کچن میں پہنچی۔

احسن دعا کے کمرے میں آ گیا۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ اس نے دعا کے پاس بیٹھ کے آہستہ سے بازو ہلایا۔

"دعا......" اس کی پکار میں نرمی تھی۔

"جی......" اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"تم جاگ رہی تھیں۔" احسن نے اسے بیٹھنے میں سہارا دیا۔

"نہیں ابھی آنکھ لگی تھی، ساری رات میں ٹھیک سے سو نہیں پائی۔" اس نے وجہ بتائی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں۔" اس نے دعا کی نقاہت زدہ آواز اور چہرے کی پیلاہٹ سے اندازہ لگایا۔

"میرا رات بالکل کھانا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے صرف آپ کی تسلی کے لیے کھا لیا، ساری رات میری طبیعت خراب رہی، پل بھر بھی میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سو نہیں پائی۔"

وہ اپنی حالت زار بتاتے رو دی۔

انعم ناشتے کے لوازمات میز پر سجا کے کھڑی رہی جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ غصے بھرا سانس خارج کرتی، دعا کے بیڈروم کی طرف بڑھی۔ وہ احسن کو اس طرف جاتا دیکھ چکی تھی۔

"سوری دعا، تم نے میرے فورس کرنے پر اتنی تکلیف برداشت کی۔"

احسن نے دعا کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ اس کی کمر کے گرد بازو لپیٹے اسے تھپکنے لگا۔

"تم مجھے رفیوز کر دیتیں یا پھر کچھ لائٹ سا کھا لیتیں۔ اب بھوکے پیٹ بھی......"

تب ہی انعم نے بغیر دستک دیے دروازہ کھول دیا۔ اندر کا منظر اس پر بجلی گرا گیا۔

احسن کے کندھے پر دعا کا سر تھا۔ ایک بازو کمر کے گرد لپیٹا، دوسرے ہاتھ سے وہ دعا کا گال تھپکتے کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دم اسے دیکھا۔

انعم کے چہرے پر حیرت کے بعد غصہ عود کر آیا۔ دعا گھبرا کر احسن سے دور ہٹی۔ احسن کے تاثرات نارمل تھے۔

"لیٹ جاؤ دعا......!" اس نے دعا کو خود پکڑ کر لٹایا۔

"میں ناشتہ کر لوں، ناہید کو کہتا ہوں کہ تمہارے لیے بھی کچھ لائٹ سا بنا دے، شام کو تمہاری ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ بھی لیتا ہوں...... تم آرام کرو۔"

انعم اپنی جگہ پر جمی کھڑی یہ چونچلے دیکھ رہی تھی۔ دعا نے پھر سے سرسری سی سہمی ہوئی نگاہ غصے سے بھری کھڑی انعم پر ڈالی۔

"ناشتہ لگا دیا ہے۔" وہ انعم کی طرف مڑا۔

"آپ کو اس چہیتی کے ناز نخرے اٹھانے سے فرصت مل جائے تو ٹیبل تک آ جایئے گا۔" انعم طنزیہ کہتی باہر نکل گئی۔

وہ سیدھی اپنے کمرے میں گئی تھی۔ احسن ناشتہ کرنے لگا۔ اس کے پاس انعم کو منانے کا وقت نہیں تھا۔

☆☆☆

اسے کسی پل چین نہیں تھا۔ وہ مسلسل کمرے میں گھیریاں کھا رہی تھی۔ اس کے اندر غصے کا الاؤ دہک رہا تھا۔ احسن کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی وہ باہر نکل آئی اور دعا پر دھاوا بول دیا۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو......؟ کیا تم اپنی اوقات، اس گھر میں حیثیت اور اس شادی کا مقصد بھول گئی ہو۔" وہ چلا رہی تھی۔

دعا جو آنکھیں موندے پڑی تھی اٹھ بیٹھی، وہ انعم کے اس اچانک اور غیر متوقع ری ایکشن پر سہم گئی۔

ناہید بھی شور سن کے دوڑی آئی۔

"مم...... میں نے کیا کیا ہے؟" دعا کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ ساری رات اس نے تکلیف میں کاٹی تھی اب خود کو کافی کمزور محسوس کر رہی تھی۔ انعم کا شور شرابا۔

"جسٹ شٹ اپ، مکار عورت، تمہاری احسن سے شادی صرف بچے کی خاطر کی گئی تھی، تم تو اس پر ڈورے ڈالنے لگیں اس کی محبت سے نکلنے کو دل ہی......"

"بی ہیو یور سیلف انعم......" وہ اپنی ساری توانائی جمع کر کے چیخ پڑی۔

"وہ میرا شوہر ہے۔ کوئی بوائے فرینڈ نہیں کہ میں اس پر ڈورے ڈالوں۔" دعا نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"تم ہمیشہ بھول جاتی ہو۔ کہ وہ تم سے پہلے میرا شوہر اور محبوب ہے اور تم اس محبت کا صدقہ ہو، تم اس کے بچے کی ماں بن کے، اسے اپنی طرف راغب کر لو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ میرا ہے اور صرف میرا ہی رہے گا۔"

وہ ہسٹریائی انداز میں چلانے لگی تھی۔ اس کا اپنے اعصاب پر کنٹرول نہیں تھا۔ ناہید متنفر سی کبھی غصہ کرتی انعم اور کبھی زرد پڑتی دعا کو دیکھتی۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے انعم، میں تو صرف بیوی ہوں، محبت تم ہو اس کی۔" وہ اسے یقین دلانے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے لیے یہی کہہ سکتی تھی۔ وہ اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ چکی تھی۔

"تو پھر تم کیوں اس کے دماغ پر سوار رہتی ہو، کون سا منتر پڑھ کے پھونکا ہے کہ اسے تمہارے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ہر پل تمہاری فکر میں ہلکان ہوئے جاتا ہے۔ چھین رہی ہو تم اسے مجھ سے، تمہیں یہ سب بہت مہنگا پڑے گا دعا، کیپ ان مائنڈ۔" وہ اس سے باز پرس کرتی چلا رہی تھی۔

"انعم بی بی! آپ کیوں اپنی طبیعت خراب کر رہی ہیں، چھوڑیں سب اور چلیں اپنے کمرے......"

ناہید اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے جانے لگی۔ دعا کی طبیعت پہلے سے زیادہ بوجھل ہو گئی۔ اس نے چکراتا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

☆☆☆

رابعہ احمد، مریم کے گھر آئی تھیں۔ مریم صوفے کی ہتھی پر بازو ٹکائے گم صم بیٹھی تھی۔ انہوں نے لاؤنج کے وسط میں رک کے اس کے کھوئے پن کو دیکھا۔

الیاس احمد کے ساتھ مریم کے تعلقات اسی طرح چل رہے تھے۔ وہ الیاس احمد کے سب کام کرتی لیکن وہ محبت اور تعلق ختم ہو چکا تھا۔ اس دن کے بعد سے اس نے اپنا بیڈ روم بھی علیحدہ کر لیا تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ ان کے کمرے میں سوتی تھی۔

"مریم ......!" انہوں نے نزدیک آ کے اس کے کندھے پر ہاتھ دھرا۔ وہ بری طرح چونک گئی۔

"کیا ہوا مریم طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی رنگت بدل گئی تھی۔

"جی بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بیٹھیے......" اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا کرتی رہتی ہو دن بھر، کافی دنوں سے میری طرف بھی نہیں آئیں۔" ان کا لہجہ سرسری تھا۔ کبھی اس کے پاس صرف فراغت اور گپ شپ ہوا کرتی تھی۔

"کچن کی ذمہ داری مکمل طور پر، میں نے سنبھال لی ہے۔ عروہ اور زین کے ٹیوٹر کو بھی فارغ کر دیا ہے۔ شام میں خود انہیں ٹیوشن پڑھاتی ہوں، وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔" اس نے اپنی مصروفیت بتائی۔

"میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔" مریم کہہ کر فوراً اٹھ گئی۔

رابعہ احمد نے اسے حیرت سے جاتے دیکھا۔ کیونکہ مریم جانتی تھی کہ وہ صرف ناشتے کے بعد شام کو ہی چائے پیتی ہیں، پھر وہ کیسے بھول گئی تھی۔

☆☆☆

شام کو وہ خوب سجی سنوری تھی۔ نیوی بلیو کلر کی ساڑھی میں اس کا گورا رنگ دمک رہا تھا احسن آیا تو وہ اس کے استقبال کے لیے دروازے پر کھڑی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے احسن کے ہاتھ سے بیگ پکڑ لیا۔

"وعلیکم السلام چشم بدور، آج تو غضب ڈھا رہی ہو......کہیں جانا ہے کیا؟"

"میرا دل چاہ رہا تھا، آپ کے لیے سجنے کو۔" اس نے ایک ادا سے کہا۔

"اچھا، میں سمجھا شاید آج کچھ اسپیشل ہے۔" اس نے چھیڑا۔

"میں نے آپ کے کپڑے نکال دیے ہیں، آپ فریش ہو جائیں، میں چائے بناتی ہوں۔" اس نے احسن کو کمرے کی طرف دھکیلا۔ وہ مصنوعی ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

"میں پہلے دعا کو دیکھ لوں۔" وہ شرٹ کے کف الٹتا بڑبڑایا تھا۔

انعم کا سارا وجود کان بن گیا۔

"دعا سو رہی ہے۔ آپ پہلے چائے پی لیں۔" اس نے روانی سے جھوٹ بولا۔

وہ آج دعا کو احسن سے دور رکھنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی۔

"چلو تم پھر چائے لگاؤ، میں فریش ہو کے آتا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوں۔" وہ جلد ہی مان گیا۔ انعم نے شکر کی سانس لی۔

چائے پینے کے دوران وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

"کھانے میں کیا بناؤں۔" اس نے خالی کپ ٹیبل پہ دھرا۔

"کھانا تم بناؤ گی۔" اس نے ابرو اچکائے۔

"جی بالکل جناب! وہ بھی آپ کی پسند کا۔"

آج وہ کچھ زیادہ ہی خوش تھی۔ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے الگ نہیں ہو رہی تھی۔

"چلو تم کھانا بناؤ، میں دعا کے پاس جا رہا ہوں۔"

وہ پھر سے جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"وہ سو رہی ہو گی احسن۔" اس نے دوبارہ الجھایا۔

"تو کیا ہوا؟ میں اسے جگا لوں گا۔" وہ ابھی بھی اس کی چالا کی سمجھ نہ پایا تھا۔

"لسن احسن اینڈ پلیز ڈونٹ مائنڈ، تمہاری اس شادی اور تعلق کا مقصد صرف بچہ تھا جو حاصل ہو گیا ہے۔ اب تمہیں اس کی فکر کرنے اور بھاگ بھاگ کر اس کے پاس جانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" اس نے اپنے دل میں پلتا ناسور پھوڑا۔

کتنی بڑی بات اس نے بڑے عام سے لب و لہجے میں کہہ دی تھی۔

"صاف صاف کہو، کیا کہنا چاہتی ہو......" اس کے اعصاب تن گئے۔

"وہی جو آپ جان کر سمجھنا نہیں چاہتے۔ آپ کا دعا کے کمرے میں سونا، آئی مین اسے بلانا، بات چیت کرنا......" وہ اٹک اٹک کر کہہ پا رہی تھی۔

"اس کا خیال رکھنا چھوڑ دیں اب۔" وہ رک گئی۔

"واٹ ربش انو، تمہارا مطلب یہ ہے کہ میرا اس سے تعلق صرف بچہ تک کا تھا۔ اب میں اس سے منہ پھیر لوں، تو یہ بھی تمہاری اور ماما جان کی پلاننگ کی پپی اینڈنگ، مجھے شرم آ رہی ہے تمہاری سوچ پر انعم۔"

وہ بمشکل اپنے غصے اور حواسوں پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا ایک تھپڑ لگا دے۔

"مجھے بھی شرم آتی ہے تمہارے وہ عہد و پیمان سوچ کر، تمہارے وہ محبت بھرے دعوے، ایک عورت کی خاطر تم سب کچھ بھول گئے ہو۔ میری محبت کھوکھلی اور بنجر ہے۔ میں ادھوری ہوں ناں۔" وہ ہچکیاں لینے لگی تھی۔ اس کا ہتھیار صرف محبت تھا۔

"کچھ بھی نہیں بھولا میں، محبت بھی بھلا کوئی بھولنے والی چیز ہے، جبکہ تم مجسم موجود ہو۔" وہ کمزور پڑ گیا۔

اس کے آنسو بھلا برداشت کر سکتا تھا۔

"تمہارا اعتبار متزلزل ہو گیا ہے انو! تم اپنی اس خامی کا ذمہ دار مجھے مت ٹھہراؤ، میری دعا سے لو میرج نہیں ہے۔ یہ سب کیا دھرا تمہارا اور ماما جان کا ہے، تم ڈنکے کی چوٹ پر محبت وصولتی ہو اور وہ حق مانگنے کی مستحق نہیں۔"

اس نے نرم اور آسان الفاظ میں اسے بہت کچھ باور کروانے کی کوشش کی تھی۔ انعم کا سارا زور رونے پر تھا۔ اسے صرف اپنے نقصان اور شراکت کی فکر تھی۔

"اب تم اسے میری برابری کرواؤ گے۔" وہ آنکھوں کو رگڑ رگڑ کر ڈھٹائی سے بولی۔

"بالکل، حقوق وہ تمہارے برابر ہی لے گی، تم اچھی طرح سے جانتی ہو تکلیف میں تو میں بلی کے بچے کو نہیں دیکھ سکتا، وہ تو پھر میرے ہونے والے بچے کی ماں ہے۔"

اس نے بنا تکلف سب صاف کہہ ڈالا۔ زیادہ نرمی دکھا کے وہ اسے غلط فہمی میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دعا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا انعم پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔

☆☆☆

ناہید، دعا کے سرہانے ٹرے لیے کھڑی تھی۔ دعا کی شکل پر بیزاری طاری تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"لے جائیں آپا! میرا قطعاً دل نہیں چاہ رہا۔"
اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔
رات بھر بھی وہ تکلیف میں رہی، انعم کی بدتمیزی نے اس کا بلڈ پریشر ہائی کر دیا تھا۔
اندر آتے احسن کو دیکھ کر وہ سیدھی ہو گئی۔
"السلام علیکم!" تاثرات نارمل رکھتے اس نے سلام میں پہل کی۔ ناہید دھیرے سے مسکرا دی۔ اسے کھانا کھلانے کا کام احسن ہی اچھے طریقے سے سرانجام دیتا تھا۔
"وعلیکم اسلام، کیسی طبیعت ہے اب اس کی، کچھ کھایا پیا بھی ہے کہ نہیں۔"
اس نے دعا کے بجائے ناہید سے استفسار کیا۔
"صبح لائٹ سا کھایا تھا۔" ناہید کچھ بھی خود سے بتانے کی جرات نہیں کر سکتی تھی۔ ساری دوپہر وہ روتی رہی تھی۔ ناہید نے اسے بہت سے دلاسے اور تسلیاں دے دے کر چپ کروایا تھا۔
"کیا ہوا طبیعت سنبھلی نہیں۔" اس نے دعا کے گال پر ہاتھ لگایا۔ اس کا گال سرخ اور تپ رہا تھا۔
"تمہیں تو ٹمپریچر ہے۔" وہ تشویش سے بولا۔
وہ سر جھکا کر رہ گئی، اسے اپنے جذبات پر اختیار نہیں رہا تھا۔
"تم روتی رہی ہو دعا......" اس نے تھوڑی چھو کے چہرہ اوپر اٹھایا۔
"درد ہو رہا ہے یا کسی نے کچھ کہا ہے۔" اسے شبہ گزرا۔
"نہیں، کسی نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے درد ہو رہا ہے۔" اس کے اندر کرب برپا تھا۔ ناہید کا دل بھی دکھ سے بھر گیا۔
"کہاں درد ہو رہا ہے۔" اس کا دل اچھل پڑا
دعا نے بتانے کے بجائے گھٹنوں میں سر دے لیا۔
"شاید ان کا بی پی ہائی ہے، صبح سے کوئی ٹھوس غذا بھی نہیں لی، آپ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں وہ میڈیسن دے گا تو یہ کھایا پیا ہضم کرنے لگیں گی۔"
ناہید نے اپنے تئیں درست مشورہ دیا۔ اسے واقعی انرجی کی ضرورت تھی۔
"آپ یہ ٹرے مجھے پکڑا دیں اور جائیں ڈاکٹر مائرہ کو کال کر کے ٹائم لیں۔" اس نے ٹرے لے لی۔
جس میں چائے کے ساتھ نمکین بسکٹ، کیک اور سینڈوچ رکھے تھے۔
"احسن! میرا جی......" اس نے احتجاج کرتے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔
"میرے ہاتھ سے کھاؤ گی تو نہیں خراب ہوگا، جلدی بولو، کیا لوگی۔"
اس نے ایک ہاتھ میں بسکٹ دوسرے میں کیک پکڑ رکھا تھا۔
"بسکٹ ......لیکن صرف دو۔" وہ رو دینے کو تھی۔
"چلو ٹھیک ہے تم یہ کھا کے، کپڑے چینج کرو، میں تمہیں خود ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔"
اس نے بسکٹ چائے میں ڈبو کے اس کے منہ میں ڈالا۔ دعا منہ کے مختلف زاویے بنا رہی تھی۔
"شاباش ......" احسن نے مسکراتے ہوئے اسے اتنا برا منہ بنانے پر شاباش دی تھی۔

☆☆☆

وہ روز رات کو بچوں اور شوہر کو دودھ کا گلاس لازماً دیتی تھیں، ریاض احمد نے انہیں اندر آتے دیکھا تو ٹاک شو بند کر دیا۔
"یہ لیں دودھ، میڈیسنز کھا لی ہیں۔" وہ کچن سمیٹ کے سب سے آخر میں دودھ لے کر آتی تھیں۔
"ہاں، کھا لی ہیں۔" انہوں نے گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔
"مجھے آپ سے ضروری مشورہ کرنا ہے۔" انہوں نے چند لمحے کے توقف کے بعد بات کا آغاز کیا۔
"کہیے......" ریاض احمد نے خود کو طنز کرنے سے باز رکھا۔
"میں سوچ رہی تھی کہ عمیر کی شادی کر دیں۔"
ان کے دل میں بھی دھن سا گئی تھی۔ وہ بڑی بے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قراری سے رات ہونے کا انتظار کر رہی تھیں تا کہ ان سے بات کر سکیں۔ انہوں نے بڑا سا گھونٹ بھر کے دودھ ختم کیا۔ دل میں ایک کسک سی اٹھی۔

"یہ خیال بھلا کیوں آ گیا۔" وہ سنجیدگی اختیار کر گئے۔

"کیا اس کی شادی نہیں کرنی، چار سال ہو گئے ہیں اسے آپ کے ساتھ بزنس سنبھالے، اگلے سال وہ پورے انتیس کا ہو جائے گا، پھر خاندان میں بھی دو، تین اچھی لڑکیاں ہیں۔ اگر آپ رضا مند ہوں تو معاملہ آگے بڑھاؤں۔" رابعہ احمد کو ان کی اجازت درکار تھی کیونکہ عمیر اپنے ہر فیصلے میں باپ کی اجازت شامل رکھتا تھا۔

"بہتر ہوگا کہ ایک بار عمیر سے بھی پوچھ لیا جائے۔" انہوں نے بے دلی سے معنی خیز سا جواب دے دیا۔

"صبح ہی پوچھ لوں گی، ہمارا اتنا نیک اور سعادت مند بیٹا، اب منہ سے تھوڑی کہے گا ہمیں ہی خیال کرنا چاہیے۔"

وہ خوش ہو گئیں۔ عمیر کو منانا مشکل نہیں لگ رہا تھا۔

"لائٹ آف کر دو۔" ریاض احمد دوسری طرف منہ کر کے لیٹ گئے، ان کا دل بجھ سا گیا۔ اس بیٹے کی دلہن کے روپ میں ہمیشہ دعا کو دیکھا تھا۔

رابعہ احمد اپنی دھن میں تکیے پر سر رکھے، خاندان بھر کی کنواری لڑکیوں کو ذہن میں دہرا رہی تھیں۔

☆☆☆

انعم موبائل پر نمبر ڈائل کرتی صوفے پر آ بیٹھی۔ چوتھی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

"اسلام علیکم ماما جی۔" اس نے ٹانگیں صوفے پر رکھیں۔

"وعلیکم السلام میری جان! میری بیٹی کیسی ہے؟" دل آرا اس کی آواز سن کے نہال ہو گئیں۔ وہ تولیہ اسٹینڈ پر ڈال کے بیڈ پر آ بیٹھیں۔ ان کا چہرہ اندرونی خوشی سے منور ہو گیا۔

"ایم فائن، کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں ماما جی......" اس نے یہی پوچھنے کے لیے کال کی تھی۔ اس روز کی بدتمیزی کے بعد دل آرا نے خود سے اسے یاد نہیں کیا تھا۔ وہ بھی اپنی خود ساختہ الجھنوں میں محسوس نہ کر پائی۔

"بہت جلد احساس ہو گیا کہ میں ناراض ہوں۔" ان کا لہجہ نارمل تھا لیکن انعم خفت زدہ ہو گئی۔

وہ ماں تھیں وہ اکثر ان سے ناراض ہو جاتی مگر اپنی غلطی کا احساس ہو جانے پر جلد ہی معافی بھی مانگ لیتی۔ اس بار تو کافی روز گزر گئے تھے۔

"سوری ماما جی...... میں وہ سب آپ کو سوفٹ لی ہیویئر میں بھی کہہ سکتی تھی۔ لیکن میں بہت...... بہت اپ سیٹ تھی، میں نے احسن کو اتنا زیادہ خوش دیکھا، وہ بھی کسی دوسری عورت کے لیے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

دل آرا رندھی آواز سے سمجھ گئیں کہ آج پھر کوئی مسئلہ پیش ہونے والا ہے۔

"میری چندا! میری صرف اتنی سی غلطی ہے کہ میں نے دعا کے آگے پیچھے کوئی نہ پا کر، احسن سے اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلے میں میری غرض اور تمہاری رضا مندی بھی تو شامل تھی، اب اس برسوں پرانی دوست میں کیا خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

وہ دل مسوس کے رہ گئیں وہ دوبارہ اتنی جلدی پاکستان نہیں آ سکتی تھیں۔ دل کو ہر پل دھڑکا لگا رہتا تھا انعم نے اپنی انا اور ہٹ دھرمی سے اسے بھی ذہنی اذیت میں مبتلا کر رکھا ہوگا۔

"شاید خرابی اس میں نہیں، مجھ میں ہے۔"

"نہیں میری بیٹی! تم میں کوئی خرابی نہیں۔" وہ سمجھیں شاید وہ اپنے بانجھ پن کا ذکر کر رہی ہے۔

"نہیں ماما! مجھے اعتراف کرنے دیں، کہ میں حاسد بن گئی ہوں، مجھ سے میری محبت، میری زندگی، میرا احسن شیئر نہیں کیا جا رہا۔ مجھ میں حوصلہ ہی نہیں کہ میں اسے اپنے علاوہ کسی اور کا ہوتے، کسی اور کا ذکر کرتے یا کسی اور کے ساتھ ہنستے بولتے برداشت کروں، آپ کبھی نہیں سمجھیں گی ماما، جب میں ان دنوں اسے دعا کی کیئر کرتے، اس کی چھوٹی چھوٹی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ضرورتوں کا خیال رکھتے، اس کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھتی ہوں تو میرے دل پر کیا بیتتی ہے۔" وہ اپنا دکھ، کرب اور اندر پلتا ناسور الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر تھی۔

دل آرا کی زبان حرکت نہ کر پائی۔ وہ سن ہو گئیں، انہیں شروع سے اندازہ تھا کہ وہ احسن سے محبت میں شدید ہے اسی لیے وہ ڈر گئی تھیں انہوں نے اس کی احسن کے ساتھ شادی میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی حالانکہ ان کا خیال تھا کہ وہ احسن کے لیے باہر سے کوئی لڑکی لائیں اور انعم کی شادی بھی غیروں میں طے پائے۔ تاکہ ان کی رشتے داری بھی آگے بڑھے۔

ان کا سسرال اور میکہ گاؤں میں مقیم تھا۔ وہ جنید آفندی کے کاروبار کی وجہ سے ان کے ساتھ قریہ قریہ گھومتی تھیں۔ پھر احسن کے بعد ان کے گھر کوئی اولاد بھی پیدا نہ ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یتیم و یسیر انعم کو سینے سے لگا کر پالا تھا۔

"آپ جانتی ہیں وہ ان دنوں کس طرح مجھے بھول چکا ہے۔ اس کی صبح دعا کا نام لے کر اور شام بھی اس کے ساتھ گزرتی ہے۔ وہ ایسا جان بوجھ کر نہیں کر رہا، لاشعوری طور پر، وہ خوش ہی اتنا ہے۔ اسے دعا کے علاوہ اور کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ میں کہیں بھی نہیں رہی ماما جی، میں جو اس گھر کا سب کچھ تھی اب صرف ایک فرد بن کے رہ گئی ہوں، ایک بچہ جو ابھی اس دنیا میں آیا بھی نہیں اس کے لیے جیتے جاگتے انسان کو اتنی تکلیف میں ڈال دینا، کہاں کا انصاف ہے، آپ صرف میری ماں تو نہیں، احسن کی بھی ہیں۔ میں آپ کو منصف کے کٹہرے میں کھڑا نہیں کروں گی لیکن ماما جی مجھے لگتا ہے کہ میرا دل بند ہو جائے گا۔"

"بس چپ کر جاؤ انو...... تم اس قدر اذیت میں ہو کہ اپنی موت کا سوچنے لگی ہو۔"

دل آرا کا دل کٹ سا گیا۔ انہیں انعم سے اتنی شدت کی امید نہیں تھی۔ وہ کیوں بھول گئیں کہ جس نے آج تک صرف محبت ہی سمیٹی ہے۔ وہ محبتوں کا بٹوارہ کیسے برداشت کرے گی۔

"میں بہت...... بہت اپ سیٹ ہوں، آپ نے اتنی دور رہ کر بھی میرا درد محسوس کر لیا ہے پھر وہ کیوں انجان بن گیا ہے، اگر میں آج آپ سے یہ سب شیئر نہ کرتی تو مجھے کچھ ہو جاتا، میں بہت تنہا ہو گئی ہوں ماما، پلیز...... پلیز آپ لوٹ آئیں، جتنی جلدی ممکن ہو، میں اکیلی ہوں، جی نہیں پاؤں گی، گھٹ گھٹ کے مر رہی ہوں۔"

اس نے روتے ہوئے موبائل والا ہاتھ نیچے گرا لیا۔ دل آرا کی آنکھیں بھی بھر آئیں وہ بیٹی کی تکلیف پر اذیت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

ریاض احمد فائل کے ورق الٹتے جا رہے تھے ان کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ فائل بند کر کے، انہوں نے ریسیور اٹھا لیا۔

"جی سر۔" سیکرٹری بڑا مودب پوچھ رہی تھی۔

"عمر کو اندر بھیجو۔" کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔

چند لمحوں بعد وہ حاضر تھا۔

"مے آئی کم ان سر۔" وہ چوکھٹ پر رکا تھا۔

"یس کم ان۔" وہ اتنی کھردری اجازت پر چونک گیا۔

"جی سر۔" وہ ٹیبل کے سامنے رک گیا۔

"یہ دیکھو کتنی غلطیاں ہیں اس میں۔" انہوں نے فائل اٹھا کے زور سے پھینک دی۔

"سوری سر، میں ابھی درست کر دیتا ہوں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

وہ سارے ایمپلائرز میں سے صرف اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔

"اب تو تم ٹھیک کر ہی لو گے اور جو وقت کا حرج ہوگا، آج کا کام صرف آج کی ڈیٹ میں ہی کمپلیٹ کرنا ہے۔"

انہوں نے قطعیت سے کہہ کر، دوسری فائل اٹھا کے اپنے آگے کر لی یعنی اب وہ جا سکتا تھا۔ عمر دل مسوس کے رہ گیا۔ "آج پھر لنچ بریک بند تھا۔" اس نے دل میں حساب لگاتے فائل اٹھا لی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆☆☆

وہ کمرے سے باہر آئی تو اسے حیرت ناک منظر دیکھنے کو ملا۔ ناشتہ ٹیبل پر لگا تھا۔ احسن سیب کی قاشیں کاٹ کے اسے کھلا رہا تھا۔

"پلیز احسن! میں خود ہی کھا لوں گی۔"

دعا کے چہرے پر بے زاری تھی۔

"نہیں، مجھے تم پہ بالکل یقین نہیں، یہ سیب ختم کر کے، دودھ کا گلاس بھی پینا ہے۔ ڈاکٹر مائرہ مجھے ڈانٹ رہی تھیں کہ میں تمہاری کیئر نہیں کرتا۔" اس نے خود اس کے منہ میں قاش ڈالی تھی۔ انعم کے پیروں تلے سے زمین کھینچنے کے لیے یہ منظر کافی تھا۔ اس کے ذہن میں ماضی گھوم گیا۔

جب اسے ماں نہ بن سکنے کی خبر ملی تھی تو وہ کتنا بیمار رہنے لگی تھی اس نے اپنی کمی کو اعصاب پر سوار کر لیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح گھنٹوں ایک جگہ پر بیٹھی رہتی۔ احسن خود اس کے منہ میں نوالے ڈالتا، ناہید کے سر پر کھڑا ہو کر اس کے سارے کام کرواتا، کئی روز وہ آفس نہ جا پایا۔ دل آرا تین ماہ اس کے پاس آ کر رہ رکیں۔

"میں خود ہی کھا لوں گی احسن! میں بچی تھوڑی ہوں۔" وہ چڑی ہوئی تھی۔

"بچی ہی ہو، جو سارا دن بھوکی پڑی رہتی ہو۔ ناہید کے تو تم قابو میں نہیں آتیں۔ مجھے اچھا لگتا ہے تمہارے کام کرنا۔" احسن نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ بھی ایک دن مجھ سے اکتا جائیں گے۔" وہ کھوئی گئی وہ ہر وقت نگیٹو سوچتی رہتی تھی۔

"ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا انو! جس روز یہ ہوا وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ تم ہی میری اولین چاہت اور زندگی ہو، ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے اور نامکمل ہیں۔"

اس کا یہ محبت بھرا رویہ ہی تھا جو اس کے زخموں سے چور بدن پر مرہم رکھتا تھا اسے پھر سے زندگی کا آسرا دیا تھا۔

"تم بدل تو نہیں جاؤ گے احسن! تمہاری یہ محبت صرف لفظوں تک مقید تو نہیں ہو کر رہ جائے گی۔"

یہی ڈر اس کے دل کو شکنجے کی مانند جکڑے ہوئے تھا۔

"کتنا فضول سوچ رہی ہو تم انو، کیا بچپن سے لے کر آج تک میں تم سے کسی غرض سے محبت کرتا آیا ہوں، میری محبت بے ریا اور بے لوث ہے۔ اس میں اولاد کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔"

اس نے بالکل یہی کہا تھا۔ انعم نے من وعن مان لیا تھا۔ کیونکہ احسن کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

"بس کر دیں احسن! میرا جی بھر گیا ہے۔" دعا نے ہاتھ سے پلیٹ پرے کر دی۔ انعم اس آواز پر حواسوں میں واپس لوٹی۔

"اچھا اب جلدی سے دودھ ختم کرو، بغیر کوئی شور مچائے۔" احسن نے دودھ کا گلاس بھر لیا۔

"اوں ہوں۔"

انعم نے گلا کھنکار کے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ دونوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا۔ وہ احسن کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھی۔

"گڈ مارننگ۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"گڈ مارننگ...... کیسی ہو؟" احسن مسکرایا۔

وہ رات والی ہر بات بھلا کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہو کر، اسے مزید وہموں میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا وہ اسے خود سے بدظن نہیں کر سکتا تھا۔

"ایم فائن، مجھے کیا ہونا ہے، البتہ دعا ٹھیک نہیں لگ رہی۔" انعم نے اسے گھورا۔ دعا کی جان ہتھیلی پر آ گئی۔

"خدا کا شکر ہے۔ میں اسے رات کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔ انہوں نے کچھ ضروری ٹیسٹ کروانے کا کہا ہے۔ میں شام کو لے جاؤں......"

انعم نے درمیان میں بات اچک لی۔

"میں اسے خود لے جاتی ہوں۔" بڑی سنجیدگی سے خدمات پیش کی گئیں۔

دعا نے احسن کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے کر پینا شروع کر دیا۔

"ناہید آپا! انو کے لیے فریش جوس بنا کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لائیں۔" انعم میز کی سطح کھرچنے لگی۔ احسن اس کے لیے ڈبل روٹی کے سلائس پر جیم لگانے لگا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مائرہ نے کچھ ضروری ٹیسٹ لکھ کر دیے تھے جن کے لیے دعا کا کلینک کے بجائے ہاسپٹل جانا ضروری تھا۔ یہ ذمہ داری انعم نے اٹھالی تھی۔ وہ رستہ بھر خاموش کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی، دعا نے بھی اس کی خاموشی کو غنیمت جانا۔

وہ اوور آل بازو پر ڈالے ڈاکٹر اعزاز ڈوگر کے کمرے سے نکل کر سیدھے کوریڈور میں جا رہی تھی جب اچانک سے اس کی نگاہ چند کوس دور ڈاکٹر مائرہ کے کمرے سے نکلتی دعا اور انعم پر پڑی۔ وہ دائیں طرف مڑ گئیں اب ان کی نوال کی طرف پشت تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی، باتیں کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ نوال کے قدم تو وہیں جم گئے۔ اسے نظر کا دھوکا نہیں ہوا تھا، وہ دعا ہی تھی وہ اسے پشت اور چال سے بھی پہچان چکی تھی۔ وہ اسے ہزاروں کے مجمع میں تلاش کر لیتی۔ اس کی زبان گنگ اور وجود ساکت ہو گیا۔ وہ کافی دور جا چکی تھیں۔

"مجھے ان کے پیچھے جانا چاہیے۔"

وہ یکدم ہوش میں آگئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ جلدی سے ان کے پیچھے آئی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

"دع......" اس کی آواز اور حلق نے ساتھ نہ دیا۔

وہ باتیں کرتی کوریڈور سے مڑ کے، اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔

"مجھے ڈاکٹر مائرہ سے پوچھنا چاہیے۔" وہ یہ سوچ کر رک گئی کیونکہ یہ زیادہ مناسب تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر او پی ڈی میں ہوتی تھیں۔ اپنے روم میں وہ صرف اسپیشل مریضوں کو چیک کرتیں۔

"مے آئی کم ان میم۔" وہ چوکھٹ میں ایستادہ ہوئی۔

"جی...... جی آیئے ڈاکٹر نوال۔" وہ اپنی چیزیں سمیٹ کے بیگ میں ڈال رہی تھیں۔

"میم مجھے آپ سے ایک چھوٹی سی انفارمیشن چاہیے تھی۔"

"جی ضرور......" وہ سمجھیں شاید کوئی پروفیشنل پرابلم ہے۔

"میم! یہ جو لڑکی ابھی آپ کے روم سے نکلی ہے، کیا اس کا نام دعا ہے۔" اس نے بڑا سوچ کے آغاز کیا۔

"جی...... جی بالکل، کیا آپ اسے جانتی ہیں۔" انہوں نے گاڑی کی چابی اور موبائل ہاتھ میں لیا۔

"جی...... جی، میں اور دعا ایک ساتھ اکیڈمی میں پڑھتے تھے، ہم دونوں کی اچھی فرینڈشپ تھی۔ اب میں نے اسے دور سے دیکھا تو پہچان لیا۔ پھر مجھے لگا کہ شاید نظر کا دھوکا ہو۔ اس لیے آپ سے کنفرم کرنے آگئی۔"

اس نے بڑا خوب صورت سا جواز پیش کیا۔

اب وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"ہاں' اس کا نام دعا ہی ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے آنکھوں پر گلاسز لگائے۔

"کیا آپ کی بھی جان پہچان ہے ان سے۔" بڑی معصومیت سے جان بوجھ کر یہ سوال کیا گیا۔

"نہیں' وہ صرف میری پیشنٹ ہے۔ انعم اور احسن سے میری اچھی فرینڈشپ ہے اور وہ انہی کی فیملی سے ہے۔ اس کا ٹریٹمنٹ مجھ سے چل رہا ہے۔"

ڈاکٹر مائرہ بڑی روانی سے اسے بتاتی جا رہی تھیں۔

نوال کے کان گرم ہو کے دہکنے لگے۔ اس کی چال سست اور قدم گھسٹنے لگے۔

"میم! پیشنٹ مطلب......" اس کی زبان مزید بولنے کے لیے ساتھ نہ دے رہی تھی۔

"دعا پریگنٹ ہے......" ان کا لہجہ پروفیشنل تھا۔ نوال کے لڑکھڑاتے قدم رک گئے۔ اس کے پیروں تک سے جان نکل گئی تبھی ڈاکٹر مائرہ، ڈاکٹر ماہین کے پاس رک گئیں۔ ان کی توجہ پژمردہ ہوتی نوال سے ہٹ گئی تھی۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مہوش افتخار

پیر سید نظر حسین شاہ سے سکھبیر سنگھ بہت متاثر ہوتا ہے ان کے دربار میں روز جھاڑو لگاتا ہے اور اپنے خاندان اور بیوی کی ناراضی سہتا ہے۔ وہ اسلام قبول کر لیتا ہے اس کا نام عبداللہ رکھا جاتا ہے۔ خاندان والے اس کا اور اس کے بیٹے کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں، بیوی صدمے سے مر جاتی ہے۔

عبداللہ، نظر حسین شاہ کے دربار پر آ جاتا ہے اور سب انتظامات سنبھال لیتا ہے۔

پیر نظر حسین کے بھائی کا بیٹا ہاشم خاندان کے دیگر لڑکوں کی طرح شہر پڑھنے جاتا ہے اور عیاشیوں میں لگ جاتا ہے۔ بھائی کی بیٹی معصومہ ان کی بڑی بہو ہے۔ پیر نظر حسین بھتیجے کی حرکتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ بھاوج اور بہو کو ان کی بیٹی زرناب کا رشتہ مانگنے پر [illegible] دیتے ہیں، دلوں میں فرق آ جاتا ہے۔

پیر صاحب اپنے بعد پیری مریدی کے سلسلے کو باقاعدہ ختم کر دیتے ہیں کیوں کہ وہ کسی کو اس ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتے۔

مکمل ناول

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

علاقے میں ایک نیا پولیس افسر آتا ہے، وہ دربار میں فاتحہ پڑھنے آتا ہے، جہاں اسے زرناب نظر آتی ہے۔
معصومہ سب کے بیچ میں بیٹھ کر زرناب پر الزام لگاتی ہے کہ وہ مصطفیٰ (عبداللہ کے بیٹے) کو پیر صاحب کا داماد بنانا چاہتی ہے۔ بختیار شاہ یہ سن کر بیوی کو مارنے کے لیے اٹھتے ہیں۔

دوسری قسط

پوری طاقت سے معصومہ کی گردن دباتے ہوئے وہ جیسے عالم جنون میں تھے۔ بی بی نرجس کی چیخیں بے اختیار تھیں۔ صبور، ایاز، حاذق سب ہی دیوانہ وار اٹھ کر ان دونوں کی طرف بھاگے تھے۔ ایک صرف نظر حسین شاہ تھے جو کسی بت کی مانند اپنی جگہ پہ جمے رہ گئے تھے۔ شاہ بی بی اور بی بی حوراں نے اس ہولناک الزام پہ دل تھام لیے تھے جبکہ بی بی نور بانو، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت لیے یک ٹک اس تماشے کو دیکھے جارہی تھیں۔

شور کی آواز سن کے تینوں لڑکیاں بھی اندر سے بھاگی چلی آئی تھیں اور یہاں کا منظر دیکھ کر دروازے میں ہی سہم کر رک گئی تھیں۔

"چھوڑو! چھوڑو مجھے۔" صبور کے لیے کف اڑاتے بھائی کو قابو کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ ایاز اور حاذق ڈھال بن کے بہن کے آگے کھڑے ہوگئے تھے۔

"خبردار! جو میری بہن کو ہاتھ لگایا، ورنہ تمہارے ٹکڑے کرڈالوں گا!" ایاز کی دھمکی نے جیسے جلتی پہ تیل کا کام کیا تھا۔

"تو میرے ٹکڑے کرے گا...... ہاں!" بختیار شاہ بپھر کر خود کو چھڑاتے سالے کی جانب لپکے تھے۔

اسی اثناء میں معصومہ کی نظر دروازے میں کھڑی زرناب پہ پڑی تھی۔ وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھیں اور اسے بازو سے کھینچتی سب کے درمیان لے آئی تھیں۔

"پوچھیں، پوچھیں اس سے۔ کل یہ بارش میں مصطفیٰ کا بازو پکڑے پچھلے باغ میں کیا کررہی تھی؟" وہ حلق کے بل چلائیں تو زرناب کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

وحشت زدہ نظروں سے اپنی بھرجائی کو تکتے ہوئے اس معصوم کا پورا وجود ہلدی میں نہا گیا تھا۔ جبکہ مصطفیٰ کے نام پر وہاں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔

پیر نظر حسین شاہ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ بے یقینی ان کے چہرے پہ لکھی تھی۔

"اس کی تو......" صبور شاہ کی غراہٹ سناٹے کو چیرتی سب کی سماعتوں سے ٹکرائی تو بختیار، حاذق اور ایاز اس کے پیچھے لپکے جو بھاگتا ہوا داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔ معصومہ بھی اپنی ماں اور بھابیوں سمیت اس کے پیچھے دوڑی تھیں۔

تیرہ سالہ زرناب کے اعصاب میں اس سے زیادہ بار جھیلنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ تیورا کے گر پڑی۔ بی بی نور بانو چیختی ہوئی اٹھ کر بیٹی کی طرف بڑھیں۔ شاہ بی بی، بی بی حوراں، صدف، شفق سب ہی ان کے پیچھے زرناب کی جانب لپکی تھیں۔ اگر کوئی اپنی جگہ سے ہل نہیں پایا تھا تو وہ شاہ صاحب تھے۔ جو سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس انکشاف پر سکتہ میں تھے جو تہمت تھی یا حقیقت۔

"کتے، کمینے! میں تیرا خون پی جاؤں گا!" صحن سے آنے والی آواز پر سب نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ پیر نظر حسین شاہ پہ چھایا جمود ایک جھٹکے سے ٹوٹا تھا۔ وہ لب بھینچے تیزی سے اٹھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر کی جانب بڑھ گئے تھے۔ ان کے پیچھے شاہ بی بی اور بی بی حوراں بھی دہل کر بھاگی تھیں۔ لیکن برآمدے میں نکلتے ہی ان کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔

سامنے قیامت کا منظر تھا۔ ملازموں سے بھرے صحن میں مصطفیٰ، صبور شاہ کی ٹھوکروں میں تھا۔ اس کے ناک اور منہ سے خون نکل کر اس کے گرد سے بھرے کپڑوں پر گر رہا تھا۔ اس کی کراہیں اور عبداللہ کی آہ و بکا بھی صبور کا غصہ ٹھنڈا کرنے سے قاصر تھی۔ شاہ صاحب جلال کے عالم میں آگے بڑھے لیکن بختیار شاہ نے سُرعت سے ان کا راستہ روک لیا تھا۔

"نہیں بابا صاحب! آج آپ اس معاملے میں نہیں بولیں گے۔" ان کا تنفس تیز اور چہرہ مارے غضب کے سرخ ہو رہا تھا۔ پیر نظر حسین شاہ مٹھیاں بھینچے اپنی جگہ پہ ساکت کھڑے رہ گئے۔ شاہ بی بی کا دل تڑپ اٹھا۔

"اسے اپنی صفائی کا ایک موقع تو دو صبور! اتنا ظلم مت کرو۔" انھوں نے بے اختیار دہائی دی تھی مگر صبور شاہ پہ تو جیسے خون سوار تھا۔ وہ اسے بے رحمی سے مارتا رہا تھا اور آخر میں گھسیٹتا باپ کے سامنے لایا۔

"ابھی، ابھی اس حرام خور کو سزا دیں!" وہ ہانپتا ہوا چلایا تو شاہ صاحب کی نظریں اپنے قدموں میں گرے مصطفیٰ پر جا ٹھہریں۔ جو خود پہ ڈھائی جانے والی قیامت کا پس منظر بنا بتائے بھی بہ خوبی سمجھ گیا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ معصومہ شاہ اپنا وار کر چکی ہے۔ جس کے بعد زرتاب کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا، لیکن سچائی بیان کرنا اس کا حق تھا، تب ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ نڈھال سے انداز میں شاہ صاحب کے سامنے جوڑ دیے تھے۔

"مم...... مجھے اس رب پاک کی قسم ہے۔ مم...... میں نے آپ کے اعتبار کو نہیں۔ نہیں توڑا!"

اور پیر نظر حسین شاہ کو لگا تھا جیسے ان کے بے جان جسم میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔ وہ مصطفیٰ کی رگ رگ سے واقف تھے۔ انھوں نے اس کی تربیت خود کی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں سے جان گئے تھے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ جھکے تھے اور مصطفیٰ کو دونوں شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"یہ...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں بابا صاحب؟" بے یقینی کی زیادتی کے باعث صبور شاہ چلّا اٹھا۔ مگر پیر نظر حسین شاہ نے اسے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"عبداللہ!"

وہ متوحش سے آنسو بہاتے عبداللہ کی جانب پلٹے تو وہ دیوانہ وار بھاگتا ہوا ان کے پاس چلا آیا۔

"میرے اس حکم کو دل پہ نہ لینا۔ بس اتنا سمجھ لینا کہ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔" اسے دیکھتے ہوئے انھوں نے تمہید باندھی تو چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔

"تم اپنے بیٹے کو لو اور اس گاؤں سے دور چلے جاؤ۔" وہ دھیرے سے بولے تو عبداللہ کی سانس جیسے رک سی گئی تھی۔

مصطفیٰ نے تڑپ کر شاہ صاحب کی طرف دیکھا۔

"کیا انھیں اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا؟" اس کی آنکھوں میں درد شکوہ بن کر پھیل گیا تھا۔

"جو حکم سرکار۔" ہر بات سے انجان ہونے کے باوجود عبداللہ نے اپنے مرشد کے حکم پہ سرِ تسلیم خم کر دیا تو شاہ صاحب کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ اس کا شانہ تھپتھپا کے وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر اندر چلے گئے۔ صبور شاہ انگارے کی طرح دہکتا چہرہ لیے ان کے پیچھے لپکا۔

"بابا صاحب! آپ ایسا کیسے......"

"بس!" ان کی گرج دار آواز نے صبور کو اپنی جگہ پہ ساکت کر دیا۔

"بہت برداشت کر لی میں نے تم سب کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بکواس۔ میں الزام لگانے والے کی خصلت کو بھی بہ خوبی جانتا ہوں اور جن پر تہمت دھری گئی ہے ان کے اطوار کو بھی اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں نے جو فیصلہ سنانا تھا، سنا دیا۔ اب اگر اس گھر میں کسی نے اس فیصلے سے روگردانی کی یا اس موضوع پر دوبارہ کوئی بات ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا!"

قطعی لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ پلٹ کر بی بی نور بانو سے لپٹ کر آنسو بہاتی بیٹی کی طرف بڑھے تو زرناب ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر باپ سے جا لپٹی۔

"م...... میں نے کچھ...... کچھ نہیں کیا بابا صاحب۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تو شاہ صاحب کو لگا جیسے ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ بے اختیار اس کا سر چومتے ہوئے انھوں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"بختیار! اپنی بیوی کو میری نظروں کے سامنے سے دور لے جاؤ۔" وہ انتہائی سرد لہجے میں بولے تو معصومہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کیوں؟ میں کوئی چور ہوں جو......"

"بختیار!" وہ بلند آواز میں دہاڑے۔ بختیار شاہ لب بھینچے آگے بڑھے اور بیوی کو کھینچتے ہوئے اندر لے گئے۔ صبور بھی تن فن کرتا اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا۔

"اور آپ سب......" وہ بڑی حویلی والوں کی طرف پلٹے۔ "یہ سامان اٹھائیں اور دوبارہ میرے گھر کی دہلیز اس مقصد کے لیے پار کرنے کی غلطی مت کیجیے گا۔" ان کی تنبیہ بی بی نرجس کے لبوں پہ تنفر بھری مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"بے فکر رہو نظر۔ اب ہم تو کیا خاندان میں کوئی بھی "اس مقصد" کے لیے تمھاری دہلیز پار نہیں کرنے والا! اس سامان کو باہر پھنکوا دینا۔ صد شکر کہ میرے بیٹے کی زندگی خراب ہونے سے بچ گئی۔"

زہر اگل کے وہ دندناتی ہوئی اپنے خاندان کے ہمراہ باہر نکل گئیں تو باوجود بھرپور استقامت کے سید نظر حسین شاہ کا وجود لڑکھڑا گیا۔

"بابا! بابا صاحب۔" زرناب نے دہل کر باپ کو پکارا۔

"ٹھیک...... ٹھیک ہوں میں۔"

☆☆☆

پیر نظر حسین شاہ کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ آنے والا دن سفید حویلی کے لیے چہ گوئیاں لے کر آیا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ کل تک جو لوگ اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ صبور شاہ نے مصطفیٰ پہ ہاتھ کیوں اٹھایا تھا، انھوں نے کیا کہا تھا۔ آج ان کی برسوں کی کمائی ہوئی عزت پر سوالیہ نشان لگ گیا تھا۔ آج ان کی زبان پہ دبے لفظوں میں ہی سہی لیکن زرناب اور مصطفیٰ کا نام آنے لگا تھا۔ یہ نام راتوں رات حویلی کے ہال سے نکل کر انجان لوگوں کی زبانوں تک کیسے اور کس ذریعے سے پہنچے تھے، شاہ صاحب بہ خوبی سمجھتے تھے۔ ایک سوگ کی سی کیفیت تھی جو پوری سفید حویلی پہ چھا گئی تھی۔

"نور بانو! زرناب نے کچھ کھایا؟"

بی بی نور بانو کو ٹرے اٹھائے اس کے کمرے سے نکلتا دیکھ کر شاہ صاحب نے سوال کیا تو وہ آنکھوں میں آنسو لیے نفی میں سر ہلا گئیں۔

ان کے جواب پہ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے اس کے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔ بی بی نور بانو نے ملازمہ کو بلا کر ٹرے اس کے حوالے کی اور خود بھی ان کے پیچھے اندر چلی آئیں، جہاں شاہ بی بی، بی بی حوراں، شفق اور صدف سب ہی زرناب کے پاس موجود تھیں۔

"زری بیٹا!" انھوں نے اندر داخل ہو کر محبت سے اسے پکارا تو وہ جو شاہ بی بی کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی، بے تابی سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے متورم چہرے اور سوجی ہوئی آنکھوں پہ نظر پڑتے ہی پیر نظر حسین

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شاہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا مگر بظاہر وہ ہمت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے اور زرناب تو جیسے اسی لمحے کی منتظر تھی۔ باپ کے سینے سے لگتے ہی وہ اس بری طرح ٹوٹ کر روئی تھی۔

"ایک بات یاد رکھنا بیٹا، زندگی میں انسان کے ساتھ بڑے بڑے حادثے پیش آ جاتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم ہمت ہار دیں۔ کل جو بھی ہوا، ہرگز اچھا نہیں ہوا لیکن آپ اس حادثے کو ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دو۔۔۔۔ میں اپنی بیٹی کی آنکھوں میں دوبارہ کبھی اتنے آنسو نہیں دیکھنا چاہوں گا۔" انھوں نے پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔

"با...... بابا صاحب میں...... میں اور مصطفیٰ بے قصور ہیں۔ مجھ۔ مجھے آپ کے سر کی قسم ہے بابا کہ ہم نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تو شاہ صاحب نے تڑپ کے بولے۔

"میں جانتا ہوں میرے بچے۔ مجھے اپنی بچی پہ خود سے زیادہ بھروسا ہے۔"

"پھر بھر...... بھرجائی نے ایسا کیوں کیا؟ وہ...... وہ بہت بری ہیں با...... باص...... صاحب...... بہت بری۔ میں تو مصطفیٰ سے جھ...... جھولا ڈلوا رہی تھی۔"

اور پھر وہ اسی ٹوٹے بکھرے لہجے میں انھیں ساری بات بتاتی چلی گئی جسے سن کر شاہ صاحب کا زندگی میں پہلی بار دل چاہا تھا کہ وہ معصومہ کی گردن اڑا دیں۔ اس فتنہ پرور عورت نے ان کے گھر کی عزت کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس نے ان معصوم بچوں کے دامن میں زندگی بھر کی ندامت ڈال دی تھی، جس کے بعد وہ ایک دوسرے سے نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں رہے تھے۔

انھوں نے زرناب کو بہت پیار اور نرمی سے اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا مگر ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کی ہنسی، اس کی شوخی بدنامی کی اتھاہ گہرائیوں کے خوف نے سمیٹ لی تھی۔ بھائیوں کا ڈر، ان کی نگاہوں کے نشتر اس معصوم کا اعتماد بکھیر گئے تھے۔ مصطفیٰ کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کی داستان نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ بختیار شاہ اور صبور ـــــ کسی طور زرناب کو بخشنے کے لیے تیار نہ تھے۔

اس ساری صورت حال نے زرناب کو ایک خول میں بند کر دیا تھا۔ وہ اس حد تک وحشت زدہ ہو گئی تھی کہ اپنے عزیز از جان بابا صاحب سے بھی بات کرنے اور نظریں ملانے سے کترانے لگی تھی۔ اس کی یہ حالت پیر نظر حسین شاہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

☆☆☆

ان کا یہ فیصلہ زرناب کے حق میں بہتر ثابت ہوا تھا۔ باپ، پھپھی اور ماں کے بھرپور اعتماد اور محبت نے رفتہ رفتہ اس کی ذات کے اعتماد کو بحال کر دیا تھا۔ مگر اس کی وہ بے ساختہ ہنسی کہیں کھو گئی تھی۔ مصطفیٰ اور عبداللہ چاچا کی دربدری اسے پہروں ملول رکھتی تھی۔

شاہ صاحب نے صدف اور شفق کو بھی شہر بلوا لیا تھا جہاں انھوں نے تینوں بچیوں کی پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کروایا تھا۔ ان سب کا گاؤں آنا جانا لگا رہتا تھا لیکن بچیوں کی مستقل رہائش شہر میں ہی گئی تھی۔ جس کا معصومہ کو بے حد غصہ تھا اور اپنی یہ جلن اس نے نہایت ہوشیاری سے زرناب کے خلاف زہر اگل کر نکالی تھی۔ گاؤں کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جہاں زرناب اور مصطفیٰ کے عشق کی ڈھیروں داستانیں سنی اور سنائی نہ گئیں۔ لیکن وقت کی گرد نے بالآخر ہر تجسس کا خاتمہ کر ڈالا تھا۔

زرناب اور صدف نے پرائیویٹ انٹر کا امتحان دیا تھا جب بڑی حویلی والے بہت دھوم دھام سے ہاشم کے لیے اس کی خالہ کی بیٹی بیاہ لائے تھے۔ اپنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

طور پہ انھوں نے مدیحہ کو زرناب پہ فوقیت دے کر سفید حویلی والوں کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔لیکن مدیحہ بھی بی بی نرجس کی بھانجی تھی۔ان ہی کی طرح تیز اور بالکل ان پڑھ۔ہاشم کے تند مزاج کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ایک لازمی سی بات تھی۔اس پہ مستزاد زرناب شاہ کا دن بہ دن نکھرتا اور سلجھا ہوا روپ۔ہاشم جب کبھی دونوں کا موازنہ کرتا اسے سوائے ناکامی کے دوسرا کوئی احساس نہیں ہوتا۔اپنی اس ناکامی کا غصہ وہ گھوم پھر کر مدیحہ پر نکالتا جو جواباً اسے زرناب کا ناکام عاشق گردان کر اس کے غصے اور بیزاری کو مزید ہوا دیتی۔ان کی یہ ناچاقی جلد ہی سب پر واضح ہونے لگی۔باتیں کھلیں تو رہا سہا لحاظ بھی گیا۔مار پیٹ گالی گلوچ روزانہ کا معمول بن گیا اور ایک روز مدیحہ کے ماں باپ بی بی نرجس اور ہاشم کی اولاد پہ سارے جہان کی خاک ڈال کے اپنی بیٹی کو واپس لے گئے۔ہاشم نے بھی موقع کو غنیمت جانا اور کسی سے پوچھے بنا — اسے طلاق بھجوادی۔بی بی نرجس لکیر پیٹتی رہ گئیں اور دونوں پوتوں کی ذمہ داری ان پر آ گئی۔

اس دوران سفید حویلی میں شفق بیاہ کر اپنے گھر چلی گئی تھی۔بی اے کے پرچوں کے بعد صدف اور صبور کی بات ٹھہرادی گئی تھی۔اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے صدف،زرناب کی سہیلی سے اس کی بھابھی کے عہدے پر فائز ہوگئی۔صدف کی شادی کے بعد زرناب بھی مستقل طور پہ حویلی واپس آ گئی تھی۔اس کی ذات میں درآنے والا اعتماد اب کسی کے برے رویے سے متزلزل ہونے والا نہ تھا۔

☆☆☆

اس کی مستقل واپسی کی خبر پا کے ہاشم نے ماں بہن پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ ایک بار پھر اس کا رشتہ لے کر پیر نظر حسین شاہ کے پاس جائیں۔ان کے ارادوں کی خبر سفید حویلی تک پہنچی تو شاہ صاحب کے حکم پہ گھر کی خواتین نے زرناب کے رشتے کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں اور تب انھیں اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا کہ بدنامی کا زہر کتنا سریع الاثر ہوتا ہے۔

خاندان کا ہر وہ گھر جو کبھی پیر نظر حسین شاہ کی بیٹی کو اپنی بہو بنانے کا خواہش مند تھا،اب کنی کتراتا نظر آتا تھا۔اور جو ہر بات بھلا کر آنے کو تیار ہوتے تھے،ان کے کانوں میں نجانے کون سا صور پھونکا جاتا تھا کہ بات ہوتے ہوتے ختم ہو جاتی تھی۔اس صورت حال نے پیر نظر حسین شاہ کو توڑ کے رکھ دیا تھا۔لیکن بظاہر وہ ہر آن اپنی بیٹی،بیوی اور بہن کا حوصلہ بنے نظر آتے تھے۔ان کے شب و روز اور خدمتِ خلق کا وہی عالم تھا۔نورو الاں کو تعلیم سے لے کر صحت تک کی ہر سہولت ان کی ایما پر فراہم کی گئی تھی۔

☆☆☆

دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے چلے گئے تھے۔زرناب کی پریشانی نے شاہ صاحب کو اندر سے کھوکھلا کر ڈالا تھا،اور ایک روز ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔رات کے کسی پہر ہونے والا ہارٹ اٹیک جان لیوا ثابت ہوا تھا۔نورو الاں پہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔کون سی آنکھ تھی جو اشک بار نہ تھی۔ان کی دائمی جدائی کے صدمے نے زرناب کو پاگل سا کر دیا تھا۔وہ جانتی تھی کہ اس کا غم اس کے پیارے بابا صاحب کو کھا گیا تھا۔اور اس کے لیے وہ اپنے باپ کے مجرموں کو کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔

پیر سید نظر حسین شاہ کے چالیسویں کے بعد جب اگلے سجادہ نشین کا معاملہ اٹھا تو کوثر شاہ کے بلاوے پہ شاہ صاحب کا وکیل ان کا وصیت نامہ لے کر چلا آیا تھا۔ان کی وصیت نے پورے خاندان میں ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔پیر نظر حسین شاہ نے پیری،مریدی کا سلسلہ اپنے ساتھ ہی ختم کر دیا تھا۔جس

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے بعد ہرمن مانی کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔

کچھ عرصے بعد بی بی نرجس، ہاشم کا رشتہ لے کر دوبارہ سفید حویلی چلی آئی تھیں۔ ان کی آمد پہ زرناب کا خون کھول اٹھا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت اس کی ماں، پھپھی اور چچی کی بھی تھی۔ بی بی نور بانو نے بغیر کسی لگی لپٹی کے انھیں انکار کر دیا تھا جس پر بختیار سمیت صبور شاہ نے بھی خوب ہنگامہ کیا تھا مگر بی بی کا انکار اقرار میں نہیں بدلا تھا۔

بڑی حویلی والوں کے لیے اپنی بات کا ایک بار پھر رد کیے جانا اور زرناب کا کہیں اور رشتہ طے ہونا کسی ہتک سے کم نہ تھا۔ معصومہ کی نفرت میں مزید شدت آ گئی تھی، وہ اس کی راہ کھوٹی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی، مگر اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود شفق کا لایا ہوا رشتہ قبول کر لیا گیا تھا۔ اور وہیں ہاشم غضب ناک ہو گیا تھا۔ زرناب شاہ کو پانا اور سفید حویلی والوں سے اپنی اس توہین کا بدلہ لینا اب اس کا اولین مقصد بن چکا تھا۔

☆☆☆

سیف علی ساکت کھڑا اپنے سامنے موجود خستہ حال عمارت کو دیکھ رہا تھا۔ جس میں گائے اور بھینسوں کو باندھ کر اس سرکاری اسکول کی عمارت کو نہایت احسن طریقے سے باڑے کا روپ دے دیا گیا تھا۔ یہاں تعینات سرکاری ٹیچر یا تو بھگا دیا گیا تھا یا پھر اسے بھی کچھ دے دلا کر اس سازش کا حصہ بنا لیا گیا تھا۔ حقیقت جو بھی تھی لیکن گاؤں کے غریب بچوں کے مستقبل کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک سیف علی جنگ کا دل جلا کر خاک کر گیا تھا۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سب کچھ؟" اس نے ساتھ کھڑے ایس ایچ او سے دریافت کیا۔

"دو سال سے جناب۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اور کون چلا رہا ہے؟" اس نے جمیل کی طرف دیکھا تو اس کا رنگ اڑ گیا۔

"ب۔ بڑی حویلی کے حاذق شاہ اور سفید حویلی کے بختیار شاہ۔" وہ کھکھیا کر بولا تو سیف کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ وہ جانتا تھا کہ اس سب کے پیچھے علاقے کی با اثر شخصیات کا ہی ہاتھ ہو گا۔

"دل تو کر رہا ہے کہ تم سب کو کھڑے کھڑے فارغ کر دوں۔" اس نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے سامنے کھڑے ماتحت کو دیکھا تو ایس ایچ او جمیل کی نظریں مارے شرمندگی کے جھک گئیں۔

"نفری بلاؤ اور ابھی کے ابھی اس جگہ کو خالی کرواؤ۔۔۔ جو بھی اس کام میں رکاوٹ ڈالے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ملال زیست	آمنہ ریاض	300/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	400/-
فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل	300/-
دل اک گلشن	رضیہ جمیل	300/-
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل	350/-
حنا	نادرہ خاتون	550/-
چلمن	نادرہ خاتون	300/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 32216361

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اسے پکڑ کر اندر کرو!'' وہ سخت لہجے میں حکم دیتا آگے بڑھ گیا تو جمیل اقبال مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق تھانے بھاگا اور اگلے آدھے گھنٹے میں پورے نور والاں میں اسکول پہ پولیس کے چھاپے کی اطلاع نے سنسنی پھیلا دی تھی۔

حاذق شاہ کو علم ہوا تو وہ بھائیوں کو لیے بھاگم بھاگ سفید حویلی پہنچے جہاں صبور شاہ پہلے ہی غصے میں بھرا کمرے میں چکرا رہا تھا۔ بختیار شاہ البتہ اس کے مقابلے میں پرسکون سے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بختیار شاہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے انھیں روک دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن اگر آج ہم نے سیف علی کی مخالفت میں کوئی قدم اٹھایا تو وہ لوگوں کی نظروں میں ہیرو اور ہم زیرو ہو کر رہ جائیں گے۔ جبکہ ابھی ہمیں ان سب کی حمایت کی اشد ضرورت ہے۔ کچھ ہی مہینوں میں الیکشن ہونے والے ہیں۔''

''اوہ! تو تمھیں اپنی لیڈری کی پڑی ہے۔'' حاذق شاہ نے استہزائیہ انداز میں ہنکارا بھرا۔ ''اور یہاں جو ہماری عزت کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اس کا کیا ہوگا؟'' وہ غصے سے بولے تو بختیار شاہ کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''تو کیا تمھارے اس باڑے کے پیچھے میں اپنا سیاسی کیریر داؤ پہ لگا دوں؟'' وہ تند لہجے میں بولے تو ہاشم شاہ انھیں تیز نظروں سے دیکھتا، بھائی کی طرف پلٹا۔

''چھوڑیں لالہ، ان سفید حویلی والوں کا تو خون ہی سفید ہے۔''

''زبان سنبھال کے بات کر ہاشم!'' صبور اچانک پلٹتے ہوئے غرایا تو ایاز شاہ جو ابھی تک خاموش بیٹھے تھے، بول پڑے۔

''یہ تم لوگ کیا بچوں کی طرح آپس میں ہی شروع ہو گئے ہو۔۔۔ بختیار ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اپنے ہی علاقے کے لوگوں کو اپنے خلاف کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اس وقت خاموشی اختیار کر لیں۔''

''پر یہ تو اسے شہ دینے والی بات ہو گی ناں۔'' صبور غصے سے بولا۔

''آج شہ دے رہے ہیں تو کل لگام کھینچ بھی لیں گے۔'' بختیار شاہ رسان سے بولے۔ ''ایک بار کرسی ہاتھ آجائے اس کے بعد دیکھنا، کیسے میں اس کمینے کا پتا صاف کرواتا ہوں۔'' ان کی بات پہ ایاز شاہ نے دانت پیسے۔

''ویسے اس کمبخت کی قسمت اچھی ہے۔ یہ اس وقت یہاں آیا ہے جب بہت کچھ داؤ پہ لگا ہے۔''

''مگر اب ہم لوگوں سے کہیں گے کیا؟'' حاذق نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''یہی کہ ہم اے ایس پی صاحب کے اس اقدام کی حمایت کرتے ہیں اور اسکول کی بحالی کا کام اپنے ذمے لیتے ہیں۔'' بختیار شاہ مکاری سے مسکرائے تو ایاز شاہ کی نظروں میں ستائش در آئی۔

''واہ! بہت خوب۔ اس سے بہترین داؤ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ منہ ٹوٹ کر رہ جائے گا اس الو کے پٹھے کا۔'' ان کی تعریف پہ بختیار شاہ تنی ہوئی گردن کے ساتھ مسکرا دیے۔

''صبور! تم کل رات کے لیے فارم ہاؤس پہ شاندار سی دعوت کا اہتمام کرو۔ میں آج خود اے ایس پی صاحب سے ملنے جاؤں گا۔'' مونچھوں کو تاؤ دیتے وہ پُرسوچ انداز میں بولے تو صبور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

سیف علی جنگ اپنے سامنے بختیار شاہ کو پا کر حیران نہیں ہوا تھا۔ آج جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بعد وہ ان کی طرف سے ہر طرح کے ردِعمل کے لیے تیار تھا۔لیکن جب انھوں نے اس کے اقدام کی تعریف کرتے ہوئے، اسکول کو باڑے میں تبدیل کرنے جیسی گھٹیا اور غیر قانونی حرکت کی اصل جڑ بڑی حویلی والوں کو قرار دیا،تو نہ چاہتے ہوئے بھی سیف کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

مزید اسکول کی بحالی کا کام اپنے ذمّے لے کر انھوں نے ساری بات ہی ختم کردی تھی۔یہی وجہ تھی کہ جب بختیار شاہ نے اسے اپنے فارم ہاؤس پہ مدعو کیا تھا تو وہ انکار نہیں کرسکا تھا۔ان کا غیر معمولی حسنِ سلوک اسے چونکا گیا تھا۔اور وہ بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔

☆☆☆

''بی بی جی!آپ کو پتا ہے کہ یہ افسر جس نے اسکول کی عمارت خالی کروائی ہے،کون ہے؟''

زرناب اور صدف چائے پیتے ہوئے کل وقوع پذیر ہونے والے شان دار کارنامے پہ بات کررہی تھیں، جب پاس بیٹھی فضیلت نے زرناب کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے کیسے پتا ہوسکتا ہے فضلی۔'' وہ اس کے سوال پہ دھیرے سے مسکرائی۔

''بی بی جی!یہ وہی نیلی آنکھوں والا بندہ ہے جو اس دن مزار پر ہمارا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا تھا۔''

''کیا......'' زرناب کے مگ سے چائے چھلکتے چھلکتے بچی تھی۔صدف نے چونکتے ہوئے پہلے فضلی اور پھر زرناب کو دیکھا تھا۔

''یہ نیلی آنکھوں والا کون ہے محترمہ؟'' اس نے مگ پہ انگلی بجائی۔

''کوئی نہیں یار۔'' زرناب دھیرے سے بولی۔نجانے کیوں اسے اس فرض شناس اور بہادر آفیسر کی اصلیت جان کر اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔

''تم بتاؤ فضلی۔'' وہ فضیلت کی جانب گھومی تو اس نے فرفر اسے پوری بات سنادی۔

''تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' صدف زرناب کی طرف پلٹی۔

''اس میں بھلا بتانے والی کیا بات تھی۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا۔

''مجھے تو حیرت اس بات پر ہورہی ہے کہ آیا ہم ایک ہی شخص کو ڈسکس کررہے ہیں؟میرا مطلب ہے کہاں وہ عامیانہ سی حرکت اور کہاں یہ قابل ستائش کارکردگی۔تمھیں کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا؟'' صدف الجھی الجھی سی بولی۔

''جتنے دوغلے رویّے لوگوں کے میں نے جھیلے ہیں اس کے بعد تو یہ سب مجھے بہت عام سی بات لگ رہی ہے۔'' آزردہ سی مسکراہٹ،لبوں پر سجائے وہ دھیمے لہجے میں بولی تو صدف ایک لمحے کو خاموش ہو گئی۔

''بالا بتا رہا تھا جی کہ آج رات اس افسر کی وڈے شاہ جی نے اپنے فارم ہاؤس پہ بڑی شپیشل (اسپیشل) قسم کی دعوت بھی رکھی ہے۔'' فضلی نے اپنے شوہر کا حوالہ دیا تو دونوں کے منہ کھل گئے۔

''کیا؟''انھوں نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یہ کیا چکر ہے بھئی؟'' صدف نے مگ میز پر رکھا۔''کہیں یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے تو نہیں؟''

''کیا کہہ سکتے ہیں۔'' زرناب نے اک گہری سانس لی۔''چلو ہماری یہ غلط فہمی تو دور ہوئی کہ وہ ایک دیانت دار اور سچا انسان ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی تو صدف کے چہرے پہ ملال اتر آیا۔

''سچ کہوں تو مجھے افسوس ہوا ہے۔کل کے واقعے کے بعد یوں لگنے لگا تھا جیسے یہاں بہت کچھ بدلنے والا ہے۔لیکن......'' وہ بولتے۔بولتے چپ ہوگئی تو زرناب پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''یہ اس کا نہیں، تمھاری خوش فہمی کا قصور ہے۔اب اٹھو، مغرب ہونے والی ہے۔'' اس کا بازو تھپتھپاتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تو ملول سی صدف اٹھ کر زرناب کے پیچھے چل دی جو خود بھی خاصی خاموش ہوگئی تھی۔

☆☆☆

طبلے کی آواز اور گھنگھروؤں کی جھنکار، رات کے سناٹے میں دور تک سنائی دے رہی تھی۔ وسیع لان روشنیوں اور پھولوں سے سجا خاصا دلکش لگ رہا تھا۔ ساغر و مینا کا دور جاری تھا۔ وہ گاؤ تکیے پہ کہنی کے بل بیٹھے، اپنے سامنے بچھے حسن کے اس جال کو محظوظ نظروں سے تکتا سافٹ ڈرنک کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر رہا تھا۔

''لگتا ہے، آپ کو ہماری پسند کچھ خاص نہیں بھائی۔'' ہاشم شاہ گلاس لیے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا تو سیف کھل کر مسکرا دیا۔

''نہیں۔ اچھی ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ ہر نظر کا اپنا حسن ہوتا ہے۔ اس لیے عورت کے حوالے سے میرا معیار کچھ اور ہے۔'' اس کی بات پہ ہاشم مسکرا دیا۔

''خوب! ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے۔ کیا پتا آپ کا گوہر مقصود ہماری نظر میں ہو۔'' اس نے شرارت سے آنکھ دبائی تو سیف علی ہنس پڑا۔

''جو کسی کی نظر میں سما جائے، وہ میرا گوہر مقصود کہاں۔''

''واہ! کیا بات کہی ہے۔'' اس نے سیف کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''پھر تو بہت خاص پسند ہوئی آپ کی۔'' ہاشم شاہ کی بات پہ ایک پری چہرہ اس کی نگاہوں میں آٹھہرا تو سیف دھیرے سے مسکرا دیا۔

''بہت خاص...... آپ سنائیں ہاشم صاحب، آپ کے مزاج کو کیسے رنگ بھاتے ہیں؟'' سیف نے سافٹ ڈرنک کا گھونٹ لیا۔

''صحیح معنوں میں بھانے کی بات کریں تو کمبخت ایک ہی رنگ بھایا ہے۔ وہ اور بات ہے کہ اب تک اسے پا نہیں سکے۔''

''اچھا!! مگر آپ کے بارے میں تو سنا ہے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔'' سیف نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیسی شادی؟ اسے بھولنے کا بس ایک بہانا تھا۔'' ہاشم نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔

''غیر خاندان سے تھی کیا؟'' سیف نے کاجو اٹھا کر منہ میں رکھا۔

''ارے کہاں۔ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ بختیار اور صبور شاہ کی بہن۔'' اور سیف علی جنگ کو یوں لگا جیسے اسے کسی کرنٹ نے چھو لیا ہو۔ بے اختیار سیدھے ہوتے ہوئے اس نے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو گہری نظروں سے دیکھا جو آنکھوں میں نشے کا سرور لیے ایک عیاش رئیس زادے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

''پھر شادی کیوں نہیں ہوئی؟'' سیف نے دھیرے سے سوال کیا۔

''بس یار۔ میرے چاچا جی کا پھیلایا ہوا کھڑاگ تھا۔ اور پھر وہ کچھ خود بھی ٹھیک نہیں تھی۔'' ہاشم شاہ نے ہمیشہ کی طرح زرناب کے کردار پہ کیچڑ اچھالی تو سیف ساکت ہوگیا۔

''کیا۔ کیا مطلب؟''

''اب اپنے منہ سے کیا کہوں۔ آخر ہے تو ہمارے خاندان کی عزت اور میری محبت۔ مگر اس لڑکی نے اپنی ہی حویلی کے ایک ملازم کے ساتھ منہ کالا کر کے اس دل کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

وہ تاسف سے بولا تو سیف کو لگا جیسے کوئی تیز رفتار ٹرین اس کے وجود کے پرخچے اڑاتی گزر گئی ہو۔ بے اختیار اس کی نظروں کے سامنے وہ جھکی آنکھیں آٹھہریں جنھوں نے ایک نگاہ غلط بھی اس پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا۔ سیف علی کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

"اس کی بے وفائی کے باوجود آج بھی میں اسے اپنانا چاہتا ہوں، مگر محترمہ کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ وہ کہتے ہیں ناں، رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ عزت راس ہی نہیں آ رہی سالی کو۔" دانت پیستے ہوئے اس نے ایک ہی سانس میں جام خالی کر ڈالا۔

سیف کا دل چاہا کہ وہ اس گھٹیا آدمی کی زبان کھینچ لے۔ ایک طرف تو وہ مسلسل محبت اور عزت کا راگ الاپ رہا تھا اور دوسری طرف وہ ایک اجنبی کے سامنے اپنی ہی چاہت کی کردار کشی کر رہا تھا، اسے گالی دے رہا تھا۔ کس درجے کا منافق انسان تھا وہ!

یک لخت سیف کو ہر چیز سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ کچھ ہی دیر مزید وہاں رکا تھا اور پھر سب کے اصرار کے باوجود گھر چلا آیا۔

جبکہ اپنا ہر حربہ ناکام جاتا دیکھ کر بختیار شاہ کتنی ہی دیر تک تلملاتے رہے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح سفید حویلی کے لیے نئی پریشانی لے کر آئی تھی۔ بی بی حوراں باتھ روم میں گر گئی تھیں۔ ٹانگ اور بازو پہ شدید چوٹیں آئی تھیں جبکہ ٹخنے کی سوجن دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ ہڈی فریکچر ہو گئی ہے۔ وہ بے حد تکلیف میں تھیں۔ صدف کا رو رو کر برا حال تھا۔ بختیار شاہ علی الصباح پارٹی میٹنگ کے لیے ملتان جانے کے لیے نکل چکے تھے جبکہ صبور کا نمبر رات فارم ہاؤس پہ گزارنے کے باعث تاحال بند جا رہا تھا۔

بالآخر شاہ بی بی نے ڈرائیور سے کہہ کر حویلی میں اس وقت موجود واحد گاڑی نکلوائی تھی اور زرناب کے ساتھ بی بی حوراں کو لے کر شہر روانہ ہوئی تھیں۔ صدف بچوں کی وجہ سے چاہتے ہوئے بھی ماں کے ساتھ نہ جا سکی تھی۔

حویلی سے نکل کر گاڑی بڑی تیزی سے نور والاں کی حدود کو پار کرتی بڑی سڑک پر آ گئی تھی، جب بیچ راستے میں جھٹکے کھانے کے بعد اچانک بند ہو گئی تھی۔

"اے گڈی کیوں بند ہو گئی اے حق نواز؟" شاہ بی بی نے پریشانی سے ڈرائیور سے استفسار کیا۔

"ہن ای ویکھنا آں بی بی۔" ڈرائیور دروازہ کھول کے باہر نکل گیا، لیکن جب دس، پندرہ منٹ کی کوشش کے باوجود بھی گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی تو زرناب اور کوثر شاہ دونوں پریشان ہو گئیں۔

"اب کیا کریں بی بی؟" زرناب نے متفکر نظروں سے پھپھی کو دیکھا۔ گھر میں بھی دوسری کوئی گاڑی موجود نہ تھی جو وہ حق نواز کو بھیج کر منگوا لیتیں۔

"میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" انھوں نے پریشانی سے اپنی گود میں سر رکھے لیٹی بھاوج کو دیکھا۔

"بی بی صیبہ (صاحبہ)۔" حق نواز کے پکارنے پہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "او پچھے، اے ایس پی صیب ہوراں دا بنگلہ اے۔ جے تسی اجازت دو تے میں اوتھوں مدد دا آکھاں؟" (وہ پیچھے اے ایس پی صاحب کا بنگلہ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں سے مدد کے لیے کہوں؟)

اس نے کچھ فاصلے پر موجود سیاہ گیٹ کی طرف اشارہ کیا تو زرناب بے اختیار گھبرا گئی۔

"نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں۔"

"مگر! اس کے بغیر گزارہ بھی تو نہیں۔" شاہ بی بی پریشانی سے بولیں تو زرناب نچلا لب کاٹنے لگی۔

"بلکہ ایسا کرو کہ تم بھی اس کے ساتھ جاؤ۔ اگر اس وقت گھر میں کوئی عورت ہوئی تو پتا نہیں اس کی بات سنے گی بھی یا نہیں۔" انھوں نے اپنے تئیں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

معقول بات کی تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق زرناب گاڑی سے نیچے اتر آگئی۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ دن کے سوا گیارہ بجے اے ایس پی صاحب کی گھر میں موجودگی کا امکان ذرا کم ہی تھا۔ اس پہ مستزاد رات ہونے والی دعوتِ خاص!

"وہ بھی یقیناً فارم ہاؤس پہ ہی کہیں مدہوش پڑا ہوگا۔" تلخی سے سوچتی ہوئی زرناب ڈرائیور کے ہمراہ چلتی سیاہ گیٹ کے سامنے آکھڑی ہوئی تو حق نواز نے آگے بڑھ کے اطلاعی گھنٹی پہ انگلی رکھ دی۔

کمرے میں پھیلی ملگجی سی روشنی کے درمیان سیف علی جنگ اپنی مسہری پہ گہری نیند سو رہا تھا، جب اچانک کسی عجیب سے احساس کے زیرِ اثر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ تیزی سے سیدھے ہوتے ہوئے اس نے اپنے اردگرد دیکھا تھا لیکن چار سو خاموشی تھی۔

تب ہی اس کی نظر سامنے لگے وال کلاک کی طرف اٹھی تھی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ گیارہ بج گئے تھے اور اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔ تیزی سے کمبل ہٹاتا وہ اٹھ کر باتھ روم میں جا گھسا تھا۔ ہاشم شاہ کی کل کی باتیں اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھیں۔ وہ شدت سے زرناب شاہ کو دوبارہ دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

نہا، دھو کر وہ کاٹن کے سرمئی شلوار سوٹ میں باہر نکلا تو سوا گیارہ بج رہے تھے۔ جوں ہی اپنے دھیان میں سیڑھیوں پر قدم رکھا۔ اس کی سماعتوں سے آواز ٹکرائی۔

"تمھاری بیگم صاحبہ کہاں ہیں شمیم؟" سیف علی نے بے یقینی سے نظریں اٹھاتے ہوئے سامنے دیکھا تھا جہاں سفید کڑھائی والی چادر میں اس دشمنِ جاں کو لپٹا کھڑا دیکھ کے وہ ایک لمحے کے لیے مبہوت رہ گیا تھا۔ تو کیا وہ اس کی آمد کا احساس تھا۔ اس نے حیرانی سے سوچا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"یہاں تو کوئی بیگم صاحبہ نہیں بی بی۔ صرف صاحب ہی ہوتے ہیں۔" شمیم کو اے ایس پی صاحب کے بنگلے میں پا کر زرناب نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔ اس نے ساری بات اسے بتا کر اس کی مالکن کے متعلق استفسار کیا تھا اور اس کا جواب سن کر اب پریشان ہوگئی تھی۔

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ میں صاحب کو اٹھاتی ہوں۔ وہ آج گھر پہ ہی ہیں۔ رات شاہ جی کی دعوت سے واپسی پہ انھیں بہت دیر ہوگئی۔" اور زرناب اس کی موجودگی کا سن کر گھبرا گئی تھی۔ اس کی گھبراہٹ سیف کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ بے اختیار اسے ہاشم شاہ کی بات یاد آئی اور اس کا خون نئے سرے سے کھول اٹھا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ کچھ سوچتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا تو زرناب کی نگاہیں اس کے اونچے لمبے وجود کی طرف اٹھی تھیں۔ اس نے تیزی سے چادر سے چہرہ چھپایا تھا۔

"زہے نصیب!" وہ اپنی نیلی آنکھیں اس کی سیاہ آنکھوں پہ جماتا ہوا بولا تو زرناب کی شفاف آنکھوں میں ناگواری پھیل گئی۔ سیف کے لبوں پہ بے اختیار اک دھیمی سی مسکراہٹ آکر غائب ہوگئی۔

"صاحب جی! یہ ہماری سفید حویلی کی بی بی صاحبہ ہیں۔ انھیں اس وقت آپ مدد کی ضرورت ہے۔" شمیم اس کے قریب آتے ہوئے بولی تو سیف نے زرناب کی طرف دیکھا۔

"کہیے کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟" اس کی آنکھوں میں چھایا رت جگے کا خمار زرناب کا حلق تک کڑوا کر گیا۔ یقیناً یہ اسی رنگین محفل کا کمال تھا جس کا کل وہ مہمانِ خصوصی تھا۔

"میری چچی کو شہر پہنچانا ہے، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہماری گاڑی سامنے بڑی سڑک پہ بند ہو گئی ہے۔ بھاء جی اور صبور بھائی سے رابطہ نہیں ہو پا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رہا۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے مختصر ترین الفاظ میں اپنا مدعا کہہ سنایا تو سیف کا ذہن مکمل طور پہ الرٹ ہو گیا۔

''آپ لوگوں کے ساتھ کون ہے؟''

''ہمارا ڈرائیور۔'' اس کی بات پہ وہ اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا تو وہ اور شمیم بھی پیچھے چلی آئیں۔ حق نواز سے ساری تفصیل سننے کے بعد وہ اس کی طرف پلٹا۔

''آیئے پلیز۔'' اور زرناب جھجکتی ہوئی اس کے پیچھے چل پڑی جو تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے زرناب کے لیے پچھلا دروازہ کھولا تو وہ اس کے مہذب بننے کی اداکاری پہ اندر ہی اندر کھول اٹھی۔ اس کے بیٹھتے ہی سیف دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا اور اگلے چند ہی لمحوں میں وہ ان سب کو لیے شہر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ایک بہترین اسپتال میں اس نے شاہ بی بی کے روکنے کے باوجود بی بی حوراں کے لیے بھاگ دوڑ کی۔ زرناب اس دوران خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی تھی۔

ڈاکٹر نے بی بی حوراں کے پاؤں پہ پلستر کر دیا تھا۔ اس سارے سلسلے میں انھیں اچھا خاصا وقت لگ گیا تھا۔ ایسے میں صبور شاہ کا دو بار فون آیا تھا جسے شاہ بی بی نے غصے میں کاٹ دیا تھا۔ یوں چار، پانچ گھنٹے بعد جب وہ لوگ اس کی گاڑی میں حویلی پہنچے تھے تو بختیار اور صبور شاہ دونوں بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔

''کیا ضرورت تھی اس شخص کا احسان لینے کی؟'' سیف علی جنگ کے منظر سے ہٹتے ہی صبور ان پہ چڑھ دوڑا تھا۔

''جب اپنے مرد ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں تو غیروں سے مدد لینی ہی پڑتی ہے۔'' شاہ بی بی کا سرد لہجہ صبور شاہ کو نظریں چرانے پہ مجبور کر گیا تھا۔

''آپ کو تو ہمیں شرمندہ کروانے کے سوا دوسرا کوئی کام نہیں۔ جانتی بھی ہیں، کتنا بڑا عذاب بن کے وہ ہمارے سروں پہ مسلط ہو گیا ہے؟'' بختیار شاہ غصے سے بولے تو زرناب چونک گئی۔

''اگر وہ ایسا ہی عذاب تھا تو کل رات کی دعوت کس سلسلے کی کڑی تھی؟ کوئی اپنے مخالفین کے لیے بھلا محفلیں سجاتا ہے؟''

استہزائیہ انداز میں سوچتے ہوئے اس نے سامنے کھڑے بھائی کو دیکھا۔ جو نجانے کیوں سب کے سامنے اس اے ایس پی اور اپنے درمیان تعلق کو ظاہر نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

''ہمارے لیے تو وہ کسی رحمت سے کم نہیں تھا۔ بہت ہی نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے۔'' شاہ بی بی صاف گوئی سے بولیں تو بختیار شاہ نے لب بھینچتے ہوئے قطعیت سے ہاتھ اٹھایا۔

''بس! دوبارہ اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے یہ غلطی دہرائی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' تنبیہی انداز میں اپنی بات مکمل کرتے وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل گئے تو زرناب اس آنکھ مچولی کے بارے میں سوچتی ہوئی الجھ سی گئی۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر سیف نے گاڑی ڈرائیور کے حوالے کی اور خود اندر چلا آیا۔ وہ فریش ہو کر نیچے آیا تو شمیم اس کے لیے گرما گرم چائے اور کباب لیے چلی آئی۔

''صاحب جی! کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے ناں؟'' اس نے کپ سیف کے سامنے میز پر رکھا۔

''نہیں۔ اللہ نے خیر کر دی ہے۔ بس معمولی سا فریکچر ہوا ہے جوان شاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کی بات پہ شمیم نے مطمئن سے انداز

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں سر ہلایا۔

"صاحب جی یہ رفاقت آپ کا فون دے گیا ہے۔گڈی میں رہ گیا تھا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل سیف کی طرف بڑھایا تو وہ چونک کر اس انجان سیٹ کو دیکھنے لگا۔

تب ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔یہ سیٹ تو اس نے اسپتال میں شاہ بی بی کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔اب پتا نہیں یہ ان کا فون تھا یا زرناب کا۔پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرتے ہوئے اس نے شمیم سے فون لے کر ایک طرف ڈال دیا۔

"شمیم۔"

"جی صاحب۔"

"ایک بات کا بالکل سچ جواب دو گی؟" اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

شمیم نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ زرناب بی بی اور ان کے ملازم کا کیا قصہ ہے؟" اور یہ سن کر شمیم کی رنگت ——— متغیر ہو گئی تھی۔"آ۔آپ کو کس نے کہا جی؟"

"ہاشم شاہ نے۔"

"جھوٹ بولتے ہیں جی وہ۔" شمیم تپ کر بولی تھی۔"بلکہ یہ سارا گند ان کے خندان (خاندان) اور ان کی بہن معصومہ کا ہی پھیلایا ہوا ہے۔ہماری زرناب بی بی تو فرشتوں کی طرح مصوم (معصوم) ہیں جی۔" اس کی بات پر سیف نے بغور اسے دیکھا۔

"اچھا، تو پھر حقیقت کیا ہے؟" اور شمیم وہیں زمین پر بیٹھ کر اسے الف تا یے پوری بات سناتی چلی گئی تھی۔سیف لبوں پہ مٹھی جمائے اسے سنتا رہا۔

"وڈے شاہ صاحب کے مصطفیٰ کو کچھ نہ کہنے پر دونوں بھائیوں نے باپ سے بات کرنا بند کر دی۔جبکہ بی بی کی تو وہ شکل تک نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔زرناب بی بی سارا سارا دن اپنے کمرے میں بند پڑی روتی رہتیں۔ان کا ہنسنا بولنا سب ختم ہو گیا تھا۔سوکھ کے کانٹا ہو گئی تھیں جی۔" اس نے سیف کی طرف دیکھا۔

"معصومہ بی بی اور ان کے گھر والوں نے انکار کا خوب بدلہ نکالا۔انھوں نے پورے گاؤں میں زرناب بی بی کو بھنڈ (بدنام) کر کے رکھ دیا۔پھر ایک دن شاہ صاحب بی بی، اپنی بیوی اور بہن کو لے کر شہر چلے گئے۔کچھ عرصے بعد اپنی بھتیجیوں کو بھی وہیں بلوا لیا۔یہ لوگ وہیں رہنے لگے۔

کڑیوں نے اپنی تلیم (تعلیم) مکمل کی۔مگر معصومہ بی بی نے زرناب بی بی کی جان نہیں چھوڑی۔یہی حال ان کے اس بدمعاش بھائی کا بھی تھا۔حالانکہ اس نے اپنی خالہ کی دھی سے شادی وی کر لی تھی مگر نہ اسے وسایا نہ بی بی کا پیچھا چھوڑا۔پھر صدف بی بی اور صبور صاحب کی شادی کے بعد بی بی لوگ بھی واپس آ گئے۔

وڈی حویلی والوں کو پتا چلا تو وہ اک واری فیر زرناب بی بی کو ہاشم صاحب کے لیے مانگنے پہ تل گئے۔مگر شاہ صاحب نے بی بی کے لیے خاندان میں رشتے کی کوشش تیز کر دیں۔لیکن جہاں کہیں وی بات چلتی وڈی حویلی والے وہاں چپ چپیتے (چوری چھپے) گند ڈال دیتے۔

وقت گزرنے لگا۔بی بی کی عمر بڑھنے لگی۔اس پریشانی نے ہمارے شاہ صاحب کو ختم کر دیا لیکن ان ظالموں کو شرم نہ آئی۔وہ تب سے لے کر آج تک اندر خانے زرناب بی بی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔لیکن بظاہر یہی کہتے پھرتے ہیں کہ ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔اور بی بی کے بھائی ہیں کہ صرف ماں بہن کو جھٹلائے جاتے ہیں۔ان کی تکلیف کا انھیں کوئی احساس ہی نہیں۔" دل گرفتی سے کہتے ہوئے اس نے سیف کو دیکھا تو وہ خود کو مجتمع کرتا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سیدھا ہو بیٹھا۔

"اور وہ لڑکا مصطفیٰ؟"

"اللہ جانے کدھر گیا۔ نہ وہ واپس آیا اور نہ اس کا نماڑاں (بے چارہ) باپ۔" شمیم کے متاسف لہجے پہ سیف اک بوجھل سانس لیتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ سب اٹھالو۔" اس نے ٹھنڈی ہوتی چائے اور کباب کی طرف اشارہ کیا تو شمیم خاموشی سے ٹرے میں چیزیں رکھ کے باہر نکل گئی۔

سیف باہر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا جس کی دوسری طرف شام اتر آئی تھی۔

"اتنی صعوبتیں۔ اتنی طویل سزا! اور میرا تن من ساری عمر مصطفیٰ کی جلا وطنی، اس کے کردار کی رسوائی پہ جلتا رہا۔ خاک ہوتا رہا!"

ملال نمی بن اس کی آنکھوں میں اُتر آیا تو مارے کرب کے اس نے اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں تلے دبا لیا۔

ان گزرے ماہ و سال میں زرتاب نظر حسین شاہ پہ کیا بیتی تھی، یہ آج اسے پتا چلا تھا، لیکن گھائل روح اور زخم خوردہ وجود لیے ہوئے مصطفیٰ کو، اس کا ادھیڑ عمر باپ کہاں لے گیا تھا۔ یہ آج بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور جو جانتا تھا، وہ اس دنیا سے کب کا رخصت ہو چکا تھا۔

☆☆☆

حویلی سے متصل دربار میں رات کے جس پہر عبداللہ نے قدم رکھا، ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ صرف ایک برآمدے کی بتی جل رہی تھی جس کی روشنی میں سیڑھیوں پہ بیٹھا وجود اسے صاف دکھائی دے گیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اس کی جانب بڑھا تھا۔

"سرکار!"

"بیٹھو عبداللہ۔" پیر نظر حسین شاہ نے اسے اشارہ کیا تو وہ ملول سا ان کے قریب آ بیٹھا۔

اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ شاہ صاحب نے اسے خود پیغام دے کر بلوایا تھا ورنہ اس ہنگامے کی جو وجہ مصطفیٰ کی زبانی اس کے علم آئی تھی اس نے تو جیسے عبداللہ کو نچوڑ ہی لیا تھا۔

اسے اس بات کا پکا یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ نہ تو کبھی اپنے مرشد کا چہرہ دیکھ سکے گا اور نہ ہی ان کا دل اپنے بچے کی طرف سے صاف کر پائے گا۔ لیکن اسے اپنے پاس بلوا کر پیر نظر حسین شاہ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ حقیقت میں بہت بڑے ظرف اور حوصلے کے مالک تھے۔

"مصطفیٰ کیسا ہے؟" ان کی بات سن کے اس کا دل ان کی عظمت کے آگے پانی بن کر بہنے لگا تھا۔

"بخار میں بے سدھ پڑا ہے جی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ تو شاہ صاحب کے لب بھینچ گئے۔ عبداللہ نے ڈرتے ڈرتے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"سر...... سرکار۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ میرا بچہ اس گھرانے کی عزت کی طرف نگاہ اٹھانے کی خیانت کر سکتا ہے؟" اس نے سوال کیا تو پیر نظر حسین شاہ پھیکا سا مسکرا دیے۔

"نہیں۔"

"پھر آپ مجھے اس عمر میں اپنے قدموں سے دوری کی سزا کیوں دے رہے ہیں؟" ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ سسک اٹھا۔

"تمھیں وہ وقت یاد ہے عبداللہ! جب ایسی ہی ایک رات میں اسی جگہ پہ بیٹھ کر تم نے میرے بھروسے پر اپنی منزل کا انتخاب کیا تھا؟" انھوں نے نرمی سے استفسار کیا تو عبداللہ کاندھے پہ پڑے رومال سے آنسو صاف کرتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔

"یاد ہے سرکار۔"

"اپنے اس فیصلے پر کبھی کسی قسم کا پچھتاوا ہوا تمھیں؟" انھوں نے اگلا سوال کیا تو عبداللہ تڑپ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اٹھا۔

''رب دی سوں (قسم) کبھی نہیں۔''

''تو بس پھر سمجھو کہ آج میں اسی جگہ پر بیٹھ کر تمھارے لیے ایک اور بہتر فیصلہ کرنے والا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میرے لیے مصطفیٰ اب قابلِ اعتبار نہیں رہا بلکہ اس لیے کہ یہاں اس کی موجودگی اس کی جان اور میری آن دونوں کے لیے اب ٹھیک نہیں رہی۔ اس کی ذات کو لے کر شک اور بدگمانی کا جو بیج بویا جا چکا ہے، اسے اب لوگوں کے دل و دماغ سے کبھی نہیں نکالا جا سکتا۔'' وہ افسردہ سے بولے تو بغور ان کی بات سنتے ہوئے عبداللہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''ٹھیک کیندے او سرکار۔ اے شک دا بول ہن سانوں وسن نئیں دے گا۔'' وہ مضمحل سا بولا تو انداز میں صدیوں کی تھکن تھی۔

پیر نظر حسین شاہ نے اک گہری سانس لیتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ ''یہ کچھ پیسے اور ایک پتا ہے۔ لاہور کی ٹکٹ کرانا اور سیدھا اس پتے پر پہنچ جانا۔'' انھوں نے کرتے کی جیب سے کچھ روپے اور ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونک کر شاہ صاحب کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اے کیسے دا پتا اے سرکار؟''

''یہ ایک بندۂ خدا۔ جب جاؤ گے تو دیکھ لو گے۔'' وہ بوجھل سا مسکرائے۔

پیر نظر حسین شاہ جانتے تھے کہ اس کی ساری زندگی اس گاؤں اور گاؤں کی گلیوں کے علاوہ کہیں نہیں گزری تھی اور وہ اتنے شقی نہیں تھے کہ اسے یہاں سے بھیج کر در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے بے آسرا چھوڑ دیتے، تب ہی ان اعصاب شکن حالات میں بھی، انھوں بہت سوچ بچار کے بعد اس کے لیے مناسب ترین حل تلاش کیا تھا۔

عبداللہ نے بھیگی آنکھیں لیے ان کے ہاتھ سے دونوں چیزیں تھام لیں۔

''سرکار مینوں اپنی آواز تے سنڑ دی اجازت دو گے ناں؟'' اس نے بھرّائے ہوئے لہجے میں استدعا کی تو پیر نظر حسین شاہ کے آنسو ان کے اندر گرنے لگے۔

''پلٹ کر دیکھتے رہو گے تو آگے کا سفر مشکل ہو جائے گا عبداللہ! بس اس بات کا یقین رکھنا کہ میری دعائیں ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ رہیں گی۔'' اور عبداللہ اپنے مرشد، اپنے محسن کا ہاتھ پکڑ کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

☆☆☆

زرناب منہ دھو کے کمرے میں آئی تو اس کا فون بج رہا تھا۔ تولیے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کے اسکرین پہ نظر ڈالی۔ شاہ بی بی کا نمبر دیکھ کر وہ بری طرح چونک گئی۔ رات کے بارہ بجے شاہ بی بی اسے کال کیوں کر رہی تھیں، پریشانی سے سوچتے ہوئے اس نے سرعت سے فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

''خیر تو ہے ناں بی بی؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' چھوٹتے کے ساتھ ہی وہ متوحش سی بولی تو لائن پہ ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''آپ جیسی اچھی بیٹی سے اتنی ہی محبت اور کیئر کی توقع کی جا سکتی ہے۔'' یک لخت ایک گمبھیر مردانہ آواز فون پہ ابھری تو زرناب لحظہ بھر کو گھبرا گئی۔ یہ شاہ بی بی کے نمبر سے کون بات کر رہا تھا؟

''کون بول رہا ہے؟'' اس کے لہجے میں سختی در آئی۔

''آپ کا خادم۔'' سیف پھیکا سا مسکرایا تو زرناب نے ناسمجھی کے عالم میں بھنویں سکیڑیں۔

''جی؟''

''سیف علی جنگ بات کر رہا ہوں محترمہ۔'' اگلے ہی لمحے وہ بشاش لہجے میں بولا تو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زرناب کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ بی بی کا فون اس کے پاس کیا کر رہا تھا؟ کہیں اس نے قصداً تو فون غائب نہیں کیا تھا؟

''غلط مت سوچیں، ہم قوم کے رکھوالے ہیں، چور نہیں۔'' سیف نے مسکراتے ہوئے اس کی سوچ کو زبان دی تو زرناب اپنی چوری پکڑی جانے پر بری طرح گڑبڑا گئی۔

''م۔میں نے ایسا کب کہا؟'' اور سیف اس کی آواز میں لرزش محسوس کر کے بے اختیار ہنس پڑا۔

''ویسے آپ کے اطمینان کے لیے عرض ہے کہ شاہ بی بی کا موبائل میری گاڑی میں رہ گیا تھا۔''

زرناب پر گھڑوں پانی آپڑا۔

''میں۔میں انھیں بتادوں گی۔'' وہ شرمندہ سی بولی۔ سیف مسکرادیا۔

''آپ کی یہی بات تو مجھے اچھی لگتی ہے، اپنی غلطی کا احساس فوراً کرلیتی ہیں۔''

اور زرناب چکرا کر رہ گئی۔ کیا یہ شخص کسی قسم کا علم جانتا تھا جو اس کی ندامت، اس کا شک، ہر احساس پڑھتا جارہا تھا؟ گھبرا کر سوچتے ہوئے اس نے خود کو سنبھالا۔

''تو پھر آپ کو یہ جان کر بھی اچھا لگے گا کہ میں غیر مردوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔'' اس نے حتی المقدور اپنے لہجے کو سپاٹ بنایا۔ سیف کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''جانتا ہوں۔لیکن بات تو ساری سمجھنے کی ہے میں زرناب نظر حسین شاہ کو غیر نہیں سمجھتا۔'' وہ اچانک گمبھیر لہجے میں بولا تو زرناب کا دل اس کے کانوں میں دھڑک اٹھا۔

''یہ آپ کس انداز میں مجھ سے بات کر رہے ہیں؟''

''اپنائیت بھرے انداز میں۔'' اس کا برجستہ جواب زرناب کا چہرہ سرخ کرگیا۔

''اپنی حد میں رہیں اے ایس پی صاحب!'' اس کا غصہ عود کر آیا۔ ''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ کس سے مخاطب ہیں۔''

''یہی تو بات ہے کہ میں آپ کو بھول ہی تو نہیں پایا۔'' وہ اس کے غصے کو خاطر میں لائے بنا نرمی سے بولا۔ ''رہی حد کی بات تو میری ہر حد آپ سے شروع ہو کر آپ پہ ہی ختم ہوتی ہے زرناب شاہ! آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔''

بنا کسی ہچکچاہٹ کے واضح الفاظ میں اپنی پسندیدگی ظاہر کی۔ تو زرناب بھونچکی کھڑی رہ گئی۔

''آپ......آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھ سے یہ بکواس کرنے کی؟'' لمحے کی بے یقینی کے بعد وہ بولی تو آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ نکلی تھیں۔

''ہمت کی بات نہ کیجیے گا۔ اگر میری ہمت کے بارے میں جان گئیں تو پلکیں جھپکنا بھول جائیں گی۔'' سیف یک لخت سنجیدہ آواز میں بولا۔ زرناب نے بہ مشکل تمام اپنے اشتعال پہ قابو پایا۔

''ہونہہ! اچھا ہوا جو آپ نے اپنی اچھائی کا یہ ڈھونگ جلد ختم کردیا۔ اب کم از کم مجھے آپ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔''

''بدگمانی کی اوٹ سے دیکھیں گی تو ہر منظر دھند میں ڈوبا نظر آئے گا۔ اس لیے صرف یہی کہوں گا کہ اتنی جلدی رائے قائم کرنے کی غلطی نہ کریں۔ ابھی تو پرکھنے کو عشق کے بہت سے امتحان باقی ہیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ شب بخیر۔''

جس طرح اچانک فون آیا تھا اسی طرح اچانک بند ہوگیا تو ساکت کھڑی زرناب نے چونکتے ہوئے فون کان سے ہٹا کر نگاہوں کے سامنے کیا اور پھر لب بھینچے بیڈ پہ گرسی گئی۔ سیف علی جنگ کی آنکھیں، اس کا انداز تو پہلی ملاقات میں ہی اسے چونکا گیا تھا، لیکن وہ اس حد تک بے باکی پہ اتر آئے گا اس بات کا اسے اندازہ نہ تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"یا اللہ یہ کیا نئی مشکل آ پڑی ہے؟" لب کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس کے وجود پہ سے تو ابھی پہلے الزام کی گرد نہیں چھٹی تھی ایسے میں ایک نیا الزام تو شاید اس کی ذات کو ہمیشہ کے لیے مصلوب کرنے کے لیے کافی تھا۔

☆☆☆

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں اس ناگن کا اصلی روپ سب کو دکھا کر رہوں گا۔" سوجن زدہ چہرہ لیے مصطفیٰ نے سامان باندھتے باپ کو شدید طیش کے عالم میں دیکھا تھا۔ لیکن عبداللہ کے ہاتھ نہیں رکے تھے۔ اپنی بات کا مطلق اثر نہ ہوتے دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے چارپائی سے نیچے اترا تھا۔

"اگر تو نے ایک قدم وی اس کمرے سے باہر نکالا تو اپنے پیو کا مرا ہوا منہ دیکھے گا۔" عبداللہ کی سرد آواز کمرے میں گونجی تو مصطفیٰ نے تڑپ کر باپ کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ کیوں کر رہا ہے تو میرے ساتھ ایسا؟"

"اس لیے کہ یہ سرکار کا حکم ہے۔"

"میں نہیں مانتا اس حکم کو۔ یہ ناانصافی ہے۔ میں اس گاؤں سے گنہگاروں کی طرح سر جھکا کر نہیں نکلوں گا۔ میں زرناب بی بی کو ان ظالموں کے رحم و کرم پہ نہیں چھوڑوں گا!" وہ حلق کے بل چلایا تو عبداللہ نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

"آج کہا ہے۔ دوبارہ کبھی شاہ صاحب کو ناانصاف نہ کہنا! رہی بات بی بی کی، تو ان کے سر پہ ان کے والد کا سایہ سلامت ہے۔ اللہ نے چاہا تو سرکار کے ہوتے، انھیں تتی ہوا (گرم ہوا) بھی نہیں چھو سکتی۔" اور مصطفیٰ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا۔

اس کے اندر ذلت کی ایک آگ لگی تھی جو بے بسی کے تھپیڑوں سے اذیت ناک حد تک دہک اٹھی تھی۔ عبداللہ نے زخم خوردہ نگاہوں سے بیٹے کو روتے دیکھا تھا اور پھر سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

وہ شام ان کی نور والاں میں آخری شام تھی۔ جدائی کے اس احساس نے مصطفیٰ کے اندر حشر برپا کر دیا تھا۔ اس نے جاتے ہوئے آخری بار مڑ کر پیچھے دیکھا تھا جہاں دور کھیتوں کے اس پار سفید حویلی کی اونچی دیواریں نظر آ رہی تھیں جن کے پیچھے اس کی زندگی کا اولین خواب، اولین محبت چُن دی گئی تھی۔

☆☆☆

"میں نے آپ کے ساتھ مل کر چلنے کا فیصلہ کیا ہے شاہ جی۔"

پیپر ویٹ گھماتے ہوئے سیف علی جنگ نے اپنے مقابل بیٹھے بختیار شاہ کی طرف دیکھا تو وہ بری طرح چونک گئے۔ پہلے اچانک سیف کی کال اور اپنے دفتر آنے کی دعوت اور اب یہ غیر متوقع بات، وہ ٹھٹک گئے تھے۔

"اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" انھوں نے کھوجتی نگاہیں اس کے چہرے پہ جماتے ہوئے سوال کیا تو سیف دھیرے سے مسکرا دیا۔

"میں نے آپ کے اندر اس علاقے کے لوگوں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ پایا ہے۔ اور جو لوگوں کی بھلائی چاہے گا، میرا ساتھ از خود اس کے ساتھ ہو جائے گا۔" اس نے شانوں کو خفیف سی جنبش دی تو بختیار شاہ گڑبڑاتے ہوئے سنبھلے۔

"بالکل کیوں نہیں، ان لوگوں کی بھلائی ہی تو میرا مقصد ہے۔"

"بس تو پھر اختلاف کس بات کا۔ میں ہر قدم پہ آپ کے ساتھ ہوں۔" وہ اطمینان سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بھرپور انداز میں مسکرایا تو بختیار شاہ اندر ہی اندر کلستے ہوئے بظاہر کھل کر مسکرا دیے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

صبور شاہ کو واقعہ کا علم ہوا تو وہ بری طرح جھنجلا گیا۔

"آپ سے کس نے کہا تھا اس شخص سے ہاتھ ملانے کے لیے؟" اس نے غصے سے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

"تو کیا اس کی بات کی تردید کر کے اسے لوگوں کو بھڑکانے کا موقع دے دیتا؟ یا پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر کھلی دشمنی کا اعلان کر دیتا؟" وہ غصے سے بولے تو صبور مارے بے بسی کے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ بختیار شاہ نے اک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو پرسکون کیا۔

"دیکھو، فی الحال ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔ اب کم از کم ہم اس کے ارادوں کی خبر تو رکھ سکیں گے ورنہ اسکول والے معاملے کی طرح انجانے میں ہی مات کھانی پڑے گی۔" ان کی بات پہ صبور نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"پتا نہیں کیوں بھاجی مجھے یہ بندہ، انجان نہیں لگتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اسے کہیں دیکھا ہوا ہے۔" اس نے اپنے اندر پنپتی الجھن کو زبان دی تو بختیار شاہ چونک اٹھے۔

"کمال ہے۔ پہلی ملاقات میں مجھے بھی کچھ ایسا ہی احساس ہوا تھا۔" ان کے جواب پہ صبور سرعت سے سیدھا ہوا۔

"مجھے یقین ہے، کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" اپنے اندازے کی تصدیق نے اس کے اندر جوش بھر دیا۔ "میرے خیال میں بھاجی ہمیں اس کے بارے میں تفصیلی معلومات نکلوانی چاہیے۔" اس نے ان کی طرف تائید طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہوں۔" بختیار شاہ نے پرسوچ انداز میں مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔ "کرتے ہیں کچھ۔ تب تک جتنا ہو سکے، اس کے آس پاس رہو۔"

ان کی ہدایت پہ صبور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں یہ دھوکا بہت مہنگا پڑے گا جنگ، اگر جو تم آستین کے سانپ نکلے!" غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے بختیار شاہ کی آنکھوں میں سرد مہری پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

صبح سے بی بی حوراں کی عیادت کو آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ شفق کو ماں کے گرنے کا علم ہوا تو وہ اسلام آباد سے دوڑی چلی آئی۔

ان کا شفیق چہرہ دیکھ کے اس کی جان میں جان آئی تھی۔ اس وقت بھی وہ سب بی بی حوراں کے پاس بیٹھی تھیں جب معصومہ کی نظر، خود سے الجھتی زرناب پہ جا ٹھہری تھی۔

"یہ تم کیوں صبح سے اتنی چپ چپ سی ہو؟" گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے پوچھا۔ وہ آج صبح سے ہی اس کی کھوئی کھوئی سی کیفیت کو محسوس کر رہی تھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں پھر جائی۔" زرناب خود کو سنبھالتے ہوئے بے تاثر لہجے میں بولی تو معصومہ کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مجھے لگتا ہے، اسے اپنے سسرال والوں کا نہ آنا پریشان کر رہا ہے۔"

انھوں نے باقی سب کی طرف پلٹتے ہوئے خیال آرائی کی تو زرناب ان کی اس ـــــ سوچ پر جل کر رہ گئی۔ پتا نہیں وہ کہاں کہاں سے اس طرح کے نکتے نکال لاتی تھیں۔

"اول تو وہ ابھی اس کی سسرال نہیں بنی۔ دوسرا وہ لوگ فون پہ حوراں کی عیادت کر چکے ہیں اور اس اتوار آنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لیے بے فکر رہو، زرناب کو ایسی کوئی پریشانی لاحق نہیں۔"

شاہ بی بی نے بظاہر پرسکون انداز میں اچھی طرح ان کی طبیعت صاف کی تو معصومہ بدمزہ سی رخ موڑ گئیں۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر صبور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شاہ اندر داخل ہوا تو سب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

"تم سب لڑکیاں باہر جاؤ۔ سیف علی جنگ بی بی کی عیادت کے لیے آیا ہے۔" وہ شفق، صدف، زرناب اور اپنی بھتیجیوں سے مخاطب ہوا تو اس کی آمد کا سن کر زرناب کا دل بے اختیار۔۔۔ ڈوب کر ابھرا۔ رات بھر کی پریشانی کیا کم تھی جو وہ عفریت کا روپ دھارے گھر تک چلا آیا تھا؟

"کمال ہے۔ کل تک تو وہ آپ لوگوں کا دشمن تھا۔" صدف نے طنزیہ انداز میں شوہر کی طرف دیکھا تو وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

"زیادہ فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں، جا کے کھانے کی تیاری کرواؤ۔ وہ کھانا ہمارے ساتھ کھائے گا۔" اور صدف استہزائیہ انداز میں ہنکارا بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ زرناب اندر ہی اندر ہولتی صدف اور شفق کے ساتھ کچن میں چلی آئی جہاں کھانے کی تیاری کرتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل سیف علی جنگ میں اٹکا ہوا تھا۔

"کہیں وہ کسی سے کچھ کہہ ہی نہ دے۔" مچھلی کو مسالا لگاتے ہوئے اس نے پریشانی سے سوچا۔ تب ہی فرج سے سلاد کا سامان لے کر پلٹتی شفق کی نظر زرناب کے متفکر چہرے سے ٹکرائی تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"کیا بات ہے زری، تم اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟" اس کی آواز پہ جہاں زرناب نے سر اٹھایا تھا، وہیں صدف بھی ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی تھی۔ زرناب کا الجھا الجھا سا انداز وہ بھی کتنی دیر سے محسوس کر رہی تھی۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے آپی۔" اس کی کنپٹیاں واقعی بری طرح دُکھ رہی تھیں۔

"تو جانو! جا کر لیٹ جاؤ۔"

"بس یہ مچھلی کا کام ختم کرلوں تو جاتی ہوں۔"

"چھوڑو اسے۔" شفق نے آگے بڑھ کے اس کے سامنے سے پیالہ اٹھالیا تو وہ مسکراتی ہوئی ہاتھ دھو کر باہر نکل گئی۔ لیکن کمرے میں جانے کے خیال سے ہی اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔ اسی لیے خاموشی سے زینہ طے کرتی وہ چھت پہ آگئی تھی جہاں رات کی رانی کی مہک میں ڈوبی ٹھنڈی ہوا نے اس کے اندر تک تازگی بھر دی تھی۔ لحظہ بھر کو آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنا چاہا تھا لیکن نیچے لان سے بلند ہونے والے بھاری قہقہے نے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔

وہ بے قراری سے آگے بڑھی اور لان کے وسط میں رکھی کرسیوں پہ اپنے بھائیوں کے ساتھ سیف علی جنگ کو براجمان دیکھ کر اس کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔ وہ احتیاط سے چلتی، ایک کونے میں، ریلنگ کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی۔ چھت پہ چونکہ اندھیرا تھا، اس لیے اسے اپنے دیکھ لیے جانے کا خدشہ نہ تھا۔ جبکہ نیچے لان میں نصب سنہری لیمپ پوسٹس کی روشنی میں سیف علی جنگ کا ساحر وجود دھیمے دھیمے جگمگا رہا تھا۔

لائٹ گرے کاٹن کی شلوار قمیض میں وہ کالی پشاوری چپل پہنے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کا یاقوت کی انگوٹھی سے سجا ہاتھ بے نیازی سے کرسی کے بازو پہ رکھا تھا۔

زرناب کی نگاہیں اس کا جائزہ لیتی اس کے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں۔ وہ آج پہلی بار اندھیرے کی اوٹ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے خدوخال کا جائزہ لے رہی تھی۔ اور اسے اس کی وجاہت کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔

سیدھی کھڑی ناک کے نیچے سیاہ گھنی مونچھیں اور بھری بھری سی فیشنی داڑھی اس کی سفید رنگت پہ خوب جچ رہی تھی۔ اس کی نیلی آنکھیں صبور شاہ پہ جمی تھیں۔ وہ بغور اس کی کوئی بات سن رہا تھا۔ یک لخت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زرناب کو اس کا انداز بہت جانا پہچانا سا لگا تھا۔ کہاں دیکھا تھا اس نے نظروں کا یہ ارتکاز؟ ذہن پہ زور دیتے ہوئے وہ قدرے آگے کو جھکی تھی۔ اچانک ہوا کا ایک شریر جھونکا آیا اور اس کے سرخ دوپٹے کا پلو اپنے ساتھ اڑا لے گیا تھا۔ زرناب نے گھبرا کے دوپٹا پکڑا تھا۔

تب ہی سیف کو، جس کا رخ زرناب کی طرف تھا، کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے چونک کر نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ زرناب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ وہ سرعت سے پیچھے ہٹی۔ لیکن اگلے ہی پل اسے نارمل انداز میں دوبارہ صبور شاہ کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر اس نے بے اختیار سکھ کا سانس لیا تھا۔

یہ بے اختیاری اسے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی اگر جو کوئی اسے دیکھ لیتا تو۔ وہ مزید چھت پہ رکنے کا ارادہ ترک کرتی نیچے چلی آئی تھی۔ لیکن اس کا ذہن سیف کی ذات کی وجہ سے کچھ عجیب سی الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ اپنے بیڈ پہ کروٹیں بدلتے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتا نہیں چلا تھا۔

جلتی لائٹ میں وہ گہری نیند سو رہی تھی جب موبائل کی مسلسل ہوتی بیل پہ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ کمرے میں موجود روشنی نے اس کے لیے آنکھوں کو کھولنا مشکل بنا دیا تھا۔ بے اختیار اپنا ہاتھ آنکھوں پہ رکھتے ہوئے اس نے بنا نمبر دیکھے کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہیلو!'' اس کی خمار آلود آواز دوسری طرف موجود منتظر سماعتوں سے ٹکرائی تو اک دھیمی سی مسکان بھرے بھرے لبوں کا احاطہ کر گئی۔

''ہماری نیندیں چُرا کر وہ خود سو رہے ہیں۔۔۔ اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا!'' جانی پہچانی سی گمبھیر آواز زرناب کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کی ساری نیند بھک سے اُڑ گئی۔ اس کی خاموشی پہ اپنی کھڑکی میں کھڑا سیف مسکرا دیا۔

''اس وقت میری نگاہوں کے عین سامنے چودھویں کا چاند ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ شاید یہ منظر بھی اتنا خوبصورت نہیں جتنا کہ کسی آنچل اڑنے کا وہ لمحہ حسین تھا۔'' اور زرناب کے اعصاب کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''آپ کیا سمجھی تھیں، میرا چاند میرے روبرو ہو گا اور مجھے پتا نہیں چلے گا؟'' وہ محبت پاش لہجے میں بولا تو زرناب کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''کوئی اور وقت ہوتا مادام! تو آپ کو اپنے روبرو کھینچ لاتا لیکن اس وقت تو بس...... ہم ہنس دیے ہم چپ رہے، منظور تھا پردہ تیرا۔'' وہ دل نشین سی ہنسی ہنسا تو زرناب کو لگا جیسے اس کا دل سینے کی دیوار توڑ کے باہر آ جائے گا۔

وہ اس پر یہ کیسا سحر طاری کر رہا تھا؟ کن جذبوں کو جگا رہا تھا؟ اس نے اپنے خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیری۔

''میری زندگی میں ایسی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں اے ایس پی صاحب۔'' وہ بولی تو آواز میں لرزش واضح تھی۔

''آپ کی زندگی میں تو ان تلخیوں کی بھی گنجائش نہیں تھی زرناب! جنہیں آپ آج تک سہتی رہی ہیں۔'' وہ دل گرفتہ سا مسکرایا تو زرناب بے اختیار چونکی۔

''کن تلخیوں کی بات کر رہے ہیں آپ؟''

''ہر اس اذیت، اس رسوائی کی بات کر رہا ہوں جو زبردستی آپ کا مقدر بنا دی گئی۔''

اور زرناب کا پورا وجود بھک سے اڑ گیا۔ یعنی اس کی بدنامی کی داستان یہاں بھی پہنچ چکی تھی...... دھواں دھواں چہرہ لیے زرناب کا دل چاہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"اوہ! اب سمجھی! آپ مجھے کوئی آسان ٹارگٹ سمجھ رہے ہیں۔" وہ زہر خند سا بولی تو سیف کے دل پہ اک گھونسا سا لگا۔

"میرے جذبوں کی اس درجہ عزت افزائی کے لیے بہت شکریہ!" وہ لب بھینچ کر بولا تو زرناب جیسے پھٹ پڑی۔

"کون سے جذبے؟ وہ جو محض دو اتفاقیہ ملاقاتوں کی بنا پر راتوں رات اُگ آئے ہیں؟" اس کا ہتک آمیز انداز سیف علی جنگ کا چہرہ سرخ کر گیا۔

"یہ جذبے کتنی بے خواب راتوں کا ثمر ہیں اگر آپ کو پتا لگ جائے تو شاید آپ سانس بھی لینا بھول جائیں، زرناب نظر حسین شاہ!" وہ انتہائی سخت لہجے میں بولا تو زرناب کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ یکا یک اس کے ذہن میں نگاہوں کا وہ جانا پہچانا سا ارتکاز جاگا تو وہ خوف زدہ سی ہوگئی۔

"کک۔ کون ہیں آپ؟"

"افسوس۔ یہی تو فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ میں نے آپ کو آپ کی خوشبو سے پا لیا تھا اور آپ مل کر بھی انجان رہیں۔ خیر جانے دیجیے۔ بس اتنا جان لیں کہ اب میں مزید کوئی دکھ آپ کا مقدر نہیں بننے دوں گا۔ آپ میرے لیے قابلِ احترام تھیں، ہیں اور رہیں گی لیکن یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ آپ اس کم نسل کی نادانی کا وہ خواب ہیں جسے وہ کبھی خود سے بھی بیان کرنے کی جرأت نہ کر سکا تھا مگر جسے دھندلانے کی طاقت نہ تو فاصلوں میں تھی اور نہ ہی ماہ و سال کی گردش میں۔"

اور زرناب کو لگا تھا جیسے اس کی نگاہوں کے سامنے سے کوئی پردہ اٹھ گیا ہو۔ نیلی آنکھوں کا وہ ارتکاز اگر محض سیاہ آنکھوں سے بدل دیا جاتا تو وہ...... وہ......"

"مصطفیٰ!" اس کے ہونٹوں سے سرگوشی کی صورت ایک نام ٹوٹ کر ہوا میں بکھرا تو دوسری طرف موجود شخص کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے۔ زرناب متوحش سی سیدھی ہوئی۔

"آپ۔ آپ مصطفیٰ عبداللہ ہیں ناں؟"

لیکن دوسری جانب سے جواب دیے بنا رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ زرناب نے تیزی سے کال لاگ نکالتے ہوئے اس نمبر پہ دوبارہ کال ملائی تھی لیکن نمبر بند جانے کی اطلاع نے اس پہ وحشت طاری کر دی تھی۔

"یہ...... یہ مصطفیٰ ہے؟" دیوانہ وار کمرے میں چکراتے ہوئے اسے خود کو یقین دلانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی رنگت لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی تھی۔

"نہیں۔ ایسا۔ ایسا نہیں ہو سکتا!" وہ نڈھال سی بیڈ پہ آ گری تھی۔ آنے والی قیامت کا خوف اس پہ عفریت بن کے سوار ہونے لگا تھا۔ دل سینے کی گہرائیوں میں ڈوبا تو پھر ابھرنے سے قاصر رہا تھا ہر چیز اچانک اندھیرے کا حصہ بن گئی تھی۔

☆☆☆

راکنگ چیئر پہ جھولتا اس کا وجود ملال بھری خاموشی میں ڈوبا تھا۔ بے اختیاری کا وہ لمحہ کب کا بیت چکا تھا مگر سیف علی کا پچھتاوا کسی طور کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ احساس کہ انجانے میں اس کے انکشاف نے زرناب پہ کیسا غضب ڈھایا ہوگا، اسے ندامت سے چور کیے دے رہا تھا۔

وہ زرناب پہ اپنی حقیقت کبھی بھی اس طرح سے نہیں کھولنا چاہتا تھا لیکن اپنے جذبوں پہ اتنی بڑی تہمت سن کے وہ جیسے خود پر سے اختیار کھو بیٹھا تھا۔ غصہ، سمجھ اور عقل پہ حاوی ہوا تھا تو مصلحت کا دامن اپنے آپ ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور وہ جو کسی مناسب موقعے کی تلاش میں تھا، آن کی آن میں اپنی پہچان پر پڑا پردہ اٹھا گیا تھا، جو اس نے بہر کیف ان لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے نہیں ڈالا تھا۔ بلکہ جس طرح مصطفیٰ عبداللہ اس کا ماضی تھا بالکل اسی طرح سیف علی جنگ اس کا حال تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اپنے حال سے ماضی تک کا یہ سفر دوبارہ اس

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے یوں ہی بنا کسی مقصد کے طے نہیں کیا تھا۔

اسے آج بھی وہ کڑا وقت بہ خوبی یاد تھا جب اجڑا دل اور زخمی جسم لیے اس کا سارا سفر روتے اور بخار میں پھنکتے گزرا تھا۔ وہ جیسے اپنے ابا کے ساتھ ساتھ خود سے بھی ناراض ہو گیا تھا۔ اور اس ناراضی میں وہ دنوں زندگی سے بیزار اپنے بستر پہ پڑا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی پریشانی سے نڈھال اس کے باپ کو دمے کا شدید اٹیک ہوا تھا۔ اپنے ابا کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر وہ جیسے تڑپ اٹھا تھا۔ اس کی بے نیازی اور خود اذیتی کا خول چٹخ گیا تھا۔ اور تب اسے اپنے محسن، عثمان علی جنگ کی نیکی اور اچھائی کا اندازہ ہوا تھا۔

عثمان علی جنگ کون تھے اور شاہ صاحب نے ان باپ بیٹے کے لیے ان کا انتخاب کیوں کیا تھا وہ نہیں جانتا تھا لیکن ان کی عظمت اور اچھائی نے بہت جلد مصطفیٰ پہ پیر نظر حسین شاہ کے اس انتخاب کی وجہ واضح کر دی تھی۔

لاہور پہنچنے پہ عبداللہ کا سامنا عثمان صاحب سے ہونے والا تھا، یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ یہ وہی عثمان تھے جنھوں نے کسی زمانے میں شاہ صاحب کے مصاحبین میں ایک سکھ نوجوان کو پا کے اپنی حیرت کا اظہار کیا تھا۔

گو کہ عبداللہ کے علم میں یہ واقعہ نہیں تھا، لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ شاہ صاحب کے یہ مرید جب بھی نور والا آتے تھے، اس سے خصوصی محبت سے پیش آتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی آمد میں کمی آ ہوتی گئی۔ لیکن جب اس نے کبیر سے عبداللہ تک کا سفر طے کیا تھا، تب وہ خاص طور پہ اسے مبارک باد دینے کے لیے شہر سے گاؤں آئے تھے اور آج وہ انھیں اتنے سالوں بعد ان نامساعد حالات میں اپنے روبرو پا کے خوش گوار سی حیرت میں گھر گیا تھا۔

عثمان علی ان باپ بیٹے کے ساتھ بہت محبت سے پیش آئے تھے۔ شاہ صاحب نے ان دونوں کے بارے میں انھیں کیا بتایا تھا کیا نہیں، وہ نہیں جانتے تھے، مگر عثمان صاحب نے مصطفیٰ کی زخمی حالت عبداللہ کے نادم چہرے، کسی چیز کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

انھوں نے بس ان دونوں کو اس نئے ماحول سے مانوس ہونے کے لیے مکمل طور پہ ان کے حال پہ چھوڑ دیا تھا اور جس روز مصطفیٰ نے خود اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اس دن انھوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اور ایسی شفقت سے تھاما تھا کہ اسے حکمِ ربی سے ذرے سے آفتاب بنا دیا تھا۔

وہ شہر کے ایک نامی گرامی ادارے میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اور انھوں نے اسی کالج میں مصطفیٰ کا داخلہ کروا دیا تھا۔ ان کے اس فیصلے نے مصطفیٰ پر بے یقینی کی کیفیت طاری کر دی تھی، کالج میں تعلیم حاصل کرنا اس کی دیرینہ آرزو تھی جو اس طرح سے پوری ہونا تھی، اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ تقدیر کی اس کایا پلٹ پہ حیران ہوتے نہ تھکتا تھا۔

اس کی حفاظت کو ذہن میں رکھتے ہوئے عثمان علی جنگ نے کالج میں اس کا تعارف مصطفیٰ کے کفیل کی حیثیت سے کروایا تھا۔ اور اس نئی پہچان کے مدِ نظر اسے مصطفیٰ سے سیف علی جنگ کا نام دیا تھا۔ اس نئی پہچان نے مصطفیٰ کی اپنے ماضی سے جڑی آخری ڈور کو بھی کاٹ دیا تھا۔ اب وہ ایک نئے آسمان پہ پرواز کرنے کے لیے بالکل آزاد تھا۔

☆☆☆

دن مہینے اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے تھے اس دوران سیف کی روح پر لگے زخم مندمل ضرور ہوئے تھے لیکن بھرے نہیں تھے۔

مگر گزرتے وقت نے اسے ہمت کے ساتھ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مسکرانا سکھا دیا تھا۔ اس کی اِس مسکراہٹ میں ایک بڑا حصہ بیگم عثمان کا بھی تھا۔ جو اسے اپنی اولاد کی طرح چاہنے لگی تھیں۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی محض چودہ برس میں کینسر کے باعث ہونے والی موت کے بعد، ان کی سسکتی ہوئی مامتا کے لیے سیف کا وجود کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ اسے اپنے گھر میں پا کے انھیں لگنے لگا تھا جیسے ان کا روحی واپس آ گیا ہو۔ ان کے مردہ تن میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی اور یوں وہ کب اس کی امی اور عثمان صاحب اس کے بابا بن گئے تھے اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

اپنے رب کی اس درجہ مہربانیوں پہ عبداللہ اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرتے نہ تھکتا تھا اور اپنے محسن پیر سید نظر حسین شاہ کے لیے بھلائی اور خیر کی دعائیں مانگتے اس کی زبان نہ سوکھتی تھی مگر اس کا دل رہ رہ کر اپنی مٹی کے لیے ہمکتا تھا۔ اپنے باپ کی اس خاموش تڑپ سے سیف انجان نہ تھا مگر اس کے پاس اندر ہی اندر کڑھنے کے سوا اس بات کا اور کوئی حل نہ تھا۔

تین سال کا عرصہ پلک جھپکتے گزرا تھا۔ اس دوران عبداللہ کی منت سماجت پہ عثمان علی نے دو تین بار سیف سے چھپ کر اس کی بات شاہ صاحب سے کروائی تھی۔

شاہ صاحب کو مصطفیٰ کی پڑھائی میں لگن اور انٹر میں شان دار کامیابی کی خبر نے حد سے زیادہ مسرور کیا تھا۔ ان کی دعائیں پا کر عبداللہ دنوں مطمئن رہا تھا اور پھر ایک روز اسی اطمینان کو سینے سے لگائے وہ چپ چاپ اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ مرنے سے ایک روز قبل اس نے بڑی حسرت سے اپنے بیٹے سے اپنے گاؤں کی مٹی میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور باپ کی یہ ناتمام آرزو سیف کے اندر جیسے گڑ کر رہ گئی تھی۔ اس روز اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے اور اپنے باپ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا حساب ضرور لے گا۔

باپ کی موت سیف کے لیے گہرا صدمہ تھی لیکن عثمان صاحب و بیگم عثمان کے محبت بھرے سہارے نے اسے جلد ہی سنبھال لیا تھا۔ وہ ان کے مزید قریب آ گیا تھا اور ایک دن اس نے اپنے دوست جیسے بابا کے سامنے اپنا دل اور اس دل میں دفن زرناب نظر حسین شاہ کی گم گشتہ محبت کو کھول کر رکھ دیا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا وہ راز تھا جس سے اس کا سگا باپ بھی ناواقف تھا۔ اس کی معصوم محبت کو ملنے والی سزا نے عثمان صاحب کو بھی دل گرفتہ کر دیا تھا مگر وہ اس معاملے میں مکمل طور پہ بے بس تھے۔

زرناب شاہ کس حال میں تھی وہ اس بات کا پتا کسی طور نہیں لگوا سکتے تھے۔ انھیں سیف کی بہتری اسی میں لگی تھی کہ وہ ماضی سے جڑی اس محبت کو ہمیشہ کے لیے بھلا دے اور خود کو تکلیف پہنچانے والوں کو معاف کر دے مگر سیف نے اپنے اور اپنے باپ کے ساتھ ہوئی کسی بھی زیادتی کو معاف کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ عمل اس کے حوصلے سے باہر کی بات تھی۔

وقت کچھ اور آگے سرکا تھا۔ اور ایک دن پیر سید نظر حسین شاہ کے انتقال کی خبر آئی تھی۔ سیف کے اندر ویرانی سی بھر گئی تھی۔ اس کے دل میں آج تک آخری وقت میں ان سے اپنی ناراضی اور نہ ملنے کا ملال قائم تھا جو اس خبر کے بعد عمر بھر کی کسک اور ندامت میں ڈھل گیا تھا۔ اسے ان کے آخری دیدار کی خواہش بڑی شدت سے تھی مگر وہ عثمان صاحب کے ساتھ گاؤں نہ جا سکا تھا اس لاچارگی نے اس کے اندر غم و غصہ کی ایک نئی لہر۔۔۔ جگا دی تھی۔ سر اٹھا کر نوراں والا لوٹنا اب اس کا عزم بن گیا تھا۔

آئی آر میں ماسٹرز کرنے کے بعد اس نے اسی مضمون میں ایم ایس کیا تھا اور پھر مقابلے کے امتحان کی تیاری کے لیے مختلف کلاسز جوائن کر لی تھیں۔ دو سال کی ان تھک محنت اور تیاری کے بعد جب اس نے امتحان دیا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھا تو شان دار کامیابی نے اس کے قدم چومے تھے۔اسے اس کی مرضی کا ڈپارٹمنٹ ملا تھا۔وہ دن سیف علی جنگ کی زندگی کا خوش گوار ترین دن تھا جب اس نے ٹریننگ کے لیے اکیڈمی میں قدم رکھا تھا۔یہاں آنے کے بعد اس نے نور والاں اور اس سے متعلق شخصیات کے بارے میں بہت سی معلومات اکٹھی کی تھیں اور یوں جب تعیناتی کا وقت آیا تھا تو اس نے خود کہہ کر گاؤں نور والاں اور اس سے ملحقہ علاقے کا چارج مانگا تھا۔

اس کی درخواست نے افسرانِ بالا کو حیران کر دیا تھا۔دور افتادہ گاؤں میں تعیناتی بھلا کس کی خواہش ہو سکتی تھی؟ مگر اس کے کچھ کر دکھانے کے جذبے نے انھیں متاثر کیا تھا۔اس کی درخواست قبول کر لی گئی تھی۔

سیف خوشی سے سرشار ہو اٹھا تھا۔یہ اس کا اپنے مقصد کی راہ میں پہلا پڑاؤ تھا۔عثمان علی اس کے ساتھ تھے مگر بیگم عثمان کو سمجھانا ایک دشوار مرحلہ تھا۔وہ کسی طور سیف کو ان ظالم لوگون کے درمیان بھیجنے کو تیار نہ تھیں۔سیف نے عثمان صاحب کے ساتھ مل کر بہت مشکل سے انھیں قائل کیا تھا۔لیکن پھر بھی اس کے پہچان لیے جانے کا دھڑکا انھیں خوف زدہ کیے ہوئے تھا،حالانکہ اب یہ اتنا آسان نہ رہا تھا۔

سیف جس وقت نور والاں سے آیا تھا تو چودہ سال کا ایک دبلا پتلا سا لڑکا تھا جس کی مسیں ابھی بھیگ رہی آئی تھیں اور اب وہ تیس برس کا ایک بھرپور توانا مرد تھا،جس کا مضبوط جسم دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔اس کی بھری بھری سی فیشنی داڑھی اور گھنی مونچھیں اس کی وجاہت اور رعب میں اضافے کا باعث تھیں۔اعتماد سے بھرپور شخصیت اور عہدہ اسے کہیں سے بھی اس غریب عبداللہ کا بیٹا نہیں ظاہر کرتے تھے۔جو انتہائی کسمپرسی کی حالت میں نور والاں سے نکلا تھا۔مگر بیگم عثمان کے خدشے کسی طور کم ہونے میں نہیں آتے تھے۔ان کی تسلی کے لیے سیف نے نیلے لینز کا سہارا لیا تھا،جس کے بعد اس کا چہرہ بالکل بدل کر رہ گیا تھا۔بالآخر بیگم عثمان کو اسے رخصت کرنا ہی پڑا تھا۔

سولہ سال بعد اپنے گاؤں کو لوٹتے راستوں پہ سفر کرتے ہوئے اس کے دل کی کیفیت عجیب تھی۔بچپن کی یادیں، بے بے کا چہرہ، باپ کی انمول محبتیں ،دوستوں کا ساتھ اور پیڑوں کی ٹھنڈی چھاؤں...... کیا کچھ نہ چھوٹا تھا ان راستوں پہ۔سفید حویلی، پیر نظر حسین شاہ کا پرنور وجود، اس کے دل پہ دستک دیتی اس کی اولین محبت اور اس محبت سے جڑی رسوائی ،جدائی......سیف کے نقصانات کی فہرست طویل تھی اور اسے درد پہنچانے والے بے خبر!!

زرناب نظر حسین شاہ کو دیکھنا تو اب اس کے نزدیک ناممکنات میں سے تھا،اس کے اندازے کے مطابق تو وہ بہت پہلے ہی سفید حویلی سے رخصت ہو چکی تھی۔اور شاید یہی ان دونوں کے حق میں بہتر بھی تھا۔

ان گزرے دو سالوں کی تحقیق نے سیف پہ کچھ واضح کیا تھا۔آج کے نور والاں میں اور ماضی کے نور والاں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔یہاں اب صرف دولت اور طاقت کا راج تھا۔نہ خدا خوفی رہی تھی اور نہ انسانیت۔قانون دونوں حویلیوں کے مردوں کے پاؤں کی جوتی بن چکا تھا اور یہاں بسنے والے ان کی رعایا۔ایسے میں سید بختیار حسین شاہ اور اس کے بھائی بندوں کا احتساب سیف علی جنگ کا اخلاقی اور قانونی فرض بن چکا تھا اور اپنے فرض کی ادائیگی میں وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتنے والا تھا۔

نور والاں میں اس کی اچانک آمد نے ہلچل مچا دی تھی۔مالکوں کے ہاتھ پاؤں پھولے تھے تو صبور حسین شاہ دھمکی میں لپٹی دوستی کا پیغام لیے اس کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک عرصے بعد اپنے مجرم کو اپنے روبرو پا کے سیف کے جسم کی ہر رگ تن گئی تھی چشمِ زدن میں وہ ملازموں سے بھرے اس صحن میں جا گرا تھا جہاں وہ تھا اور اس شخص کے جوتے کی ضرب سیف کے اندر حشر برپا ہو گیا تھا مگر وہ ان باتوں کو فی الحال نظر انداز کر کے اپنے محسن پیر نظر حسین شاہ کے مزار پہ چلا آیا تھا۔ پھر جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں نارسائی کی سزا سمیٹ لی گئی تھی۔ وصل کا اذن اترا تھا اور زرناب نظر حسین شاہ پورے بارہ سال بعد اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی تھی۔ آن کی آن میں اس نے اسے پہچان لیا تھا۔

سیف اگلا سانس لینا بھول گیا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح راہ میں کھڑا اسے تکتا رہ گیا تھا اور وہ ہوا کے جھونکے کی مانند اس پہ نگاہِ غلط ڈالے بنا وہاں سے نکل گئی تھی۔ شمیم کی زبانی یہ جان کر کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہے ایک لمحہ کے لیے وہ سانس لینا بھول گیا تھا۔ اس کی محبت اس کے ساتھ تھی۔ اس کے پاس تھی۔

عثمان صاحب اس کی جانب سے اطلاع پا کے بے طرح خوش ہوئے تھے۔ انھوں نے سیف کو ہمت اور سمجھ داری سے کام لینے کی تاکید کرتے ہوئے ہر طرح کی جلد بازی اور جذباتیت سے پرہیز کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اس کی جان کو کسی قسم کا نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ان کی بات نے سیف کے حواس کو سنبھالا دیا تھا، اس میں کوئی شک نہ تھا کہ شمیم کی زبانی یہ جان کر کہ زرناب ابھی تک غیر شادی شدہ ہے ساری صورت حال بدل گئی تھی۔ اور اس بدلی ہوئی صورت حال نے سیف کی ترجیحات کو بھی یکسر بدل ڈالا تھا۔

بدلتے حالات نے سیف کو ایک نیا لائحہ عمل سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسے اپنی محبت کو پانا تھا مگر اس کا فرض اس کی اولین ترجیح تھا، تب ہی اس نے ذاتی نفع نقصان سے بالاتر ہو کر اسکول کی عمارت میں ایک عرصے سے قائم ناجائز باڑے کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ لیکن ردعمل میں سید بختیار حسین شاہ کے مصالحتی انداز نے اسے نہ صرف چونکا دیا تھا بلکہ ان کی دعوت قبول کرنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔

اس کا وہاں جانا انجانے میں ہی سہی لیکن گزرے ماہ و سال کے کچھ بھید اس پہ کھول گیا تھا۔ ہاشم شاہ کے منہ سے، اپنے حوالے سے زرناب کے کردار سے منسوب داستان سن کر وہ ساکت رہ گیا تھا۔ وہ ابھی تک اس کے نام کی بدنامی جھیل رہی تھی۔ اس اعصاب شکن حقیقت نے اسے پتھرا کے رکھ دیا تھا۔ تمام رات آنکھوں میں کٹی تھی اور اگلی صبح جیسے اس کے درد کا درماں لیے اتری تھی۔

زرناب شاہ، پہلی مرتبہ کی طرح اس بار بھی، ہوا کا جھونکا بنی ازخود اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اور وہ اپنی دعاؤں کی اس قبولیت پہ حیران رہ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے قدرت ان دونوں کے درمیان حائل رکاوٹوں اور فاصلوں کو خود سمیٹنے پہ اتر آئی تھی۔ جب ہی تو زرناب اس کے گھر تک چلی آئی تھی پھر چاہے بہانا کچھ بھی بنا تھا۔

بی بی حوراں اور شاہ بی بی کو ایک مدت بعد اپنے روبرو پا کے سیف کا دل جذبات سے بھر آیا تھا۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جنھوں نے اس کی ماں کے گزر جانے کے بعد اسے اپنی ماتا کی چھاؤں عطا کی تھی۔ وہ ان کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ مگر مجبوری تھی کہ وہ فی الحال انھیں اپنی پہچان نہیں کروا سکتا تھا۔ اسپتال میں اس کی بی بی حوراں کے لیے کی گئی بھاگ دوڑ نے زرناب کے چہرے پہ عجیب الجھن بھری کیفیت بکھیر دی تھی مگر وہ اس کی حیرت کو نظر انداز کیے اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

واپسی کا تمام راستہ زرناب شاہ کا خیال اس کے ساتھ رہا تھا۔ اس نے بنا کسی پس و پیش کے شمیم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے زرتاب کے کردار کے حوالے سے سوال کیا تھا اور پھر جیسے ماضی کا کوئی دریچہ کھل گیا تھا۔

قسیم ایک ایک کر کے زرتاب کو لگنے والا ہر زخم ہر دکھ بیان کرتی — گئی تھی اور سیف لب بستہ سا زرتاب کے وجود پہ برسنے والے، اپنے نام کے سنگ ریزوں کو چنتا رہ گیا تھا۔ پیر سید نظر حسین شاہ نے اس کا مستقبل تو محفوظ ہاتھوں میں سونپ دیا تھا لیکن اپنے جگر کے ٹکڑے کو نام نہاد اپنوں کی سازشوں سے محفوظ نہ رکھ پائے تھے۔ ان کی یہ ہار سیف کی آنکھیں نم کر گئی تھی۔ پھر وہ جیسے ایک نئے عزم سے میدانِ عمل میں اُتر آیا تھا۔

معصومہ سے اس کا گناہ منوانے کا عزم، ہاشم کی گندی پنجے سے زرتاب کو بچانے کا عزم، بختیار اور صبور کی آنکھیں کھولنے کا عزم اور زرتاب نظر حسین شاہ کو اپنا بنانے کا عزم!

اس نے اگلے ہی روز بختیار شاہ کو کال کر کے اپنے آفس بلوایا تھا اور اس کے دوستوں میں شامل ہونے کا فیصلہ سنا کر اسے حیران کر دیا تھا۔ سیف نے ان کی صفوں میں گھس کر انہیں شکست دینے کا ارداہ باندھا تھا، پھر چاہے اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی مگر وہ اب تند ہوا کا ایک جھونکا بھی زرتاب کی طرف نہیں آنے دینے والا تھا۔

اپنے اسی عہد کا اقرار جب اس نے فون پہ زرتاب کے سامنے کیا تھا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔ بات بڑھی تھی تو بڑھتی چلی گئی تھی اور وہ طیش کے عالم میں اپنی اصلیت اس پہ کھول گیا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ دوسری طرف زرتاب کا کمزور وجود جیسے کسی زلزلے کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کے لبوں سے بکھرتا ہوا اپنا نام سیف کے لیے جان لیوا تھا۔ وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہ رہا تھا۔

مگر اب اس جذباتی ریلے کے گزر جانے کے بعد وہ اپنی اس نادانی پہ بری طرح پچھتا رہا تھا۔

لیکن متواتر ہوتی بیل کے باوجود جب اس کا فون نہیں اٹھایا گیا تو اس کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔

”مجھے یہ سزا نہ دینا زرتاب!“ بے تابی سے کال کاٹتے ہوئے اس نے تیسری بار نمبر ملایا تھا اور اس مرتبہ بھی وہی جواب پا کر سیف کا ضبط جیسے ختم ہو گیا تھا۔ غصے سے پاگل ہوتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ پوری طاقت سے کھڑکی کے شیشے پہ مارا تھا جو ایک چھناکے سے ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا۔ رات کی تاریکی میں شیشہ ٹوٹنے کی آواز دل دہلا دینے والی تھی۔ گیٹ پہ موجود چوکیدار بری طرح ڈر کے اچھلا اور اگلے ہی لمحے وہ سنبھل کر گھر کے رہائشی حصے کی جانب بھاگا تھا۔

”صاحب! صاحب جی!“ اس کی آوازیں خاموشی میں گونج رہی تھیں مگر سیف علی جنگ تو جیسے خود سے بھی بیگانہ ہو گیا تھا۔ اس کی ہتھیلی بری طرح کٹ گئی تھی اور انگلیوں میں کانچ کے ٹکڑے چبھ گئے تھے۔ خون کی دھار اس کے ہاتھ سے ہوتی آستین اور دامن کو رنگین کر رہی تھی لیکن اسے اس بات کا احساس تک نہ تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے

بہنوں کیلئے خوبصورت ناول

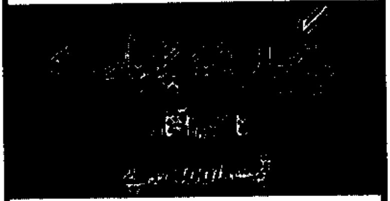

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ایمل رضا

واہ رے ابا جی

ابا جی بڑی پُراسرار خاموشی لیے ...... فوم کے پرانے لیکن آرام دہ صوفے پر نیم دراز اپنے چاروں بیٹوں اور تینوں بیٹیوں کی نصیحتیں سن رہے تھے۔ ٹی وی پر بڑی مدھم آواز میں کوئی گیت چل رہا تھا اور ابا اس گیت کو سنتے سنتے گم ہونے لگے تھے۔

ساٹھ سالہ نحیف ابا جی ساری زندگی گوتم بدھ کا آسن جمائے خاموش، جامد، آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے تھے۔ چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کو باری باری گھر کا کیا ...... بیوی مری ...... پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں پیدا ہوئیں ...... لیکن کوئی شیطان بن کر نہ آیا اور نہ ہی ابا جی نے اپنی بند آنکھیں کھولیں......

پیوند لگی درویشی کا چولا پہنے ابا جی پوری حیاتی ریل کی پٹری کی طرح ناک کی سیدھ میں چلتے رہے۔ کسی ڈرامائی موڑ، انٹرچینج کی اتھل پتھل ہوئی بھی تو اندر کے مسافروں کو خبر نہ ہونے پائی۔ ابا جی وہ بت تھے جس میں نہ جان ڈالی جاسکتی تھی نہ دیکھ کر سراہا جاسکتا تھا۔

لیکن دو سال پہلے اسکوٹر کے ایک ایکسیڈنٹ نے ان کی پوری زندگی ــــ کو بدل کر رکھ دیا۔ ان کے ساتوں بچوں کی زندگیوں کی اس سے بھی زیادہ۔ ساتوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ پلستر چڑھے بازو جب حرکت میں آئیں گے تو ان کے گلے دبانے تک ہی آجائیں گے۔

ناولٹ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اباجی اپنے دوست عباس سے مل کر آرہے تھے کہ راستے میں پتا نہیں وہ کون سا ٹوٹا تھا جو اباجی کو نظر ہی نہ آیا یا شاید اب واقعی ان کی نظر چشمہ لگنے کے باوجود بھی کمزور ہونے لگی تھی۔ اسکوٹر کا ایک پہیہ تو اسی ٹوے میں پھنسا رہ گیا اور اباجی خود دو فرلانگ دور جا گرے۔ سر، بازو، ٹانگوں اور کمر پر شدید چوٹیں آئیں۔ ڈاکٹر نے خطرے کا الارم بجا دیا۔ پنڈی اور لندن والی دونوں بیٹیاں بھی روتی ہوئی آ گئیں۔ بڑے بیٹے سجاد نے ڈھکے چھپے لفظوں میں فون پر ہی ان دونوں کو دل مضبوط کر لینے کی تلقین کر دی تھی۔ دل تو مضبوط ہوئے ہی ساتھ ارادے بھی پکے ہو گئے...... ساتوں بہن بھائی گھر کے علاوہ اسپتال میں بھی ہر وقت اکٹھے رہنے لگے...... ڈیوٹیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں...... سارے ادھ موئے ہو کر نچڑ سے گئے تھے...... ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے دیتے اور ایک دوجے کا کام اپنے سر لیتے لیتے، سب ہی لسوڑے کے پھل کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ پھر جب اباجی کی طبیعت کسی صورت سنبھلے میں نہ آئی تو ساتوں نے اسپتال کے لاؤنج میں بیٹھ کر آنے والے غم اور ابدی جدائی پر دل کھول کر ماتم کر لیا اور باتوں باتوں میں ساری جائیداد کو آپس میں بانٹ بھی لیا۔

''شمن آباد والی دکان میں لوں گا...... وہاں ورکشاپ کا کام بہت چل نکلا ہے۔'' دوسرے نمبر والے بلال نے کہا۔

''سنت نگر والا مکان مجھے دے دیجیے۔'' دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود بھی سر پر دو پونیاں کیے رابعہ نے کہا اور پھر سبب بھی بتایا۔

''امی مر کر بھی وہاں ہیں...... اور مجھے اب ان کے ساتھ رہنا ہے۔'' ویسے اس حلیے میں رابعہ پر اداسی بچتی نہ تھی۔

''میں یہاں جائیداد لے کر کیا کروں گی......'' لندن والی ساتوں میں سب سے چھوٹی فرح بولی۔

''مجھے تو آپ انشورنس کے بیس لاکھ دے دیجیے گا۔'' مطالبہ پیش کیا گیا۔

یوں جس جس کو جو جو پسند تھا ایک دوسرے کو بتا دیا گیا۔ کسی نے دوسرے کے حق اور پسند پر ڈاکا نہ ڈالا نہ ہی شب خون مارنے کی جسارت کی۔

''چلو یہ بھی اچھا ہو گیا...... وہ کام جس میں سالوں مقدمہ بازی ہوتی رہتی ہے، ہم نے نہایت اطمینان اور بھائی چارے کی فضا میں کر لیا۔'' بڑے سجاد نے اختتام پر مسکراتے ہوئے کہا۔ جیسے باتوں کی مہروں کے ساتھ ساتھ رجسٹریاں بھی ان کے نام ہو گئی ہوں۔

''اس میں اماں جی کی تربیت کا ہی ہاتھ ہے بھیا جی...... ورنہ...... اللہ جنت نصیب کرے، وہ تو خود اپنے شوہر کے ہاتھوں......'' رو دینے والے انداز میں رافیہ نے کہا تو سب کو چپ لگ گئی۔

''نہ رو رافیہ...... اماں نے مرتے وقت معاف کر دیا تو ہم کون ہوتے ہیں، بات کرنے والے۔'' طلال کی نصیحت سب کو بھا گئی۔

گھنٹے بھر بعد ڈاکٹر جب کمرے سے باہر نکلا تو وہ سب جو ڈاکٹر کے سر کو ''ناں'' کے انداز میں ملنے اور کانوں کو ''آئی ایم سوری'' کے الفاظ سننے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر کے چہکنے کو سمجھ نہ سکے۔ ڈاکٹر بھی شاید میڈیکل سے پہلے تھیٹر ویٹر کا شوقین رہا تھا۔ پہلے تو پوری بتیسی باہر نکالی پھر کمیٹی نکل جانے کے سے انداز میں بولا۔

''مبارک ہو...... اباجی کو ہوش آ گیا...... اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔''

''اباجی......؟''

ڈاکٹر مسخرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کائیاں، خوشامدی اور مطلبی بھی تھا۔

ساتوں بہن بھائیوں نے زبردستی زبردست مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ جس نے سجنے میں میک اَپ سے بھی زیادہ وقت لیا پھر گھر میں انتظار کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گھڑیاں گنتے شوہروں، بیویوں کو فون کر کے اس "معجزے" کی نوید سنادی گئی۔ قدرت نے گویا میٹھی گولی دکھا کر دوبارہ چھین لی تھی۔ سب کے منہ سالوں سے استعمال ہوتی چوسنی کی طرح سکڑ سکڑ گئے تھے۔

دو دن بعد مسخرے ڈاکٹر نے اباجی کو چھٹی دے دی ...... اور چلتے وقت ...... بالکل ایسے ...... بالکل ایسے ہی کہہ دیا تھا۔

"چار دن کی تو زندگی ہے اباجی ...... خیال رکھا کریں اپنا ...... ہنسیں، بولیں، خوش رہا کریں ...... گھومیں پھریں ...... سیر کریں۔"

بڑے سجاد کو اس فقرے کی ذرا سی ...... ذرا سی نزاکت کا بھی خیال ہوتا تو اسی وقت ڈاکٹر کی گردن تن سے جدا کر دیتا ...... لیکن ان ساتوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ چار دن کی زندگی اب ان کی اپنی زندگیاں دو دن بلکہ ایک آدھ گھنٹے کی کرنی والی ہے۔

گھر آ کر کرمو نے اباجی کو نہلایا، دھلایا، پرانے کپڑے اتار کر نیا سوٹ پہنایا تو اباجی میں جیسے نئی زندگی سرائیت کر گئی اور خود کرمو میں بھی۔

اب یہ کرمو کون تھا ......؟؟؟

مالی کا بھتیجا ...... جو پندرہ سال پہلے اس گھر میں آیا تھا۔ تب بچہ تھا، معصوم تھا ...... محنت اور لگن سے کام کیا تو سب کے دل جیت لیے ...... اباجی کا کچھ زیادہ ہی جیت لیا ...... اسی لیے باقی سب کا دشمن ہو گیا ...... اب اپنی بیوی کے ساتھ اسی گھر کے کوارٹر میں رہ رہا تھا۔ یہ کوارٹر بھی اباجی کی نوازش سے عطا ہوا تھا۔ ورنہ امیدوار تو بہت تھے ...... کرمو شروع سے ہی اباجی کا منہ چڑھا تھا ...... اسپتال سے کار ...... اور کار سے گھر کے اندر اباجی کے کمرے تک وہیل چیئر کو وہ ہی دھکیلتا ہوا لایا تھا۔

رات میں اباجی کے حکم کے بعد ...... اباجی کے کھانے پینے کا انتظام بھی اسی کے ہاتھ میں آ گیا تھا ...... سب نے لاکھ سمجھایا کہ نہلانے دھلانے تک تو ٹھیک ہے لیکن اس چوزے کو کچن تک رسائی دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر سبزی کھانا تو بہوویں بھی بنا دیں گی۔ یا جو آپ کہیں گے۔ مگر اباجی بڑی رکھائی سے بولے۔

"بہوویں ایک آدھ دن تو خوشی سے بنائیں گی ...... پھر ناک بھوں چڑھائیں گی ...... مجھ سے برداشت نہیں ہوگا ...... اس لیے اسے کچن میں جانے دو۔"

بہوویں اس بات پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ وہ تو انہیں اباجی کی ناتواں صحت کا خیال مار گیا۔ اور پچھلے دو ماہ سے نظر انداز ہوتی اپنی اپنی محبتوں کا۔ ورنہ اس بات پر کسی ایک آدھ کو ہارٹ اٹیک تو ضرور ہی ہو جاتا۔

چاروں بیٹوں کو یہ بات بھی اندر ہی اندر تنگ کرتی تھی کہ اباجی کی زندگی کے چھوٹے بڑے راز جو کرمو جانتا ہے، وہ ...... وہ کیوں نہیں جانتے اور ساتوں بچوں سے زیادہ اعتماد آخر اباجی اس کرمو منحوس پر کیوں کرتے ہیں۔

سانولا، دبلا پتلا سا کرمو پہلے تو اس بات پر بہت گھبرا جاتا تھا لیکن آہستہ آہستہ جب اسے یہ پتا چل گیا کہ کم از کم اباجی کی زندگی میں کوئی اسے گھر اور کوارٹر سے نہیں نکال سکتا تو وہ بھی ٹہنی سے اترتے اخروٹ کی طرح مضبوط سے مضبوط ہی ہوتا چلا گیا اور اب تو وہ ان ساتوں اور ان سب کے شریک سفروں سمیت چودہ جانوں کا مقابلہ بڑے تحمل سے کیا کرتا تھا، جیسے ان سب کو مزید چڑا رہا ہو ...... بات سے بات نکلتی تو طنز کرنے سے بھی نہ چوکتا۔

پچھلے دنوں ...... اباجی کا چشمہ ٹوٹ گیا۔ کرمو بنوانے جا رہا تھا۔ بلال نے دیکھا تو کہا مجھے دے دے، آتے وقت بنوا کر لیتا آؤں گا ...... لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ چشمہ دو دن کار میں ہی پڑا رہ گیا۔ تیسرے دن کرمو نے کار سے چشمہ نکالا ...... اور خود بنوانے چلا گیا۔ شام کو بلال گھر آیا تو کرمو ...... چشمہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خود لگائے اسے گھورنے لگا۔
”ایسے کیا دیکھ رہا ہے......“ تا ژ بلال بھی گیا تھا پھر بھی گرج کر بولا۔
”چشمے والے نے دو سو لیے...... میں نے کہا اتنے زیادہ تو کہنے لگا خاص شیشہ لگا رہا ہوں۔ لوگوں کے اصل چہرے نظر آئیں گے...... صبح سے تو کوئی تجربہ ہوا نہیں...... لیکن اب آپ کے چہرے کی جگہ لومڑ نظر آ رہا ہے۔“ نئے تجربے پر چٹکی بجا کر کہا گیا۔
”کرمو......“ گالی دے کر غصے سے بلال نے اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔
”کیا بات ہے......“ ابا جی بھی حاضر ہو گئے۔
ایک تو منحوس کرمو کی قسمت بھی میٹھی ریوڑی تھی۔ جب بھی اس پر کوئی افتاد آن پڑتی۔ ابا جی چراغ کے جن کی طرح بنا رگڑے ہی حاضر ہو جاتے۔
”کچھ نہیں...... کچھ نہیں۔“ ہاتھ ہوا میں ہی رہ گیا...... غلطی اپنی تھی، اس لیے بلال چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔
پے در پے سب کے ساتھ ایسے ہی واقعات ہو چکے تھے۔ اس لیے سب کو مشترکہ طور پر کرمو سے نفرت ہو گئی تھی۔ کتنی ہی بار ابا جی کے کان بھی بھرے۔ ایک ہی دو لگائی گئیں کہ اس خبیث کو گھر سے نکال باہر کریں لیکن کرمو، برسوں کی خدمت کی روئی عاجزی اور معصومیت کی تیلی پر چڑھا کر ابا جی کے کان صاف کر دیتا۔ تسلی ہو چکتی تو سل بٹے کا کھیل پھر سے شروع ہو جاتا۔
اور اب تو اس کرمو نے بس اپنے آگے ہاتھ جڑوانے کی ہی کسر باقی رکھ چھوڑی تھی۔

☆☆☆

دوسرے دن ابا جی کمرے سے باہر نکل آئے۔ چھٹی کا دن تھا۔ سب ناشتے کے بعد باہر ہی صحن میں بیٹھے مالٹے اور مونگ پھلیوں کے مزے لے رہے تھے۔ ابا جی کو باہر آتے دیکھ کر اور وہیل چیئر کے بغیر دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔
”ابا جی...... باہر......؟؟؟“
”بیڈ ریسٹ کریں ابھی آپ ابا جی...... ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے چلنے پھرنے سے۔“
”اندر دل گھبرا رہا تھا...... اور ویسے بھی ڈاکٹر تو نجانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔“ کرمو نے سہارا لے کر کرسی پر بٹھایا اور خود اندر چلا گیا۔
”ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے، بیٹھیے۔“
”تم تینوں یہاں کیوں ہو ابھی تک...... گھروں کو جاؤ...... تمہارے بچوں کے اسکولوں کا حرج ہو رہا ہوگا۔“ ابا جی نے تینوں بیٹیوں سے کہا۔
”نہیں ابا جی...... چھٹیاں ہیں سردیوں کی۔“
”شوہروں کا کام کاج تو ہو رہا ہوگا۔“
”انتظام کر کے آئے ہیں ابا جی ان کا بھی......“
”یہاں کس چیز کے انتظار میں ہو۔“ ابا جی ذرا غصے سے بولے۔
”ابا جی آپ کے لیے بیٹھے ہیں...... آپ کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو دل لگ جاتا ہے۔“
”بھرا نہیں دل ابھی تک۔“
”آپ کی طبیعت......“
”میں ٹھیک ہوں...... میں ٹھیک ہوں...... تم جاؤ اب اپنے اپنے گھروں کو۔“
”کیا ہو گیا ہے ابا جی آپ کو...... کیوں اتنے چڑچڑے ہو رہے ہیں آپ......“ رافیہ ذرا ناراضی سے بولی۔
”باپ کے گھر اتنے دن نہیں رہنا چاہیے...... سسرال والے باتیں بناتے ہیں...... اتنا تگڑا نہیں رہا میں اب کہ تمہارے جھگڑے نبٹاتا پھروں۔“
”خیر رہنے دیں ابا جی...... صحت مندی میں بھی آپ کون سا آ جاتے تھے...... ہمیشہ بھائیوں نے ہی ساتھ دیا۔“ رافیہ پیر پٹختی اندر چلی گئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ہاں......ٹھیک ہے، جاؤ پھر اب اپنے گھروں کو۔'' باقی دونوں بھی منہ پھلاتی اندر چلی گئیں۔

''کیا ضرورت تھی ابا جی اس طرح بات کرنے کی۔'' طلال نے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔''

''بچوں سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے ان بے چاریوں کو......'' بھائیوں میں سب سے چھوٹے ظہیر نے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر خود بھی اندر چلا گیا۔

بالٹے، مونگ پھلیاں سب وہیں رکھ کر کرمو یخنی کا پیالہ لے آیا...... جس میں تقریباً آدھ سیر دیسی مرغ کی بوٹیاں بھی تھیں...... پیالہ میز پر رکھ کر کرمو ابا جی کی گردن پر کپڑا لگانے لگا۔

''کرمو......تو پاگل تو نہیں ہو گیا......'' سجاد نے کہا۔

''ڈاکٹر نے صرف ہلکی خوراک کھانے کو کہا ہے......اور تو بوٹیاں بھی ساتھ لے آیا۔''

''ابا حضور نے ہی کہا تھا......'' بات کرتے وقت کرمو کے ہاتھ ہمیشہ ہی ڈگڈگی کی طرح حرکت کرتے تھے۔ ایسے وقت میں سجاد بھائی سمیت سب کا دل کرتا تھا کہ اس خبیث کے ہاتھ سرے سے کاٹ ہی دیں۔

''ہاں......ہاں......بیٹا میں نے ہی کہا تھا......ڈاکٹر تو بس......''

''یا اپنی مرضی کریں ابا جی یا ڈاکٹر سے علاج کروالیں۔ پھر ہم سے شکوہ نہ کیجیے گا کہ ہم آپ کا خیال نہیں رکھتے۔'' سجاد نے کہا...... باقی دونوں لڑکے بھی باری باری اپنی اپنی سنا کر اندر میں چلے گئے۔

''چھوڑیے ابا جی......ان کی باتوں میں نہ آئیں۔'' کرمو نے ڈگڈگی بجائی۔

ابا جی بوٹیوں سمیت سارا پیالہ چٹ کر گئے۔

لیکن شام ہوتے ہوتے ان کو پتا چل گیا کہ ڈاکٹر جو کہتے ہیں وہ ایسے ہی نہیں کہتے...... ساری رات ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے رہے...... صبح بڑی بہو دیکھنے آئی...... لیکن شرمندگی کے مارے اسے بھی کچھ نہ بتایا۔ چہل قدمی کا بہانہ بنا کر کرمو کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔ ڈاکٹر نے معدے کے خرابی کی گولیاں دے دیں اور تاکید کر دی کہ آئندہ بد پرہیزی نہ ہو...... پہلی ہی خوراک سے فرق تو پڑ گیا لیکن رات کو ابا جی کا دل پھر مرچ مسالے والا مرغ کھانے کو کیا۔ کرمو نے ہی حل نکالا اس کا بھی۔

''خرابی آپ کے معدے میں نہیں ہے ابا حضور، خرابی اس مرغی میں ہے۔''

''دیسی مرغی میں بھی......؟''

''یہ چور، ڈاکو، حرام خور دکان دار مرغی کو گوندھا ہوا آٹا کھلاتے ہیں، وزن زیادہ کرنے کے لیے۔''

''تو کیا کیا جائے کرمو......؟'' ابا جی بے چارگی سے بولے۔

اور ویسے تو کرمو کو کبھی سگی ماں کی یاد بھی نہ آئی تھی۔ لیکن ابا جی کی اس بے چارگی پر اس کا دل کٹ کٹ گیا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر کرمو اپنا منہ ابا جی کے کان کے قریب لے گیا۔ وہ دبی دبی آواز میں حل بتا تا رہا اور ابا جی کا پژمردہ چہرہ روشن ہوتا چلا گیا۔

اگلی صبح سب گھر والوں نے دیکھا کہ باغ کے کونے میں چند مزدور کونے کا بڑا حصہ صاف کر رہے ہیں۔

''بچے کب سے کہہ رہے تھے۔ چھوٹے سوئمنگ پول کا ابا جی کو اب خیال آیا ہے۔'' بڑی بہو شگفتہ نے سجاد سے کہا۔

باقی تینوں بیٹوں اور بہوؤں کے تاثرات بھی شگفتہ کے ہم رنگ ہی تھے۔ دوسرے دن صاف حصے پر اینٹیں بچھ گئیں۔ سب حیرت سے ایک دوسرے کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دیکھنے لگے کرمو نے تو کوئی جواب ہی نہ دیا" اور ابا جی۔ دیکھ لینا جب بنے گا، دیکھ لینا جو بنے گا۔" کہہ کر ٹالتے رہے۔

چھٹے روز گاؤں سے کرمو کا باپ پچیس مرغیوں سمیت آن حاضر ہوا۔ تین درجن چوزے الگ۔ ساتھ دو بوریاں باجرے اور دو دو دوسری غذا کی، سب کی آوازیں حلق میں بیٹھ گئیں۔ کٹڑوں کوں بھی نہ کر سکیں۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹا ظہیر دادا کی طرح خوشی، غم ہر موقعے پر تاک میں رہتا تھا۔

"بازار سے مل تو جاتی ہے دیسی مرغی پھر اس سب کی کیا ضرورت تھی ابا جی۔"

"کرمو نے کہا وہ خراب خراب چیزیں کھلاتے ہیں دیسی مرغیوں کو بھی۔" اپنا نام سن کر کرمو جابی دیے چوہے کی طرح بھاگ گیا۔

"کرمو نے" کہا۔ "سجاد بھائی نے دانت پیسے، جبڑے مضبوط نہ ہوتے تو یقیناً خون نکل آتا...... یا بتیسی۔

"کرمو کرمو کرمو......" بلال نے مٹھی کا مکا ایک نہ پوری ہونے والی آرزو کے تحت بھینچا۔ پورے چہرے پر ٹماٹر سے اگ آئے۔

"ویسے تو آپ ہم سب کو تلقین کرتے ہیں ابا جی...... فضول خرچی سے بچنے کی...... اور اب یہ سب جو کیا ہے، وہ۔"

"بیٹا معدہ کمزور ہے اور کچھ......"

"رہنے دیں ابا جی...... سچ تو یہ ہے کہ انسان اپنی خوشی اور اطمینان کے لیے بڑا ہی مطلب پرست واقع ہوا ہے۔" بچے سوئمنگ پول کی آس لگائے بیٹھے تھے، ڈبکی بڑوں کو آ گئی اور آئی بھی پھر ایسی کر دنوں سانس بحال نہ ہو سکی۔

تینوں بیٹیوں کو فون کر کے نئی کارگزاری کے بارے میں بتایا گیا...... اور مردود کرمو کا بھی۔

"عباس انکل کو بلاؤ......" بڑی نے کمال مشورہ دیا۔

"ابا جی تو ساری جائیداد خود ہی ہڑپ کر جائیں گے۔"

اگلے دن سب نے متفقہ طور پر عباس انکل کے حق میں ووٹ کاسٹ کر دیا۔

"میں پریس چلاتا ہوں۔ بلال ورکشاپ، باقی دو کی تنخواہیں بے شک اچھی ہیں لیکن عباس انکل! آپ بتائیں کیا زندگی مسلسل آگے بڑھنے کا نام نہیں ہے۔ آج بچے چھوٹے ہیں۔ کل کو بڑے ہوں گے، بیٹیوں کا جہیز بنانا ہے۔ ابھی سے کوئی بیج بوئیں گے تو سالوں بعد کہیں جا کر فصل کاٹنے کی نوبت آئے گی نا۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم سب...... ٹھیک کہتے ہو، بات کرتا ہوں میں دین محمد سے۔"

"ابا جی نے یہ جائیداد کون سی اپنے ساتھ لے جانی ہے...... بس کہتے ہیں کہ آج بھی تمہاری ہے، کل بھی تمہاری...... تو آخر ہمیں دے کیوں نہیں دیتے۔"

"بے فکر رہو...... کرتا ہوں اندر جا کر بات۔"

"صرف بات نہیں کرنی 'آپ کو انہیں راضی کرنا ہے۔" سب نے کورس میں کہا۔

ایک گھنٹے سے عباس انکل، سجاد کے کمرے میں سب کے درمیان بیٹھے مسائل کی کھلتی فائلوں پر اپنی زبان کے دستخط کر رہے تھے۔ گھنٹے بھر بعد جا کر جب ان کے قلم کی سیاہی ختم ہو گئی تو انہیں ابا جی کے کمرے کی طرف دھکیل دیا گیا۔ کرمو ساری اطلاع پہلے ہی دے آیا تھا۔ ابا جی مارشل لا لگائے فوجی کی طرح جنگ کرنے کو تیار بیٹھے تھے۔

"دنیا میں کوئی ایسی سروس ابھی ایجاد نہیں ہوئی جو یہاں کی جائیداد کو وہاں منتقل کرے...... پھر تو کیوں ستا رہا ہے اپنے ہی بچوں کو دے دے اپنی زندگی میں ہی جو کل بھی ان کا ہی ہے۔"

"ہاں، ہاں دے دوں گا۔ دے دوں گا۔ تو بھی ان کی زبان ہی بولنے لگا۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"کب دے دے گا…… جب وہ تیرے مرنے کی باقاعدہ دعائیں مانگنے لگیں گے۔ میں نے بھی تو دے دیا اپنی زندگی میں ہی سب کچھ۔ کتنے خوش ہیں دونوں، سالوں میں ڈبل کرلیا جائیداد کو…… اپنے اپنے کاموں سے واپس آتے ہی سب سے پہلے میرے کمرے میں آتے ہیں پھر اپنے کمروں میں جاتے ہیں۔"

"مجھے نہیں چاہیے ایسی منافقت۔"

"منافقت نہیں ہے یہ پگلے! پیار ہے، عزت و احترام ہے، باپ قسمت سے بڑا بن جائے تو بیٹوں کو کند نہ جانے، یہ ہی دنیا کا اصول ہے۔ باپ غلط فہمی پالتا رہتا ہے ساری عمر…… حالانکہ اس کے بیٹوں کی رگوں میں گرم خون ہوتا ہے۔ جیسا کبھی باپ کی رگوں میں ہوتا تھا۔"

"بیوی مرگئی…… بچے اپنے اپنے کمروں میں بند…… تنہائی کی زندگی جی رہا ہوں۔ اپنی بنائی جائیداد کے کاغذات دیکھتا ہوں تو مالک ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ پرانی فائلیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا ہوں۔" اباجی نے اپنا دکھڑا رو دیا۔

"بس اتنی سی بات……" عباس انکل نے توقف کیا۔ "تو تنہا بھی اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہوا ہے تو جانتا ہے کہ عورت بیوہ ہو کر بھی تنہا کیوں نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اپنے وجود اپنے بچوں یا ان کے وجود ان کے بچوں کے ساتھ دل لگا لیتی ہے مرد ایسا نہیں کرتا اسی لیے تنہا ہو جاتا ہے۔ ورنہ میں تو نہیں ہوا۔ پوتوں کو اسکول اکیڈمی لینے اور چھوڑنے جاتا ہوں۔ سکون ہی سکون ہے۔"

اباجی پر باتوں کا اثر ہوا یا نہیں لیکن وہ آنکھوں سے ایسا تاثر دینے لگے جیسے وہ کسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

"تو میرے ساتھ چل شکار پر…… سمجھاتا ہوں تجھے کہ دل کیسے لگاتے ہیں۔" اباجی تب بھی خاموش ہی رہے۔ باہر نکل کر عباس انکل نے منتظر چہروں کو بھی تسلی دی۔

"فی الحال میں اسے شکار پر لے کر جا رہا ہوں، واپسی پر ان شاء اللہ معاملہ حل ہو جائے گا۔"

کرمو کو اباجی کے جانے کا پتا چلا تو اباجی کے نکلتے ہی اپنا سامان بھی پیک کرلیا۔ گاؤں چلا گیا۔ جانتا تھا اباجی کی غیر موجودگی میں اس کی وہ درگت بنی ہے جو دھنیے کے ہاں روئی کی بھی نہیں بنتی ہوگی…… مرغیوں کو سنبھالنے کے لیے بیوی کو کواٹر میں ہی چھوڑ گیا۔

اباجی کی غیر حاضری کا سارا ہفتہ سب کا دعائیں کرتے گزرا۔ فرض کے ساتھ ساتھ نفل بھی ادا ہوئے۔ سارا دن باوضو رہتے ہی گزرنے لگا۔ بہوؤں نے جہیزوں کی جائے نمازیں نکال لیں۔ قرآن مجید کھلنے لگے۔ وظیفے، نمازیں، درود تنجینا، کوئی چیز نہ چھوڑی گئی۔ اچھی خبر کی امید نے سب کے چہرے نورانی سے کردیے۔

ساتویں دن اباجی کا فون آگیا…… بلال کو حکم ملا کہ فوراً دو لاکھ کی رقم ٹرانسفر کرے۔ بلال نے وجہ پوچھی لیکن نہ بتائی۔

"ارے بھئی گفٹ خریدنے ہوں گے ہم سب کے لیے، پہلی دفعہ تو گئے ہیں کہیں باہر، وہ بھی گھر والوں کے بغیر۔" رات کے کھانے پر بلال کی بات سن کر بڑی بھابھی نے قیاس لگا کر سب کی بے چینی کو دور کردیا۔

"لیکن بھابھی دو لاکھ!!" بلال کی الجھن دور نہ ہوسکی۔

"فیملی ممبرز کی تعداد بھی تو دیکھو تم ہماری اللہ بری نظر سے بچائے۔" فیملی ممبرز کی تعداد تو پتا نہیں کتنی تھی لیکن گفٹ چار آئے، دو نر، دو مادہ۔ دو مور، دو مورنیاں۔

دو لاکھ کی خطیر رقم ست رنگی پنکھوں پر اجڑی دیکھ کر سب گھر والے بن بادل برسات کے ہی ناچنے لگے۔

"کرمو آگیا۔" عجلت سے پوچھا گیا۔ سب کے گلیشیئر صورت چہرے ساکت رہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''نہیں۔'' کسی بچے نے ہی جواب دیا۔

''اوپر کا اسٹور صاف کروا دو۔ یہ مور اب وہیں رہیں گے۔ کل مستری آ کر بڑی کھڑکی بھی نکال دے گا۔ کھلی فضا میں رہنے کے عادی ہیں یہ۔''

''اوپر کا اسٹور تو میں اپنے لیے صاف کرنے کی سوچ رہا تھا۔'' سجاد کا بڑا بیٹا احمد اپنی سی صورت لے کر باہر چلا گیا۔ سجاد کا دل اولاد کے لیے پتا نہیں کبھی تڑپا تھا یا نہیں لیکن اس وقت پھٹ کر رہ گیا۔

''آگے ہی مرغیوں کی آوازیں ہمیں سکون نہیں لینے دیتیں۔ اوپر سے آپ یہ مور لے آئے ہیں۔''

''بیٹا! مرغیاں میں نے اپنی صحت کے لیے پالی ہیں ورنہ مجھے کیا شوق ہے اپنے گھر کو گاؤں بنانے کا۔''

''گاؤں ہی بنا دیتے، آپ تو تھر بنانے چلے ہیں۔'' طلال نے بھی حصہ ڈالا۔

''ہمیں تو بہت درس دیتے ہیں کہ روپیہ پیسہ سنبھال سنبھال کر خرچ کرو۔ کبھی پیزے والا گھر آ جاتا تھا تو آپ سارا دن بولتے رہتے تھے کہ بچوں کو اتنے مہنگے شوق نہ ڈالو۔'' بلال بھی کیسے چپ رہتا۔

''بیٹا! دیکھنے میں اچھے لگے تو میں نے خرید لیے، ناچیں گے تو تمہیں بھی اچھا لگے گا۔ بچوں کا دل بھی لگا رہے گا۔''

''پہلے آپ اپنے بچوں کی ضرورتیں تو پوری کریں ابا جی! پھر ان کے بچوں کے بارے میں بھی سوچ لیجیے گا۔'' طلال نے کہا اور حسب عادت ایسی باتوں پر ابا جی کے کانوں نے سننا بند کر دیا۔ دائیں بائیں دیکھنے لگے۔

''سجاد بات سن وہ سمن آباد والی دکان بیچ دے۔''

''کیوں ابا جی؟''

''بس بیچ دے...... مجھے پیسے چاہییں۔''

''لیکن وہاں تو بلال۔''

''اگر نہیں بکوا سکتا تو بتا دے، میں کرمو کو کہہ دوں گا۔ تم سے اچھا تو وہ ہی ہے۔'' ابا جی کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سب وہیں تڑپنے لگے۔

کرمو، کرمو، کرمو......

ابا جی، ابا جی، ابا جی......

رات سب کے بستروں پر جیسے بجلی کے ننگے تار بچھ گئے۔ سب کروٹ کروٹ تڑپ تڑپ لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ وہ تو شکر تھا کہ اگلے دن اتوار تھا۔ ورنہ سوجی ہوئی آنکھیں لے کر اپنے اپنے کاموں پر کیسے جاتے۔

☆☆☆

دکان کے خریدار تو بہت تھے، پیسے ہاتھوں میں لیے بیٹھے تھے۔ دنوں میں بک گئی دکان اور تیس لاکھ ابا جی کی جیب میں آ گئے۔ چاروں بیٹوں میں سے کسی کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ پیسوں کے متعلق کچھ پوچھ لیں کہ ایسی کیا ارجنٹ ضرورت آن پڑی تھی جس کے کارن دکان بیچ دی گئی۔ ابا جی نے بتانے کی زحمت بھی مول نہ لی۔

کرمو اگلے ہی دن آ گیا۔ سولہ، سولہ کلو دیسی گھی کے دو کنستروں، گڑ، شہد، تل، مکئی کے آٹے کی بوریوں اور پانچ عدد روندے بکروں کے ساتھ۔ سب نے سارا ساماں دیکھا اور خود کو گرم گرم گھی کی کڑاھی میں مکمل ڈیپ فرائی ہوتا محسوس کیا۔

''ہر مہینے ایک بکرا کر لیا کریں گے ابا جی! پیکٹ بنا کر فریج میں لگا دوں گا۔ ہر دو جے تیجے دن بنا دیا کروں گا۔''

''ٹھیک ہے کرمو، جیسے تو کہے۔'' کرمو کے واپس آنے پر ابا جی بھی جنگلی بلی سے ایک دم پلٹا کھا کر نرم گرم خرگوش میں بدل گئے تھے جیسے دو سال کا معصوم سا بچہ ہوں۔ جس نے ابھی باہر کی دنیا بھی نہ دیکھی ہو۔

''فریج میں اتنے دن کا گوشت بھی تو زہر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہو جاتا ہے خبیث......" بلال گرجا۔
وہی تحمل کس کا، غصہ کسی پر۔
"گھر کے پلے ہوئے بکروں کی خیر ہے بلال بھائی......"

اب اس خبیث نے ایک اور عادت اپنالی تھی۔ بڑے صاحب بڑے صاحب کہنے والا، ہر ایک کا نام بنا ڈرے لیتا اور نام کے بعد "بھائی" کہنے میں تو اتنا لمبا وقفہ ڈال لیتا کہ تب تک اگلا اپنی بے عزتی باقاعدہ محسوس کر چکا ہوتا۔

"ہمارے گاؤں میں تو ویسے بھی طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اگتی ہیں۔ کبھی کبھی جانوروں کو وہ بھی کھلا دیتے ہیں مصفّیٰ خون ہوتی ہیں خالص، ویسے بھی بازار کا پانی لگا گوشت بھی تو کھاتے ہی ہیں نا بیماریوں کی جڑ، پانی بھی گندے نلکے کا۔" کرمو نے کٹنیوں کی طرح ناک بھوں چڑھائی۔

"تو پھر ایسا کر، چھت پر مٹی کی ٹرالیاں ڈلوا کر سبزیاں، دالیں، پھل بھی اوپر ہی کاشت کر لے۔ مرچ، ادرک، لہسن بھی، سنا ہے ان فصلوں کی کھاد بھی بڑی مضر صحت آنے لگی ہے۔"

"آپ صحیح طرح شہر کو نہیں جان سکے، گاؤں کو کیا جانو گے۔" کرمو نے ڈگڈگی بجا کر کہہ دیا اور بلال کسی تیز دھار آلے کی تلاش میں صحن میں نظریں دوڑانے لگا۔

"پھل سبزیاں ــــ ہائپر سینٹر سے لے آیا کریں گے ان کی چیزیں بڑی معیاری ہوتی ہیں۔"

"ریٹ پتا ہیں ان کے، عام مارکیٹوں سے دگنے ہوتے ہیں۔ سمجھایے اسے ابا جی۔"

ابا جی کیا سمجھاتے، ان کی تو خود کی بھی یہی مرضی تھی جو کرمو کہے، جو کرمو مناسب سمجھے۔

"اب ابا حضور کی صحت پر تو کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتے نا۔" اس بار ڈگڈگی کے بجائے ڈفلی بجائی گئی۔

"کمینے! ایسے بات کرتا ہوا پورا انچیا لگتا ہے تو۔ ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھا کر بات کرتے وقت۔"

بلال سمیت باقی تینوں کا بھی دل کرتا تھا کہ کسی دن کرمو کو قربان کر کے خواجہ سراؤں کی پارٹی میں جمع کروا آئیں اور کچھ نہ بھی ملے، دعائیں ہی مل جائیں کرمو کے بدلے تو وہ بھی کافی ہیں۔

"نہیں بیٹے گالی نہیں دیتے کسی کو۔" ابا جی نے بلال کو سمجھانا چاہا اور اس وقت بلال کو ابا جی بڑے پکے منافق لگے۔

"آپ چپ رہیں ابا جی! یہ میرا اور کرمو کا معاملہ ہے۔ آپ کا معاملہ تو میں نے اب خدا پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہی آپ کو پوچھے گا۔" بلال سمن آباد والی دکان پر ورکشاپ کرنا چاہتا تھا۔ جب سے وہ بکی تھی اس کے سر کے بال سفید ہو رہے تھے۔ آج تو وہ بالکل ہی رو دینے کو تھا۔ شاید رو بھی لیتا جو کرمو ساتھ نہ بیٹھا ہوتا۔ آگے کون سی عزت کر رہا تھا، اب یوں روتے دیکھ لیتا تو نہ جانے مخاطب کرنے کا کون سا انداز اختیار کرتا وہ۔

ابا جی بلال کا یہ روپ دیکھ کر دنگ سے رہ گئے۔ وہ بھی جانتے تھے کہ بلال وہاں ورکشاپ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایک طرف بیٹے کے کاروبار کا سوال تھا اور دوسری طرف چار دن کی زندگی کا، انہیں کسی ایک کو تو چننا تھا ہی وہ چن بھی لیا کرتے۔

دکان کے تیس لاکھ کیا ہوئے؟ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کیا جا رہا ہے؟ ان تیس لاکھ کو ہر کوئی ہر روز انگلیوں پر گنتا تھا۔ اتنے خرچ ہوئے، اب اتنے رہ گئے۔ آج اتنا خرچا ہوا باقی بچے؟

ابا جی کی خوراک کا انداز بھی مکمل طور پر بدل گیا تھا۔ صبح ناشتے میں ہر ہفتے، سری پائے، تل والا کلچہ یا پوریاں دس بجے بکرے کی یخنی بوٹیوں کے ساتھ، دوپہر میں دہی کے ساتھ چاول یا تکے، دیسی گھی کے چھڑکاؤ والے، رات میں چھوٹا گوشت یا دال، سبزی گوشت۔ یہ پیٹرن تو فکس تھا۔ دن بھر کی بے احتیاطی اور ٹھونگنا الگ سے تھا۔ شہد یا زعفران ملا دودھ ــــ پھل، خشک میوے، تازہ جوس، میٹھے میں کھوئے کے قتلے، امرتیاں، گاجر چقندر کا حلوہ، منجن، سلاد کے نام پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سبزیاں، صحت بھی اب بدلنے لگی تھی۔ اباجی کی ایسی صحت جو ساری زندگی نہ بنی تھی۔ چہرہ زعفران کے باعث گہرا سرخ تمتماتا ہوا لگتا تھا، کیا نوجوانوں کا ہوتا ہوگا۔

گھر والوں کو آئے دن نت نئی چیزیں دیکھنے کو ملتیں۔ اب وہ جلتے نہیں تھے صرف گِنتے تھے۔ باقی کتنے بچے پیسے اور، اور دن۔

کمالیہ کے خاص آدمی کو لایا کرمو گھر پر، میو اسپتال والی دکانوں سے۔ اگلے دن کمالیہ کھدر کے دس سوٹ گھر میں آئے۔ سلے وہ شہر کی سب سے بڑی دکان سے، جہاں سے کبھی ظہیر جیسا نفیس آدمی بھی سوٹ سلوانے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اباجی کی پرانی الماری ساری کی ساری خالی ہوگئی۔ اباجی کے وہ میلے چیکٹ، دھل دھل کر رنگ چھوڑے کپڑے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتے۔ دو گھوڑا بوسکی، کاٹن، لٹھا ایک آتا ایک جاتا۔ ڈرائی کلینرز والے سوٹ خود گھر دینے آتے، درزی ہر بار پہلے سے انچ انچ کا اضافہ کر کے نیا سائز لے جاتا۔

اباجی کا کمرہ بھی اب مقفل رہنے لگا تھا۔ اور چابی ہوتی صرف اباجی کے پاس یا کرمو کے پاس۔

اب اباجی بڑے رعب سے پرائم چیئر پر بیٹھتے تھے۔ اکڑے اکڑے سوٹوں کے ساتھ، لش لش کرتی جوتیوں کے ساتھ جو آئے دن بدلتیں اور ان سے بھی زیادہ تیزی سے بدلتیں گھڑیاں، کبھی بلیک راڈو، کبھی وائٹ سوڈز، سلور سٹیزن، گولڈن سیکو۔

کوڑے دان میں سے گھر والے خالی ڈبے نکال نکال کر برینڈز کے نام پڑھتے تو محسوس کرتے جیسے کسی غار میں قید ہو گئے ہوں اور دہانہ آہستہ آہستہ بند ہو رہا ہو۔

پھر عینکوں کی بھی ایک وسیع رینج تھی اباجی کے پاس...... ٹوٹا میلا چشمہ تو نجانے کہاں تھا اب اور وہ مخصوص عطر بھی لاپتہ تھا۔ اب تو مہنگے مہنگے پرفیوم خریدے جانے لگے تھے۔ شگفتہ کو پرفیومز کا بڑا شوق تھا۔ وہ ہی نام بتاتی تھی ہر بار۔ کوبرا، نیشنل فائیو، انسٹرکشن، ایول (شیطان)، ہاہاہا۔

دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بھی صرف دو ہی خالی بچی تھیں اب، باقی چھ کی چھ وائٹ گولڈ کی انگوٹھیوں سے پُر تھیں، بائیں ہاتھ میں گھڑی تو دائیں میں بریسلیٹ جس کا ڈیزائن ہفتے بھر بعد ہی بدل جاتا۔ درمیان سے مانگ نکالنے والا چالیس سالہ پرانا ہیئر اسٹائل بھی بدل گیا تھا۔ بال تو مہندی کے بجائے کالے رنگ سے رنگے ہی جانے لگے تھے۔ ساتھ ساتھ جیل ہیئر اسپرے کا استعمال بھی ہونے لگا تھا۔ ہاتھ پیر بھی مینی کیور، پیڈی کیور کے باعث بڑے نفیس ہو گئے تھے۔

پھر ایک روز اسی طرح گنتے گنتے تیس لاکھ پورے ہو گئے۔

"لو جی، اب صرف دس ہزار بچے ہوں گے۔ کر لیا اباجی نے جتنا عیش کرنا تھا اب دس ہزار بھی اسی عیاشی میں اڑا لیں پھر دیکھیں گے۔"

اور اسی رات اباجی پندرہ لاکھ والی نئی چمچماتی کار میں بیٹھے گھر میں داخل ہوئے۔ سب کو چھٹی کا دودھ تو یاد نہ آیا۔ البتہ دادی کی گھٹی ضرور یاد آ گئی۔

"ہائے اباجی! اتنی مہنگی کار۔"

اباجی کی شخصیت اب کافی بدل گئی تھی انہوں نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور کمرے میں چلے گئے البتہ کرمو کو کمرے میں ہی بلوا لیا۔ نئی کار کے لشکارے چاروں بیٹوں اور ان کی بیویوں پر پڑے اور ان کے سفید چہرے پیچ کلر کے ہو گئے۔ حالانکہ کار کا رنگ تو کالا تھا۔

"اتنی مہنگی کار کہاں سے لے لی اباجی نے۔"

"ہمارے حساب سے تو اب اباجی کے پاس دس نہ سہی بیس ہزار ہونے چاہیے تھے یا زیادہ سے زیادہ لاکھ۔"

"کسی سے ادھار لیا ہوگا۔"

"یہ ادھار چکائے گا کون......؟"

"خود ہی چکائیں گا ہم کیا جانیں یا کرمو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چکائے گا۔ چھپتا منہ بولا پانچواں بیٹا۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ اباجی نے ادھار لیا ہے۔"

"تو پھر" سب تشویش زدہ تھے۔ ظہیر نے کہا تو گویا سب نے خطرے کی گھنٹی سن لی۔

"ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ دیکھنا تھوڑے دنوں بعد پتا چل جائے گا۔"

تھوڑے دن بعد واقعی پتا چل گیا، دال میں کچھ کالا نہیں تھا کسی نے دال ہی چٹ ڈالی تھی۔ کرمو کے ہاتھ پر پانچ ہزار رکھا گیا کہ پیسوں کے بارے میں پتا کرے کہ کہاں سے آئے ہیں۔ کرمو نے پانچ ہزار واپس ظہیر کے ہاتھ پر رکھ دیے اور بولا۔

"پوچھ لوں گا پر یہ پیسہ رکھو اپنی جیب میں، تمہاری طرح حرام نہیں کھاتا۔"

"کرمو......" ظہیر مٹھیاں بھینچ کر ایسے دھاڑا جیسے خدانخواستہ کسی ببر شیر نے اردو بول لی ہو۔ سب نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ظہیر کو صبر کرنے کی تلقین کی۔

"وقت پر تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے پھر اس چھچھوندر کو کیوں نہ تھوڑی دیر کے لیے نوکر ہی مان لیا جائے۔"

کرمو گرم گرم مچھلی اور نان لے کر اندر اباجی کے کمرے میں چلا گیا۔ باہر سب بے چینی کے باعث نہ ٹھیک سے اٹھتے تھے نہ ٹھیک سے بیٹھتے تھے۔

"لو جی سن لو۔" کرمو نے باہر آ کر منتظر آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

"سنت نگر والا مکان بیچ دیا اباحضور نے۔" اس دفعہ اس نے ہاتھوں سے ڈگڈگی نہیں بجائی بلکہ دونوں ہاتھوں کو خلا میں لے جا کر اس طرح تالی ماری کہ ان سب کا طبلہ ہی بجا ڈالا۔

سب کے پیروں تلے سے زمین تو پہلے ہی کھسک چکی تھی۔ اب یہ سن کر گویا سائبان بھی بک گیا۔ مہنگے داموں، دھم دھم کر کے سب صوفوں پر بیٹھے تو کمرے میں ترنم پھیلا ساتھ پرانے اسپرنگوں نے اپنی قسمت کا رونا رویا۔

چھوٹی بھابھی نے تینوں نندوں کو کانفرنس کال کر کے دکان اور مکان والے دونوں واقعے بھی بتا دیے۔ پندرہ منٹ کی گفتگو میں جیون بھر کا رونا رو لیا گیا اور تینوں نندوں نے واضح کہہ دیا کہ اب اباجی سے ان کا کوئی تعلق نہیں، بھائی جو بہتر سمجھیں کریں اور اباجی کے کسی کام کے حوالے سے اب ان کو نہ بلایا جائے۔

مرغوں کی بانگوں نے پہلے ہی سب کے کانوں میں درد کر رکھا تھا۔ مور کا ناچ بھی بھولا نہ تھا اور کڑاہی میں بھی سب ڈبکی لگا چکے تھے۔ ساری چیزوں نے مل کر جو بل کھایا تو موٹی مضبوط رسی بن گئی۔ بلکہ ہنٹر چاروں بیٹے اور بہوویں دھاڑتے ہوئے اباجی کے کمرے میں داخل ہوئے جیسے مقفل پنجرے کا دروازہ مدتوں بعد کھلا ملا ہو۔ اباجی بیڈ پر نیم دراز، مچھلی اور نان کھا کا لمبی ڈکاریں لے رہے تھے۔

"آپ نے سنت نگر والا مکان بیچ دیا؟" کورس میں پوچھا گیا۔ بڑے گھڑیال نے بارہ ٹن جیسے اکٹھے بجا دیے۔

"ہاں بیٹا، پیسوں کی ضرورت تھی، میں نے سوچا چار دن کی تو زندگی۔"

"چار دن، چار دن، چار دن......
اللہ یہ چار دن کی زندگی کیا ساری زندگیاں نگل کر ختم ہوگی یا چار صدیاں۔"

"آپ کو پتا ہے وہ گھر ہماری ماں کی نشانی تھا۔ اس کے ساتھ ہماری ماں کی یاد جڑی تھی۔" طلال نے جذباتی ہو کر کہا۔

"کبھی رہنے تو گئے نہیں تم وہاں؟"

"کیونکہ اس کا کرایہ آپ کو عزیز تھا۔" ظہیر بولا۔

"سمن آباد اور رائے ونڈ والی دکانوں کا بھی۔" بلال نے کہا۔

"اپنوں سے زیادہ آپ ہمیشہ غیروں پر اعتماد کرتے رہے کہ تم سے کاروبار نہیں ہو سکے گا کبھی بھی، دوسرے کم از کم کرایہ تو دیں گے۔"

"میں نے تو کتنی دفعہ الگ ہو کر وہاں جانے کی بات کی تھی۔ تب تو آپ کو سانجھ کا بخار چڑھا ہوا تھا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور اب اپنے بارے میں آپ کیا کہیں گے ابا جی۔"
سجاد نے اگلے پچھلے سارے رجسٹر کھول لیے۔

"سانجھ کا لیکچر خود ہی بھول گئے ابا جی۔"

"نہیں بیٹا، وہ میں......"

"منافقت بس کر دیں ابا جی...... بیٹا بیٹا کہہ کر آپ ہماری جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ ہمارے بچوں کا مستقبل اندھیر کر رہے ہیں۔"

"تمہارے بچوں کے مستقبل کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔" ابا جی پر بھی پچھلی کا اثر ہونے لگا تھا۔

"آپ تو ہمارے مستقبل سے بھی ہمیشہ کنارہ کش ہی رہے ہیں۔ اماں سے بھی آپ کو روٹی اور خدمت ہی درکار تھی بس اور ہم سب سے بھی۔"

"خدمت کی ہے تو پھل بھی پایا ہے نا خلف اولاد، بے ادب گستاخ لڑکے۔"

"زیادہ ادب مت جھاڑیں، میرا اور آپ کا رشتہ آج سے ختم۔" سجاد نے کہا تو کمرے میں خاموشی سی چھا گئی۔ ابا جی نظریں چراتے چراتے جیسے خود بھی بے ضمیر سے ہو گئے۔

"تو پھر چلا جا یہاں سے۔"

"آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں، ہم سب آپ کی فطرت سے آگاہ ہیں۔ ماں کو بھی تو بات بات پر طلاق کی دھمکی دیتے تھے۔ میں اس چیز کے لیے تیار تھا۔ جاؤ شگفتہ سامان باندھو۔" سجاد نے بیوی کو حکم دیا۔ سانپ سونگھے مجمع میں حرکت ہوئی۔

"سجاد بھائی! کیا کر رہے ہیں آپ۔" تینوں بھائی بولے۔

دیورانیاں بھابھی بھابھی کہتے ہوئے شگفتہ کی طرف لپکیں جو سجاد کے کہنے کے فوراً بعد سامان باندھنے چلی گئی تھی۔

"جانے سے پہلے ایک بات بتا دوں، رائے ونڈ والی چاروں دوکانوں کی رجسٹری میں نے اپنے پیسوں سے کروائی تھی تب تو آپ کے منہ سے ہر وقت شیرنی ٹپکتی رہتی تھی اور اس گھر میں طلال اور ظہیر کے لیے اوپر والا پورشن تیار کروانے کے لیے میں نے تقریباً دس لاکھ دیا تھا لیکن پھر بھی حساب بے باق کرتا ہوں آپ کا اور میرا کھاتا کلیئر۔" سجاد سنا کر باہر چلا گیا۔ چھوٹے بھائیوں نے خوب کس کس کر تیوریاں ڈالیں اور جو جو منہ میں آیا، بول کر سجاد کے پیچھے باہر کو لپکے۔

سجاد اگلے دن ناشتے سے پہلے گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ابا جی مجرموں کی طرح کمرے سے باہر نکلے تو ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پر بلال کو بیٹھے دیکھا۔ دیکھ تو سب نے بھی ابا جی کو لیا تھا لیکن بلانا پسند نہ کیا۔ ابا جی کمرے میں واپس چلے گئے تب سے ان کا ناشتا کھانا کمرے میں جانے لگا۔ ہمیشہ کے لیے۔

اگلے مہینے تیسرے نمبر والا طلال بھی گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے روٹھنے کی وجہ الگ تھی۔ جب اس نے رائیونڈ والی چار دُکانوں میں سے دو کے بک جانے کی خبر سنی تو بنا بولے بنا جھگڑا کیے چلا گیا۔ اور بس اتنا کہہ گیا۔

"دیکھنا ابا جی ایک دن اس گھر میں اکیلے کوے اُڑایا کریں گے۔"

ابا جی کے معمولات پہلے تو بڑے پژمردہ سے رہے لیکن دن گزرے۔ دو بیٹوں کی جدائی کا غم غلط ہوا تو کند ہو چکی آری کو جیسے پھر سے کسی نے پتھری پر لار کھا۔ بادام سوکھ کر اور بھی رسیلا ہو گیا۔

اب ابا جی روز نہاتے۔ نیا ڈرائی کلین سوٹ پہنتے۔ نئی جوتی، گھڑی، چین، بریسلٹ، انگوٹھیاں، بالوں پر جیل، ہیئر اسپرے، پرفیوم اور نئی نویلی دلہن کی طرح ہر وقت بنے ٹھنے رہتے۔ گھر میں پانچ چھ طرح کے اخبار اور دس بارہ طرح کے میگزین لگوا لیے۔ فیشن، سیاست، اسپورٹس قصے کہانیوں اور کرمو کے لیے کھانا بنانے کی ترکیبوں والے بھی۔

کرمو کے انداز بھی بدلنے لگے تھے۔ ٹاٹ پر ٹاٹ اور نت نئے تھان چڑھنے لگے تھے۔ ابا جی کی تو اترن ہی چاندی کے برابر تھی۔ کالے کلوٹے جسم پر چڑھتی تو چودھویں نہ سہی بارہویں کا چاند تو ضرور ہی معلوم پڑتا اور خوب صورتی میں چاروں بیٹوں کو بھی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مات دے جاتا۔ مات تو چاروں بھی دے رہے تھے جل جل کر کوئلے کو۔

"اس کم بخت کو اور چاہیے ہی کیا تھا یہ ہی تو چاہتا تھا۔ یہ وہاں نالیاں صاف کرتا تھا۔ یہاں اباجی کی جوتیاں سیدھی کرتا ہے۔"

کمروں میں جا کر دونوں اعلا شخصیات پر خوب خوب تبصرے کیے جاتے۔ ایک بادشاہ تھا تو دوجا وزیر۔۔۔ اب اباجی نے ایک اور معمول اپنا کر سب کو حیران کر دیا۔

روزانہ شام کو کار لے کر نکل جاتے اور آدھی آدھی رات کو گھر واپس آتے۔ جوان جہان لونڈوں کی طرح چوری چھپے، بہت ٹوہ لگانے کی کوشش کی لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ دونوں بہوؤں نے تینوں نندوں کو کانفرنس کال پر لیا۔ اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ لیکن تینوں نندوں نے مشترکہ کہہ دیا کہ اب دوسری چھوڑ تیسری ممی بھی آ جائے تو ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دونوں گھر بدر ہوئے بیٹوں نے بھی اسی طرح کا اظہار کیا۔ لیکن بلال اور ظہیر کی تشویش بڑھتی ہی گئی۔ اگر ایسی بات ہوگئی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ساٹھ سالہ باپ اور دوسری شادی!! ویسے تو لڑائی کے دوران مرحومہ بیوی کو دوسری شادی کی دھمکی دیا ہی کرتے تھے لیکن عمل اب ہو گا اتنی دیر سے، اس بات کا دونوں کو گمان تک نہیں تھا اور اصل فکر شادی سے بھی زیادہ دوسرے وارثوں کی تھی۔

جائیداد۔۔۔ بچی کتنی۔۔۔ تھی جو نئے حصے داروں کے لیے گنجائش بچتی۔

عباس انکل کو فون کیا گیا۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ دین محمد سے ملے تو انہیں بھی کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ نجانے کہاں کہاں جاتا ہے۔ اور اب اس نے نئے دوست بھی بنا لیے ہیں۔ کہتا ہے تو بڑا لاتعلقین شاہ بنا پھرتا ہے۔ اب تیری میری نہیں جم سکتی۔ لو جی آخری پتہ بھی صاف ہو گیا۔ دونوں بہوویں پریشان ہو گئیں سروں کو ساری رات جوڑے رکھا گیا فائدہ بھی ہوا پھر؟

کرمو کو پیسوں یا کسی اور چیز کا لالچ دے کر راضی کرنا مشکل تھا کہ پتا کرے اباجی باہر کیا گل کھلانے جاتے ہیں کیونکہ کرمو سے تو سب بائیکاٹ اسی دن ہو گیا تھا جس دن اباجی سے ہوا تھا۔ اب صرف اس کی بیوی ہی کام آ سکتی تھی۔

وہ کام آ گئی لیکن پانچ کے بجائے دس ہزار میں مانی۔ پانچ ہزار ایک بھابھی نے ڈالے پانچ دوسری نے۔ اگلے دن اس نے خوشخبری سنا دی کہ کسی عورت وورت کا چکر نہیں ہے اور اباجی کارڈز کھیلنے جاتے ہیں۔ بے چاری کو شاید کارڈز کھیلنے کی اردو نہیں معلوم تھی یا کرمو اسے صحیح طرح سمجھا نہ سکا تھا۔ اپنی دانست میں وہ کارڈز کو وظیفہ، محفل یا تبلیغ جیسی کسی چیز عبارت سے منسوب کر رہی تھی۔ بڑے خوش ہو کر اس نے بتایا تھا جیسے دس ہزار کے علاوہ انعام کی آس بھی لگائے بیٹھی ہو۔

دونوں بیویوں نے رات کو اپنے شوہروں کو اباجی کی نئی کارستانی کے بارے میں بتا دیا۔

ایک تو ویسے بھی دو بھائیوں کے گھر سے جانے کی جدائی کا غم تھا۔ دوسرا جائیداد کی باری باری بکنے کی فکریں، دونوں غصے سے پاگل ہو گئے۔ اباجی کو پھر کٹہرے میں گھیر لیا گیا۔

"بڑے مولوی بنے پھرتے تھے نا آپ، بڑے دھانی گیانی، بڑے شوق سے بتاتے تھے کہ آدھی آدھی تنخواہ کی اسلامی کتابیں خرید لیا کرتا تھا۔ میں اب کہاں گئے وہ درس..... اب جوا کھیلنے جاتے ہیں تو شرم نہیں آتی۔" اباجی نے بلال کو چلاتے سنا تو گویا حیرت کے کسی مراقبے میں چلے گئے۔

اتنا بڑا راز کیسے فاش ہو گیا؟ کیا کرمو نمک حرامی کر گیا یا دونوں نے زیادہ چالا کی دکھا کر کار کا پیچھا کر لیا...... کہاں چوک ہو گئی ان سے۔ وہ تو کلب میں بھی بڑے چوکنے ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ پولیس سے زیادہ انہیں بیٹوں کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

"بولیے، اب بولتے کیوں نہیں۔"

"یہ کیا بولیں گے...... جن کی بغل میں خود ہی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چور ہے۔"

"ہاں میں جاتا ہوں جوا کھیلنے۔" اباجی بونگ، میووں کی کسر نکالنے لگے۔

"میرا دل کرتا ہے۔ میں خوش رہنا چاہتا ہوں چار دن کی تو زندگی ہے۔ تمہیں کیا میری زندگی ہے۔ اسے حلال طریقے سے گزاروں یا حرام طریقے ـــ سے۔ حساب میں نے دینا ہے اللہ کو۔" فتویٰ جاری کر دیا گیا اپنی اپنی زندگی، اپنی اپنی قبر اور کرم۔

"یہ حرام کاری ہم اپنے گھر میں برداشت نہیں کریں گے۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ کیا اثر پڑے گا ان پر کہ کیا کرتا ہے ان کا دادا۔" ظہیر نے فیصلہ کن کہا۔

"یہ گھر تمہارا نہیں میرا ہے۔" وہی عمر رسیدہ ہو چکی خام خیالی۔

"آپ، امی کو اور ہمیں سرونٹ کوارٹر میں لائے تھے۔ باقی کی اینٹ اینٹ ہم چاروں بھائیوں نے اپنی اپنی کمائی سے، بڑی محنت سے لگائی ہے یہاں، تب تو آپ کہتے پھرتے تھے کہ یہ گھر تمہارا ہے۔ میرا نہیں۔ میں تو آج ہوں کل نہیں۔ جیسے چاہو بناؤ ہم دونوں سجاد اور طلال جیسے بچے نہیں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جائیں۔ آپ سرونٹ کوارٹر اور زمین کا ریٹ لگوا لیجیے۔ پیسے آپ کو ہم دے دیں گے۔ اگر مقدمہ بازی کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔" ظہیر نے نیم غصے لیکن شائستگی سے سارے مسئلے کا حل نکال دیا۔

ایکسیڈنٹ کے بعد سے اب تک کے عرصے میں پہلی بار اباجی دوبارہ کانپے اور پہلی بار پھر سے اباجی کا بلڈ پریشر ہائی ہوا۔ پیالے کے الٹی طرف بھی تھوڑا بہت پانی ٹھہر سکتا ہے۔ اس بات کا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا۔

ساری رات اور سارا دن سوچتے رہنے کے بعد اگلے دن شام کو کار لے جاتے وقت اباجی نے ظہیر سے وعدہ کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی جوا نہیں کھیلیں گے۔ ظہیر سمیت باقیوں کو بھی اطمینان ہوا۔

اباجی کے معمولات زندگی رفتہ رفتہ پھر پرانی پٹری پر چڑھنے لگے ماسوائے رات کو دو بجے واپس گھر آنے کے۔ نئے دوستوں کے ساتھ ہی انہوں نے شمالی علاقہ جات کی سیر کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ روانہ ہونے کے ہفتے بھر بعد وہاں سے خبر آگئی کہ اباجی تتاپانی میں گر گئے ہیں۔ دونوں ٹانگیں اور جسم بری طرح جل گیا ہے اور اسلام آباد کے اسپتال میں داخل ہیں۔

☆☆☆

لندن والی بہن کو فون کر دیا گیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب جب "کچھ" ہو جائے گا وہ تب ہی آئے گی۔ ٹکٹیں بہت مہنگی ہوگئی ہیں۔ البتہ پنڈی والی، اسلام آباد پہنچ گئی ہفتے ـــــ کے بعد اباجی کو لاہور منتقل کیا گیا۔ ٹانگیں اس بری طرح جل گئی تھیں کہ انہیں ٹھیک کروانے کے لیے پیسوں کے کنویں کے کنویں درکار تھے۔ انشورنس والوں نے بھی یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ پیسے "کچھ ہو جانے" کے بعد ہی ادا کرتے ہیں۔ یہ "چھوٹی موٹی وارداتیں" تو ہر انسان کے ساتھ آئے دن ہی ہوتی رہتی ہیں۔ چار و ناچار چھ چھ لاکھ والے دو فکس ڈیپازٹ بینک سے نکلوانے پڑے۔

سجاد، طلال سمیت باقی سب بچوں نے بھی اباجی سے صلح کر لی۔ مہینے بھر بعد لندن والی کا بھی فون آ گیا۔ اباجی، بچوں کو خدمت کرتے دیکھتے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ اتنا ہلکان ہو رہے تھے سب اور اتنے ڈھیروں کام کر رہے تھے جتنے کرمو جیسے تین بھی نہیں کر سکتے تھے۔ نہلانا، دھلانا، بول و براز، سہارا دے کر واک کروانا، بیڈ پر لیٹے لیٹے ورک آؤٹ کروانا، روزانہ مخصوص تیلوں سے ٹانگوں کی پالش، صبح و شام بہویں الگ گھر پر کھپتی تھیں۔ پرہیزی کھانا بنتا۔ دلیہ، یخنی، ملک شیک، پھر جو دیور، جیٹھ، نند، بچے ساتھ ہوتے، ان کا کھانا بھی پک کر اسپتال ہی آتا۔ بیٹوں کے کاموں کا حرج تو ہو ہی رہا تھا۔ ساتھ ساتھ خرچ بھی بڑھ گیا تھا۔ کوئی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کام سے واپسی پر آتا تو کوئی جانے سے پہلے۔ طلال ظہیر تو مسلسل ایک ماہ سے کام پر گئے ہی نہیں تھے۔ بیٹیوں نے بھی رو رو کر براحال کر لیا تھا۔ یہ سب دیکھتے دیکھتے نیم جان ابا جی نے دل پر پتھر رکھ کر بڑا ہی اہم فیصلہ کر لیا۔

چار ماہ بعد ڈاکٹر نے ابا جی کو اسپتال سے چھٹی دے دی۔ لندن والی بیٹی بھی تب تک آ چکی تھی۔ اور اتفاق سے اس دن خاندان کا بچہ بچہ اسپتال میں تھا۔ کچھ خوش تھے کچھ خوش ہونے کی ایکٹنگ کر رہے تھے۔ کئی کے چہروں پر تو تھکن جڑی ہوئی تھی۔ ابا جی صحت مند تو ہو گئے تھے لیکن فی الحال وہیل چیئر پر ہی تھے۔ مخصوص اوقات کے علاوہ ابھی زیادہ چل پھر نہ سکتے تھے۔ سہارے کے بغیر چلنے میں تو ابھی مزید دو ماہ درکار تھے اور دوڑ لگانے کے لیے کم از کم آٹھ۔

ڈاکٹر نے آخری معائنے کے بعد رخصت کرتے وقت روز کی کرنے والی ورزشوں اور خوراک کی ساری تفصیل سجاد بھائی کو تھما دی اور بتا دی۔ پھر ابا جی کو بھی ہمت بڑھانے کی خاطر بولا بالکل ایسے سرسری سا۔

"ہمت نہ ہاریے بزرگو! خوش رہا کریں۔ چار دن کی تو زندگی......"

"بس، بس، بس۔" سجاد بھائی گرجے جیسے مرے ہوئے شیر کو دوبارہ جنم ملا ہو۔

"بہت بہت شکریہ آپ کا۔ مزید کوئی نصیحت مت کیجیے گا۔" سجاد بھائی گرجے تو طلال کی بھی ہمت بڑھ گئی۔ آگے کو کپی نکلے پرانے پنکھے کی شکل والا ڈاکٹر چہرے سے ایک دم ہی یتیم و مسکین ہو گیا۔ سجاد بھائی وہیل چیئر کو دھکیلنے لگے تو کرمو نے ہینڈل تھام لینے چاہے۔

"لائیں مجھے دے دیں۔" صلح جوانداز۔

"تیری باری بھی آئے گی بیٹا! لیکن گھر چل کر۔" دانت پیس کر سجاد بھائی نے ذو معنی بات کی۔

کرمو جیسے اب خود بتا پانی میں سر سمیت ڈوب گیا۔ ابا حضور کی حالت ہی کیا رہ گئی تھی جو اپنا بھی دفاع کر سکتے، کہاں بے چارہ بن ماں کا کرمو۔

گھر پہنچ کر ابا جی نے اطلاع دی کہ وکیل کو بلاؤ، مجھے اس سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ سب کے انگ انگ میں خوشی دوڑ گئی۔ سالوں سے ابلتی کڑھی کو جیسے تڑکا لگ گیا۔ شانت ہو گئے سارے صلاح مشورے سے کرمو کو پاس بٹھا لیا گیا۔

"کیا چاہتا ہے تو کرمو؟" طلال نے پوچھا۔ حالانکہ بلال تو پوچھنا چاہ رہا تھا کہ "چنری، پازیب، چولی، گھنگھرو میں سے کیا چاہتا ہے تو کرمو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" کرمو نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

"تو کیا چاہتا ہے کہ ہم سڑکوں پر آ جائیں بچوں سمیت۔" لہجے میں بس لپیٹ دینے والا غضب تھا۔

سات بہن بھائیوں، ان کے شوہروں، بیویوں، بڑے بچوں کی آنکھیں الگ باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ کرمو، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے ٹوٹ بٹوٹ کی طرح فرفر بولنے لگا۔

"خدا قسم ایسی بات نہیں۔"

"پھر کیوں ابا جی کو نت نئے مشورے دیتا ہے؟" تقریباً بیس جانوں کے دانت پس پس گئے۔

"کون سے؟" چھلکے کے بچے والی معصومیت۔

"زیادہ چوچا۔" تھپڑ کا خیال دل میں ہی دم توڑ گیا۔

"اوہ بھائی میرے (کیا مکاری تھی) یہ مرغیوں، بکروں کے مشورے کیا تیرے نہیں تھے۔ یہ کمالیہ کی معیاری مہنگی کھدر جو جسم پر چبھتی نہیں ہے۔ دودھ، زعفران، میوے، مچھلی، نہاریاں یہ خوش رہنے کے نت نئے گر، کیا تو نے نہیں بتائے ابا جی!! کو۔" اباحضور کہتے کہتے دل سے پتا نہیں کرمو شرمندہ ہوا تھا کہ نہیں پر چہرے سے ضرور ایسا ظاہر کرنے لگا جیسے اسے ونڈی کی چیز نہیں ملی۔

"مجھے معاف کر دیں بھائی اور چھوٹے صاحب (اعلا مکاری) مجھے معاف کر دیں۔" کرمو نے ہاتھ جوڑے تو سجاد بھائی اقبال کے شاہین کی طرح پلٹ کر جھپٹے اور پھر پلٹے۔ اب شاہین کے آگے بھلا ٹوٹ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بٹوٹ بے چارہ کیا کرتا۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک شرط پر۔"

"مجھے ہر شرط منظور ہے، بتانے ہی۔" کرمو بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

"آئندہ اپنا منہ بند رکھے گا ہمیشہ کے لیے۔"

"جیسے آپ کہیں مالک، آقا۔"

"اپنے باپ کو فون کردے۔ دیسی گھی، بکرے، مرغیاں، باجرہ، سیلا چاول اب نہ لائے۔ گارڈن میں سب جانوروں کو کل ہی ذبح کر کے فریج میں لگا دے۔ اباجی پوچھیں تو کہہ دینا کہ بیماری آ گئی تھی۔ ذبح نہ کرتا تو سب مر جاتیں اور منگوانے کو کہیں تو گاؤں میں سیلاب لے آنا۔ کہنا سب بہہ گیا۔ کچھ نہیں بچا۔"

"جی مالک جو آپ کی مرضی۔"

"اب دفع ہو یہاں سے۔" پنگ پانگ گیند کی طرح کرمو جیسے ٹپہ کھا کر بھاگا۔ سب نے سکون کا سانس لیا۔

"یہ ہی سنبھو لیا تھا دیکھنا اب آگے سب ٹھیک رہے گا۔" تینوں بہنوں نے تائید کی۔ بھائیوں نے رات کے لیے کمریں کس لیں۔

ڈنر کے بعد اباجی کو کمرے سے باہر لا کر صوفے پر بٹھا دیا گیا۔ دھل دھلا کر اباجی میں پھر سے نئی زندگی دوڑ گئی، جی ہاں پھر سے۔

"نتیجہ بھگت لیا اباجی آپ نے اپنی مرضی کرنے کا۔" سجاد نے شروعات کی۔ پھر سب نے حصہ ڈالا۔

"ہم تو جو کہتے تھے آپ ہمیشہ ٹال دیتے تھے۔" بلال بولا۔

"ڈاکٹر نے دیکھا کیا کہا ہے کہ بدپرہیزی کی وجہ سے شوگر آپ کی بڑھ گئی۔ کولیسٹرول آپ کا زیادہ تھا۔" رافیہ نے ٹوکا۔

"شکر کریں آپ کی ٹانگیں کٹنے سے بچ گئیں ورنہ ڈاکٹرز نے تو آپ کی بے ہوشی کے دوران یہ خبر بھی سنا دی تھی ہمیں۔" رابعہ نے ڈرایا۔

"ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم نے یہ چار مہینے کس طرح گزارے ہیں۔" طلال بولا۔

"لیکن افسوس اباجی کے آپ ہمارے ساتھ ہمیشہ سوتیلوں والا سلوک کرتے رہے ہیں۔ بہت افسوس ہے۔" ظہیر نے کہا۔

لندن والی بہن نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ اشارہ تھا کہ بہت ہوگئی۔ اب بس کرو، لیکن یہ طوفان اب کہاں تھمنے والا تھا۔

"وزن آپ نے گوشت کھا کھا کر حد سے زیادہ بڑھا لیا۔ اوپر سے سر کے ساتھ بھنوؤں کو رنگنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمیں پتا بھی نہیں اور آٹھ مہینے سے آپ کیمیکل زدہ آنکھیں لیے گھوم رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر نے بتایا ورنہ ہمارے تو فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا۔ کرموں کے ساتھ جا کر چپکے چپکے علاج کرواتے رہے ہیں۔"

"یہ عمر گھر پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کی ہوتی ہے۔ اور آپ ہیں کہ کبھی ادھر، کبھی ادھر جو بچہ باز پُرس کرتا ہے آپ اسے عاق کر دیتے، گھر سے نکال دینے کی دھمکی دے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جانتے بھی ہیں کہ بچوں میں بھی آپ کا ہی خون ہے۔ ایک بار چلے گئے تو زندگی بھر واپس نہیں آئیں گے۔" سجاد کو خاموش ہو جانا پڑا۔ باقی سب بہن بھائیوں نے مل کر گلا صاف کیا تھا اور کھنکھارا تھا۔

صوفے میں دھنسے اباجی بڑی پراسرار خاموشی لیے..... اپنے چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کی کھینچتیں سن رہے تھے۔ سامنے ٹی وی پر بڑی مدھم آواز میں کوئی گیت چل رہا تھا۔ کسی نیم اندھیرے کلب کا منظر تھا درمیان میں بڑی پیاری سی لڑکی بیٹھی پیانو بجاتی میٹھی دھنیں نکال رہی تھی اسی کے اردگرد چاروں طرف لگی گول میزوں پر امراء تاش کی بازیاں سجائے بیٹھے تھے۔ بڑا ہی دلکش منظر تھا۔ اباجی احتیاط کا گھونٹ سر پہ اٹھائے اس میں گم ہونے لگے تھے۔

"وعدہ کریں اباجی کہ آئندہ آپ بلاوجہ گھر سے باہر نہیں جائیں گے۔" سب نے مشترکہ بیعت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لینی چاہی دوسری طرف خاموش رہی سب نے اباجی کو یوں ٹی وی میں گم دیکھا تو اپنی باتوں کی بے قدری کا احساس ہوا۔ دلیلیں بے نتیجہ بے ثمر ہو گئیں۔ بچوں کو جھڑ کا گیا۔ ٹی وی کو فوراً بند کر دیا گیا۔ اسکرین بلیک ہو گئی لیکن منظر کہیں اباجی کی بوڑھی کیمیکل زدہ، آنکھوں میں ہی مرتسم ہو کر رہ گیا۔ وہ تو تتے پانی سے بھی زیادہ یہاں ڈوب چکے تھے گیت میں ٹی وی کیا بند ہونا تھا۔ کیبل کا کنکشن بھی کاٹ دیا جاتا تو اب کیا فائدہ تھا۔ اس بات کا اندازہ سب گھر والوں کو ٹھیک دو ماہ بعد ہوا۔

اباجی نے سب سے وعدہ کر لیا کہ اب وہ غیر ضروری گھر سے باہر نہیں جائیں گے۔ اس وعدے کی پاسداری کتنے انوکھے ڈھب سے ہونے والی تھی، ساتوں میں سے کسی کو گمان تک نہ تھا۔ اگلے دن وکیل اور مستری اکٹھے گھر میں آئے۔ وکیل گھر کے کاغذات بچوں کے نام منتقل کرنے اور مستری تیسری منزل بنانے۔

"دیکھ لو...... ٹھوکر کھا کر ہی اندازہ ہوتا ہے انسان کو۔" ظہیر نے اپنی بیوی سے کہا۔

"تیسری منزل بنوا رہے ہیں۔ احساس ہو ہی گیا ہے کہ سجاد بھائی، بلال بھائی کے بچوں کے لیے بھی اب پورشن کی ضرورت ہے۔" کچھ ایسی ہی سوچ سجاد، بلال اور ان کی بیویاں بھی رکھتی تھیں۔

"آپ کمرے اور باتھ روم تو پھر اپنی مرضی کے بنوالیں یا پھر کم از کم نقشہ ہی دیکھ لیں۔"

"رہنے، دو اب اباجی جو بھی تحفہ دیں۔"

"لیکن اباجی کے پاس پیسے کہاں سے آئے ہوں گے۔ ہیں، رائے ونڈ والی باقی دو دو کانیں بھی تو نہیں بیچ دیں۔"

"دو اور فکس ڈیپازٹ تھے نا۔ شاید وہ ہی ہوں۔"

"چودہ لاکھ میں کہاں بنتے ہیں آج کل گھر سجاد۔"

"اباجی نے بچا کر بھی تو رکھے ہوں گے نا تھوڑے بہت۔" سجاد نے بیوی کو تسلی دی اور یوں کسی کو پتا ہی نہ چلا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

سجاد، بلال نے تو کارپٹ، فرنیچر وغیرہ بھی دیکھنا شروع کر دیا اور گھر میں دونوں کی بیویوں نے کمروں کے نت نئے ڈیزائن، کلر کامبینیشن تک منتخب کر لیا، بہنوں کے الگ پیغام آ گئے کہ جب وہ آیا کریں گی۔ اوپر کے نئے پورشن میں ہی رہا کریں گی۔ اور یہ بھی کہ گانا بند ہوانے کی رسم میں وہ سونے کے جھمکے لیں گی۔ خیر سجاد، بلال نے ہنستے ہوئے ہامی بھی بھر لی تھی خوشی ہی اتنی بڑی مل گئی تھی انہیں اِس غبارے کی ہوا دو ماہ بعد نکلی۔

بچوں کے نام گھر کی رجسٹری کے کاغذات آ چکے تھے۔ اور اوپر کی تیسری منزل بنا کر مزدور بھی جا چکے تھے۔ کمرے وغیرہ تو تھے نہیں۔ بس ایک ہال سا تھا اور ساتھ ایک لگژری باتھ روم بھی...... اس ہال نما تیسری منزل کی سیڑھیاں بھی باہر کو علیحدہ سے نکالی گئی تھیں۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا...... پھر کرمو نے ہی سمجھایا سب۔

وکیل رجسٹری تھما کر گیا تو ساتوں فی الحال سب کچھ بھول بھال کر خوش اور مطمئن سے ہو گئے۔ لیکن اباجی نے اوپر کے ہال کی بابت کچھ نہ بتایا اور نہ ہی رائے ونڈ والی دو دو کانوں کے بارے میں۔ باہر آئے ایک ٹرک نے سارا معاملہ حل کر دیا۔

کرمو (جس نے خیالی سیلاب میں سارے مرغے، مرغیاں، بکرے بہا دیے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ خود بھی بہہ گیا تھا) نے باہر آئے ایک ٹرک اور اس میں لدے عجیب و غریب سامان کے بارے میں سب کو بتا کر گویا کوئی خطرے کا الارم پہلے ہی بجا دیا۔ گھڑیال نے ایک ایک کر کے چودہ ٹن پورے کیے۔ سب باہر کو لپکے۔

گیٹ سے منہ موڑے اور ان سب کو منہ چڑاتے ٹرک میں سے انتہائی مہنگی کرسیاں اور ٹیبل اُتر رہے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ان سب کو باہری سیڑھیوں سے چڑھا کر اوپر ہال میں پہنچا دو۔" اباجی ٹرک کے مزدوروں کو چیف منسٹر کی طرح ہدایات دے رہے تھے۔

"یہ سب کیا ہے اباجی!" پہلی رات کی بیوہ کا روپ دھارے ظہیر نے پوچھا۔ دل تو گواہی دے ہی رہا تھا کہ اب کچھ بھی پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

"ہاں بیٹے، اب میں گھر سے باہر نہیں جاؤں گا۔ تم سب سے کیا وعدہ نبھاؤں گا۔ گھر پر ہی رہوں گا۔ دوستوں کو گھر پر ہی بلالوں گا۔ اسی لیے تو میں نے تیسری منزل تیار کروائی ہے۔"

"کیا؟ تیسری منزل......؟؟؟" سب چلائے

کوئی اونچی لہروں کا سونامی آیا نہ آتش فشاں پھٹا۔ پھر بھی سب نے خود کو سلگتے لاوے میں جلتے ہوئے پایا۔ ساکت جسموں کے ساتھ قیامت کے روز کی افراتفری پھیل گئی۔ سب بکھر گئے۔ ویران آنکھوں میں ہٹلر کی سفاکیاں رقم ہو گئیں۔ ہوا میں اڑتی چڑیوں نے بھی اس گھر پر سے اپنے راستے بدل لیے۔ فضا میں خاموشی چھا گئی۔ سوائے کرمو کی پھنسی پھنسی ہنسی کے۔

ٹرک سے اب ایل سی ڈی اُتر رہی تھی۔ بہت بڑے سائز کی پھر تین چار مہنگی مہنگی پینٹنگز اتریں چھوٹا فریج، اے سی، یونٹ جمبو سائز کا کیرم بورڈ، لوڈو تاش کے پیکٹ، شیشے والی بڑی شطرنج، گلدان، پھول، ڈسکو لائٹس، دیو ہیکل ساؤنڈ سسٹم، جو جب چلے تو کانوں کو اپنی آواز بھی سنائی نہ دے۔

برفیلے چہرے دل ہی دل میں سارے پیسوں کا حساب کتاب لگانے لگے۔

"ایک لاکھ، دو لاکھ...... تین، چار، چھ، دس، پندرہ، بیس لاکھ۔"

"بیس لاکھ؟؟؟" کرمو زرا دل کھول کر ہنسنے لگا۔ کوٹھی کی رجسٹری بڑے بھیا کے ہاتھ میں تھی اور رائے ونڈ والی دو دکانیں ٹرک میں فٹ ہوئی پڑی تھیں۔ سامان تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور کرمو کی ہنسی تھی کہ تھمنے میں نہیں آرہی تھی۔

مہنگے وائن گلاسوں کے سیٹ، کراکری، باربی کیو کی مکمل رینج، ٹیبل کے اعلیٰ کور، چھریاں، کانٹے، چمچ، غرض اباجی نے گھر میں دل لگانے کا پورا سامان اکٹھا کر لیا تھا۔ آخر میں بس ایک چیز بچی رہ گئی۔ جس پر سب چکرا کر گرتے گرتے بچے۔

"بوجھیے کیا؟؟؟"

"پیانو......" ڈھکن اٹھائے بنا ہی سب کے انگ انگ کے تار بج اٹھے اور یہ دھن مدھم ہرگز نہیں تھی۔ سجاد، بلال، رافیہ، رابعہ، طلال، ظہیر، فرح ایک دوجے کو پکارا گیا۔ کرمو بلند آواز سے ہنسنے لگا۔

"اسے بھی اوپر تیسری منزل پر پہنچا دو۔" اباجی نے مزدوروں سے کہا۔

"ظہیر میں تجھ سے کیا وعدہ کبھی نہیں توڑوں گا۔ کبھی جوا نہیں کھیلوں گا۔ صرف وقت گزاری کے لیے بازی...... بس صرف بازی...... خالی خولی بازی۔" ان سب کو خالی خولی کر کے اباجی پیانو کے پیچھے پیچھے خود بھی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ رجسٹری سجاد بھائی کے ہاتھ سے اڑ کر پروان چڑھتی بیل پر جا ٹکی۔ ایک دوجے کو دیکھ کر سب نے ہونق چہروں کو خاموش زبان کے ساتھ اپنے اپنے دل کا حال کہہ سنایا۔ ایک دوجے کی قسمت پر ماتم بھی کر لیا اور رو بھی لیے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں۔

چوتھی منزل پر پہنچے مور شور کر رہے تھے اور ان کی آواز پر حاوی ایک اور آواز بھی تھی۔ جو تھمنے میں نہیں آرہی تھی...... کرمو کی ہنسی کی آواز، جواب آسمان چیرنے لگی تھی۔ پندرہ منٹ سے وہ مسلسل ہنس رہا تھا۔ ٹرک واپس جا چکا تھا۔ سب سامان دے کر اور ان سب کا سکون لوٹ کر قسمت کی ایسی ستم ظریفی۔

کرمو دہرا ہوا جا رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ باغ میں چت لیٹ کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔

کم بخت اتنے بلند بانگ قہقہے لگا رہا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی غم زدہ چہرے ایک دوجے کو دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ماہوش طالب

پس آئینہ کچھ اور ہے

غلام دین بیس برسوں سے ایک کالج میں چوکیدار تھا، پکا رنگ، بڑی اور لال لال سی آنکھیں کالے اور سفید بالوں کی الجھی ہوئی داڑھی، لمبا قد مگر بھاری جسم اور توند جو وردی کی پتلون کسنے سے مزید نمایاں ہوجاتی۔ چاق و چوبند اور ایمان دار غلام دین...... جسے اللہ نے کافی نواز رکھا تھا اولاد سے، خیر سے چار بیٹیاں اور تین بیٹے......ساری آگے پیچھے جوانی کو چھوتی، ساری دنیا کہتی تھی، غلام دین کی اولاد بڑی نیک ہے، باکردار اور بااخلاق غلام دین کا سینہ پھول جاتا اور باچھیں یہاں سے وہاں چر جاتیں۔

زرینہ کو اس کی بیوی ہونے کا شرف حاصل تھا، مرنجان مرنج سی، دبلی پتلی، دھیما بولتی اور اونچا سنتی کہ سسرال اور شوہر کی طرف سے ہونے والی لعن طعن اور بدسلوکی نے اس کی قوت سماعت پر کچھ مثبت اثرات نہ مرتب کیے تھے۔ یوں تو غلام دین نے اپنی ساری اولاد کو مقدور بھر نازوں سے پالنے کی کوشش کی تھی مگر آخری نمبر والے بیٹا اور بیٹی تو مانو آنکھ کا تارا تھے، یہ ہی وجہ تھی کہ وسائل اور آمدن نہ ہونے کے باوجود بالترتیب سترہ اور اٹھارہ سالہ گڑیا اور سلجوق کی خواہش پر اسی کالج میں ان کا داخلہ کروایا،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جہاں وہ نوکری کرتا تھا۔ کچھ اس کی برسوں پرانی نوکری اور محنت وایمان داری کا صلہ کہ اس کے بچوں کو آدھی سے بھی آدھی فیس پر داخلہ مل گیا۔ حالانکہ بڑے بچے اپنے اپنے شوق کے پیش نظر مڈل یا میٹرک ہی کر سکے تھے مگر ان دونوں کا آگے پڑھنے کا جذبہ دیکھ کر غلام دین کو فخر محسوس ہوا، اسے یقین تھا کہ اس کے یہ بچے بہت آگے جائیں گے اور ضرور اس کا نام روشن کریں گے۔

کالج میں مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس کے بیٹا بیٹی کا داخلہ بھی کالج میں ہو گیا ہے سو بدلے میں مبارک باد اور نیک تمنائیں وصول کیں، تاہم منصور کلرک کے رویے میں حسد کا کسیلا ذائقہ محسوس ہوا۔

"کالج میں داخلہ ہونا خاص بات نہیں ہے، مزہ تو تب ہے جب کوئی انعام کوئی تمغہ بھی وصول ہو۔"

اسے تکلیف تو بہت پہنچی مگر غلام دین جلد باز نہ تھا لہٰذا اس کے روکھے انداز کا جواب کسی اور وقت تک ٹال دیا۔

☆☆☆

کلاسوں کا آغاز ہوا تو دونوں کے پاس روز ہی نت نئے قصے ہوتے، غلام دین چونکہ گڑیا کے کیمپس میں ہی چوکیداری کرتا تھا لہٰذا دونوں کو بڑا ہی سکون تھا۔ غلام دین کالج کی تقریباً ہر لڑکی کے چال چلن سے واقف تھا، وہ گیٹ پر بڑی ذمہ داری سے پہرہ دیتا تھا۔ لڑکی کے انداز واطوار سے ہی بتا دیتا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ آئی ہے یا کسی اور کے ساتھ...... مگر پھر بھی اکثر واپسی پر کچھ لڑکیاں حیلہ بہانوں سے کالج کی مخصوص وین استعمال کرنے کے بجائے "ادھر اُدھر" ہو جاتی تھیں۔ وہ اس بات سے بڑا عاجز رہتا تھا، جب ہر تیسرے دن لڑکیاں، اپنے دوستوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی پکڑی جاتی تھیں پھر استانیوں کو بتانا، والدین کو قائل کرنا اور سمجھانا، بھاگنے میں کامیابی ہو جانے کی صورت میں ٹیچروں کی باتیں سننا وغیرہ۔

اماں کی بڑی کالی چادر لپیٹ کر گڑیا بھی ابا اور سلجوق کے ساتھ ہی نکلتی تھی لہٰذا لانے لے جانے کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

آہستہ آہستہ گڑیا نے کالج کے ماحول کو سمجھنا شروع کر دیا تھا، وہ باپ کی طرح ہی ہوشیار اور کسی حد تک چرب زبان بھی واقع ہوئی تھی، سوا پنی ذہانت اور حاضر جوابی کے باعث جلد ہی اساتذہ کی پسندیدہ ٹھہری۔ ہفتہ وار، سہ ماہی اور ششماہی پرچوں کی محنت ومشقت سے ہوتے ہوئے سالانہ امتحانات میں اس نے دوم پوزیشن حاصل کی۔ غلام دین کا تو بس نہ چلتا تھا کہ ہواؤں میں اُڑنے لگے یہ الگ بات کہ ہلکی ہوا اس کا بھاری وجود اٹھانے سے قاصر تھی۔

گڑیا اپنی کامیابی پر نازاں، اٹھلاتی پھرتی تھی وہ لڑکیاں جن کے شاہانہ انداز دیکھ کر پہلے وہ بظاہر بے نیاز مگر اندر ہی اندر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی تھی اب اس کا اتنا شاندار نتیجہ دیکھ کر وہ خود سب کی سب انگشت بدنداں تھیں۔ دوسری طرف غلام دین کے پاس موقع تھا منصور کلرک کو نیچا دکھانے کا کہ اس کی اپنی بیٹی تو اوسط درجے کی طالبہ تھی۔

"اب بولو منصور، لائی ہے کہ نہیں ہماری بیٹی تمغہ، اب تو بات بن گئی نا۔" شیریں لہجے میں ڈوبا طنز غلام دین نے اس سے ـــــ کیا اور منصور کے لب سل گئے، اللہ جانے دل میں کیا تھا سبکی کا احساس، حسد یا رقابت......

خیر یہ شوشا بھی کچھ دن تک رہا، غلام دین پہلے کی طرح اپنی ڈیوٹی پر کمر بستہ تھا اور گڑیا جو لگتا تھا اب گڑیا نہیں رہی کہ پڑھائی میں طاق تو پہلے ہی تھی اب اپنی امیر کبیر ہم جماعتوں کو جواب دینے سے بھی نہیں چوکتی تھی پھر اساتذہ کا دیا گیا اعتماد، اس کی شخصیت کو اور نکھارتا چلا گیا مگر اس کا یہ مطلب نہیں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کہ اعتماد اور کامیابی کا غلط فائدہ اٹھایا جائے۔

☆❁☆

یہ سالانہ امتحانی نتائج کے کچھ مہینوں بعد کی بات تھی، اس وقت کالج کے اندر کاریڈورز میں مکمل خاموشی تھی، جب کہ کمرۂ جماعت اساتذہ اور طلباء کی پُرمغز بحث سے گونج رہے تھے۔ منصور حسب معمول پرنسپل کے دفتر کے باہر سوئی جاگی کیفیت میں پہرہ دے رہا تھا، جب دبے پاؤں سیڑھیاں اترتی ثمینہ نامی ایک طالبہ نے اسے پوری طرح بیدار کر دیا۔ میرون چادر میں خود کو حتی الامکان چھپائے وہ آخری سیڑھی اتر کر مڑنے والی تھی، جب منصور نے جمائی لیتے ہوئے اسے روکا، طالبہ ٹھٹک کر رکی۔

''ہاں جی بیٹا! کدھر جا رہی ہو؟'' لڑکی کو دیکھ کر وہ چونکا اور اپنے خاص مقامی لہجے میں کہا۔

''انکل! ہاف لیولی ہے میڈم سے، گھر جا رہی ہوں، ابا بیمار ہے نا۔'' وہ پریشان حال اور گھبرائی ہوئی تھی۔

''اچھا اچھا، جاؤ۔'' منصور پھر سے اونگھنے لگا۔

بیرونی دروازے پر پہنچی تو چوکیدار نے اجازت دے دی کہ اس کا بھائی اسے لے جانے کے لیے آیا کھڑا تھا۔

☆❁☆

غلام دین اور زرینہ دو دن کے قیام کے لیے بھکر جانے کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ گڑیا نے سلجوق کے ساتھ ہی واپس آنا تھا کالج سے...... مگر دو بج رہے تھے جب سلجوق حواس باختہ اکیلا گھر میں داخل ہوا۔

''آپا! گڑیا بھاگ گئی۔''

''کیا بکواس کر رہا ہے تو سلجوق، دماغ ٹھیک ہے؟'' سلیمہ آپا تو پل میں غصے کی تصویر بن گئیں مگر جب سلجوق کی دی گئی اطلاع سو فیصد درست نکلی تو اسی تصویر میں بے بسی کے رنگ بھی تیزی سے ابھرنے لگے۔

شام تک ابا اماں کو خبر مل گئی، بیچ رستے سے مڑنا پڑا۔ غلام دین کے اندر ایسی پکڑ دھکڑ چلی کہ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ ہاتھوں میں لرزش...... اور چہرے پر لمحوں میں مردنی چھا گئی، دور کہیں دل سے آواز آتی تھی کہ ایسا نہیں ہو سکتا یہ ضرور کوئی غلط فہمی ہے۔

''میری بیٹی ایسا نہیں کر سکتی...... میری بیٹی ایسا......'' جس وقت اس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا، دماغ کے اندر اتنی شدید تکرار —— تھی کہ وہ دروازے پر ہی ڈھے گیا۔

☆❁☆

''تم لوگوں سے ویسے اسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے، غلام دین یہاں ہوتا تو وہ لڑکی بھی یوں نہ بھاگ پاتی۔ تم میں سے کسی کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ وہ لڑکا اس کا بھائی ہے یا کوئی اور...... صد افسوس، رکھا کس کام کے لیے ہے میں نے تم سب کو؟''

''اور لڑکی بھی کوئی اور نہیں غلام دین کی بیٹی...... منصور! تم مس اسمارہ کو بھیجو میرے دفتر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں۔'' میڈم غصے سے پھنکارتی واپس دفتر میں جا کر بیٹھ گئی۔

''اللہ جانے آج کی نئی پود کو کیا ہو گیا ہے، یہ لڑکے لڑکیاں اتنے اتھرے ہو گئے ہیں اور گڑیا تو غلام دین کی بیٹی...... اتنی لائق اتنی سمجھ دار......'' ان کی بڑبڑاہٹ مس اسمارا کے آنے تک جاری رہی۔

غلام دین اس سے اگلے دن آخری بار کالج گیا تھا، ترحم، ذلت اور تف......کیا کیا تھا لوگوں کی آنکھوں میں اس کے لیے......مگر اسے صرف عینی شاہدین سے تصدیق چاہیے تھی۔ گڑیا کی سہیلیاں......ٹیچرز......چوکیدار......

''انکل! وہ کافی دنوں سے کسی لڑکے سے بات کرتی تھی اور ہمیں کہتی تھی کہ میرے امی ابو کو پتا ہے۔''

''غلام دین صاحب! پڑھائی میں تو وہ زبردست تھی مگر کچھ دنوں سے لیکچرز دھیان سے نہیں سنتی تھی، میں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ ''میم! گھر میں کچھ مسئلے ہیں۔''

''یار! مجھے لگا تھا وہ نوجوان لڑکا تمہارا بیٹا......''

دوسرے چوکیدار کو اس کی سرخ رنگت دیکھ کر خاموش ہونا پڑا، گیٹ سے نکلتے ہوئے منصور سے بھی سامنا ہوا جس کی آنکھوں سے تمسخر جھلکتا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

''ہونہہ! تمغہ تو تمہاری ہونہار بیٹی نے لے کر تمہارے منہ پر مار دیا ہے غلام دین! اب کیا کہتے ہو؟'' وہ نظریں جھکا کر آگے بڑھ گیا۔

گھر پہنچا تو زرینہ آہ و بکا کرنے لگی۔

''ارے صبح تو بڑے چاؤ سے میری تیز رنگ کی ستاروں والی چادر نکلوا کر لے کر گئی تھی، کہہ رہی تھی اماں آج کلاس میں چھوٹی سے پالٹی (پارٹی) ہے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اس کی نیت اس چادر کو داغ دار کرنے کی ہے...... کیا کر دیا تُو نے گڑیا ہمارے ساتھ۔

سلجو کے ابا! ہمارے ساتھ کیوں ہوا یہ......

ہماری اولاد تو بہت نیک تھی۔ ارے ہم نے تو کسی کی بیٹی کے ساتھ برا نہیں کیا، بولو سلجو کے ابا...... بولو......'' اور غلام دین ٹھٹک گیا، زرینہ تو محض تسلی بخش تصدیق ہی چاہتی تھی مگر غلام دین کچھ بول نہ سکا حالانکہ کے زرینہ کے ''کیوں'' کا جواب اس کے پاس تھا، صرف اسی کے پاس......

☆❁☆

صدیاں نہیں ابھی کچھ برس ہی تو گزرے تھے، پنجم جماعت فیل ایک بیس سالہ اڑیل نوجوان ہائی اسکول سے گاؤں کی ایک لڑکی بھگا کر لے گیا تھا۔ یہ اونچی ذات والوں کے لیے بڑی جگ ہنسائی کی بات تھی، ان کی غیرت پر کاری ضرب لگانے والا ایسا کون مائی کا لال پیدا ہو گیا تھا۔ پتا لگانے کے لیے گلی گلی اسے ڈھونڈا گیا، وہ نوجوان پہلے اسے اپنے والدین کے گھر لے گیا، فریاد کی کہ انہیں کچھ دن یہاں رہنے کی اجازت دے دی جائے مگر فریاد رسی نہ ہو سکی ماں نے صاف کہہ دیا۔

''تُو کیوں غیروں کا گند اٹھا کے لے آیا اُسے چھوڑ آ واپس، میں تجھے اس سے بڑھ کر دو ہٹی لا دوں گی۔''

لڑکی بلکتی جاتی تھی کہ ''اب کچھ بھی ہو میرا جینا مرنا تیرے سنگ ہے، مجھے کسی کے دباؤ میں آ کر چھوڑنا نہیں۔''

پھر وہ اسے لے کر دوسرے گاؤں کی طرف جانے لگا کہ راستے میں لڑکی کے خرانٹ بھائیوں نے ان دونوں کو آ لیا۔ کم بخت لڑکی واسطے دیتی رہی مگر نوجوان جو اس کی محبت کا خراج تو وصول کر ہی چکا تھا، مقابل کی دھمکیوں سے دبک کر تین الفاظ کہہ ڈالے، اب وہ کرم جلی جانے یا اس کے غیرت مند بھائی۔

نوجوان جان بچ جانے پر الٹے پاؤں بھاگا اور ماں کے قدموں تلے بیٹھ گیا، بھولی ماں نے تو اپنے لال کے سات خون معاف کر دیتے تھے' یہ تو محض ایک کچے دھاگے سے بندھا نکاح ہی ٹوٹا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کسی کی جان جاتی یا عزت...... یہ اتنی غور طلب بات تو نہیں تھی۔

اور وہ مائی کا لال کوئی اور نہیں غلام دین ہی تو تھا......

☆❁☆

غلام دین صحن کے وسط میں رکھی چارپائی پر بیٹھا سود وزیاں کے بیچ گھن چکر بن گیا تھا۔

''واہ ری قدرت! تُو نے میرا کیا میرے سامنے لاکر رکھ ہی دیا آخر، اب تو سکون مل جانا چاہیے مجھے...... تو پھر مجھے سکون کیوں نہیں مل رہا کہ سزا تو پالی میں نے بھی اپنے کیے کی۔''

اسی سکون کو محسوس کرنے کی خاطر اس نے گھر والوں کو تنبیہہ کی کہ اب کوئی اس گھر میں گڑیا کا نام نہیں لے گا۔

مگر خود وہ تین مہینوں تک سوگ مناتا رہا، اس غریب کے سارے خواب کنڈی ڈنڈے تلے پس گئے تھے۔ اللہ جانے بدبخت کہاں ہوگی، اس لڑکے نے میری بیٹی کے ساتھ...... اس سے آگے اگر کچھ سوچتا تو شاید اس سے اگلی سانس بھی نہ لے پاتا۔

مکافاتِ عمل کیا ہوتا ہے؟ یہ کوئی غلام دین سے پوچھتا۔

☆❁☆

اپنے ارمان خوب پورے کر چکنے کے بعد جب زندگی کی حقیقتیں آشکار ہوئیں تو اسے لگا جیسے شلجم اپنی تمام تر کڑواہٹ اور پھیکے پن کے ساتھ آکر اس کی زندگی کی ساری مٹھاس نچوڑ لے گیا ہے۔

وہ جس کے جھانسے میں آکر اس نے آسمان کو چھونا چاہا تھا، وہ تو ڈال ڈال کچی کلیاں توڑنے کا ماہر نکلا تھا، سو سارے خواب سراب ہوئے۔ اس نمانی کے ساتھ نکاح کا بیج نہ جانے کیسے پک گیا کہ پھر چند دنوں تک اس کے اندر کونپل بھی پھوٹ پڑی اور گیارہ ماہ بعد سندس نے آکر گڑیا کی گود ہری کر دی۔ مرد اپنی عورت کو شاذ ہی کچھ عطا کرتا ہے اور اگر عنایت کر دے تو پھر احسان جتائے بغیر بھی اسے سکون میسر نہیں آتا مگر یہ ایک واحد تحفہ ہے جس کا مرد اپنی عورت کو احسان نہیں جتاتا اور گڑیا کے مرد نے بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

تمہاری اولاد ہے، جیسے مرضی پالو...... پھر اس نے سوچا واقعی غلطی میری ہے کہ نو ماہ اپنے پیٹ میں حفاظت سے رکھے رکھا، اب خمیازہ بھی تو مجھے ہی بھگتنا ہے، لہٰذا در در کی ٹھوکروں کے بعد اسے نوکری مل گئی۔ آیا بننا اس کے لیے بڑا سود مند رہا، یہ الگ بات کہ وہ سمجھ نہ سکی کہ اپنا بچہ پالنے کے لیے دوسروں کے بچوں کی دیکھ بھال کر رہی ہے یا دوسروں کے بچے سنبھالنے کے سبب اس کا اپنا جنا بھی پلتا جا رہا ہے۔''

اور شاید دوسری والی بات حقیقت کے زیادہ قریب تھی۔

کچھ زیادہ نہیں فقط اسے تب تکلیف ہوتی تھی جب اپنی ہم عمر لڑکیوں کو اتنی بے فکری سے کد کڑے لگاتے دیکھتی، وہ بھی تو ایسی ہی چھت تلے، ان ہی چار دیواروں اور کھلے گراؤنڈ میں سرشاری سے گھومتی تھی، پڑھتی تھی، بے فکرے قہقہے لگاتی تھی۔ کسی مس کے بچے کا فیڈر بناتے ہوئے آنکھوں سے ٹپکتے آنسو جب سفید سفوف میں گھل جاتے تو علیحدہ سے پانی ملانے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

جب کوئی ٹیچر اپنی ساتھی سے کلاس کے نالائق بچوں کے حوالے سے بات کر رہی ہوتی تو دل چاہتا کہ فوراً جائے اور بتائے کہ......

''مجھے دیکھیں مس جی! مجھے ایک موقع دے کر دیکھیں اور اپنی کلاس میں بیٹھنے دیں کہ کبھی میں بھی اپنے والدین اور اساتذہ کا فخر ہوا کرتی تھی۔''

کچھ زیادہ نہیں فقط اتنی سی تکلیف ہوتی تھی، یہ الگ بات کہ بار بار ہوتی تھی، ہر روز ہوتی تھی اور کبھی ہر لمحہ...... ہر وقت......

☆❁☆

جونیئر کلرک چھٹی پر تھی لہٰذا ایک ٹیچر کا پیغام دینے کی خاطر غلام دین کو اسٹاف روم جانا پڑا، جہاں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اساتذہ اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے ایک ٹیچر نے آیا کو مخاطب کیا۔

"ثمینہ! یہ برتن دھو دو اور چائے بنا لاؤ۔" غلام دین نے دروازے پر کھڑے کھڑے آواز کی سمت دیکھا اور پھر وہ جیسے بھول گیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اسٹاف روم میں بیٹھے اساتذہ بھی اسے دیکھتے اور کبھی ثمینہ کو جو اپنا منہ چھپانے کی فکر میں ہلکان ہو رہی تھی۔

ہوتا ہے نا کبھی ایسا جب آپ کسی اپنے کی امیدوں پر پورا نہیں اتر پاتے۔ جب آپ اپنے پیاروں، بہت پیاروں کی آنکھ میں دھول جھونک دیتے ہیں تو پھر آپ ان کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں اور کس اذیت سے گزرتے ہیں۔ آپ جب غلطی کے احساس کی لہر آپ کے وجود سے ٹکراتی ہے اور یہ ہی وقت ہوتا ہے جب آپ اپنی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں۔ گڑیا اور غلام دین اس وقت اسی اذیت کی کیفیت سے دوچار تھے، وہ دونوں اس وقت ایک ایسے قلعے میں قید تھے جہاں چاروں طرف پچھتاووں اور اذیت نے محاصرہ کر رکھا تھا۔

ثمینہ عرف گڑیا ابھی کچھ دن پہلے ہی تو کالج میں بطور آیا لگی تھی۔ کالج کے نچلے اسٹاف میں خبر پھیلی تھی، سب ہی سے نئی آیا کی ملاقات ہوئی تھی مگر غلام دین کو کسی سے ملنے یا بے تکلف ہونے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی کہ اب وہ ایک ان دیکھے خول میں بند ہو کر رہنے لگا تھا مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نئی آنے والی آیا کوئی اور نہیں بلکہ اس کی چہیتی اور لاڈلی بیٹی ہوگی مگر اب پچھلے سارے وہم، شک اور کاش مجسم ہو کر اس کے سامنے کھڑے تھے۔

☆❁☆

پھر اگلے دو دنوں میں پورے کالج میں بات پھیل گئی کہ آیا ثمینہ، چوکیدار غلام دین کی بھاگی ہوئی بیٹی ہے مگر غلام دین کو پروا نہیں تھی۔ اس نے تو اسی دن اپنی بیٹی کو معاف کر دیا تھا جس دن آئینے میں پہلی بار اپنا ماضی دیکھا تھا۔ اسے پروا نہیں تھی کہ پرنسپل اسے پہلے نوکری سے نکالتی ہیں یا آیا کو ہی چلتا کریں گی...... مگر بھلا ہو مس فضیلہ کا کہ جنہوں نے گڑیا کی پوری اور سچی کہانی سن کر اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ جب چاہے دوبارہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے اور یہ کہ اس معاملے میں وہ خود بھی اس کی مدد کریں گی اور......

گڑیا نے اس لمحے سوچا تھا' انسان کس قدر نادان اور جلد باز ہے کہ جس شے سے وہ بھاگتا ہے، جان چھڑاتا ہے وہ شے بھی اسی شدت سے اس کا پیچھا کرتی ہے، اسے پانے کے لیے لپکتی ہے...... اور جس چیز کے پیچھے "انسان" بے جا تگ و دو کرتا ہے اسے پانے کے لیے رسوائی مول لیتا ہے، وہ چیز اتنی ہی اس سے دور چلی جاتی ہے۔ اگر مل بھی جائے تو سکون و خوشی سے خالی، بے وزن، بے کار برتن کی مانند۔

گھر والوں سے معافی تلافی اور صلح صفائی کے بعد اس نے وہاں آنا جانا شروع کر دیا تھا گو کہ ابا اس کے پروانے کی طرح منڈلاتی طبیعت کے مالک شوہر کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے مگر بیٹی کا گھر آباد رکھنے کے واسطے یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔

"ابا! کالج میں مس کہتی تھیں کہ ماں باپ کا کیا اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے اور کبھی کبھار والدین کے کیے کی سزا اولاد کی صورت انہیں ملتی ہے۔ مجھے تو بس ایک ہی فکر رہتی ہے کیا سندس بھی بڑی ہو کر میرے نقش قدم پر چلے گی؟"

غلام دین لرز کر رہ گیا تھا گڑیا کی بات سن کر۔ بڑی پتے کی بات اس وقت اس کی سمجھ میں آئی تھی کہ نسل صرف ماں کے ہاتھوں ہی نہیں سنورتی، باپ بھی نسلوں کی بربادی و تعمیر میں برابر کا حصہ دار ہوتا ہے، آخر کو خون نے تو سات پشتوں تک اثر دکھانا ہی ہوتا ہے...... ہے نا؟

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تیز برستی بارش اور ساعتوں میں کسی کے تیز چبھتے جملے، یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا جو اسے یہ یاد دلاتا تھا کہ اس نے کسی سے ان سب کی بربادی کا وعدہ کیا تھا۔

آفندی ہاؤس میں اصول پسند آغا جان اپنے دو بیٹوں مبین آفندی اور سہیل آفندی ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں اپنا پوتا نہ ہونے کا بہت دکھ ہے پوتیاں ان کی اس بات سے بہت چڑتی ہیں۔

وقار آفندی کو ایک گانے والی زرنگار سے محبت ہو جاتی ہے۔ وقار آفندی زرنگار کو نکاح کی آفر دیتا ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔

طلال اور مہر ماہ یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ طلال کے گھر والے مہر ماہ کا رشتہ لے کر آتے ہیں جو قبول کر لیا جاتا ہے۔

مبین آفندی، آغا جان سے بات کرتے ہیں کہ فاران آفندی کو معاف کر دیا جائے اور اسے اس کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ آفندی ہاؤس بلا لیا جائے۔ فاران آفندی کو چھوٹے بھائی وقار آفندی کی حمایت اور آغا خان کی مخالفت کی وجہ سے گھر بدر کر دیا گیا تھا۔ پوتے کی خاطر آغا جان مان جاتے ہیں۔ تائی جان، مبین آفندی کی بیوی اس بات پر بہت ناراض ہوتی ہیں۔ فاران آفندی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں، ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وقار آفندی آخر کار زرنگاہ کو تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اسے باعزت طریقے سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے اور اپنے خاندان میں متعارف کرائے گا۔

موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو جانے کی وجہ سے مہر ماہ کا رابطہ نمیر سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ وقار آفندی اور زرنگار آفندی کی محبت اور آفندیز کی بے حسی کے بارے میں سوچتی رہ جاتی ہے۔

وہ موحد کے آفس میں رابطہ کر کے اس سے ملنے کا کہتی ہے وہ گھر آ کر بات کرنے کا کہتا ہے۔ وہ اس کے آفس پہنچ کر اس کے سامنے نمیر کی داستان سن کر اس سے ہمدردی محسوس کرنے کا کہتی ہے۔ موحد کہتا ہے کہ اس کی پوری کہانی سن کر فیصلہ کرنا کہ وہ کس چیز کا حق دار ہے۔ سزا یا معافی۔

ملاحہ نئے ڈرائیور کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اور کبیر کے لیے اس کے دل میں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبیر اسے کالج سے واپسی پر لینے آتا ہے اور اپنے گھر لے جا کر اسے اپنی ماں بہنوں سے ملوتا ہے۔ نمیر فون پر مہر ماہ کو اپنی ادھوری کہانی سناتا ہے۔ آغا جان مہر ماہ سے بات کرتے ہیں۔ اور نمیر سے نکاح قائم رکھنے پر اسے سخت سست سناتے ہیں۔ وہ نمیر کی حمایت کرتی ہے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ مہر ماہ فون پر نمیر سے کہتی ہے کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ ہامی بھر لیتا ہے۔ ملاحہ، موحد سے مدد مانگتی ہے۔ وہ اس کے لیے کوئی رشتہ لاتا ہے۔ ملاحہ ناراض ہو جاتی ہے۔

مہر ماہ، نمیر آفندی سے ملنے کبیر کے ساتھ جاتی ہے اور اسے باہر انتظار کرنے کا کہہ کر ریسٹورنٹ کے اندر چلی جاتی ہے پہلے سے بک کی ہوئی ٹیبل پر اس کا انتظار کرتی ہے۔ کہ اچانک ایک آواز پر چونک جاتی ہے۔

زرنگار کی کہانی جان کر مہر ماہ آفندی ہاؤس والوں کی بے حسی اور تکبر پر دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ موحد کو بلا کر اس سے بات کرتی ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

موحد ملاحہ کے لیے رشتہ لانے کی بات کرتا ہے۔تو ملاحہ بہت افسردہ ہوتی ہے۔وہ کبیر کو چاہتی ہے۔موحد اسے بتاتا ہے کہ کبیر گھر چھوڑ گیا ہے اور اس نے آفس سے اپنی پراپرٹی کے کاغذات بھی چرا لیے ہیں۔

نمیر آفندی مہر ماہ کو راستے میں ملتا ہے۔وہ اسے جھڑک کر آگے بڑھ جاتی ہے۔

موحد ملاحہ کے لیے جو رشتہ لاتا ہے۔ان کی شان وشوکت دیکھ کر سائرہ چچی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔جبکہ ملاحہ شدید پریشان ہے۔

تیئسویں قسط

''شدید مینٹل اسٹریس (ذہنی دباؤ) کی وجہ سے دل پر بھی دباؤ پڑا ہے۔اللہ کا شکر ادا کریں کہ ان کی جان بچ گئی۔ورنہ اس عمر میں ہارٹ اٹیک ہو یا نروس بریک ڈاؤن، خطرناک ثابت ہوتا ہے۔''ڈاکٹر دواؤں کے نسخے میں کچھ مسکن دوائیں لکھتے ہوئے تادیبی انداز میں مبین آفندی کو بتا رہا تھا۔آج مسلسل تین دن کی سیریس کنڈیشن کے بعد آغا جان کی طبیعت سنبھلی تھی۔

''اور اب کوشش کریں کہ گھریلو پریشانیوں سے مریض کو بچائیں تاکہ وہ اسٹریس فری رہیں۔''ڈاکٹر نے اپنا فرض نبھا دیا جبکہ اثبات میں سر ہلاتے مبین آفندی دل ہی دل میں گھر میں موجود مستقل اسٹریس (موحد آفندی) کو کوس رہے تھے جس کی وجہ سے آج آغا جان اسپتال میں تھے۔یہ الگ بات تھی کہ اس دوران مبین اور سہیل آفندی کی ناگواری جھیلنے اور باتیں سننے کے باوجود ساری بھاگ دوڑ خاموشی مگر پوری ذمہ داری کے ساتھ موحد نے ہی کی تھی۔آغا جان کو اسپتال لانے سے لے کر ایمر جنسی میں ڈاکٹرز تک کو آدھی رات تک لائن حاضر رکھا جب تک کہ ان کی حالت خطرے سے باہر نہ ہوگئی لیکن اتنی مہربانی ضرور کی کہ اب جبکہ آغا جان کو ہوش آچکا تھا تو وہ ان کے سامنے نہیں آیا۔جس پر دونوں بھائیوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

''آغا جان کو چاہیے کہ ثمرہ اور موحد کو واپسی کا راستہ دکھائیں۔میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ناگن بن کر لوٹی ہے ثمرہ۔سنپولیا تیار کیا ہوا ہے اس نے ہمیں ڈسنے کے لیے۔''صدیقہ بیگم نے نفرت سے کہا تو مبین صاحب نے تنبیہہ کی۔

''اب یہ سب آغا جان کے سامنے کہنا مت شروع کر دینا۔ڈاکٹر نے منع کیا ہے انہیں پریشان کرنے سے۔''

''وہی تو کہہ رہی ہوں، جو مستقل پریشانی ہے اسے ختم کریں آپ اور مہرو کو واپس بلائیں۔اس کی وہاں رہنے کی کیا تک بنتی ہے اب۔''صدیقہ بیگم دونوں بیٹیوں سے برگشتہ ہو رہی تھیں۔

''ہماری تو اولاد نے ہی ہمیں خوار کر رکھا ہے۔اس سے تو اچھا تھا چپ چاپ طلال ہی کے ساتھ رخصت کر دیتے مہرو کو۔موحد کے ساتھ بھی تو نکاح پر ہی نکاح کیا نا۔''

ان کی باتیں سن سن کر مبین صاحب کا سر پھٹنے لگا۔''خدا کا واسطہ ہے، چپ ہو جاؤ تھوڑی دیر کے لیے۔''

''میرے چپ ہونے سے قسمت بدلے گی اور نہ ہی حالات۔''وہ چپ ہوتے ہوئے بھی عادت سے مجبور ہو کر طنز کرنے سے باز نہ رہ سکیں تو وہ سر تھام کر بیٹھے رہے۔وہ دھیمی پڑیں۔

''آپ جیل کروائیں موحد کو، اتنا گھپلا کیا ہے اس نے کاروبار میں۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

”کیسے جیل کروادوں؟ آغا جان نے پاور آف اٹارنی اس کے نام کر رکھی تھی۔ وہ ہر فیصلہ کرنے کا حق رکھتا تھا۔ اپنے پیروں پر انہوں نے خود کلہاڑی ماری ہے۔“ وہ بھنا کر بولے۔

”ایک طرح سے تو آغا جان کا بھی صحیح علاج ہوا۔ ساری عمر پوتے کو روتے رہے اور اسی پوتے نے دھول چٹادی آکر۔“

”فضول مت بولو۔“ مبین صاحب کو باپ کے رتبے کا خیال تھا، تنبیہہ کی تو وہ چمک کر بولیں۔

”ایسے ہی...... ساری عمر میری بچیوں کو وہ حیثیت نہ ملی اس گھر میں جو آتے ہی اس ثمرہ کے بیٹے کو ملی۔ کیسے سر آنکھوں پر بٹھایا اسے۔ اب وہی بیٹھ کر ان کے بال اور پلکیں نوچ رہا ہے۔“

”اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب تو آگے کا سوچنا ہے کہ موحد سے سارا مال نکلوایا کیسے جائے۔“ وہ جانتے تھے کہ لکیر پیٹنے کا مطلب ہے مزید وقت ضائع کرنا اور اس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ سو ان کا ذہن مسلسل اسی بات کو سوچ رہا تھا۔

”ثمرہ سے بات کریں۔“

”کیا فائدہ...... سب کچھ تو اس الو کے پٹھے کے اکاؤنٹ میں ڈال دیا ہے اس نے۔“ انہوں نے نفرت سے نمیر کا تذکرہ کیا۔ ”اس کے اپنے اکاؤنٹ میں ہوتا تو کسی طور نکلوا ہی لیتے۔ اب تو بہت طریقے سے گھیرنا ہوگا اسے۔“

”نمیر کی ماں ہمارے پاس موجود ہے مبین صاحب۔ اسے استعمال کر سکتے ہیں ہم۔“ انہوں نے شوہر کو مشورہ دیا۔

”موحد جیسے خبیث شخص کا کیا بھروسہ۔ وہ نمیر کے ساتھ مل گیا ہے اور تو اور ثمرہ بھی شاید۔“

”شاید نہیں یقیناً کہیں۔“ صدیقہ دانت کچکچا کر بولیں۔ ”ثمرہ کو سب پتا ہوگا۔ وہ کبیر والے ڈرامے میں بھی اس کے ساتھ شامل تھی۔“

”چلو، سوچتے ہیں اس بارے میں۔ کوئی نہ کوئی حل تو نکالنا ہی ہے۔ ہماری ساری عمر کی کمائی لگی ہوئی ہے اس بزنس میں۔ ہمارے ذاتی اکاؤنٹس کو چھوڑ کر، درحقیقت تو سارا مال اکاؤنٹس میں ہی تھا۔ بزنس سرکل چلا رہا تھا سارا روپیہ۔ اب تو ٹھپ ہے سب کچھ۔“ انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں کہا تو صدیقہ بیگم کو بھی اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

☆☆☆

مہر ماہ شدید شاک کی زد میں تھی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ تزئین ساری حقیقت طلال کو بتانے کی بے وقوفی کر سکتی ہے۔ اور اصل جھٹکا تو اسے طلال کے انداز پر لگا تھا کہ وہ سارے معاملے کا علم ہو جانے کے بعد بھی اسے ورغلا رہا تھا۔ پھر سے ان ہی راستوں پر لوٹنے کی دعوت دے رہا تھا۔ مگر آغا جان کی اچانک طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ذہن سے سب کچھ بھک سے اڑ گیا اور دوبارہ کبھی یاد نہ آتا اگر آغا جان کے گھر شفٹ ہونے کے بعد ان کی دوبارہ عیادت کے لیے تزئین کے ساتھ آیا طلال، موقع پا کر مہر ماہ کی راہ میں نہ آجاتا۔ وہ چائے بنا کر پیش کرنے کی ذمہ داری ملاحہ پر چھوڑ کر واپس ثمرہ کے پورشن میں جا رہی تھی جب آغا جان کے کمرے سے نکلتے ہوئے طلال سے ٹکراؤ ہو گیا۔

وہ تاثرات کو سپاٹ بناتی اسے نظر انداز کر کے نکل جاتی مگر وہ نہ جانے کن طوفانوں کی زد میں آیا ہوا تھا کہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کسی بھی بات اور اس گھر میں اپنے مقام کی پرواہ کیے بنا، مشتعل انداز میں مہر ماہ کا بازو، ہاتھ کی گرفت میں جکڑ کر اسے تقریباً کھینچتا ہوا راہداری کے پچھلے سرے کے موڑ تک لے گیا جو ثمرہ کے پورشن سے جاملتا تھا۔
وہ جو طلال کی اس غیر متوقع بے ہودگی پر حیران اور شاکڈ سی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی تھی، رکتے ہی ایک جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔
''ہاؤ ڈیر یو ٹو بی ہیو لائک دس؟ (تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے ایسا رویہ رکھنے کی)
''شش...... بس، بس کرو مہر ماہ! سب جان چکا ہوں میں تمہارے دکھ، تمہاری تکلیف۔ مجھ سے تمہاری بے وفائی تو صرف ایک مجبوری تھی۔'' وہ آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت لیے کہہ رہا تھا۔ جیسے خوف پر خوشی غالب ہو۔ کھو دینے کے خوف پر پا لینے کی خوشی کا تاثر غالب آرہا تھا۔
مہر ماہ کو اس تاثر سے خوف سا آیا مگر وہ لہجے کو سخت کرتے ہوئے درشتی سے بولی۔
''مجھے نہیں پتا، تم کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔ ہٹو میرے راستے سے طلال!''
''نہیں مہرو! اب نہیں۔ اب میں تمام اصلیت جان گیا ہوں۔ یہ سب تقدیر کا کھیل تھا ورنہ تم تو کبھی مجھ سے بے وفا ہوئی ہی نہیں تھیں۔'' وہ جذباتی ہوا۔
''جو ہوا سو ہوا طلال! اب ہم دونوں کے راستے اور زندگی الگ ہے۔ براہ کرم میرے راستے میں مت آؤ۔'' اس نے سنجیدگی سے کہہ کر جانا چاہا، مگر وہ اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔
''ایک ہو سکتی ہے مہر! میرے نکاح میں تمہاری سگی بہن تو نہیں۔'' وہ بے قراری سے بولا تو مہر ماہ کا جی چاہا ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔
''بی ہیو یور سیلف طلال! اپنا مقام و مرتبہ دیکھو اس گھر میں اور بات کرنے کا انداز دیکھو۔ اس گھر میں تمہاری ساری عزت تزئین کے ساتھ منسلک تمہارے رشتے کی وجہ سے ہے، یہ مت بھولو۔''
''میرا پہلا رشتہ تم سے تھا مہر! اور تم...... تم نے مجھے کیوں نہ بتایا اس افتاد کے بارے میں جو تم پر آن پڑی تھی۔ ہم دونوں مل کر اس کا حل نکال لیتے مگر میں تمہارا انتظار کرتا۔۔۔ ساری زندگی۔'' وہ جذباتیت کی انتہا پر تھا۔ مہر ماہ اسے دوبارہ مل سکتی ہے، اس سوچ نے عقل و خرد کو ماؤف کر دیا تھا جیسے۔
مہر ماہ دنگ رہ گئی۔
''ثمیر کون ہے؟ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا اس زبردستی کے نکاح کے بارے میں۔'' وہ پوری معلومات کے ساتھ آیا تھا۔ مہر ماہ بے جان سی ہو گئی۔
اپنے کمرے سے نکلتے موحد نے جذب سے بھرا یہ لہجہ بہت صاف سنا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوم کر اس طرف آیا اور آتے ہی کالر سے تھام کر دھکیلتے ہوئے طلال کو سامنے دیوار سے لگا دیا۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہیں تھا، گڑبڑا کر صورت حال کو سمجھتا ہی رہ گیا۔
''اس نے نہیں مگر میں نے تمہیں ضرور بتا دیا تھا کہ اس سے دور رہنا، تمہاری سمجھ میں نہیں آئی تھی میری بات۔'' موحد بولا نہیں غرایا تھا۔
اول جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے طلال نے اپنا کالر چھڑاتے ہوئے موحد کی آنکھوں میں دیکھ کر تلخی سے کہا۔
''تم کس حیثیت سے یہ قدغن لگا رہے ہو مجھ پر؟ کون ہو تم اس کے نقلی شوہر؟''
''بکواس بند کرو۔'' موحد کا مکا اٹھا مگر مہر ماہ نے پوری ہمت مجتمع کر کے اس کا وہ بازو اپنے دونوں ہاتھوں کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سخت گرفت میں جکڑ لیا۔
"دفع کرو موحد! جانے دو اسے۔ یہ ہوش میں نہیں ہے۔"
"مارنے دو مہرو! میں مکمل حواس میں ہوں اور اس رشتے کی ساری اصلیت جان چکا ہوں۔ اب پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" طلال نے اطمینان سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اتر آئی تھی۔ موحد نے تلملا کر مہر ماہ کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو وہ بیچ میں آ کر اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر اسے دھکیلتی طلال سے پرے لے گئی۔
"دفع کرو موحد! یہ تزئین کا شوہر ہے۔ اس گھر کا داماد ہے، یہی سمجھ کر معاف کر دو۔" اس کی سرخ ہوتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، نرم مگر تنبیہی انداز میں کہا تو وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔
"مہر! وہ رشتہ تو مجبوری کا ہے، تم ساتھ دو تو میں ......" طلال یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا مگر مہر ماہ نے اس کا مطلب سمجھ کر درمیان سے ہی اونچی آواز میں ٹوک دیا۔
"وہ رشتہ مجبوری کا ہو سکتا ہے مگر ......" وہ کہتے ہوئے رکی پھر بہت ہمت کر کے موحد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اسے ذرا اونچا کیا۔ "مگر یہ رشتہ مجبوری نہیں ہے طلال!"
"مت بھولو کہ تم کسی اور کے ساتھ ایک زبردستی کے بندھن میں بندھی ہو۔ اس شخص کے ساتھ تو تمہارا کوئی تعلق ہی نہیں۔"
"میرا ہر تعلق اسی تک آتا ہے طلال! آج تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔ تمہیں تو میں نے اسی روز دل سے نکال دیا تھا جس دن تم نے تزئین سے شادی کی تھی۔" وہ اپنے ہر لفظ پر زور دے کر بولی تو پیچھے کھڑے موحد کے دل میں ٹھنڈک سی اترتی چلی گئی۔
"میں اسے چھوڑ دوں گا مہرو!" طلال نے فی الفور فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔
"مگر مجھے اُترن کی عادت نہیں ہے طلال!" مہر ماہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر جتانے والے انداز میں قطعیت سمو کر بولی تو وہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔
"اور اگر تم ہم سے کوئی تعلق رکھنا چاہتے ہو تو وہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم میری کزن کے شوہر اور اس گھر کے داماد ہو اور بس...... آئندہ میری راہ میں آؤ گے تو میں پرانی دوستی کا بھی لحاظ نہیں کروں گی۔ اگلی بار شاید موحد کے بجائے مجھے تم پر ہاتھ اٹھانا پڑے کیونکہ میں بھی تمہاری بدتمیزی کو برداشت نہیں کروں گی۔"
"چہ خوووب ......" وہ پے در پے ملنے والے تکلیف دہ جھٹکوں سے سنبھل کر تلخی و استہزاء سے بولا۔
"تو بات یہ تھی مہر ماہ آفندی کہ تم دل سے میرے لیے مخلص تھیں ہی نہیں۔ نمیر آفندی کا تو بہانہ مل گیا تھا تمہیں۔ درحقیقت یہ شخص دیوار بنا تھا ہمارے درمیان۔" طلال کی جذباتی طبیعت، پھر سے بھڑک کر بولا تو موحد کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتی وہ طلال کی طرف رخ کرتے ہوئے سرد مہری سے بولی۔
"تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو طلال! کیا اب میں سمجھ لوں کہ تم دوبارہ ہمارے راستے میں نہیں آؤ گے؟ کیونکہ کسی کی راہ کھوٹی کرنے والے اکثر اپنا ہی راستہ بھول جایا کرتے ہیں۔"
وہ آنکھوں میں شعلے لیے پیروں تلے زمین روندتا باہر نکلا تھا۔ مہر ماہ نے گہری سانس بھری۔ موحد نے اس کا ہاتھ کھینچا تو وہ سرد تاثرات لیے اس کی طرف پلٹی۔
"یہ کیا تماشا شروع کیا ہے اس نے پھر سے؟" وہ ناگواری سے پوچھ رہا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''وہی...... جس کی شروعات تم لوگوں نے کی تھی۔ تزئین نے حقیقت بتادی اسے تو وہ دوبارہ اپنا پروپوزل لے آیا۔'' کاٹ دار لہجے میں جواب دیا تو موحد لحہ بھر کو چپ رہ گیا۔ مہرماہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔

''تمہارے دل میں بہت درد تھا نا نمیر آفندی کا۔ ثمرہ آنٹی کا بیٹا ہو کر بھی تم نے وقار آفندی کی موت کا بدلہ لیا ہم سے۔ اب میں واپس جارہی ہوں اپنے گھر، تم لوگ مل بیٹھ کر آگے کی کہانی سوچ لو کہ زرنگار آنٹی کا کیا کرنا ہے۔'' وہ آزردگی بھرے تلخ لہجے میں کہتی چلی گئی۔ موحد دوسرے ہاتھ پر مکا مار کر رہ گیا۔

☆☆☆

کبیر کی آمد نے گھر والوں کو تو ششدر ہی کر دیا تھا۔

فرزین دوڑتی ہوئی ملاحہ کو بتانے بھاگی تو وہ یونہی دل پہ ہاتھ رکھے، بے یقینی سے فق ہوتا چہرہ لیے ننگے پاؤں ہی بھاگتی چلی آئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں موجود تھا اور اندر صدیقہ بیگم داخل ہو رہی تھیں۔ ملاحہ پردہ پکڑے وہیں دہلیز پر کھڑی ہوگئی۔ نظریں تھیں کہ جھروکے سے دیکھتیں مگر سیراب ہونے میں ہی نہ آتی تھیں۔ اونچا لمبا شاندار مرد...... جس کو اللہ نے گویا شربت کے رنگ سی طلسماتی آنکھوں سے نوازا تھا۔ ملاحہ منجمد تھی۔

''آغا جان کی طبیعت کی خرابی کا پتا چلا تھا، سوچا عیادت کرلوں۔'' وہ احتراماً کھڑا ہوا تھا۔ صدیقہ بیگم نے سلگتی نظر اس پر ڈالی اور کڑے لہجے میں بولیں۔

''تمہیں تو اس گھر کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے بھی ہزار بار سوچنا چاہیے تھا۔ جس کی عزت کا بھی پاس نہیں رکھا گیا تم سے۔''

''الحمدللہ، میں نے ہمیشہ اس گھر کی عزت کا اپنی عزت کی طرح خیال رکھا ہے۔ مجھے یہاں آتے ہوئے کسی قسم کا ڈر خوف یا شرمندگی ہرگز نہیں تھی۔'' وہ ادب سے بولا تو صدیقہ بیگم کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

''بے شرموں کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے، انہیں اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی آنکھ میں حیا ہوتی ہے۔'' وہ طنز سے بولیں تو کبیر خان کا چہرہ ضبط سے لال ہوا۔

''میں یہاں صرف آغا جان کی عیادت کے لیے آیا ہوں، ان سب باتوں کا جواب کسی اور وقت طلب کر لیجیے گا۔'' صدیقہ بیگم کا دماغ گھوم گیا۔

''بات تو تم سے بعد میں ہوگی ــــ پہلے تم وہ سارا پیسہ واپس کرو جو موحد کو مہرہ بنا کر نکلوایا ہے تم نے۔''

''میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا، ہم دونوں میں ڈیل ہوئی تھی۔ انہوں نے میری زمین خرید کر مجھے رقم ادا کی ہے اور بس۔''

''بڑا اچھا کیا تم نے، شرم تو نہیں آئی ہوگی، جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا۔ جس گھر میں تمہیں عزتوں کا رکھوالا بنایا گیا وہیں پر نقب لگائی تم نے۔''

صدیقہ بیگم کسی کا بھی دماغ خراب کرنے میں مہارت رکھتی تھیں یہ تو اللہ ہی جانتا تھا کہ کبیر کس طرح ضبط کیے ہوئے تھا۔

''میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں اور میں یہ سب باتیں سوچ کر نہیں آیا تھا اور رہی شادی کے پروپوزل کی بات تو شادی کا پیغام تو کسی بھی گھر میں بھیجا جاسکتا ہے۔''

صدیقہ بیگم تلملا اٹھیں۔ ''آدمی کو پہلے اپنی حیثیت دیکھنی چاہیے پھر کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔''

''الحمدللہ...... اللہ کا بڑا احسان ہے مجھ پر، پیسہ جائیداد سب کچھ ہے میرے پاس۔'' وہ دنیا کا مطمئن ترین

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انسان دکھائی دے رہا تھا۔

دفعتاً صدیقہ بیگم کو اپنے بینک اکاونٹس یاد آئے جنہیں موحد نے خالی کر ڈالا تھا۔ انہیں گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ ان کے سامنے بیٹھا ان کا ڈرائیور آج لاکھوں کی پراپرٹی اور رقم کا مالک تھا اور وہ لوگ شاید خالی ہاتھ ہو چکے تھے۔ اسی وقت موحد ڈرائنگ روم میں داخل ہوا، ملاحہ خاموشی سے ایک طرف ہوگئی مگر واپس نہیں پلٹی۔ اس کا دل تو اندر بیٹھے کبیر خان میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر گرمجوشی سے موحد سے ملا، تائی جان کی آنکھیں جلنے لگیں۔

''اس سے کہو، یہ یہاں سے واپس چلا جائے۔ تمہاری مہربانی سے پہلے ہی آغا جان موت کو چھو کر واپس آئے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اب کی بار انہیں یہ موقع بھی نہ ملے۔''

تائی جان نے موحد کو بھی رگید ڈالا۔

''گھر آئے ہوئے مہمان کی عزت کرنی چاہیے اور کبیر تو اس گھر کا ایک فرد رہا ہے جس پر سب سے زیادہ اعتبار کیا جاتا تھا۔ آغا جان نے اسے اپنا دست راست بنا رکھا تھا۔ اتنی جلدی بھول گئے آپ لوگ۔'' موحد نے تلخی سے انہیں یاد دلایا تو وہ چیخ کر بولیں۔

''اور اس نے اسی اعتبار کا خون کیا ہے، یہ بھی یاد ہے ہم سب کو اور تم خود کیا ہو موحد! تم نے تو ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔''

''حق دار کو اس کا حق دینے کو اگر آپ چھرا گھونپنا سمجھتی ہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔'' وہ بے رخی سے بولا تو صدیقہ جلبلا کر بولیں۔

''بہرحال آج اس کی سب غلط فہمیاں دور کر کے بھیجنا اور خوش فہمیاں بھی۔ آغا جان کسی سے نہیں ملیں گے۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے۔'' پھر لفظوں کو چبا کر تلخی سے بولیں۔ ''خاص طور پر دھوکے بازوں سے۔'' وہ تنتناتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ ان کے نکلنے سے پہلے ہی ملاحہ تیزی سے وہاں سے ہٹ چکی تھی۔

موحد گہری سانس بھرتا ہوا کبیر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''مجھے پتا تھا یہی ہوگا۔'' کبیر آزردگی سے بولا۔

''ہونے پر پچھتانے سے بہتر ہے کہ آگے کی راہ نکالی جائے۔'' موحد نے تادیبی انداز میں کہا۔

''میں ان لوگوں کی فطرت سالوں سے جانتا ہوں۔ اپنے لیول سے نیچے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے یہ۔''

''اب دیکھیں گے ان شاءاللہ...... کیونکہ یہ لوگ اب اس لیول سے کافی نیچے آچکے ہیں۔'' موحد مسکرایا۔

''آغا جان کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

''پہلے سے بہتر ہیں، سننے میں آیا ہے۔ میں تو خیر ابھی تک ان کے پاس نہیں گیا۔'' موحد نے شانے جھٹکے پھر وہ کبیر کا پریشان چہرہ دیکھ کر اسے تسلی دینے کی خاطر مسکرا کر بولا۔

''تم فکر مت کرو۔ تمہارے دل کی دنیا ویران نہیں ہوگی ان شاءاللہ۔ شادی کی تیاری شروع کرو تم بس، ان سب کو راضی کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

کبیر بے ساختہ مسکرا دیا۔ موحد کہہ رہا تھا تو پھر اللہ کی مدد سے کچھ بھی ہوسکتا تھا۔

''میں چلتا ہوں پھر، آغا جان سے تو ملاقات نہیں ہو سکے گی اب۔'' کبیر نے اٹھنے کی کوشش کی تو موحد نے روک دیا۔

''بیٹھو ابھی، چائے پی کر جانا۔''

''ہاہاہا...... میں کون سا سسرال آیا ہوں جو میری تواضع کی جائے گی۔'' وہ پرمزاح لہجے میں بولا تو کام والی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے ہاتھ اندر چائے اور لوازمات کی ٹرالی بھیجتے ہوئے باہر لمٹری ملاحہ کا دل سبک رفتاری سے دھڑکا۔ چائے کی ٹرالی دیکھ کر موحد ہنس دیا۔

''اس گھر میں آپ کا ووٹ بہت مضبوط ہے خان صاحب!'' کبیر کے دل میں ایک نظر اس خوش رو کو دیکھنے کی آرزو مچل مچل گئی مگر محض مسکرا کر چپ ہو رہا۔ اس کے ہاتھ کی خوشبودار چائے مل گئی فی الحال تو یہی بہت تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں ثمرہ اور موحد موجود تھے۔ یہ حاضری مبین اور سہیل آفندی صاحب کی طلبی پر ہوئی تھی۔

''تمہارے حق میں بہتر ہوگا کہ تم سارا پیسہ واپس اکاؤنٹس میں ٹرانسفر کر دو موحد ورنہ مجبوراً مجھے ٹیڑھی انگلی استعمال کرنا پڑے گی۔'' سہیل آفندی نے سخت لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''تو آپ پہلے ہی ٹیڑھی انگلی کا استعمال کر لیں پھر۔''

''فضول باتیں مت کرو۔ ہماری زندگی بھر کی کمائی تھی یہ بزنس۔ جسے تم نے ٹھپ کر دیا ہے۔ اکاؤنٹس خالی پڑے ہیں، واجبات کی ادائیگی کہاں سے ہوگی؟''

''لیکن وہ سارا پیسہ تو اب میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''تمہارا نمیر سے کیا تعلق ہے؟'' مبین آفندی نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔

''وہ وقار کا بیٹا ہے بھائی صاحب!'' ثمرہ نے انہیں جتایا۔

''میری سمجھ میں اب ساری بات آ گئی ہے، تم دونوں اس سارے قصے میں شامل ہو۔ نمیر کو جانتے ہو تو پھر مہر ماہ کے نکاح میں بھی شامل ـ ہو گے تم لوگ۔'' مبین صاحب کا خون کھولا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں تھا اس بارے میں۔ اس بات پر میں قسم اٹھا سکتی ہوں۔'' ثمرہ ناراضی سے بولیں۔

''آج کبیر آیا تھا۔'' موحد نے ایک قطعی غیر متعلق بات کی۔

''ہم گھر میں نہیں تھے ورنہ وہ زندہ واپس نہ جاتا۔'' سہیل بھڑکے۔

''کیوں...... اس نے کیا گناہ کر دیا ہے؟ کسی کے گھر رشتہ بھیجنا جرم نہیں۔'' موحد نے حیرت کی اداکاری کی تو مبین جلبلائے۔

''تمہاری بہن ہوتی تو میں دیکھتا کہ کیسے تم اس ڈرائیور سے اس کا رشتہ کرتے۔''

''ملاحہ میری بہن ہی ہے تایا جان! اسی لیے میں نے اس کے لیے ایک بہترین فیصلہ کیا ہے۔ آپ ملاحہ سے کیوں نہیں پوچھ لیتے، وہ اعتراض کرے تو ہم پیچھے ہٹ جائیں گے۔'' وہ اطمینان سے کہتا ہوا ان کو پیش کش کر رہا تھا۔ ان کا دل چاہا دو تین تھپڑ لگا دیں اس خودسر کو مگر بعض باتیں صرف سوچی ہی جا سکتی ہیں۔

''مخمل میں ٹاٹ کے پیوند نہیں لگائے جاتے۔'' سہیل نے تنفر سے کہا۔

''اب تو آپ لوگ بھی اسی پوزیشن میں آ چکے ہیں تایا جان! بقول آپ کے بزنس ٹھپ ہو گیا ہے تو پھر یہ مصنوعی شان و شوکت کا پرچار کیوں؟ آپ کے جتنا پیسہ تو اب کبیر کے پاس بھی ہے بلکہ زمینیں بھی ہیں۔'' موحد محظوظ ہوتے ہوئے بولا تو سہیل صاحب کا چہرہ غصے سے لال ہوا جبکہ مبین آفندی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''آپ ملاحہ کا رشتہ ہو جانے دیں، وہ بہت خوش رہے گی۔ آپ کو تائی جان نے بتایا نہیں کہ وہ راضی ہے اس رشتے پر؟'' وہ بھولپن سے بولا تو مبین آفندی صاحب کو چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا۔

''کک...... کیا مطلب؟''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"مطلب یہ کہ...... تائی جان جانتی تھیں کہ ملاحہ اس پروپوزل سے خوش ہے پھر اس انکار کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"بکواس مت کرو۔"

"موحد سچ کہہ رہا ہے۔ اعتراض صرف آپ لوگوں کی طرف سے ہے ملاحہ کی طرف سے نہیں۔" ثمرہ سنجیدگی سے بولیں تو مبین صاحب کی پیشانی دہک اٹھی۔

"آپ چاہیں تو تائی جان سے پوچھ سکتے ہیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"تم ان فضول باتوں کو چھوڑو اور سیدھے معاملے پر آؤ اور یہ بتاؤ کہ بینک کا پیسہ کب لوٹا رہے ہو؟" انہوں نے سختی سے کہا۔

"وہ پیسہ اس کے حق دار تک پہنچ چکا ہے۔ چودہ سالوں میں آپ لوگ اپنے حق کا پیسہ کھا چکے ہیں۔ یہ وقار آفندی اور اس کے بیٹے کا حصہ تھا جو میں نے ایمان داری سے اسے ادا کر دیا ہے۔" موحد کا اطمینان قابل دید تھا۔

"تم ہوتے کون ہو اس طرح کے فیصلے کرنے والے، ہمارا پیسہ، ہماری جائیداد، ہم اسے رکھیں یا آگ لگائیں، تمہیں اس سے کیا مطلب، تم اگر سیدھی طرح سے نہ مانے تو مجھے مجبوراً پولیس کی مدد لینی پڑے گی" سہیل آفندی تپ اٹھے۔

"ہاہاہا...... آپ کے یہاں کی پولیس تو سنا ہے پچاس ساٹھ ہزار میں ہی بک جاتی ہے۔" موحد نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تو مبین آفندی بھنا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ تو تمہیں وقت ہی بتائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ سیدھی طرح سے سارا پیسہ واپس اکاؤنٹس میں ڈال دو ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ میرا تم سے کیا رشتہ ہے۔"

"پیسے کی خاطر خون کے رشتوں کو بھلانا آپ کی پرانی اور خاندانی روایت ہے۔ آپ نے تو اپنے دو سگے بھائیوں کو بھلا دیا تھا اور سالوں تک ان کے پیسے پر عیاشی کرتے رہے، میں تو پھر بھتیجا ہوں آپ کا۔" موحد نے تلخی سے کہا تو وہ جواب دیے بنا باہر نکل گئے۔

لاؤنج میں اب وہ دونوں ماں بیٹا ہی بیٹھے رہ گئے تھے ثمرہ نے پریشانی سے موحد کی طرف دیکھا اور خفگی سے بولیں۔

"یہ کن چکروں میں پڑ گئے ہو تم موحد! میں نے تم سے کہا تھا کہ مہرماہ والا قصہ کسی طرح ختم کرو اور تم یہ نیا کھاتہ کھول کر بیٹھ گئے ہو۔"

"ان کے سارے کھاتے میں ایک ہی ساتھ بند کروں گا، آپ دیکھیے گا۔" وہ تلخی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور مہرماہ......؟" انہوں نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"اس کا تو جو فیصلہ ہونا تھا وہ ہو چکا۔"

"اللہ ہی خیر کرے، میرا تو دل بہت گھبرا رہا ہے موحد!" وہ واقعی اب پریشان ہو چکی تھیں۔ موحد نرم لہجے میں انہیں تسلی دینے لگا۔

☆☆☆

آغا جان کے کمرے میں دونوں بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ آغا جان کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی مگر اس

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جھٹکے نے ان کے اعصاب کافی کمزور کر دیے تھے، خاص طور پر موحد کی دھوکا دہی نے ان کا سارا دم خم نکال دیا تھا۔

''موحد کہاں ہے؟'' انہوں نے بیٹوں سے پوچھا۔

''گھر میں ہی ہے اور کہاں جائے گا۔'' سہیل ناگواری سے بولے۔

''اس سے بات کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ غصے کی کیفیت میں یہ بات کہہ رہا ہو اور پیسہ خود اسی کے اکاؤنٹ میں ہو۔'' آغا جان آہستہ آواز میں کہہ رہے تھے۔ مبین آفندی نے سہیل کو اشارہ کر کے اس موضوع پر بات کرنے سے روک دیا اور ان کی بات کا خود بہت نرمی سے جواب دیا۔

''آپ بے فکر رہیں آغا جان! سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ موحد کے ساتھ ساری باتیں ہو جائیں گی اور ان شاءاللہ تعالیٰ ہمارا سارا پیسہ واپس اکاؤنٹس میں آجائے گا۔''

''میں بہت کمزور پڑ گیا ہوں مبین! دو بیٹوں کو کھونے کے بعد موحد کو پایا تو یوں لگا کہ جیسے دونوں بیٹوں کو سود سمیت واپس پا لیا ہو مگر اس نے جو کچھ کیا، اس نے میرا دل توڑ دیا ہے اس نے مجھ پر اس عورت کے بیٹے کو ترجیح دی، یہ سوچ میرے دل کو کمزور کیے جاتی ہے۔ مجھے دنیا میں وہ سب سے پیارا ہے اور اس نے مجھ پر ایک طوائف زادے کو فوقیت دی۔'' وہ دکھ کی انتہا پر تھے۔

''دفع کریں آغا جان! وہ اس قابل ہی نہیں کہ اسے اتنے اونچے مقام پر رکھا جائے اس کا لالچ صرف اور صرف پیسہ تھا جو وہ دھوکے سے نکلوا چکا ہے حالانکہ اگر وہ سمجھتا تو یہ سب کچھ اسی کا تھا۔'' سہیل آفندی نے تلخی سے کہا۔

''تم نے مہر ماہ سے بات کی، اس خبیث شخص کا کوئی فون آیا یا نہیں؟ اب تو وہ کسی طریقے سے بھی سہی مگر اپنا حصہ لے چکا ہے۔'' آغا جان نے پوچھا۔

''ہاں اب میں مہر ماہ سے بات کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ سیدھے طریقے سے نہ مانا تو اگر اس کی ماں کو پولیس میں دینا پڑا تو دے دیں گے۔'' مبین آفندی نے تنفر سے کہا۔ درحقیقت انہوں نے یہی سوچ رکھا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے گھر پر ایسی آفات آجائیں گی۔ آپ اندازہ کریں، موحد واقعی آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے۔ اگر وہ نمیر کو اس کا حصہ دے سکتا ہے تو کیا وہ مہر ماہ اور اس کے نکاح کی سازش میں شریک نہ ہوگا۔'' سہیل آفندی نے غصے سے کہا۔

''میری مہر ماہ سے بات ہوئی تھی، اس کا کہنا ہے کہ موحد نے نمیر سے طلاق دلوانے کی خاطر یہ پیسہ اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروایا ہے۔'' مبین آفندی نے بتایا تو سہیل نے سر جھٹکا جیسے ان کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

''مجھے تو اب کسی بھی بات پر یقین نہیں آتا اگر ایسا کچھ ہوتا تو کیا وہ مجھ سے بات نہ کرتا ہم بھی تو یہی چاہتے تھے کہ مہر ماہ کو اس شخص سے نجات مل جائے۔'' آغا جان نے تاسف سے کہا۔

''اس شخص کی کسی بھی بات کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ جو شخص بزنس اکاؤنٹس خالی کر سکتا ہے وہ کسی بھی طور قابل اعتبار نہیں۔'' سہیل آفندی نے قطعی انداز میں کہا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ آغا جان پھر سے موحد کی باتوں میں آجائیں یا اس پر پھر سے بھروسہ کرنے لگیں۔ آغا جان تھک کر خاموش ہو گئے اور سر تکیے پر ڈال دیا درحقیقت وہ خود کو کمزور محسوس کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ شاپنگ سے فارغ ہو کر ابھی آئس کریم پارلر میں داخل ہو کر کرسی پر بیٹھی ہی تھی جب اس کے عین سامنے نمیر آفندی آ کر بیٹھا۔ مہر ماہ نے لب بھینچے، پیشانی پر غصے سے بل پڑ گئے۔

''شاپنگ کرنے آئی تھیں؟''

''نہیں، سڑکوں کی مضبوطی چیک کر رہی تھی چل پھر کر۔'' وہ سلگی تو بے اختیار اس کا قہقہہ گونج اٹھا۔

''شٹ اپ......'' مہر ماہ نے اسے گھورا تو وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے مسکرایا اور اس کی یہ مسکراہٹ...... مہر ماہ نے بے اختیار نظر ہٹالی۔

وہ آئس کریم کا آرڈر دے کر آیا تو مہر ماہ ساکت بیٹھی تھی۔ وہ بھی سنجیدہ سا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اب تو تمہیں سب کچھ مل چکا ہے۔ اب مجھے آزاد کر دو۔''

''مجھے آفندی ہاؤس سے جو بھی ملا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ کرنے کا عہد ہے میرا۔ یہ سب میرا حق تھا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''مگر میں ان ''چیزوں'' میں شامل نہیں ہوں۔'' وہ تلملائی۔

''میرے قبضے میں جو آ گیا، اب وہ میرا ہوا مہر ماہ!'' وہ جیسے لطف لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''مجھے تم واقعی مظلوم لگے تھے مگر جس مقام پر تم میرے گھر والوں کو لے آئے ہو، تمہارا اور ان کا پلڑا برابر ہو گیا ہے۔ میری ہمدردی ختم ہو گئی ہے۔'' وہ تاسف بھرے غصے سے بولی۔

''ان پر تو یہ مشکلیں اب آئی ہیں...... میں تو پلا ہی ان ہی حالات میں ہوں۔''

''اللہ نے تمہیں ان تکلیفوں کے بدلے میں ایک اچھی زندگی دے تو دی تھی پھر بھی تم نے اس نفرت کا بدلہ لیا۔''

''مرا باپ بنا علاج کے مرا ہے۔ میری ماں کی حالت تم دیکھ ہی رہی ہو، میں اپنی پہچان کے ساتھ ان کے گلے لگ بھی نہیں پاتا۔ غیروں نے اپنا کر پالا ہے مجھے۔ گھر تو کیا آفندیز نے ہماری پوری زندگی کا شیرازہ بکھیر دیا تھا اور تم ان پر ترس کھا رہی ہو۔'' وہ ناپسندیدگی سے بولا۔

''جب ظالم اور مظلوم ایک ہی پلڑے میں آ جائیں تو ہمدردی کسی ایک کے ساتھ بھی نہیں رہتی۔''

''میں ظالم ہی تو بن نہیں پایا ورنہ ابھی سیدھا جا کر تمہارے آغا جان کے سامنے کھڑا ہو جاتا بنا ان کی حالت کی پرواہ کیے۔'' وہ تلخ ہوا۔ نجانے کون صحیح تھا اور کون غلط۔ مہر ماہ نے گہری سانس بھری اور تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

''کچھ کم بھی نہیں کیا تم نے۔ اب معاف کر دو سب کو پلیز۔''

''معاف ہی تو کیا ہوا ہے مہر ماہ آفندی! ورنہ حالات اس سے زیادہ بُرے ہوتے۔'' وہ پر سکون تھا مگر آنکھوں میں کروٹیں لیتا اضطراب، مہر ماہ کو نظر آ رہا تھا۔

''معاف ہی تو نہیں کرتا بندہ، اپنے اوپر ہونے والے ظلم پر بہت چیختا چلاتا ہے لیکن جب موقع ملے تو معافی دینے میں ''تھڑ دلا'' ______ بن جاتا ہے بالکل ظالم ہی کی طرح۔'' وہ آزردگی سے پھیکا سا مسکرائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ نمیر نے سنہری سا روپ اپنی نگاہ میں جذب کیا تو ان آنکھوں کی اداسی کو بھی دل پر بوجھ کی صورت گرتا پایا۔ آئس کریم آ گئی تھی مگر مہر ماہ کا دل ہی نہیں کر رہا تھا کہ اس میں سے ایک بھی چمچ لے۔

''میں نے جو تمہارے ساتھ کیا ہے، میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں مہر!'' کتنی ہی دیر آئس کپ میں چمچ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چلانے کے بعد نمیر نے ایک دم کپ پرے دھکیلتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا تو دکھ کی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھتے ہوئے مہر ماہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا مہر!'' اس کی آواز سرگوشی سے ہرگز بلند نہ تھی مگر مہر ماہ نے بخوبی سنی۔ اس کا دل تھم سا گیا تھا جیسے۔

''ترس مت کھاؤ مجھ پر نمیر! ویسے ہی جیسے زبردستی کے نکاح کے وقت نہیں کھایا تھا۔'' وہ بھڑک کر رندھے ہوئے لہجے میں بولی تو آنکھیں چھلک گئیں جنہیں اس نے ہتھیلیوں سے رگڑ ڈالا۔

''یہ ترس نہیں ہے مہر ماہ!'' وہ فی الفور بولا تو لہجہ جذب سے بھرپور تھا۔

''میں نہیں جانتا کہ میرے دل کے بدلنے کی وجہ کیا ہے مگر تمہارے معاملے میں میرا دل بدل گیا ہے۔ میں خود کو تمہارا مجرم پاتا ہوں۔ سزا دینے کا تمہیں اختیار ہے مہر ماہ! جو چاہے دے لو، اف تک نہیں کروں گا مگر طلاق...... نہیں...... کسی بھی صورت نہیں۔'' اس کا انداز اٹل تھا، قطعی اور مضبوط۔ مہر ماہ دکھ اور بے یقینی کی گہری کھائی میں گرتی چلی گئی۔

''تم...... جھوٹے شخص! تم نے کہا تھا کہ حصہ ملتے ہی تم مجھے آزاد کردو گے۔'' اسے طیش آیا۔ ''اور تم کیا سمجھتے ہو تمہارے معافی یا ندامت کے ان گھسے پٹے الفاظ سے میرے دکھوں کا مداوا ہو جائے گا، کیا میری زندگی پھر سے اسی فیز میں لوٹ سکتی ہے؟''

''زندگی بھر سزا دیتی رہنا مہر ماہ! کہا نا اف تک نہیں کروں گا۔'' وہ تیقن سے بولا۔

''تو سزا کے طور پر تم نے اس نکاح کو نبھانے کا سوچا ہے...... واہ...... خوب۔ اسے میں تمہاری سزا سمجھوں یا اپنی انسلٹ؟'' وہ استہزاء سے بولی۔

نمیر نے مضطرب ہو کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھنسایا اور چہرہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ عام حالات ہوتے اور مہر ماہ کی زندگی میں وہ ایک تہ و بالا کر دینے والے طوفان کی طرح داخل نہ ہوا ہوتا تو وہ اس شاندار پرسنالٹی والے بندے کی ہمراہی پر شاید فخر کرتی۔ مہر ماہ نے نگاہ پھیر لی۔

''تمہارے لیے میرا ساتھ یقیناً سزا ہوگا مہر ماہ! مگر میں اب تمہیں نفرت سے نہیں محبت سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' (کھلا اعتراف محبت)

''ہاہ...... اور میری مرضی کی کوئی اہمیت نہ کل تھی تمہارے نزدیک اور نہ آج ہے۔ ہے نا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''ایسا نہیں ہے مہر! پچھتا رہا ہوں اس لمحے پر جب میں نے بدلے کے لیے تمہیں چنا تھا۔ تمہیں تو محبت کے لیے چننا چاہیے تھا۔'' وہ آگے کو جھک کر کہنیاں میز پر ٹکائے محبت آمیز لہجے میں بولا تو غصے سے اس کو دیکھتی ہوئی مہر ماہ خجل سی ہوگئی۔ رنگت یوں دہک کر سرخ و سنہری ہوئی جیسے جلد کے نیچے کسی نے دیے جلا دیے ہوں۔

''شٹ اپ۔'' وہ بہ مشکل بولی۔ پھر اس پر طنز کیا۔

''تم نے تو زندگی کو کھیل ہی بنا لیا ہے۔''

''کھیل ہی تو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے تم نے سمجھا دیا ہے مہر ماہ کہ زندگی کھیل نہیں ہوتی۔'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو مہر ماہ کی ہتھیلیاں پسیجنے لگیں، دل بے ترتیبی سے دھڑکا تو اپنی اس مغلوب کیفیت پر مہر ماہ کو خود پر غصہ آیا اور اس سے زیادہ نمیر آفندی پر جو یوں بے باکی سے اظہار کرنے بیٹھ گیا تھا۔

''تم بتاؤ، کیا کروں جو تمہیں مجھ پر یقین آ جائے۔'' نمیر نے یوں پوچھا کہ جیسے وہ آسمان سے زمین پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کو دنے کو کہے گی تو وہ اس کا کہنا ماننے میں ایک پل نہ لگائے۔گا مہر ماہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اور استہزاء سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''آغا جان کا پیسہ واپس کر سکتے ہو؟ میری جو زندگی تم نے بے رنگ کی ہے، کیا اس کے رنگ واپس لا سکتے ہو؟''

نمیر چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔مہر ماہ نظر چرائے بنا بڑے حوصلے کے ساتھ سلگتی نظروں کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہی۔وہ اسے اس غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ شاید وہ اس کے معذرت کے چند لفظوں سے متاثر ہو کر اسے معاف کر چکی ہے۔

''میں دعوے نہیں کروں گا مہر ماہ! یہ سب تمہیں وقت بتائے گا کہ نمیر وقار آفندی کبھی بھی اتنا ظالم نہیں بن سکا جتنے کہ آفندی ہاؤس والے تھے۔'' کافی دیر کے بعد وہ بہت تحمل کے ساتھ بولا تو مہر ماہ کچھ نہیں بولی بس اپنا شاپنگ بیگ اٹھایا اور والٹ ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو پھر ٹھیک ہے نمیر! اب تب ملیں گے جب تم اپنے دعووں میں سچے ثابت ہو گے۔'' جتانے والے لہجے میں کہہ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔نمیر عجیب ہاری ہوئی سی کیفیت میں گھرا وہیں بیٹھا رہ گیا۔

مہر ماہ کے دل پر جیسے کسی نے وزنی سل رکھ دی تھی۔نمیر کی باتوں نے اسے مطمئن کرنے کے بجائے جیسے جلتے ہوئے الاؤ میں پھینک دیا تھا۔کس قدر آسانی سے اس نے اپنے کیے کا مداوا ڈھونڈ لیا تھا اور اب کی بار پھر وہ تمام فیصلے اپنی من مرضی سے کر رہا تھا۔وہ دکھتے سر کو دباتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب صدیقہ بیگم نے اسے آواز دے لی۔اسے ناچار رکنا پڑا اور نہ وہ اس وقت کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' صدیقہ بیگم نے گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ شاپنگ بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

''امی شام کو بات نہیں ہو سکتی۔ابھی میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''شام کو کرنے والی بات ہوتی تو میں تم سے شام ہی کو کہتی۔'' انہوں نے جتانے والے انداز میں کہا تو مہر ماہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے کمرے کی طرف آ گئی۔

''آغا جان کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے لیکن موحد نے انہیں مارنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔'' انہوں نے اس کے بیٹھتے ہی بات شروع کی۔

''کہا تھا کہ تم واپس آ جاؤ، بے شک تم زرنگار کی ذمہ داری نبھا رہی ہو۔لیکن پورشن تو ثمرہ ہی کا ہے۔''

''کسی کی اچھی بات بھی دیکھ لیا کریں امی! موحد نے مجھے نمیر سے آزادی دلوانے کی خاطر نمیر کا حصہ اس کے حوالے کیا ہے تاکہ وہ مجھے طلاق دے دے۔'' مہر ماہ نے یہ جھوٹ کیوں بولا، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ابو کو بھی اس نے یہی کہہ کر فی الحال ٹھنڈا کر دیا تھا۔صدیقہ بیگم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''یہ تم سے موحد نے کہا ہے؟''

''ظاہر ہے امی! اس کا اور کون سا ایسا مقصد ہو سکتا ہے نمیر کو پیسہ دینے کا، اگر وہ بے ایمانی کرنا چاہتا تو سارا پیسہ اپنے اکاؤنٹ میں ڈالتا۔''

''تو پھر اب نمیر سے رابطہ کیسے ہوگا۔'' یکلخت پر جوش ہو کر بولیں تو مہر ماہ ڈھیلی پڑ گئی۔اسے نمیر کی بات یاد آئی جو اب جائیداد میں سے حصہ لے کر بھی ساری عمر مہر ماہ کے ساتھ گزارنے کی خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''جب وہ رابطہ کرے گا تو میں آپ کو بتادوں گی۔''

''میں تو خود انتظار میں ہوں۔ تمہارے ابو کہہ رہے تھے کہ نمیر سے طلاق کے بعد تم چاہو تو موحد کے ساتھ دوبارہ تمہارا رشتہ ہوسکتا ہے کیونکہ بدنامی سے بچنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے، خاندان میں سب تمہارے اور موحد کے نکاح کے بارے میں جانتے ہیں اور پھر کچھ بھی ہو جائے، آغا جان اس سے جتنے بھی ناراض ہوں اس جائیداد کا وارث وہی ہے۔'' انہوں نے رازدارانہ انداز میں کہا تو مہر ماہ کو شدید جھٹکا لگا ان کی بات سن کر اور ان کی سوچ پر تاسف ہوا۔

''یہ سب آپ سے ابو نے کہا ہے؟'' وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

''ہاں تو تمہارا کیا خیال ہے، میں اپنے پاس سے کہہ رہی ہوں۔ آج آغا جان اس سے ناراض ہیں راضی ہوں گے تو سب کچھ اسی کا ہے۔ نمیر آفندی کو تو وہ اپنے پیسوں سے خرید کر گولی بھی نہیں ماریں گے۔'' صدیقہ بیگم نے کہا تو مہر ماہ شاکی نظروں سے انہیں دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ اس گھر کے لوگوں کے لیے پیسے کی اہمیت انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ رشتوں سے بڑھ کر ہے۔'' زوٹھے مگر تلخی بھرے لہجے میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

صدیقہ بیگم نے اسے آواز دی مگر وہ نہیں رکی تو وہ غصے سے بڑبڑا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

مبین اور سہیل صاحب نے موحد کو خوب باتیں سنائیں جو وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

''مجھے نہیں پتا کہ تم نے نمیر پر اتنا ترس کیوں کھایا، مہر ماہ کا کہنا ہے کہ تم نے مہر ماہ کو طلاق دلوانے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے مگر میں کسی طور یہ نہیں مان سکتا۔'' مبین آفندی کی بات سن کر موحد کو بڑے زور کا جھٹکا لگا۔

''یہ آپ سے مہر ماہ نے کہا ہے؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اب تم یہ بتاؤ کہ اگر نمیر، مہر ماہ کو طلاق دے دیتا ہے تو تم اس سے سارا پیسا کیسے نکلواؤ گے؟''

گہری سانس بھرتا موحد سیدھا ہو گیا اور بہت پرسکون انداز میں بولا۔ ''ایک طریقہ ہے بلکہ میری ایک شرط ہے اگر آپ وہ پوری کردیں تو میرا خدا گواہ ہے کہ میں نمیر کے اکاؤنٹ میں سے سارا پیسہ آپ کو واپس دلوادوں گا۔'' وہ چیلنج کرتے ہوئے بولا تو دونوں بھائیوں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا پھر سہیل آفندی محتاط انداز میں بولے۔

''اور وہ شرط کیا ہے؟''

موحد نے چند لمحے خاموش رہ کر جیسے الفاظ سوچے اور پھر آرام سے بولا۔ ''اگر آپ لوگ ملاحہ اور کبیر کی شادی کروادیں تو آپ کو آپ کے اکاؤنٹس سابقہ حالت میں ملیں گے۔'' موحد کی بات سن کر وہ دونوں بھائی یوں اچھلے جیسے اس نے کوئی زوردار دھما کا کردیا ہو۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوا؟'' مبین آفندی ناگواری سے بولے تو وہ حیران ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''اس میں ایسا عجیب کیا ہے، انسان ہی کا بچہ ہے وہ بھی۔۔''

''انسانوں میں بھی کیٹیگریز ہوتی ہیں۔ ہر کسی کے ساتھ نہ ہاتھ ملایا جاسکتا ہے نہ رشتہ اور تم ہمیں مجبور نہیں کرسکتے اس شادی پر۔'' مبین آفندی کا جی چاہ رہا تھا کہ اس سرپھرے کو ٹھونک کے رکھ دیں۔

''جس کیٹیگری میں آپ نے اسے رکھا ہوا تھا وہ اس سے اوپر آچکا ہے۔ اب تو شاید آپ لوگ اس کے برابر ہوگئے ہیں۔ چلیں خیر..... ٹھیک ہے، میں نے تو ایک راستہ بتایا ہے آپ کو۔ اگر آپ کو منظور نہیں تو پھر آپ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اپنے طریقے سے نکلوالیں پیسا، وہی...... انگلی ٹیڑھی کر کے۔'' وہ صوفے کے بازوؤں پر زور ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''اگر اس کی بات سچ ہے اور ملاحہ کی رضامندی شامل ہے اس رشتے میں تو میرے خیال میں آپ کو بھی سوچنا چاہیے۔'' موحد کے جانے کے بعد سہیل آفندی دل ہی دل میں سارا حساب کتاب کرنے کے بعد محتاط لفظوں میں بولے تو مبین صاحب نے جھٹکا کھا کر ان کو دیکھا۔

''ہوش میں رہ کر بات کرو سہیل!'' وہ ناگواری سے بولے۔

''یہ ثمرہ کا کہنا ہے بھائی صاحب! آپ بھابی سے پوچھیں۔'' انہوں نے پہلو بچایا۔

''ہو بھی تو کیا میں اس ڈرائیور کو اپنی دامادی میں لے لوں۔'' وہ سلگ کر بولے۔

مگر تب سے اب تک وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

تائی جان ان کی بات سن کر ششدر رہ گئیں۔ پھر گویا حواسوں میں آتی ہوئی ناگواری سے بولیں۔

''اس خبیث کی ہمت کیسے ہوئی ایسی بات کرنے کی، منہ توڑ دیتے آپ اس کا۔''

''تو کیا ملاحہ واقعی اس رشتے پر راضی ہے؟'' انہوں نے بدقت پوچھا۔ تو تائی جان کو کرنٹ سا لگا۔ جو بات وہ مبین صاحب سے چھپا گئی تھیں۔ وہ آج کھل کر ہی رہی۔

''وہ تو نادان ہے، ناسمجھ ہے مگر ہم تو آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتے نا۔'' انہوں نے مدافعانہ انداز میں کہا تو مبین صاحب نے گہری سانس بھری۔

''وہ صرف ہم سب کو نیچا دکھانا چاہتا ہے مبین صاحب! آپ اس کی باتوں میں مت آئیں۔ ایک طرف وہ مہرو کو کہتا ہے کہ اس کی نمیر سے طلاق کروانے کے لیے روپیہ اس کے اکاؤنٹ میں ڈالا ہے اور دوسری طرف اب شرط رکھ دی کہ ملاحہ اور کبیر کا رشتہ ہوگا تو وہ روپیہ واپس مل جائے گا۔ وقار کا بیٹا جس نے ہمیں برباد ہی اس پیسے کے لیے کیا ہے۔ وہ بھلا اس کے کہنے پر لوٹائے گا سارا مال۔''

''ہمیں تو بربادی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے اس لڑکے نے صدیقہ! اب بتاؤ جان اور عزت بچانے کا صرف ایک ہی راستہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولے تو صدیقہ بیگم آنکھیں پھاڑ کر ان کو دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز پر بالوں کو برش کر کے کیچر میں سمیٹتی مہرماہ چونکی۔

''آجاؤ۔'' ذہن میں کام والی کے آنے ہی کا خیال تھا مگر موحد کو اندر آتے دیکھ کر وہ دوپٹا پھیلاتی پلٹی۔

''جی فرمایئے؟''

وہ اس کے انداز پر مسکرا دیا اور پہلے حسب معمول نگار کے پاس گیا۔ سر پر پیار لیا اور دعائیں۔ مہرماہ لب بھینچے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ ان کا حال احوال پوچھ کر مہرماہ کی طرف مڑا۔

''کیسی ہو؟''

''شکر ہے اللہ کا، دشمنوں سے بچا کر رکھا ہوا ہے اس نے۔'' وہ خفیف سی ناک چڑھا کر بولی تو کوئی قابل دید ہی شے لگی۔ موحد بے ساختہ اس کی بات پر ہنسا۔

''تم نے گھر والوں کے سامنے میری حمایت کی، میری پرسنالٹی کا پازیٹو رخ ان کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی، اس کے لیے شکریہ۔'' اس کی اگلی بات نے مہرماہ کو بھک سے اڑا دیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"کیا بلواس ہے یہ؟"

"تم ہی نے تو ان سے کہا ہے کہ نمیر سے تمہیں آزاد کروانے کے لیے میں نے سارا پیسہ اسے دیا ہے۔" وہ زیرلب مسکرا رہا تھا۔

"اف......" مہر ماہ کا دل اس کا منہ نوچنے کو چاہا۔

"اگر تم ملاحہ والے معاملے میں ہمارے ساتھ فیئر نہ ہوتے تو میں تمہیں کبھی منہ نہ لگاتی موحد! حمایت تو دور کی بات ہے۔" وہ آنکھوں میں شعلے بھر کر بولی۔

"ہاہاہا...... بہت خوب۔" محظوظ ہو کر اس نے قہقہہ لگایا۔ بلیو جینز اور سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس وہ دیکھنے کی چیز لگ رہا تھا مہر ماہ تو پہلے بھی اس سے رشتہ داری پر اترانے کو تیار تھی اگر وہ دشمن اول نہ ہوتا تو۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں یہ رشتہ کروا سکتا ہوں تو؟"

"تو کیا؟"

"تو یہ کہ مجھے کیا ملے گا جواب میں......؟" وہ سنجیدگی سے شرارت کے موڈ میں تھا۔

"یہ تمہارا اور تمہاری بہن کا معاملہ ہے، تم جانو اور وہ جانے۔" مہر ماہ ان آنکھوں کی گہرائی سے خائف ہو کر رکھائی سے بولی۔

"اگر میں ان دونوں کا رشتہ کروا دوں تو کیا مجھے تمہارا رشتہ نہیں مل سکتا؟" وہ اس قدر اچانک بولا کہ پہلے تو مہر ماہ کی سمجھ میں بات ہی نہیں آئی اور جب آئی تب وہ ہنسنا شروع ہو گیا گویا مذاق کیا ہو۔ مہر کا جی چاہا کوئی شے اٹھا کر اس کے سر میں دے مارے۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" وہ تلملا کر پلٹی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اپنا دایاں ہاتھ ایک مضبوط مگر نرم سی گرفت میں پایا تو قدموں کے ساتھ دھڑکن بھی رک سی گئی۔

"مانا کہ اس کہانی میں موحد آفندی کہیں نہیں تھا مہر! لیکن اگر تم نے نمیر کو ٹھکرا دیا تب بھی کیا موحد آفندی تمہارے لیے قابل قبول نہیں ہوگا؟" مہر ماہ نے بے اختیار اس کا چہرہ دیکھا جہاں شرارت کی کوئی ہلکی سی بھی رمق موجود نہ تھی۔

"میرا دل بہت دکھا ہوا ہے موحد! اور یقین مانو میں تم دونوں کو ہی ٹھکرانا چاہتی ہوں کیونکہ ان دونوں ناموں نے مجھے فقط ستایا ہی ہے۔" وہ تلخی سے کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے زرنگار کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ موحد اس کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں بولا۔

"ملاحہ کو خوش خبری سنا دو جا کر مہر! کہ آفندیز نے کبیر خان کے ہاتھوں شکست تسلیم کر لی ہے اور اب اسے بارات لے کر آنے کا اذن دے دیا گیا ہے۔" مہر ماہ کو لگا اس کے کانوں نے کچھ غلط سنا ہے۔ بے اختیار موحد کو بے یقینی سے دیکھا تو اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تمہیں دیا ایک قول آج پورا ہوا مہر ماہ! اب یہ مت کہنا کہ انعام میری مرضی کا نہیں ہوگا۔ تم نے طلال کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ تمہارے سب راستے مجھ تک آتے ہیں۔" وہ بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے گہری بات کر گیا تھا لیکن مہر ماہ کچھ ایسی خوشی میں گھری تھی کہ بنا غور کیے موحد کے جاتے ہی صدیقہ بیگم کی طرف بھاگی تاکہ بات کی سچائی کا پتا چل سکے۔

☆☆☆

"بس کسی طرح یہ وقت گزر جانے دیں بھائی صاحب! آغا جان کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ نکاح

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کردیں ملاحہ کا۔ پراپرٹی واپس مل جائے تو نکاح کی کیا حیثیت ہے پھر۔" سہیل آفندی ملاحہ کو اپنی بیٹی سمجھتے تو ایسی بات منہ سے کبھی نہ نکالتے اور دولت کو اپنا دین ایمان سمجھنے والوں کے دل و دماغ پر تو مہریں ثبت ہوا کرتی ہیں۔ مبین آفندی کو کسی بھی بات پر کوئی اعتراض نہیں رہا تھا۔

"کبیر خان تو کیڑا مکوڑا ہے، بس ہاتھ میں آنے کی دیر ہے، اسے تو چٹکی میں مسل دیں گے ہم۔" سہیل آفندی کو بھی صرف مال ہی سے غرض تھی۔

مگر ہوا وہی کرتا ہے جو اللہ چاہتا ہے زمین والوں کی سازشیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

کبیر اور ملاحہ کی تقدیر کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھی تحریر والا صفحہ سامنے آچکا تھا اور اب کوئی ذات ماسوائے اللہ کے، اسے بدلنے پر قادر نہیں تھی۔

☆☆☆

آغا جان مکمل بیڈ ریسٹ پر تھے۔ ان کا کھانا اور ناشتہ بھی بیڈ روم میں ہی جاتا تھا۔ سو کبیر اور ملاحہ کا نکاح خاموشی سے کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

نئی بساط بچھائی جا چکی تھی۔ سب نے اپنے اپنے مہرے سیٹ کر لیے تھے۔ اب جیت کس کا مقدر تھی اور ہار کس کا نصیب، یہ اللہ ہی جانتا تھا مگر ان سازشوں سے پرے، دو دل مکمل طور پر، خالص محبت اور ایک دوسرے کی چاہت سے بھرے ہوئے تھے۔

کبیر اور ملاحہ کے دل۔

مگر کوئی ان کے لیے کیا سازش بن رہا ہے۔ اس سے وہ دونوں ہی بے خبر تھے۔

لاؤنج میں داخل ہوتا موحد آفندی پراسرار انداز میں مسکرا دیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فرزانہ کھرل

بہار آئی ہے

مکمل ناول

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ تینوں اس بات پر حیران تھیں کہ صبوحی کیا عجیب وغریب مزاج کی ہے۔ مجال ہے جو کوئی بھی قصہ یا واقعہ اسے حیرت زدہ کرتا ہو۔

''اُف اللہ.....کیا واقعی.....؟''

ان دو حرفی الفاظ کے ساتھ اس کا منہ حیرت سے کھل جائے۔ ایک دم ٹھس.....سپاٹ چہرہ..... بھلے آپ کہہ کے دیکھ لیں۔

''آج پڑوسن شیرنی کے ہاں ڈلیوری ہوئی تو بے چاری کا پیدا شدہ بچہ مرغی کا تھا۔''

''ہاں تو آج کل سب ہو رہا ہے ناں..... بھئی؟'' ٹکا سا جواب آتا اور ہم اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے۔

''ارے سنو تو صبوحی! جلدی آؤ، باہر دادی اور بھیڑیے کی لڑائی ہو رہی ہے۔''

''ہاں تو..... جو بندی صبح، شام عرفان چچا سے مقابلہ کر سکتی ہو، اس کے لیے بھیڑیے کا سامنا کرنا کون سا مشکل عمل ہے۔'' اس کے چہرے سے ایک دم بے زاری ٹپکنے لگتی۔

''اللہ.....آواز تو نیچی رکھو۔''

چچا کا ذکر اور اس قدر مناسب الفاظ میں..... آہم..... مطلب غیر مناسب الفاظ میں کرتی کہ ہم تینوں کے چڑیا جیسے دل کانپ اٹھتے۔

ایسے میں خود سوچیے کہ آج صبوحی کے چہرے کی اڑی رنگت، قیامت کی نشانیوں میں سے تھی کہ نہیں۔ کل یونیورسٹی میں ایسل کے ڈیپارٹمنٹ میں فنکشن تھا۔ وہ آج اپنی الماری کھنگال رہی تھی' وہ کوئی اسٹوڈنٹ نہیں بلکہ حال ہی میں لیکچرار کے عہدے پر فائز ہوئی تھی۔

ندا ہم چاروں سے چھوٹی تھی، وہ میڈیکل میں او ڈی ایس کے تیسرے سال میں تھی۔

ہم میں سے عالیہ، نالائق' لاپروا، لیزی ڈیزی قسم کی تھی سو بی اے کے بعد شادی کے انتظار میں تھی۔

ہم سب میں زیادہ خوب صورت، لائق فائق، جی دار، بہادر صبوحی تھی جو ڈاکٹر بننے کے بعد ہاؤس جاب کر رہی تھی۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی صبوحی کی چہرے چھائی حیرت کی، اس وقت یہ تمام خواتین ایسل تو قیر کے کمرے میں جمع تھیں کہ صبوحی کے پاس چائے کے ساتھ ایک بمباسٹک نیوز بھی تھی، سوائے عالیہ کے وہ تینوں رات کو چائے ضرور پیتی تھیں کہ ان کے ادھورے کام رات کو ہی مکمل ہوتے تھے۔

''او بی بی! اب بتا بھی چکو، ہمارے دل بیٹھے جا رہے ہیں۔ کہ آپ کو حالت سکون سے صرف اسرافیل صاحب کی محبت بھری سرگوشی ہی نکال سکتی ہے۔''

ندا کا تجزیہ سو فیصد درست تھا سو باقی دونوں نے بھی متفق ہوتے ہوئے سروں کو اثباتی جنبش دی۔ صبوحی ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کے کچھ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قریب ہوئی۔

"چچا اپنے کمرے میں ہیں اور بقول ہماری اماؤں کے ان کو تو اس خبر کی بھنک بھی نہیں پڑنا چاہیے۔ سمجھو کہ بات اسرائیل کی سرگوشی جیسی ہی ہے۔" وہ مزید دھیمے سے گویا ہوئی تو وہ تینوں ٹھٹکیں ضرور مگر بات کا سرا نہیں پکڑ سکیں، وہ اسے مجسم سوال بنی تک رہی تھیں۔

"آج شانزہ دادی اور ان کی بہو، حزام نوید کا پروپوزل لے کر آئی تھیں۔"

ایسل کے دل نے جیسے پہلی سانس لی تھی اور چہرہ پیلا پھول ہوا جا رہا تھا۔

"کک...... کیا...... مم...... مم...... مان ہی نہیں سکتے۔" عالیہ ہکلا کے رہ گئی تو صبوحی کا قہقہہ بلا ارادہ تھا۔

"دیکھو ایسی خبر سنائی ہے کہ عالیہ بہ یک وقت مرغی اور بکری بن چکی ہے اور ایسل کو دیکھو جیسے سامنے بدروح کھڑی ہو۔"

"اچھا مذاق چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ حزام کا پروپوزل ہم چاروں حسیناؤں میں سے آیا کس کے لیے ہے؟" ندا نے آہستہ سے کام کی بات کی تھی۔

ایسل نے دم سادھ لیا تھا کہ دل ہر مسام میں دھڑکنے لگا۔

"میں آج تم سے ملنے نہیں آئی مریم آپا! آج تو شانزہ خاتون تمہارے گھر اپنے پوتے کے لیے سوالی بن کے آئی ہے۔" صبوحی نے بات کرنے کا ہو بہو وہی انداز اپنایا تھا کہ اس قدر صبر آزما موڑ پر بھی باقی تینوں ہنس دیں سوائے ایسل کے۔

"ابھی بات ان کے منہ میں ہی تھی کہ ہماری اماؤں پر تو سمجھو سکتہ طاری ہو گیا، خیر قصہ مختصر کہ نہایت شریفانہ طریقے سے ان معزز خواتین سے معذرت کر لی گئی۔" ایسل کے کپ سے گرم چائے چھلک کر اس کے پاؤں پر پڑی تو بے ساختہ سسکاری سی نکلی۔

"تو کیا دادی کچھ نہیں بولیں؟" ندا نے حسرت و یاس میں ڈوب کے پوچھا۔

"دادی کو موقع ہی کب دیا گیا۔" اب صبوحی کے چہرے پر وہی ازلی سکوت چھا چکا تھا۔

"نیک نامی بھی کوئی چیز ہوتی ہے اماں۔" دادی کے ہلکے سے شکوے پر دوسری طرف بہوؤں کے پاس بھی بھاری شکوہ موجود تھا۔

"گویا کہ حزام کے پروپوزل کو منوں مٹی تلے دبا کر اس پر فاتحہ بھی پڑھی جا چکی ہے۔" ندا کا منہ ذرا سا نکل آیا تھا۔

"اب دلوں کے بھید تو اللہ جانتا ہے کہ شانزہ دادی نے ہم چاروں میں سے کس کے لیے دامن پھیلایا تھا۔" صبوحی نے خفیف سے کندھے اچکا کر بے تاثر انداز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں۔" ایسل نے تھکی سی آہ بھری۔

"میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ ان دونوں ساس بہو کا اپنا فیصلہ ہوگا، حزام کو تو پروپوزل کے آنے اور پھر رد ہونے کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ اس بندے نے کبھی ہمیں یا کسی خاندان کی لڑکی کو نگاہ بھر کے دیکھا ہو۔ اس کی ریپوٹیشن جس قدر بھی خراب ہو مگر بندہ نائس ہے۔" ندا کے اس بے لاگ تبصرے پر ایسل نے اسے بے دھیانی سے دیکھا تھا۔

"نگاہ تو اٹھتی تھی۔" اس نے نگاہ جھکا کے جیسے خود سے اعتراف کیا۔

"خیر جیسا بھی ہے، وہ وہاں خوش ہم یہاں۔ پیسہ ہضم، قصہ ختم۔" ندا نے جمائی روکتے ہوئے اپنے نوٹس کا پلندہ اٹھایا اور رفو چکر ہوئی۔

دس منٹ بعد وہ کمرے میں اکیلی تھی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے بیڈ پر پھیلے کپڑوں کے ڈھیر کو بے دلی سے پرے کیا، وہ جانتی تھی کہ کچھ ماہ پہلے اس کی فیملی دوبارہ ـــ پاکستان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آ چکی تھی مگر وہ اس کے بارے میں یا اس کی واپسی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ اس نے بیڈ پر گرتے ہوئے ایک تلخ سی آہ بھری۔

”حزام نوید! میں نے مان لیا کہ میرے بارے میں تم اچھی یادداشت کے مالک ہو، تو پھر وہ سب کیا تھا اور کیوں تھا؟“

نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ اس شخص کے لیے بھی اتنا روئی تھی کہ اب تو اس کی یاد میں اترنے والی نمی بھی آنکھوں کو غنیمت تھی۔ پیسہ واقعی ہضم ہونے والی چیز ہے مگر قصہ...... قصہ کہاں ختم ہوتا ہے۔

☆❀☆

اس نے حزام نوید کو جب پہلی بار دیکھا تو وہ عمر کے سولہویں سال میں تھی، ان کا خاندان پشتوں سے لاہور میں مقیم تھا۔ وہ لوگ پکے پنجابی تھے مگر حزام کی فیملی حال ہی میں کراچی سے یہاں شفٹ ہوئی تھی۔ شانزہ خاتون ان کی دادی کے تایا کی بیٹی تھیں اور

دونوں میں کچھ ایسا بہناپا تھا کہ دونوں عمر کے ہر دور میں ایک دوسرے کے رابطے میں رہیں کہ اب رابطہ خط وکتابت سے ہو کر ٹیلی فون پر ہوتا تھا۔ ان کے لاہور شفٹ ہوتے ہی دونوں ہی ملاقات کے لیے بے تاب تھیں۔ بالآخر پہل دادی نے ہی کی، دادی ڈرائیور کے ساتھ اکیلے سفر کرنے کو معیوب گردانتی تھیں اور پھر کچھ ان کو گاڑی میں بیٹھنے یا نکلنے میں تھوڑی سی مدد بھی درکار ہوتی تھی کہ وہ جہاں بھی جاتیں تو پہلے بہوؤں کو اور اب چاروں پوتیوں میں سے کوئی ان کے ساتھ ہوتی۔ ایسل ان دنوں میٹرک کے امتحانوں کے بعد فارغ تھی۔ باقیوں کی طرح دادی کو انکار نہیں کر سکی، ان کے لیے تحائف میں سوٹ خریدنے کے بعد وہ دادی کی کزن کے گھر آ گئی تھیں۔ وہ مارچ کی ایک خوش گوار سی شام تھی۔ حزام سمیت تمام گھر والے لان میں ہی براجمان تھے،

یوں ہی دوران گفتگو دادی نے اس کا نام لیا تو حزام نے چونک کے اسے بغور دیکھا تھا۔

”ایسل کا مطلب کیا ہے؟“ دادی سے مخاطب ہونے کے باوجود اس کی نگاہ ایسل پر ہی جمی تھی۔

”ترکی زبان میں ایسل کا مطلب چاندنی رات ہے۔“ نام کا مطلب بتاتے ہوئے دادی کے لہجے میں کڑواہٹ سی گھلی تھی، مطلب جان کے وہ مسکرایا۔

”یہ نام رکھا کس نے؟“ اب یہ سوال شانزہ خاتون کی طرف سے کیا گیا۔

”ایسل کے نانا مرحوم نے رکھا تھا، ہم میں سے تو کوئی بھی اس نام کے حق میں نہیں تھا مگر اس کے نانا ذرا ضدی مزاج کے تھے تو ہم سب نے ہی ہار مان لی۔“ دادی جیسے آج بھی صدمے سے چور تھیں۔

”واؤ...... کیا نائس شخصیت کے مالک ہوں گے۔“ حزام کی توصیفی نگاہیں اس پر ہی تھیں اور برا

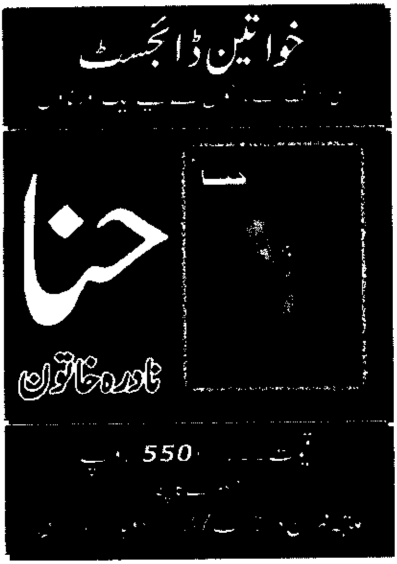

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوا اس دوست پل کا کہ جب ایسل کی جھینپی سی نگاہ اس سراہتی اور مسکراتی نگاہ سے الجھی تھی اور اس لمحے نے اسی دن انہیں ایک تعلق پیا باندھ دیا تھا۔ حزام اس سے پانچ چھ سال تو ضرور ہی بڑا تھا کہ ان دنوں وہ یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ تھا۔

چند دن کے وقفے سے دادی نے بھی انہیں ڈنر پر مدعو کیا تھا، سوائے حزام کے، ان کی فیملی نے یہاں کافی وقت گزارا تھا۔ دوسری بار چھ ماہ کے وقفے سے اس نے حزام کو ایک بک شاپ پر دیکھا تھا۔ اس دن وہ اپنی دوست کے ساتھ تھی۔

''واؤ، ہینڈسم۔'' ایسل نے دوستوں کے کمنٹس پر مڑ کے دیکھا تو دل خوش گواری سے دھڑکا۔ جانے کیوں وہ انہیں بتا نہ سکی کہ وہ اسے جانتی ہے اور وہ مسکراتی سی نظر تعلق نبھانے والوں میں سے تھی کہ وہ اس پر اک محتاط سی نظر ڈالتا آگے بڑھ گیا تھا پھر خاندان کی کسی نہ کسی تقریب میں بھی اس سے سامنا ہوتا تو اس کی نگاہیں بس لحہ بھر کو ایسل کا چہرہ چھو لیتی تھیں۔ آنے والے ایک، ڈیڑھ سال تک اسے محسوس ہونے لگا کہ کچھ تو ایسا تھا جو اس کے اور حزام کے بیچ احساسات کو نمو دے رہا تھا۔ پسندیدگی، دھیان یا پھر کچھ اور کہ اسے سامنے پا کر اس کا دل اس کے ہاتھوں سے نکلنے لگتا تھا۔

ان دنوں اس نے پہلی بار ناول خریدا تھا۔ وہ ''پیار کا پہلا شہر'' پڑھنے لگی تھی وہ اعتبار ساجد کی شاعری پڑھنے لگی تھی۔

☆❁☆

ایسل کے تایا محسن جن کی دو بیٹیاں صبوحی اور عالیہ تھیں پھر توقیر یعنی ایسل کے بابا...... توقیر سے چھوٹے نعیم چچا جن کی ایک بیٹی ندا، بہن سے کافی چھوٹا عاطف۔ اسکول سے آنے کے بعد جس کا تمام وقت مارکیٹوں کے چکر لگاتے گزرتا تھا اور سب سے چھوٹے چچا عرفان، جو اپنی سب سے بڑی بھتیجی صبوحی سے صرف دس سال بڑے تھے اور اب دو جڑواں بیٹیوں ...... حمنا اور عمنا کا باپ کہلانے پر مسرور ہوتے تھے نہ مغرور...... پھر ممنون ہونا تو بہت دور کی بات ہے، البتہ افسردہ ضرور ہوتے تھے کہ اللہ بیٹوں سے نواز دیتا۔

دادی سمیت یہ بھرا پرا خاندان ایک ہی حویلی نما گھر میں رہائش پذیر تھا لیکن یوں ایک ساتھ رہنے کی وجہ ان کا مشترکہ کاروبار نہیں تھا (کیونکہ کاروبار تھا ہی نہیں) گھر کے مردوں کے خیال کے مطابق آج کل کے حالات کے پیش نظر، الگ الگ رہنے سے جوائنٹ سسٹم کہیں فائدہ مند تھا۔ صبح صبح ایک گاڑی، ایک ڈرائیور پانچوں بچے نمٹا جاتے، یعنی ڈرائیور کی تنخواہ اور پیٹرول کی بچت تو تھی سو تھی مگر بقول چھوٹے چچا عرفان کے'' کہ ایک ساتھ لڑکیاں محفوظ بھی رہتی ہیں اور ایک دوسرے پر نظر بھی رکھتی ہیں۔

اب اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو عرفان چچا کو گھٹی کسی شیر یا چیتے سے دلوائی گئی ہوگی مگر اس استفسار پر دادی نگاہ چرا کے رہ جاتی تھیں۔ یہ جوائنٹ سسٹم جو اس بنا پر بھی خوب چل رہا تھا کہ محسن تایا اور نعیم چچا کی بیویاں سگی بہنیں تھیں۔ دوسری طرف مسز توقیر کے لاکھ منع کرنے اور ہزار بار بولنے پر بھی ان کی نہایت نازک، نفیس، پڑھی لکھی بھانجی سارہ کو جانے چچا کی کون سی ادا بھا گئی تھی۔ (سرخ انگارہ آنکھیں یا ان کی گونج دار آواز) کہ ادھر دادی نے رشتہ ڈالا اُدھر جھٹ سے ''ہاں'' اور مسز توقیر کا اس کارروائی کے بعد ایک ہفتہ لو بلڈ پریشر کی وجہ سے بیڈ پر ہی گزرا تھا۔ خیر ایک ماہ کے اندر اندر سارہ دلہن بن کے اس شان دار سی کوٹھی کی چوتھی بہو بن چکی تھی۔

چاروں لڑکیاں اس سانحے پر آٹھ آٹھ آنسو روئیں (توکل ملا کے بتیس تو ہو ہی گئے تھے) ایسل کا حساب اچھا تھا، وہ ہر چیز پل میں کاؤنٹ کر لیتی تھی، دادی کو یہ ظلم ڈھانے کے لیے کیا ایسل کی پیاری سی خالہ ہی ملی تھیں حالانکہ انہیں تو چچا کا رشتہ لے کر جنگل کا رخ کرنا چاہیے بھلے کسی لومڑی کا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انتخاب کرلیتیں جو چچا کی چالاکیوں اور سفاکیوں کا مقابلہ تو کرسکتی۔

شادی کی رات ان کا برا حال تھا کہ ابھی چچا کو کسی بات پر غصہ آیا اور بے چاری نئی نویلی دلہن، کیونکہ ان کا غصہ ناک پر کہاں زبان کی نوک پر دھرا ہوتا تھا۔ صبح ان کے بیڈروم سے ان سب نے تو سارہ آپی کی ہڈیاں چننے کا پروگرام بھی — بنالیا تھا کہ ان کے لمبے بال عالیہ کو چاہیے تھے۔ بدقسمتی سے چچا کا کمرہ بھی اوپر کے پورشن میں ہی تھا۔

دوسری صبح سب لڑکیاں لاؤنج میں اپنے بیگ پھیلائے بظاہر مصروف تھیں کہ چچا کو یہ عمل پسند تھا۔ پڑھائی وہ بھی صبح سویرے...... مگر اس صبح وہ بیڈروم سے باہر آئے تو فوری تیوریاں چڑھا کے لڑکیوں کو گھورا۔

''لو' مارخوروں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' ان کا تو دم نکلا۔

''گاتا تھا گانے' میرے سرہانے' ماموں کا بیٹا......'' ندا نے جھٹ سے چھوٹے عاطف کی بک اٹھائی جو کھولے بغیر پڑھ بھی لی۔ چچا اچانک ٹھٹکے اور ان خوش قسمت بھتیجیوں نے پہلی بار ان کے چہرے پر مسکراہٹ کی چھب سی دیکھی تھی، جو اگلے ہی پل دم توڑ چکی تھی اور اس کی جگہ غیرت لے چکی تھی۔ انہوں نے تیرہ سالہ ندا کو بغور دیکھا۔

''اب سرہانے کھڑا ہو تو مجھے بتانا' ساری زندگی کے لیے گانا بھول جائے گا۔'' وہ اسی موڈ کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگ گئے۔ انہیں ہوش آیا کہ وہ یہاں کیوں بیٹھی تھیں، چچا کے بیڈروم کا دروازہ دوبارہ کھلا، ان چاروں کی گردنیں ایک ساتھ گھومیں مگر ان کا صدمے کے مارے برا حال تھا، سامنے ہنستی مسکراتی سارہ کھڑی تھی۔

''میری نئی صبح کا پہلا استقبال کرنا ہی تھا تو چند پھول لے کے کھڑے ہونا تھا۔'' یوں ہی مسکراتی وہ ان کی جانب بڑھی۔

''آ...... آپ...... تو بالکل صحیح سلامت ہیں؟''

عالیہ نے اپنے چھوٹے چھوٹے بال چھوئے۔

''مجھے آپ کے کان بمعہ جھمکوں کے چاہیے تھے۔'' ندا نے بھی منہ بسورا۔

''اور مجھے آپ کے کنگن کلائیوں سمیت چاہیے تھے۔'' آخری مطالبہ سننے تک وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

''کیا ہے بھئی؟'' اس نے مسکراہٹ سمیٹتی صبوحی سے پوچھا۔

''آپ کو شیر کی کچھار سے صحیح سلامت نکلتا دیکھ کر جو حال ہونا چاہیے تھا' یہ سب اسی حال کا شکار ہیں ورنہ آپ کے حصوں کی تقسیم بندی بھی ہو چکی تھی۔''

سارہ کچھ دیر ان شرارتی چہروں کو دیکھتی رہی اور جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو دوسرے دن کی دلہن کے قہقہے کوٹھی کی چھت پھاڑ رہے تھے اور نیچے تشریف فرما ان کے شوہر غصے سے بل کھا رہے تھے۔

☆❁☆

اب ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی' ان کا تعلق کسی جاہل گنوار، اجڈ فیملی سے تھا ان کے دادا پنجابی تو دادی کا میکہ کراچی میں تھا۔ بھئی ہمارے پنجابی دادا پڑھی لکھی، منہ بنا سنوار کے اردو بولنے والی بیوی کے خواہش مند تھے سو ایک دوست کے توسط سے ان کی یہ مراد بر آئی (اب یہ نہ سمجھیے گا کہ لاہور تعلیم یافتہ عورتوں سے خالی تھا) بس قسمت کی بات تھی۔ تایا، بابا اور چچا سمیت سب ہی اعلا تعلیم یافتہ اور اچھی پوسٹس پر تھے۔

ان کی اکلوتی پھپھو لاہور کے نواح میں اپنے ددھیال میں بیاہی گئی تھیں۔ دادی نے اپنے تینوں بڑے بیٹوں کی شادیاں بھی پورا لاہور کھنگالنے کے بعد، مہذب اور سلجھے ہوئے گھرانوں میں کی تھیں مگر ان کی دوسری نمبر کی بہو سنز تو قیر، ان کے خاندان کی کیا بات تھی۔ ایسل کے نانا فارن سروس میں ہوتے تھے، اکلوتے ماموں بیوروکریٹ جن کی بیوی بھی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ایک نامور وکیل تھیں، خود ایسل کی ماں نے ٹیکسٹائل کیمسٹری میں اسپیشلائزیشن کر رکھا تھا اس لیے ایسل کا رکھ رکھاؤ اس گھر کے ماحول سے کسی طرح بھی میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کی ماں نے اس کی تعلیم و تربیت اپنے میکے کے ماحول کی سی کی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی بول چال، وضع قطع، گھر کی باقی لڑکیوں سے قدرے علیحدہ تھی۔ پوری فیملی میں عرفان چچا سنگین مزاج کے ساتھ رنگین مزاج بھی تھے۔ تعلیم یافتہ تھے مگر غیر تعلیم یافتہ کمپنی میں زیادہ خوش رہتے تھے، مختصر یہ کہ انہوں نے دنیا کو ہوا بنا کے سر پر سوار کر رکھا تھا۔ صبوحی نے جب میٹرک کیا تو یوں ہی گھر میں تایا، توقیر کے ساتھ صبوحی کا کالج میں ایڈمیشن کروانے کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے، باقی سب بھی وہیں موجود تھے۔

''لڑکی کے لیے میٹرک ہی کافی ہے، اب ان کے لیے بَر ڈھونڈیں۔'' چچا نے جانے کس لہجے میں بات کی تھی، بابا نے انہیں تحیر کے ساتھ دیکھا۔

''ابھی بَر ڈھونڈنے کی عمر نہیں ہے اس کی، ابھی ہم اس کے لیے پر ڈھونڈیں گے، جن کی بنا پر دنیا جیتی جا سکتی ہے۔ جن کی بنا پر ستاروں کو چھوا جا سکتا ہے۔ یہ دنیا جنگل ہے عرفان اور جنگل میں بے پرکی مخلوق حملہ آور کی زد میں پہلے آتی ہے، بھیڑ ہو کہ شیر۔'' توقیر اور نعیم نے بھائی کی بات پر جیسے سر دھنا تھا۔

''آپ دنیا کے اطوار بھی دیکھ لیں، معاشرہ کس قدر خراب ہو چکا ہے۔ آج کل لڑکی گھر سے باہر کہاں محفوظ ہے۔'' ان کے لہجے کا کھنچاؤ ہنوز تھا۔

''تمہاری بات سے بھی انکار نہیں۔ اللہ سب کو محفوظ رکھے، اب جن گھروں میں چور ڈاکو گھس آتے ہیں تو ذرا سوچو کہ کیا کیا تباہیاں مچا کر نہیں جاتے۔'' نعیم کی اس بات پر سب کی نگاہیں پل بھر کو جھک گئی تھیں اور دل لرز کے رہ گئے۔

''گھر ہو یا بازار، ہر جگہ اللہ سے امان طلب کرتے رہنا چاہیے کہ معاشرے کے خوف سے گھر میں گھس کر بیٹھنے سے اللہ پر توکل کہیں بڑی چیز ہے۔'' محسن تایا نے اس بات کے ساتھ ہی محفل برخاست کر دی تھی۔ صد شکر کہ اس کے بعد عرفان صاحب نے ان کے تمام تعلیمی ادوار میں زبان ضرور بند ہی رکھی مگر ان پر نگاہ اس طرح رکھی کہ ایسل کے ہاتھ میں ناول دیکھ کے چچا کے چہرے پر ایسا تاثر ہوتا جیسے اس کے ہاتھ میں بچھو دیکھ لیا ہو۔

☆❁☆

وہ موسم بہار کی ایک غنودگی بھری سہ پہر تھی جب دادی نے ایک عرصے بعد ایسل کو اپنے ساتھ نوید ولا جانے کے لیے کہا، اس کی تو مجھو مراد بر آئی تھی۔ بلاشبہ وہ بڑی سرمست سی عمر تھی۔

دادی کی کزن یقیناً بیمار تھیں جو انہوں نے راستے میں ڈھیر سارے پھل خرید ڈالے پھر ایسل کے کہنے پر ایک خوب صورت سا بکے بھی خرید لیا۔ تمام پوتیوں میں سے دادی کو اس کی خود اعتمادی اور بات چیت کا انداز بے حد بھاتا تھا، وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ شانزہ خاتون تو بھی چنگی تھیں مگر حزام ایک معمولی سے ایکسیڈنٹ میں خاصا زخمی ہو گیا تھا۔ دادی تو شاید باخبر تھیں، سو جاتے ہی حزام کی مما سے اس کی خیریت دریافت کی، اب وہاں دونوں بزرگ خواتین جانے ماضی کے کون سے قصے چھیڑ بیٹھی تھیں اور وہ بور ہو رہی تھی کہ بات کرتے ہوئے دادی کی نگاہ اس بکے پر پڑی۔

''مجھ سے تو سیڑھیاں چڑھی نہیں جاتیں، تم میری طرف سے بھی اس کی خیریت پوچھ لینا اور یہ بکے بھی لیتی جاؤ۔''

پہلے تو وہ کچھ متامل سی ہوئی۔ ''لو...... اب میں ایسی بھی جھینپو نہیں ہوں۔'' سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ کچھ نروس سی تھی۔ ''اب کیا پورا بکے لے جاؤں اتنا بڑا......'' دروازے کے پاس رک کر اس نے اس میں سے دو گلاب کی ٹہنیاں نکال لیں یا شاید تین پھر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پلیٹ کے بکے ٹیبل پر رکھا۔ مگر کمرے میں جا کر اس کی خود اعتمادی ہوا ہوگئی کہ اسے دیکھتے ہی مریض کی جون ہی بدل گئی تھی۔ بولتی ہوئی آنکھیں تو سنی تھیں مگر وہ چہرہ بھی کیا خوب بولتا تھا۔

"مجھے دادی نے کہا کہ میں آپ کا حال پوچھ آؤں۔"

اب وہ بیڈ سے قریبی صوفے پر بیٹھی نروس ہو چکی تھی (کہ صوفہ کچھ زیادہ ہی قریب تھا)۔ مخاطب نے نگاہ ایسل کے ہاتھ میں پکڑے گلابوں سے ہٹائی اور اسے غور سے دیکھا جس کے چہرے پر ایک بہار سی اتری ہوئی تھی۔ ایک ہلکی سی چہکتی ہوئی سی بات کھلکھلا رہی تھی۔

"کہ میں اک جملہ نہیں ایک مکمل داستان بن جاؤں گی، جو سنائی جاتی ہے جو سنی جاتی ہے۔"

اس لڑکی کی وہ عمر ایک خوب صورت جملے کی مانند تھی جسے بولا نہیں جاتا، سمجھا جاتا ہے۔

حزام اب سنجیدہ اور سمجھنے کی عمر میں آچکا تھا اور سامنے بیٹھی لڑکی کی عمر اک زمانہ فنا کرنے جیسی تھی، وہ ایک جملہ سن کے آگے نہیں پڑھنا چاہتا تھا۔ دل عجب بے مہار تھا، جس نے کچی کچی سی کہانی کے چند الفاظ پڑھے تھے اور انہیں ایک خاص مقام پر لکھ بھی لیا تھا کہ وہ شخص حیران دیکھتا ہی رہ گیا۔

"اٹس او کے۔" وہ اٹھنے لگی۔

"ارے بیٹھیے تو......" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "ہاں تو دادی نے آپ سے میرا حال پوچھنے کو کہا تھا؟" وہ شریری حیرت کے ساتھ بولا۔ "تو پھر پوچھا کیوں نہیں؟" اس نے ایسل کی آنکھوں میں دیکھا اور وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

"میں کہہ دوں گی آپ ٹھیک ہیں۔" ایسل نے سر اٹھایا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا واقعی؟" حزام کا لہجہ اپنی داستان کا پہلا صفحہ سنانے جیسا تھا مگر اس لڑکی کے پاس جمع شدہ الفاظ ابھی کچے تھے ٹوٹنے جیسے سہمے ہوئے سے کہ وہ داستان سنانے کی عمر میں ابھی نہیں آئی تھی سو وہ ان کہی باتوں کو قرینے سے سمیٹتی کھڑی ہوئی۔

"یہ گلاب دادی نے دیے تھے...... میرا مطلب کہ بکے بھی تھا۔" وہ ایک بار پھر گڑبڑا گئی۔

"اف دادی اور گلاب......" اس کا چہرہ تپ سا گیا، اس کے کھلے بال لہریے دار تھے ان پر نگاہ ٹھہری سی جا لگی تھی۔ وہ حواس گم کرنے جیسا لمحہ تھا کہ وہ دیکھتا رہ گیا ان گلابوں کو، اور اس کا دل چاہا وہ اپنی داستان کا دوسرا صفحہ پڑھنا شروع کر دے۔

"چلو مان لیتے ہیں کہ حال دادی نے پوچھا تھا، مگر یہ دو گلاب اپنے حساب میں ہی رکھ لو۔" وہ زیر لب مسکرایا۔

وہ دو گلاب نہیں تھے وہ کچی عمر کی شرارت اور پکی عمر کے عذاب تھے۔ وہ پہلو کے بل ذرا سیدھا ہوا اور آگے کو جھک کے اس کے ہاتھ سے گلاب لے لیے، وہ نہیں جانتی تھی کہ آنے والی کسی بہار میں وہ اس لمحے کا حساب کتاب مانگنے کبھی مقابل بھی آسکتا تھا یا پھر عمر کے اس حصے میں کبھی احساس ہی نہیں ہوتا۔ خواب شیشے کے ہیں یا پتھر کے، جیسے عمر کے اس حصے میں کچھ بھی ٹوٹنے جیسا نہیں لگتا، بکھرنے جیسا نہیں لگتا بھلے وہ نرم لہجوں میں کی گئی کانچ سی بات ہو۔ بھلے وہ بہار کے گلاب ہوں یا پھر وہ کچی عمر کے بے مہار سے خواب ہوں۔

☆❁☆

"ایسل تمہارے ہاتھ میں ناول کیوں ہے؟"

چچا کو جب اندازہ ہوا کہ وہ ناگ نہیں کتاب ہے تو کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔ جانے انہوں نے کس سمت سے چھاپہ مارا تھا اور وہ ایسے ہی دبے پاؤں راستے بدل کے آتے تھے۔ پتا نہیں وہ چور دروازوں سے کیوں آتے تھے، انہیں کون سے وہم ستاتے تھے تاہم وہ سر پر پہنچے اور ایسل کے تینوں پہرے دار اسے خبردار بھی نہ کر سکے۔

ان دنوں وہ یعنی ایسل، حزام نوید کی محبت میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بری طرح گرفتار تھی، اس کے قدم زمین پر نہیں پڑتے تھے مگر اب اس کی سانس آسمان کی طرف ضرور پرواز کرنے والی تھی کہ اس کے ہاتھ میں آج "پیار کا پہلا شہر" نہیں "منٹو کے افسانے" تھے، جو انہوں نے ہاتھ بڑھا کے جھپٹ لیا تھا اور مصنف کا نام پڑھتے ہی ان کا چہرہ بہ یک وقت زرد اور سرخ ہوا۔

"وہ...... یہ مطلب کورس کی کتابوں میں شامل ہیں۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیر کے سفید جھوٹ بولا۔

"یہ افسانے اب کورس کا حصہ ہیں؟" وہ پھنکارے۔ "غضب خدا کا کوئی شریف آدمی اپنی بچیوں کو اب پڑھا بھی نہیں سکتا۔"

کئی پل کے توقف کے بعد انہوں نے کچھ کہا بھی تو کیا کہ میری سانس دل میں اٹکی۔ یعنی وہ کھلم کھلا اس کے بابا کو بدمعاش کہہ رہے تھے۔ وہ مڑے اور اس کے پہرے پر تعینات ندا کو بلاوجہ گھورا، جس میں اب کوئی رمق بھر ہی توانائی رہ گئی تھی۔

"لو...... اور سنو! اب اس عمر میں لڑکیوں کے ہاتھوں میں ناول نہیں تو کیا بندوق ہوگی۔ تمہارے ہاتھ میں ناول کیوں؟" شوہر کی نقل اتارتی سارہ نے باپ کارن کا باؤل سامنے ٹیبل پر پٹخا اور چچا جنہیں چند قدم آگے جا کر یاد آیا تھا کہ وہاں تو بیوی بھی براجمان تھی، انہی قدموں پر لوٹ کے بیوی کے ارشادات سن چکے تھے۔

"بجائے انہیں سمجھانے کے کہ یہ عمر اس طرح کی فضول کتابیں پڑھنے کی نہیں، الٹا ان کی طرف داری کر کے ان کا دماغ مزید خراب کر رہی ہو۔"

اور لفظ مزید پر ان لڑکیوں کو علم ہوا کہ وہ پہلے سے خراب ہیں۔ صبوحی نے خاصے مزے سے گردن اکڑائی۔

ایسل کا سر بھی قدرے فخر سے بلند ہوا، یعنی خراب چچا کی خراب بھتیجیاں......

"یہ ناولز پڑھنا، شعراء کو پڑھنا، یہ گیت، یہ غزلیں...... یہ سب اسی عمر کے مشاغل ہیں عرفان صاحب! جب منہ میں دانت نہ ہوں تو "پیار کا پہلا شہر" کون پڑھے گا تب صرف آخرت کی فکر ہوتی ہے۔"

اور چچی کی اس قدر بہادری انہیں گیدڑ بنا چکی تھی کہ ندا اور عالیہ ایک ساتھ باتھ روم میں گھسیں، یعنی واقعی خراب چچا کی......

"اوں...... ہوں......" بہادر صبوحی نے بھاگتی ایسل کا ہاتھ کسی ہیرو کی طرح ہی پکڑ لیا تھا۔ مطلب فساد کی جڑ یہیں ٹھہرو۔

"یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے سارہ! ہر بات کے بیچ میں مت آیا کرو۔" الفاظ و انداز اس قدر سرد، انہوں نے کسی منجھے سیاست دان کی طرح سارہ کو تنبیہ کی۔

جواباً چچی کی آنکھوں میں بھی باغی لیڈر کے جیسی بے آواز پھنکار تھی کہ "آؤں گی اور ضرور آؤں گی۔" چچی جو شادی کے شروع دنوں میں خود کو امامہ ہاشم سمجھتی تھیں اور ایک سنگین واقعے کے بعد وہ اس خوش فہمی سے نکل آئی تھیں۔ اب گزرتے وقت کے ساتھ وہ خود کو فلم "محبتیں" کا شاہ رخ خان سمجھنے لگی تھیں تو اس میں بھلا قصور کس کا تھا۔ اب پتا نہیں انہوں نے کتنی مدت تک خود کو اس عہدے پر فائز رکھنا تھا۔

قصہ کچھ یوں تھا کہ سارہ شادی کے بعد کچھ یوں مسرور اور مغرور تھیں جیسے ان کی شادی عرفان چچا سے نہیں، سالار سکندر سے انجام پا چکی ہو مگر ان کی قسمت کچھ اچھی تھی کہ شادی کے چند ہفتوں بعد خواب ٹوٹ گیا کہ یہ بندہ سالار سکندر نہیں، عرفان حسنین ہے۔

اس دن گھر کے کچھ لوگ ابھی جاگ رہے تھے اور کچھ پہلی اونگھ میں ہوں گے تو اچانک اس نوبیاہتا جوڑے کے کمرے کا دروازہ اک دھاڑ سے کھلا،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ساتھ ہی چچا کی بھاری آواز میں لاحول ولا قوۃ جیسے الفاظ۔ان معصوم بھتیجیوں کے کانوں میں بھی پڑے، اب کسی کی نیند کہاں باقی رہ سکتی تھی۔ کچھ اوپر کو بھاگے جیسے کہ توقیر اور مسز توقیر...... دادی سمیت باقی لاؤنج میں نکل آئے تھے۔

''محترمہ کا فرمان ہے کہ کمرے میں موجود چھپکلی ماردیا باہر نکالو تو میں صبوحی کو بلانے نکلا تھا۔'' باہر کھڑے ہجوم کو انہوں نے سرخ نگاہوں سے دیکھا کم، گھورا زیادہ...... تو باہر کھڑے ہجوم کی سانس بحال ہوئی اور دانت منہ کے اندر گھسائے کہ نقص امن کا خطرہ تھا۔

''تو اس میں اتنا گرجنے برسنے کی کیا ضرورت تھی، بہو بے چاری نے کون سا سانپ نکالنے کو کہا تھا۔'' دادی نے نچلے لاؤنج سے خوب ہانک لگائی۔

''کاش کہ سانپ ہوتا......'' چچا نے سر جھٹک کے ہاتھ پہلوؤں پر رکھے، سارہ مزید دہل کے اپنی خالہ کے قریب ہوئیں۔

''اب مجھ پر اتنا برا وقت آ گیا ہے کہ میں ایک کمزوری چھپکلی کے پیچھے بھاگتا پھروں۔'' کیا جیتے جیسا انداز تھا کہ سارہ کی آنکھوں سے آنسو تک خشک ہوئے۔

''ہائے سالار سکندر تم کہاں ہو؟'' لڑکیوں کا دل چاہ رہا تھا کہ لاہور کی سڑکیں چھانتے ہوئے اسے کہیں سے ڈھونڈ نکالیں۔

''اُف، عمیرہ احمد! امامہ ہاشم واحد خوش نصیب کیوں، اور ہم سب محروم......''

اللہ اللہ کرکے کوئی رات کے ڈھائی بجے تک چھپکلی مار صبوحی نے اس ولن قسم کی چھپکلی کو ٹھکانے لگا ہی دیا تھا تب تک چیتا مار چچا لاؤنج میں صوفہ کم بیڈ پر سکون کے ساتھ سوئے خراٹے لے رہے تھے۔

☆❀☆

اس سرمست سی پہر کے بعد ایسل کا حزام سے سامنا نہیں ہوا تھا، دادی نے نوید ولا کے دو چار چکر لگائے بھی تو اس نے دادی کو ندا کو لے جانے کو کہا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو حزام کے بارے میں اڑنے والی افواہیں بھی تھیں کہ ایسل کی ماموں زاد صبا اسی کلب کی ممبر تھی جہاں حزام کی ممبر شپ تھی۔

''خبر ابھی اتنی عام نہیں ہوئی مگر سنا ہے کہ جن لڑکوں نے کسی ماڈل گرل کو کڈنیپ کیا ہے ان میں حزام کا نام بھی لیا جارہا ہے۔'' صبا نے اسے دھیمے لہجے میں بتایا، ایسل کا دل برف کی طرح پگھلا۔ وہ آج ماموں کے گھر صبا کی برتھ ڈے پر مدعو تھے۔

''مگر ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں کہ ایک ہفتہ بعد خبر منظر عام پر آہی گئی تھی۔ حزام بھی شامل تفتیش ہوا مگر وہ الزام اس پر جھوٹا ثابت ہوا تو دادی نے بھی شکر کا کلمہ پڑھا تھا مگر شاید ٹھیک کہتے ہیں کہ بد سے بدنام برا، تو صورت حال کچھ ایسی ہی تھی۔

''شائزہ خاتون کا پوتا دیکھنے میں کیسا بھلا مانس سا تھا۔'' تائی فائزہ نے سوال کردیا تو جیسے سب کو موقع چاہیے تھا۔

''ایلیٹ کلاس میں تو وہ اندھیر مچا ہے کہ حد نہیں۔ بس اماں اب آپ کے ساتھ لڑکیاں نوید ولا نہیں جایا کریں گی۔'' یہ تبصرہ اور یہ حکم عرفان کا تھا۔ ایسل کا دل بیٹھ سا گیا۔

''کاروباری مخالفین بچے کی ساکھ خراب کرنا چاہتے تھے، حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' دادی نے دبے لہجے میں اس کی طرف سے صفائی پیش کی۔

''جس قماش کے اس کے دوست ہیں' میں سب جانتا ہوں۔'' چچا کا لہجہ تپ سا گیا۔

''اور جس قماش کے تمہارے دوست ہیں' میں بھی جانتی ہوں۔'' دادی بھی کہاں پیچھے ہٹنے والی تھیں۔ چچا نے بوکھلا کے بھتیجیوں کو دیکھا۔

''اماں! یوں لڑکیوں کے سامنے آپ مجھے ایک غیر شخص کے لیے......'' چچا سرخ چہرے کے ساتھ بھنا کر بولے۔

''وہ میرا پوتا ہے عرفان! میں اسے تمہارے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جتنا ہی جانتی ہوں اور جہاں تک تمہاری بھتیجیوں کی بات ہے تو وہ اس قدر بھولی نہیں ہیں۔" دادی کی اتنی صاف گوئی' چچا تو جیسے اچھل کے کھڑے ہوئے تھے۔

ان ہی دنوں پھپھو نے شازمہ کی شادی کی تاریخ مقرر کردی تھی تو حزام والا معاملہ جیسے ہم سب کی گفتگو میں دب کر رہ گیا، ان کا بھی کسی فرسٹ کزن کی پہلی شادی تھی، سو جوش وخروش دیدنی تھا۔ دادی بھی اپنی اکلوتی نواسی کے لیے خوب شاپنگ کررہی تھیں۔

ایک روز شاپنگ کے دوران ایسل نے سرسری سا لہجہ اپناتے ہوئی صبا سے حزام کی بارے میں بات کی تو اس کے جواب نے اسے ششدر سا کردیا۔

"یہ سچ ہے کہ کچھ مخالفین ان کی ساکھ خراب کرکے ان کا اچھا بھلا بزنس تباہ کرنا چاہتے ہیں مگر میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ وہ ہی لوگ یہاں بھی دشمنی دکھارہے ہیں جن کی وجہ سے نوید انکل کراچی چھوڑ کے یہاں سیٹل ہوئے تھے ورنہ کہاں کراچی اور کہاں لاہور۔"

صبا کی بات میں وزن تھا، اس کا دل ڈوبا کہ معاملہ واقعی گمبھیر تھا ورنہ اپنا گھربار اور جما جمایا بزنس چھوڑ کے آنا کوئی آسان تو نہیں تھا۔ ان دنوں سرد موسم میں بھی اسے پسینے آتے تھے، اپنا دل ٹٹولتی۔ ابھی میں اتنا آگے نہیں بڑھی تھی مگر اس کا دل بھی جیسے خاموش سا ہوچکا تھا جو اسے صحیح دلو پر ڈال رہا تھا نہ اس راہ سے واپس آنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

☆❁☆

یہ وہ وقت تھا جب اس کے تھرڈ ائیر کے امتحانات ہورہے تھے جن کے اختتام کے دو دن بعد شازمہ کی شادی تھی۔ وہ شدید سردیوں کے دن تھے، وہ کالج سے باہر آئی تو دادی کو گاڑی میں موجود پایا۔

"اف، اب دادی کا ارادہ بازار جانے کا ہوگا۔" مگر وہ بنا کسی پوچھ گچھ کے بیٹھ گئی۔ موسم ٹھنڈا ہونے کی بنا پر گاڑی میں ہیٹر آن تھا، آج کل تو اس کی نیند بھی پوری نہیں ہورہی تھی۔ وہ ذرا ٹیک لگا کے بیٹھی تو نیند میں اترنے کا پتا ہی نہیں چلا کہ پھر دادی کے ٹہوکا دینے پر ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔

اس نے سر اٹھایا اور متحیر سا ہو کے نوید ولا کے شاندار گیٹ کو دیکھا، وہ خود بھی کم حیثیت کے نہیں تھے مگر دادی کی کزن کا سسرال ایلیٹ کلاس میں شمار ہوتا تھا۔

"یہ تم کیا کوے میں چلی گئی ہو؟" دادی کی ڈانٹ پر اسے اترنا ہی پڑا۔

جانے کیوں آج اس شاہانہ گھر میں آ کے اس کا دل خوش گواری سے نہیں دھڑکا تھا یہ کیسے لوگ تھے اور وہ کیا معمہ تھا جسے حل کیے بنا وہ چار سال قبل یہاں آنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ وہ اپنی سوچوں میں گم ست قدموں کے ساتھ ہی گھر کے رہائشی حصے میں آئی۔

"میں اور شائزہ جیولر کے پاس جارہے ہیں، ایک گھنٹے تک آجائیں گے۔" اسے مطلع کرنے کے ساتھ ہی دادی نے باہر کا رخ کیا تھا۔

"تم یہاں اپنے گھر کی طرح ہی آرام سے بیٹھو، عدم (ملازم) گھر پر ہی ہے۔" شائزہ خاتون نے اس کا زرد چہرہ نرمی سے چھوا۔

"چلو شکر ہے" اسے کچھ سکون محسوس ہوا کہ گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔

عدم دس گیارہ سالہ بچہ تھا جو پندرہ بیس منٹ بعد جائے کے ساتھ جانے کیا کچھ اٹھالایا تھا مگر اس کی بھوک اتنی نعمتیں دیکھ کر بھی نہیں جاگی تھی۔

اس نے سینٹر ٹیبل پر دھرا میگزین اٹھایا ہی تھا کہ عقب سے زینہ اترنے کی دھپ دھپ ابھری، اس کا دل کسی اندھیرے میں ڈوبا، بھلا دل سینے میں کہاں دھڑک رہا تھا بلکہ آس پاس اور کھڑکیوں دروازوں پر پٹاپٹ بج رہا تھا۔ اگلے لمحے وہ اس کے سامنے نہایت مہذب انداز میں براجمان تھا۔ ایسل

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے اپنی بھیگی پیشانی کو چھوا۔

"آج مجھے بھی میری دادی نے کال کر کے کہا ہے کہ آپ کا حال پوچھ لوں۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے بغور اسے دیکھ کے کہا تھا، اپنے مخصوص مسکراتے، ٹھہرے ہوئے لہجے میں، جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔

وہ ادھر اُدھر دیکھتی جیسے وہاں تھی ہی نہیں، حزام نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ سمجھ رہا تھا' دیکھ رہا تھا کہ آج اس تروتازہ سے چہرے پر وہ چمکتی سی تحریر مٹی مٹی سی، بجھی بجھی سی تھی' تو کیوں تھی؟

"لگ رہا ہے کہ دادی نے آج آپ کو کالج سے کڈنیپ کیا ہے۔" اس نے بات بڑھانے کی غرض سے ایک اور سوال کیا اور لفظ کڈنیپ نے جیسے ایسل کے دل میں ہل چل مچائی تھی۔ وہ اس کے یونیفارم سے بھانپ چکا تھا۔

ایسل نے اسے بے ساختہ اور عجیب سی نگاہوں سے دیکھا جس میں شک بھی تھا' شکوہ بھی۔

حزام کی نگاہ میں سنجیدگی اتری کہ بات اب ایک محتاط سی نگاہ سے کب کی آگے بڑھ چکی تھی جس دن اس نے اپنی داستان کا پہلا صفحہ اسے سنا دیا تھا۔ آج ایسل کے انداز میں خود اعتمادی تھی، نہ اس نے نگاہ چرائی نہ سامنے بیٹھے شخص نے نگاہ بدلی تھی کہ ان دونوں میں اب ایک بھولی بسری نگاہ کا تعلق نظر کے ارتکاز تک آ پہنچا تھا اور سامنے بیٹھے شخص کی آنکھیں اچھی یادداشت کی مالک تھیں' اگرچہ آج بھی ایسل کے پاس کانچ سے کچے لفظوں ہی کا انبار تھا مگر اس کی آنکھوں میں جھلکتا سوال جیسے پتھر سا تھا۔

"میں اچھا بھلا سو رہا تھا کہ دادی کی کال آئی کہ گھر میں موجود مہمان میرے آنے تک تمہاری ذمہ داری ہے۔" وہ ان آنکھوں کے سوال اور شکوے نظر انداز کرتا یوں بے نیازی سے گویا تھا کہ وہ کلس کے رہ گئی۔

اس جمے ہوئے موسم میں بھی اس کے لہجے کی رُت ایک دم تروتازہ سی ہوئی تھی کہ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ اچانک اٹھا اور اس نے ایک قیمتی نفیس سی پلیٹ میں تھوڑی سی نمکو ڈالی اور اس سے قریبی صوفے پر ہی براجمان ہوا، ایسل کے چہرے کا رنگ اڑا۔

"اگر میں اس قدر خراب بندہ ہوتا تو میری دادی مجھے گھر سے جانے کا حکم دیتیں نا کہ تمہیں کمپنی دینے کے لیے مجھے فوراً کمرے سے باہر آنے کا حکم ملتا۔" اس کا لہجہ مضبوط اور شفاف تھا کہ ایسل کی پلکیں کپکپا کے رہ گئیں۔ موسم صرف لہجے کی حد تک نہیں بدلا تھا، اس کی گلابی سے آنکھوں میں بھی پہلے سی سرشاری سمٹ آئی تھی (یہ کس قدر چالاک ہے، نمکو لینے کا تو بہانہ تھا) اس کے یوں قریب آ کے بیٹھنے سے اسے الجھن سی ہو رہی تھی۔

"تمہاری نگاہ کا شکوہ مجھے اچھا لگا ہے۔" وہ پھر سے سنجیدہ ہوا اور لہجے کی اس تازہ سی رُت کو آنکھوں کی راہ دکھائی۔ "میں اتنا اچھا انسان نہیں ہوں مگر اتنا برا بھی نہیں ہوں کہ تم ہمارے گھر آنا ہی چھوڑ دو۔"

اب شکوہ کرنے کی باری اس کی تھی اور آنکھوں کا شاداب سا موسم ایسل کے چہرے پر اثر پذیر ہو رہا تھا کہ کئی دنوں سے خاموش دل نے بولنا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ اور کس طرح واضح کرتا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اس پہلی نگاہ کے لمحے میں بندھا ہوں، اس نے ایسل کے ذرا سمٹے بالوں کو بغور دیکھا۔

"اور یقین کرو اگر زندگی میں کسی لڑکی کو کبھی کڈنیپ کرنے کا پلان بناؤں گا تو وہ تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہوگی۔" ایسل نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"جی۔" وہ متوحش سی ہوئی۔

"جی......" وہ اس کی حواس باختگی پر کھل کے ہنسا تھا اور پلیٹ میز پر رکھ کے اک الوداعی سی نگاہ ڈالتا لاؤنج کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھا،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ایسل نے جیسے اک آزاد سا سانس بھرا...... کہ دل یکا یک ہلکا پھلکا سا ہو کے دھڑ کنے لگا تھا۔

☆❁☆

''آپا کو اس آدمی میں سوائے دولت کے ایسا کیا نظر آیا کہ بیٹھے بٹھائے رشتہ بھی طے کر دیا اور شادی کی تاریخ بھی فائنل کر لی۔'' چچا نے یہاں بھی کیا خوب معصوم سا نقص نکالا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کے مسکرائیں ورنہ دل تو قہقہہ لگانے کو چاہا تھا۔

ان کی اکلوتی پھپھو کافی سے زیادہ بھاری بھرکم وجود کی مالک تھیں، اب رشتہ تو بیٹھے بٹھائے ہی طے ہونا تھا اب وہ کس طرح بھاگ بھاگ کے شادی کی تاریخ طے کرتیں یعنی کہ یہاں بھاگ دوڑ کا کام ہی کیا تھا مگر چچا...... دادی نے اس بات پر تیوریاں چڑھا کے بیٹے کو گھورا۔

''شازمہ کے معاملے میں تمہاری بہن نے تمہیں ہر بار بیچ میں ڈالا، اب گیارہویں بار بھی تم معاملے میں پڑتے تو اس کا انجام بھی پچھلے دسویں جیسا ہونا تھا میاں! ارے میں پوچھتی ہوں دنیا کا کوئی مرد تو عرفان صاحب کی نظروں میں اچھا اور پارسا ہوگا بھی کہ نہیں، سب کو اپنے جیسا سمجھنا چھوڑ دو میاں۔''

''اللہ...... دادی کے اندر چار دل اور دو کلیجے تو ضرور ہی ہوں گے۔'' وہ ہر بار کی طرح سوچ کے رہ گئیں۔ اب چچا کا چہرہ لال تندور اور سارہ چچی اپنی ساس کو چٹا چٹ نگاہوں سے چوم رہی تھیں اور وہ دادی کے ہاتھوں کو (جو چچا کے سامنے بنا تامل آئینہ جو رکھتے تھے)۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ دادی نے آج لنچ پر شازمہ کے ہونے والے شوہر کو مع اس کی فیملی کے مدعو کیا تھا اب ہمارے دیکھنے میں تو ہمارے بہنوئی جواد صاحب خوش گفتار اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ خاصے حسن پرست بھی تھے۔ مجال ہے جو تمام وقت وہ ہم چاروں سالیوں پر سے نگاہ ہٹا پائے ہوں۔ اب اس میں اس کا کیا قصور کہ خدا نے ہمیں کچھ زیادہ ہی فرصت سے بنایا تھا۔ ہاہاہا۔

کسی کے گھر میں بیٹھنے کے طور طریقوں سے بھی واقفیت ہونی چاہیے اماں! مجال ہے جو ذرا نگاہ جھکا کے بیٹھا ہو۔''

''اُف......'' اب اگلی باری ان کی تھی کہ یوں منہ اٹھا کے بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی سو کھسکنے میں ہی عافیت تھی۔ صبوحی تو پہلے ہی جا چکی تھی ایسل، ندا اور عالیہ بھی آگے پیچھے اور رخ اوپر کی طرف۔ وہ چونکہ کل نوید ولا سے ہو کے آئی تھی تو کل اس کی حالت غیر تھی۔

تو لاکھ چلے رہے گوری تھم تھم کے
پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے

آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر گیت کا جادو سر چڑھ کے بول رہا تھا اور اسی گیت کے زیر اثر...... وہ اپنے عقب سے بے خبر تھی۔

''تو پیا سے مل کے آئی ہے''

یہ سُر لگانے کے ساتھ ہی میں نے خیالی پائل بھی چھنکائی اور ذرا سا لہرا کے جوں ہی ترچھے رخ ہوئی، جادو کا اثر تو پل میں ٹوٹا ہی تھا بے چاری پائل بھی چھنا کے سے ٹوٹی کہ چچا کی آنکھوں کی گرمی نے اس قدر سردی میں بھی اسے اور اس کی پہلی محبت کو پانی پانی کر دیا۔

''آپ لوگوں کی تربیت اس طرح تو نہیں کی گئی کہ یوں منہ پھاڑ کے بے ہودہ گیت الاپے جائیں۔''

''اُف......'' صد شکر کہ آنکھوں کی نسبت آواز قدرے ٹھنڈی تھی۔ ایسل کی ریڑھ کی ہڈی ذرا سا سرسرائی تھی، اس نے بوکھلا کے سامنے دیکھا۔

لڑکیاں اسے میدان میں نہتا چھوڑ کے ادھ کھلے دروازے کے دوسری طرف دانت نکال رہی تھیں، اب وہ کیا جواب دیتی (کہ وہ محبت جیسی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سنگین غلطی کی مرتکب ہو چکی تھی)۔

"پہلی بار سنا ہے کہ گیتوں کا تعلق تربیت سے ہوتا ہے، بھئی گیت کا تعلق تو کیفیت سے ہوتا ہے۔" بالآخر شوہر کے ساتھ قدم اٹھاتی سارہ خاموش نہیں رہ سکی تھیں۔ چچا نے سرد نگاہوں سے انہیں گھورا۔

"اب پلیز یہ مت کہنا کہ اس عمر میں یہ گیت......مم......مطلب بڑھاپے میں تو ویسے ہی تھم تھم کے چلنا پڑتا ہے عرفان!" اندر وہ سب قل قل ہنسنے لگیں۔

"شٹ اپ سارہ۔" ہنستی بیوی کو تنبیہ کرنے کا انداز دوستانہ نہیں تھا تو غیر مہذبانہ بھی نہیں تھا۔

"یہ میرا گھر ہے، گروکل یونیورسٹی کا ہاسٹل نہیں، لہٰذا شاہ رخ خان بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔" انہوں نے اتنا کہہ کے کمرے کا دروازہ کھٹ سے بند کیا اور ادھر کمرے میں وہ چاروں ایک دوسرے کو ہکا بکا تک رہی تھیں۔ وہ گروکل کے اڑتے خشک پتے، وہ پتوں پر لکھے رومینٹک حروف، وہ اڑتے گلاب...... وہ گیت۔

مر بھی جائیں یار والے
مٹ بھی جائیں پیار والے
زندہ رہتی ہیں ان کی محبتیں

فقط اس کا دل یہ گاتے ہوئے دھمال ڈال رہا تھا۔

"لو ......اور......سنو......کہاں کا گروکل اور کہاں کی محبتیں۔" صبوحی نے دکھ سے ناک بھوں چڑھائی۔ "ایسے چچا کے ہوتے ہمارے پیروں میں ہمیشہ جوتے ہی نظر آ سکتے ہیں۔ بھتیجیاں پیروں میں کہاں بندھن باندھ سکتی ہیں۔" اس نے اس قدر آزردگی سے کہا کہ عالیہ اور ندا نے تائید میں زور سے سر ہلایا جب کہ ایسل اپنے پاؤں کو تکنے لگی جو کسی بندھن کی زد میں تھے۔

وہ اب ان معصوموں کو کیا بتاتی کہ سنگ دل چچا کے ہوتے بھی میرے دل میں گلاب کھل رہے تھے،

پتے اڑنے لگے تھے۔ وہ انمول دن تھے، اس عمر میں اک ذرا سا مسکرا دینا بھی سونے کے بھاؤ سے کہیں بڑھ کے مہنگا تھا۔ وہ بس خوابوں کی بادشاہی کی عمر تھی تب دل ہی رعایا تھا اور دل ہی حاکم تھا، دل ہی قاضی دل ہی مجرم ہوا تھا۔

☆❁☆

پتا ہی نہیں چلا اور شازمہ کی شادی کے ہنگاموں میں سردیاں بھی گزر گئیں۔ چند روز بعد موسم چپکے سے بدل گیا، درختوں نے خشک پتوں سے نگاہ چرائی اور وہ انا پرست محبوب کی طرح الگ ہو گئے کہ بہار کی راہ دیکھنے والی ننگی شاخوں کے گلاب بھی بالآخر کئی کتابوں اور کئی آنکھوں میں بند ہو کے سر جھکانے کے عذاب سہنے والے تھے کہ زمانے میں کچھ بھی ٹھہرنے جیسا نہیں تھا۔

"شادی کو ایک ماہ گزر گیا مگر عرفان کی الجھن رفع نہ ہوئی کہ ابھی ماتھے پر سوبل ڈال کے ہی جواد سے بات کرتا ہے۔" آج دادی، تایا اور نعیم چچا کے پاس دکھڑے رو رہی تھیں۔

"سچ پوچھیں تو مجھے اب بچیوں کی فکر ہو رہی ہے۔" تائی نے بھی شوہر کا پرسوچ چہرہ دیکھ کے ذرا سی ہمت کا مظاہرہ کیا، جنہوں نے چہرہ گھما کے بیوی پر سوالیہ نگاہ ڈالی۔

"کیسی فکر؟"

"بھئی اپنی بھتیجیوں کے لیے جہان بھر کے آدمی ریجیکٹ کر سکتا ہے، جانے کون فرشتے اس کے معیار پر پورا اتر سکتے ہیں۔" مسز نعیم نے بھی اداسی سے ہاتھ جھلایا تو تایا اور چچا یک بیک مسکرا دیے۔

"یہ اس کی محبت ہے مگر معاشرے کے بدلتے رنگ دیکھ کے وہ کچھ زیادہ ہی گھبرایا ہوا ہے، ڈونٹ وری۔" انہوں نے بیویوں کے وہموں کو اک مسکراہٹ سے جھٹلا دیا تھا۔

"معاشرے پر خاک ڈالو۔ یہ نہیں سوچتا،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سارہ بھی تو کسی کی نازوں پلی بچی ہے جو اس سنگ کے ساتھ سر پھوڑ رہی ہے۔" دادی کو نواسی کے شوہر کی بے عزتی مانو خون رلا رہی تھی اور سچ اگلوا رہی تھی کہ پوتیاں سن کے اش اش کر اٹھیں۔

"اماں آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں، ہم سب اسے سمجھائیں گے۔" تایا نے ماں کا ہاتھ نرمی سے تھاما پھر بیوی کو سنجیدگی سے دیکھا، وقت سے پہلے یہ قصہ چھیڑنے کا کیا فائدہ۔

"وہ بعد کی بات ہے سو دیکھا جائے گا۔" تائی اور چچی نے تنتنا کے ایک ساتھ پہلو بدلے تھے۔

بعد کی بات پر صبوحی ایسل اور ندا نہال ہی ہوگئیں جو دادی کے کمرے کے قریب چھپی تمام گفتگو سن رہی تھیں۔

"ہوسکتا ہے اسی دوران کوئی کام کا بندہ ہم سے بھی ٹکرا جائے۔" عالیہ کے ارمانوں پر ایک ساتھ اوس، بارش اور پتھر تک پڑ چکے تھے کہ وہ بعد تو اب سالوں بعد ہی آئے گا۔

"دل چھوٹا مت کرو، معجزے بھی تو ہوسکتے ہیں۔"

باقیوں نے اسے دلاسوں سے نوازا، مگر ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ کتابوں میں دل نہ لگانے والی عالیہ کا دل کہیں بھی نہیں لگا ہوا تھا۔ اسے بس بڑی چھوٹی تمام نصابی کتابوں سے چھٹکارا چاہیے تھا بھلے کسی حسابی ساس کے ہتھے چڑھنا قبول تھا۔

انہیں یاد تھا کہ ایک بار بچپن میں تو خیر نہیں لڑکپن میں جب عالیہ کی عمر دس سال تو ہوگی تایا محسن نے ان چاروں کو پاس بٹھا کر ان کی فیوچر پلاننگ کی بابت پوچھا تھا۔

"میں ڈاکٹر بنوں گی۔" صبوحی نے جھٹ سے جواب دیا۔

"شاباش۔" تایا نے ہزار کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھا۔

"اور میں پروفیسر میڈم۔" دوسرا جواب ایسل کی طرف سے آیا تو اسے بھی انعام ملا۔

"اور میں بڑی ہو کے دلہن بنوں گی۔"

"ہیں...... ارے۔" دادی مسکرائیں جب کہ تایا سٹپٹائے تھے اور گود میں چڑھی عالیہ کو ہلکا سا گھورا۔

"اور دیکھا کریں مارننگ شوز۔" عرفان چچا نے بھابیوں پر غصیلی نگاہ ڈالی تھی۔

"یہ بھی اچھا ہے بھئی، اب صرف مارننگ شوز میں ہی تو دلہن نہیں بنتیں۔"

چچا کی غیرت ہر بات پر جاگ اٹھتی تھی بلکہ جاگنا کیسا ان کی غیرت کبھی سوتی ہی نہیں تھی لہٰذا عالیہ بیگم اس قدر مستقل مزاج کہ آج تک اپنے شوق پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ یہ بھی جانتی تھیں کہ صبوحی کے ڈاکٹر بننے تک باقیوں کی انگلی میں چھلا تک نہیں آئے گا۔

☆❁☆

"اماں! آپ جانتی ہیں کہ نوید صاحب کا اپنی بہن کے ساتھ کورٹ میں کوئی کیس وغیرہ چل رہا ہے۔"

توقیر نے رات میں کھانے کے دوران ماں سے سرسری سا پوچھا تو ایسل سمیت سب ہی متوجہ ہوئے۔

"ہاں...... مجھ سے شانزہ نے ذکر کیا تھا۔" دادی نے نظر جھکائے ہی مختصر سا جواب دیا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، نوید تو اکلوتا تھا۔" محسن نے کھانے سے ہاتھ روک کر بغور ماں کو دیکھا جیسے وہ کچھ بھی بتانے میں متامل تھیں۔

"شانزہ کے شوہر نے پہلی شادی کے چند سالوں بعد ہی دوسری شادی کرلی تھی جس کا علم انہیں اس نامراد کی وفات سے چند دن پہلے ہوا تھا کہ باپ نہ صرف دوسرا بیاہ کر چکا تھا بلکہ نوید کو ایک سوتیلی بہن کا تحفہ بھی دے چکا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں اس نے وصیت نامہ بھی تیار کروالیا تھا جس کے مطابق وہ بیٹی کو شرعی حصہ دے کر باقی کا تمام بینک

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بیلنس اور بزنس نوید کے نام کر چکا تھا پھر مجاہد صاحب کی وفات کے بعد، وکیل صاحب وصیت نامہ منظر عام پر بھی لے آئے تھے مگر وہ اس وصیت نامے کو ماننے سے انکاری ہے اس نے نہ صرف ان پر اپنے حصے کا کیس دائر کر دیا بلکہ اپنی بیٹی کے حوالے سے بھی ان پر خوب الزامات لگائے کہ حزام اسے اپنے چکر میں پھنسا کر جائیداد کا کیس ختم کروانا چاہتا ہے۔ نوید نے اس سے صلح کی کافی کوشش کی مگر بے سود...... کچھ عرصہ بعد نوید کی گاڑی پر حملہ ہوا مگر پیٹرولنگ پولیس کی بروقت آمد سے اس کی جان بچ گئی۔ اس حادثے نے اسے اس قدر خوف زدہ کر دیا کہ وہ کراچی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا مگر اپنی اور بچوں کی بقا کی خاطر وہ سوتیلی بہن کا مطالبہ پورا کر کے آیا تھا مگر وہ بد بخت عورت اب بینک میں موجود رقم کی بھی طلب گار ہے جب کہ نوید کا کہنا ہے کہ وہ رقم یہاں کاروبار کی شفٹنگ پر خرچ کر چکا ہے۔ یہ کیس اب اسی سلسلے کی کڑی ہو سکتا ہے، یہاں بھی انہیں چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ ابھی پچھلے دنوں بھی حزام کو اس لڑکی کے اغوا میں پھنسانے والی وہ ہی عورت تھی۔"

دادی نے جیسے تھک کر ایک بے چین سی سانس بھری تھی کہ کئی پل خاموشی کی نذر ہوئے۔

"تو اصل معاملہ یہ تھا۔" ایسل کے لبوں سے آسودگی بھری سانس خارج ہوئی۔

"ہم تو تصویر کا ایک رخ دیکھ رہے ہیں اب اصل قصہ تو خدا ہی جانتا ہے۔" عرفان چچا کے دل میں وہم اور شبے نے حسب عادت سر اٹھایا اور وہ استہزائیہ سا ہو کے مزید گویا ہوئے۔ "اور کوئی یوں ہی کسی کا نام اغوا کے کیس میں نہیں اچھالتا، ایسا کسی تعلق کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔" ایسل کے دل نے کچھ دھڑکنیں مس کی تھیں۔ "اس ماڈل کے ساتھ حزام صاحب کو جانے کتنے لوگوں نے گھومتے پھرتے دیکھا تھا۔"

"اچھا اچھا...... اب بس کرو، سچ سامنے آ گیا تھا اور بدنام زمانہ لوگوں کے ساتھ گھومنے پھرنے سے واقعی انسان کا اپنا کردار مشتبہ ہو جاتا ہے، اس بات سے تو مجھے بھی انکار نہیں۔"

دادی نے ایک ہی جملے سے ان کا منہ بند کر دیا تھا کہ اب چچا میاں کے منہ میں جیسے زبان ہی نہیں تھی۔

"اماں! اس طرح کے دشمنی والے لوگوں سے تو تعلقات میں ذرا احتیاط برتنا چاہیے۔"

مسز نعیم نے جیسے وہاں موجود باقی افراد کے دل کی بات کی تھی جن کی پرسوچ سی نگاہیں اس بات سے متفق تھیں۔

"اللہ کسی کو بھی آزمائش کا منہ نہ دکھائے، باقی ہم سے ان کے دشمنوں نے کیا لینا دینا۔" دادی اچانک ہی کھانے کی ٹیبل سے اٹھ گئی تھیں تو وہاں موجود سب کی نگاہوں میں بس خاموشی سی تھی، اب وہاں صرف عرفان چچا رغبت سے کھا رہے تھے۔

☆❁☆

ایسل آج صبا کے ساتھ پہلی بار مائز کلب آئی تھی کہ آج وہاں ایک آفیشل ڈنر تھا۔ اس بزنس پارٹی میں اس کے ماموں لوگوں کی فیملی انوائیٹڈ تھی، یہاں آنے کی ایک وجہ حزام نوید کا ہونا بھی تھا۔ جسے دیکھے شاید مہینوں گزر چکے تھے کہ ان کی ماؤں کے خدشات کے پیش نظر دادی انہیں نوید ولا لے جانا چھوڑ چکی تھیں۔ ایسل کو لگ رہا تھا کہ وہ کسی فیشن شو میں آ گئی ہے، مائز کلب جیسے ایلیٹ کلاس کا ہی تھا، کافی تلاش کے بعد اس نے حزام کو دیکھ لیا تھا، وہ لڑکیوں لڑکوں کے ایک گروپ میں کھڑا سب سے نمایاں تھا۔

ایسل کے دل میں کھد بدی ہوئی، بھلے وہ لڑکی حزام کی بات انہماک سے سن رہی تھی، ایسل کی بلا سے مگر وہ ہرجائی اس لڑکی سے اس قدر مگن سا ہو کے کیا بات کر رہا تھا، ایسل کا دل ٹھنڈا یخ ہوا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"تمہارا کزن جس قدر شان دار ہے اتنا ہی فلرٹی بھی ہے۔" صبا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کس قدر دل دکھانے والی بات کی تھی، وہ ذرا سنبھل کی سیدھی ہوئی۔

"ہائے ......" دل کیا خوب دکھ رہا تھا، اس نے بہار کے اس آوارہ لمحے کو کوسا۔ کیسا دشمن لمحہ تھا، اس نے کراہ کے پہلو بدلا اور بے ارادہ اس پر دوبارہ نگاہ ڈالی۔

اس پل حزام نے بھی اسے دیکھا، وہ ششدر ہوا، نہ ان ڈھیر ساری لڑکیوں میں گھرا پریشان ہی نظر آیا بلکہ اس کی مسکراتی آنکھوں میں اک پرکیف سا تاثر ابھرا تھا، وہ آنکھیں خوش ہوئی تھیں۔ ایسل نے کلس کے نگاہ پھیر لی، وہ اس کی موجودگی کو وہاں نظر انداز بھی نہیں کر پائی تھی۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ کھانے کے نام پر بس سلاد میں ہی چمچہ چلاتی رہی۔

"کوئی ایکس لڑکیوں کو تو اس نے ضرور ہی کمپنی دی ہوگی مگر موصوف سے اتنا نہیں ہوسکا کہ ذرا دیر کو اپنی کزن سے بھی ہیلو ہائے کر لیتا۔" یہ صبا کا تبصرہ تھا جو اس نے بھیگے دل اور نم آنکھوں کے ساتھ سنا بلکہ سہا بھی، بسا اوقات اک چھوٹا سا جملہ تکلیف کی صورت میں سہا جاتا ہے۔

اب وہ دونوں ریسپشن کی طرف جارہی تھیں، الوداعی کلمات ادا ہو رہے تھے۔ کہیں دوبارہ ملنے کے پروگرام طے کیے جارہے تھے۔

"ایکس نہیں، صبا تم نے چار کم بتائی ہیں۔"

اس کا ترش لہجہ تلملاہٹ کا شکار تھا۔

"کیا واقعی ...... ایسل تم نے لڑکیاں گنیں؟"

صبا حیرت کے ساتھ ہنسی بھی تھی اور ایک جانب اشارہ کرتی اسی سمت بڑھ گئی مگر وہ بنا رکے ناک کی سیدھ میں چلنے لگی۔

"آج کی شام ہی خراب تھی۔" اس نے خود کو باور کرایا۔

"آج کی شام شان دار تھی۔" دل نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ وہ اب ریسپشن پیچھے چھوڑ چکی تھی۔ اس سمیت بہت سے لوگ پارکنگ ایریا میں تھے کہ شاید وہ اچانک بھیڑ سے نمودار ہوا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"تمہاری جمع تفریق سے علم ہوا کہ تمہارا میتھ بہترین ہوگا۔" ان الفاظ میں مسکراہٹ کی آمیزش تھی (تو کیا یہ آس پاس تھا) وہ ذرا سا رکی مگر چہرہ موڑ کے اسے بالکل بالکل بھی نہیں دیکھا بڑھ گئی۔

وہ مارچ کی ایک پرکیف رات تھی، آسمان پر بہار کا چاند غنودگی سی بانٹ رہا تھا۔ ایسل ذرا پرے ہوئی، اس نے اک کٹتی ہوئی سی آہ بھری کہ پہلو میں چلنے والا شخص جنگل جنگل چھونے جیسی ہوا تھا۔

"ہم کہیں بھی ہوتے ہوئے جس کے ساتھ ہوتے ہیں، دراصل ہم اسی کے ہوتے ہیں۔" وہ ایک بے حد مدھم سی سرگوشی تھی، جمادینے جیسی۔ وہ پہلو چھوڑ کے یکایک سامنے آگیا کہ وہ دم بخود رہ گئی۔ اس دھندلی سی روشنی میں بھی وہ اس لڑکی کے چہرے پر خفگی کا رنگ دیکھ سکتا تھا، اس نے اک ٹھنڈا سا سانس بھرا۔

"یہ سچ ہے کہ ایکس نہیں مجھ سے پچیس لڑکیوں نے گلہ کیا کہ حزام نوید آج تم کہاں ہو؟"

وہ بہار کے چاند کی پوری غنودگی لہجے میں سمیٹ کے لب کشا ہوا تھا، سینے پر ہاتھ باندھے مسکراتا ہوا وہ شخص کیا تھا جو اس کا ملال لمحوں میں دھو دیتا تھا، ایسل نے اسے پتھرائی نگاہ سے دیکھا۔

چند لمحے یوں ہی سرک گئے، حزام نے اس کے ہوا میں اڑتے بالوں کو ذرا سا چھونا چاہا، اک ذرا فاصلے پر مٹھی بند کرتا وہ سامنے سے ہٹا اور پھر سے بھیڑ کا حصہ بن چکا تھا۔ ایسل نے مڑ کے اسے دیکھنا چاہا تھا مگر نگاہ ایک سمت سے آتی ممانی اور صبا پر پڑی۔ وہ شخص جانے کہاں گم ہو چکا تھا۔

☆❁☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"بہت زیادہ سوچ بچار بھی انسان کو پریشانی سے دوچار کرتی ہے اگر آپ بھی کسی ایسی ہی صورت حال سے پریشان ہیں تو اس ہفتے اپنے شوہر کے معمولات زندگی سے نہ صرف غفلت برتیے بلکہ ان کی تشریف آوری کے بعد ان کا چہرہ اندھوں کی طرح دیکھیے گا۔"

یہ ہفتہ کیسا رہے گا ندا نے پڑھتے ہوئے بلکہ سناتے ہوئے چچی کو دیکھا تو نظر حواس باختہ سی شازمہ پر پڑی جو ندا کی معلومات پر ایک دم سیدھی ہوئی تھی چونکہ وہ بھی اسکارپیو تھی اور ان باتوں پر قدرے یقین بھی رکھتی تھی۔

"ندا بی بی' یہ ہمیں کیا سنا دیا ہے کہ یہاں موجود دو خواتین کے دل میں پنکھے سے چلنے لگے ہیں۔" سارہ 'جوان کو چائے سرو کر رہی تھی' نے لوازمات سے بھری ٹرالی ذرا پیچھے دھکیلی۔

"آپ تو پچھلے کئی سالوں سے شیر کی کچھار میں ہیں، تڑپنا آپ کا حق ہے مگر اس بے چاری چند ماہ کی دلہن کو دیکھو۔ اس کا تو دل لپک کے دھڑکنا چاہیے تھا۔" صبوحی نے موٹی سی کتاب بند کرتے ہوئے شازمہ سے پوچھا۔ جس نے ڈربے میں بند ہوئی مرغی کی طرح ان بے فکر لڑکیوں کو حسرت و یاس میں گھر کے دیکھا، سوائے ایسل کے جو تمام رات بھی مائزا کلب کے پارکنگ ایریا میں گزرنے کے بعد شاید ابھی تک وہیں بیٹھی تھی مگر نہیں' اب تو وہ شاہی قلعے کے شیش محل میں تھی ہاتھوں سے کبوتر اڑاتی،

"صدا ہوں اپنے پیار کی"

وہ گول مول گھومتے ہوئے دیواروں اور چھتوں پر مزین شیشوں کے چوکور ٹکڑوں میں سے اپنے بندھن میں بندھے پاؤں دیکھتی تو کبھی بالوں کی جانب بڑھتی اک سرکش سے ہاتھ کی کسی پور کو اٹھتا اور پھر سمٹتا دیکھتی۔

"کوئی خواب ہے یا سراب ہے۔" کسی نے اس آوارہ سی لٹ کو نہ چھوتے ہوئے بھی جیسے چھولیا تھا۔ جواب میں شازمہ نے ایک طویل آہ بھری تھی۔

"اللہ ان تمام لڑکیوں کو ہدایت فرمائے جو شادی شدہ مردوں کا پیچھا — نہیں چھوڑتیں۔" شازمہ کا لہجہ بھرا گیا۔

"یعنی کہ...... جواد بھی......" سارہ کی آنکھیں باہر کو آئیں۔

"تو اور کیا، پتا نہیں آج کل کی لڑکیوں کو کیا ہوگیا ہے۔" شازمہ نے اب سب پر معصومانہ سی نگاہ ڈالی۔

"لو دیکھو بھلا...... اپنے شوہروں کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال لیا ہے اور لڑکیوں کو مورد الزام ٹھہرایا جارہا ہے۔" صبوحی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کیا شادی شدہ، کیا کنوارے خدا ان مردوں کو سدھارے۔" شازمہ نے ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھا کے آمین کہا۔

"خبردار جو آئندہ یہ دعا مانگی ہو تو۔" ندا نے اس کے جڑے ہاتھوں کو دھپ لگا کے پھوڑا۔ "خیر سے اب ہماری افیئر چلانے کی عمر ہے اور اب یہ لگی ہیں مرد سدھارنے۔" ندا کی گھوریاں خاصی جارحانہ تھیں۔

"ہاں بالکل، ان چند برسوں میں کوئی ماں، بہن، بیٹی، بہو، مردوں کو نکیل ڈالنے کا ذرا سوچ کے تو دکھائے۔" عالیہ نے بھی ساکت و جامد بیٹھی سارہ اور شازمہ کو ہاتھ اٹھا کے متنبہ کیا "غضب خدا کا۔"

اس کی بڑبڑاہٹ دم توڑ گئی کہ سکتہ ٹوٹنے پر ان کے ہاتھ جو لگا تھا ان پر وہی برسایا گیا۔

"اج دن چڑھیا تیرے رنگ ورگا۔" ایسل آنکھیں موند کے گنگنائی، ساتھ ہی شاہی قلعے میں قلانچیں بھرتی دیوان خاص کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"یہ کس کی مائیں بہنیں مردوں کو نکیل ڈالنے کا سوچ رہی ہیں؟" یہ بھاری آواز تو چچا کی ہے، ایسل کا پاؤں دیوان خاص کی سیڑھیوں پر پھسلا تو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ جانے وہ اس کے رنگ چھپا دن کہاں چھپا تھا کہ اطراف میں گہری شام تھی، سارہ چچی نے شوہر کی کشادہ پیشانی کے بل یوں محبت سے گنے جیسے آسمان پر اڑتی رنگ برنگی پتنگوں کو بھی کوئی کیا گنتا ہوگا۔

''اف ایسی بیویاں ہی مردوں کو سر چڑھا لیتی ہیں۔'' وہ چاروں پیچ و تاب کھا کے رہ گئیں، چچا ایک کروفر کے ساتھ بیوی کے پہلو میں بیٹھے، جن کے چہرے پر پوچھا گیا سوال قائم تھا۔

''یوں ہی ادھر اُدھر کے مردوں پر تبصرہ ہو رہا ہے۔'' چچی نے جیسے بات ختم کی۔

''لاحول ولا قوۃ...... اس بات کا تمہیں ذرا خیال نہیں کہ غیر مردوں کا ذکر گھروں میں وہ بھی لڑکیوں کے سامنے......'' چچا کی جاگی ہوئی غیرت جیسے گلے پڑی۔ سارہ کے ہاتھوں سے کپ گرتے گرتے بچا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ کپ رکھنے کے بہانے کچھ آگے کو جھکی اور ان معصوم لڑکیوں کو خوں خواری سے گھورا جو اس پل چھپ چھپا کے ہنس رہی تھیں۔

''نہ فلموں ڈراموں کی...... نہ گیتوں غزلوں کی، نہ پرندوں سندیسوں کی......تو پھر صاف کہیں ناں کہ میں لڑکیوں سے ہاتھیوں، خچروں اور گھوڑوں کی باتیں کیا کروں۔'' وہ کڑوے لہجے میں جیسے بپھر کے بولی تھی۔

''اس میں حرج کیا ہے۔'' انہوں نے بیوی کا پہلو چھوڑتے ہوئے کچھ یوں سکون سے کہا کہ وہ بل کھا کے کھڑی ہوئی۔

''پرائے مردوں کو گولی مارو (ہائیں ان سب کے دل کو کچھ ہوا) میں اپنے مرد کی بات کر لیتی ہوں۔'' چچی نے مسکرا کر پینترا بدلا اور چچا کے چہرے سے اطمینان رخصت ہوا۔ لڑکیوں کے دل دھڑکے (کسی کی یاد میں نہیں) بلکہ اس بحث کے انجام پر۔

''اچھا، چھوڑیں بھی ماموں! ہم تو جواد کی بات کر رہے تھے۔''

''لو جی......'' شازمہ نے ایک طرح سے اوکھلی میں سر دے دیا تھا۔ وہ اچانک ہی پلٹ کے بھانجی سے مخاطب ہوئے۔

''ہونہہ......اسے بھی مردوں میں شمار کیا جاتا ہے؟''

''ہیں......'' ان سب سب کی سٹی گم ہوئی، شازمہ کے ہاتھوں کے طوطے الگ اڑے۔

''اس دن آپا کے گھر میں چوہا مار کے خوش ہو رہا تھا، الو کا پٹھا۔'' وہ فوں فاں کرتے یہ جا وہ جا۔

''یعنی اس کا شمار الوؤں کی نسل میں ہوتا تھا۔'' انہوں نے شازمہ کو ہمدردی سے دیکھا۔

''شوہر سے کہو انسان کا بچہ کہلانا ہے تو دو چار بندوں کو پھڑکانا ہوگا۔'' اب ان کی کھی کھی شروع ہو چکی تھی۔

''اور اگر زیادہ ہی بہادری کا شوق ہو تو چچا کو ایک جھانپڑ، مطلب...... شیر کے شکار کے برابر ہی سمجھو۔'' اب آگے ندا اور عالیہ، پیچھے ہانپتی ہوئی شازمہ تھی۔

☆❁☆

''مان لیتے ہیں کہ جناب ایسل کے دم سے یہ گھر کچھ ادبی قسم کا محسوس ہوتا ہے مگر یہ شاعروں، ادیبوں کی طرح بے زاری اوڑھ کے گوشہ نشینی کا کیا مطلب ہوا؟''

آج سارہ نے اسے گھیر کے اداسی کا سبب جاننا چاہا تھا کہ ان کے درمیان دوستانہ بھی خوب تھا، جب چچا کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جاتے تو اس رات اس کا ٹھکانہ سارہ آپی کا بیڈ روم ہوتا، وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ وہ کیا کہتی، کہنے کو چند باتیں تھیں، کبھی خود بھی اس گفتگو کی بازگشت میں اترتی تو چند لمحوں بعد ہاتھ جھاڑتی اس گپھا سے نکل آتی تھی اور کبھی فرصت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں لفظ گننے بیٹھتی پھر معنی، پھر مفہوم پھر نثر وہ گفتگو کئی داستانوں اور کئی کتابوں میں سمٹنے میں بھی نہیں آتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" سارہ نے اسے بغور دیکھا جیسے وہ کسی الجھن میں تھی۔

"یوں ہی اس دن میں نے شازمہ کی بات سنی تو اب تک حیران ہوں کہ عورتیں اور مرد کس روش پر چل نکلے ہیں، اب دیکھیں نا، بیوی کے ساتھ ہوتے ہوئے اس کا شوہر رات بھر پرائی عورتوں سے چیٹ کرتا ہے، ویسے آپی! مرد اس قدر تنوع پسند کیوں ہے؟"

اس کی نگاہوں نے مائزا کلب کا منظر یاد کیا تو یاد کی کوئی نوک سی دل میں چبھی۔

"کیونکہ وہ خود کو کمزور تصور نہیں کرتا، مرد فطرتاً حاکمیت پسند ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہمیں عورتوں پر فوقیت اللہ کی جانب سے عطا کی گئی ہے اور ہمارے معاشرے اور مذہب میں مرد اس فوقیت کا غلط مطلب اخذ کر چکا ہے۔ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے لیے حد بندیاں مقرر کی ہیں اور مرد وہ حد بندی کس شان سے پھلانگتا ہے کہ مرد کا کیا ہے، صاف اور پاک پانی اسے اپنے تئیں پاک کر دیتا ہے۔ اسلام کا نہیں مگر معاشرتی اصول یہ ہی ہے ایسل کہ وہ پاک ہو جاتا ہے لیکن عورت کو اس حد بندی سے عشق ہونا تھا اللہ کی مقرر کردہ حدود ہی اس کی اصل عبادت ہے وہ جان اور سمجھ لے کہ وہ حد پھلانگنے والی عورتوں کے لیے زمانہ قدیم سے لے کر آج تک زمین سے وہ پانی نہیں پھوٹا جو اسے پاک کر سکتا ہو، لہٰذا میری جان یہ ناانصافی قیامت تک چلنے کا امکان ہے۔ عرفان میں مجھے سب سے بڑی خوبی یہ نظر آتی تھی کہ گھر کی عورتوں کے لیے وہ کس قدر حساس ہیں بھلا عورت کی عزت وادب اس سے بڑھ کے بھی کوئی کیا کرتا ہوگا۔" وہ اپنی بیٹی کو ہلکے ہاتھ سے تھپکتی جانے کہاں دیکھ رہی تھی۔

"مگر افسوس کہ ہر مرد اپنے ہی گھر کی حدود میں زم زم کا چشمہ پھوٹتا دیکھنا چاہتا ہے دنیا کی باقی عورتیں اس کے لیے شغل تماشا ہیں۔"

ایسل جیسے گونگے دل کے ساتھ یہ سب سن رہی تھی، کوئی شور نہ دھڑکن۔

"میں سمجھتی تھی کہ اس قدر خشک مزاج سا بندہ زمانے کی دل داریوں کے قریب بھی کہاں بھٹکا ہوگا۔" سارہ ملال سے مسکرائی تھی۔

"تو کیا آپ کی محبت یک طرفہ تھی؟" ایسل نے بے قراری سے پوچھا تو سارہ چونکی اور اگلے ہی لمحے وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

"تمہارا چچا اگر ہزاروں افیئر چلا سکتا ہے تو کیا ایک محبت نہیں کر سکتا تھا اور میرے خیال میں ہر مرد ایک محبت تو ضرور ہی کرتا ہوگا۔" سارہ کے چہرے پر جیسے کئی جگنو سے ٹمٹما اٹھے تھے کہ جنہیں دیکھ کے ایسل کے چہرے کا رنگ فوری اڑا۔

"اور باقی تمام افیئر ...... تو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے پژمردگی سے دریافت کیا تو سارہ کی ٹھنڈے سانس میں کسی پچ کی سی تپش سی چمکی۔

"اللہ پروین شاکر کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے جو ہم جیسی عورتوں کا بھلا کرتے ہوئے کیا غضب کا لکھ گئی کہ "وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو میرے پاس آیا" مگر شعر سننے کے بعد ایسل کے دل کی جوت یک لخت بجھی تھی۔

"شادی کے بعد بیوی کو امامہ ہاشم جتنا اعلا ظرف ہونا پڑتا ہے مائی ڈیئر!" سارہ نے مسکراتے ہوئے اس کا رخسار تھپتھپایا اور خود پہلی جمائی کو منہ پر ہاتھ رکھ کے روکا مگر ایسل ناسمجھی کی عالم میں اسے تکے جا رہی تھی۔

"ارے میری گڑیا! ذرا سوچو، پاکستان کی آدھی لڑکیاں سالار سکندر کی محبت میں گرفتار ہوں گی۔" سارہ اس کی متحیر آنکھوں میں جھانک کے پھر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے کھلکھلائی تو ایسل مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔

"مگر سالار تو صرف امامہ کو چاہتا تھا نا۔" اس سے عورت کی یہ اعلاظرفی کسی طور ہضم نہیں ہو رہی تھی اور مرد کا ہرجائی پن کسی کنکر کی مانند ہی آنکھ میں چبھ رہا تھا کہ جسے وہ چاہتی تھی وہ بھی اسی روش پر چل رہا تھا۔

"امامہ ہاشم سے پہلے سالار کی زندگی میں بھی کئی آئیں اور گئیں......" سارہ نے ہاتھ کا جہاز بنا کے فضا میں اڑایا تو وہ بھی بے دلی سے مسکرا دی تھی کہ سارہ کے جواب نے اسے واقعی لاجواب کر دیا تھا۔ فی الحال اس نے بھی سوچوں کا سرا ہلکے سے جھٹک دیا تھا۔

☆❀☆

"میں نے کہا تھا نا کہ آج کل دادی کے ستارے گردش میں ہیں۔" عالیہ نے اخبار سے نظریں اٹھاتے ہوئے ایسل کو تفاخرانہ نگاہوں سے دیکھا جو جلدی میں اپنے شوز کے اسٹریپس بند کر رہی تھی۔

"اب دیکھو کل شازمہ کے شوہر کے جھگڑے کی خبر، دو دن پہلے شانزہ کی بہو کا چچا فوت ہو گیا تو دو بری خبریں...... اوپر سے غیر شادی شدہ افراد کی من پسند شادی کے اسباب پیدا ہونے کا بھی امکان ہے تو دادی کی ایک عدد پوتی کی وداعی کی جاں گسل خبر، اف......" وہ خود ہی شرمائی، ایسل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے گھورا۔

"یار قسم لے لو ان کا اسٹار یہ ہی بتا رہا ہے۔" اس نے اگلا صفحہ کھولا، ایسل نے پاس پڑا دوپٹا اٹھا کے شانوں پر پھیلایا۔

"عالیہ تم آج یوں کرو دو نفل پڑھ کے دادی کے لیے خیر کی دعا مانگو۔"

"لو اور سنو...... ہر جگہ ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار تم ہو اور نفل میں پڑھوں۔" عالیہ نے منہ بسور کے اسے دیکھا۔

وہ اسے یوں ہی جلتا بھنتا چھوڑ کے نیچے چلی آئی، جہاں دادی اس کی منتظر تھیں کہ آج گھر کی بہوئیں کسی تقریب ولیمہ میں گئی ہوئی تھیں، جب گھڑی نے چار بجائے تو شانزہ کی بہو سے دادی اظہار تعزیت کر رہی تھیں۔ اپنی خواہش کی ماری ایسل کو اپنی مما کے لاکھ منع کرنے کے باوجود دادی کے ساتھ اور بھی بہت سی جگہوں پر جانا پڑتا تھا، بھلا یہ حزام کہاں جانتا ہوگا اور جو فی الوقت ان کے سامنے براجمان ایسل کی تعریف کی صورت وہ تمام حقیقتیں مسکراتے ہوئے سن رہا تھا اور ایسل کی ان خدمات کی صورت دادی کا پرتشکر لہجہ، ایسل کو خفت میں مبتلا کر رہا تھا کہ ایسل نے دادی کے ساتھ اس ماہ پوری پانچ فوتگیاں اٹینڈ کی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی چھ تیمارداریاں، تین عقیقے اور...... یعنی کہ مہینوں بعد اس کے گھر کا ایک چکر اس لڑکی کو کس قدر مہنگا پڑتا تھا۔

"حالانکہ اس کی ماں کو کہاں اچھا لگتا تھا مگر مجال ہے اپنی پڑھائی کی مصروفیت کے باوجود میری اس پوتی نے کبھی میرا کہا ٹالا ہو۔"

"ماشاء اللہ......" حزام کی دادی نے بھی ایسل کو توصیفی نگاہوں سے دیکھا، ایسل کا دل شرمندگی سے ڈوب رہا تھا۔ "اف دادی کچھ تو چھپا لیتیں۔"

وہ جاتی اپریل کا قدرے خوش گوار دن تھا، اپنی ماں کے ساتھ گپ شپ کرتے حزام کو اس نے بغور دیکھا جس نے ان آنکھوں کی چوری فوراً پکڑ لی تھی، تمہارا تو آج پارٹی لنچ تھا۔" افشاں نے یاد آنے پر جیسے بیٹے کو بھی یاددہانی کرائی۔

"ہاں تھا تو...... بس کینسل ہی سمجھیں۔" وہ کندھوں کو جھٹکتا دھیرے سے مسکرایا تھا۔ اس دن ایسل کی شرمندہ نگاہوں نے سوائے حزام کے ڈرائنگ روم کی ہر چیز کو ازبر کیا تھا اور اس دن کسی سے بھی بات کرتے وہ صرف اسی کو ہی دیکھتا رہا تھا۔ اس دن

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

حزام نے اپنے سیل فون پر بے شمار کالز کاٹی تھیں۔ وہ جی ہی جی میں کڑھتی رہی اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکراتا رہا۔

پڑوس میں سے چند خواتین بھی افشاں سے اظہار افسوس کے لیے آئیں تو وہ ان سے معذرت کرتی اٹھ گئیں۔ کچھ دیر بعد دادی اور شانزہ خاتون بھی اٹھ گئیں۔ چند منٹ قبل ایسل نے پانی ڈالنے کے بہانے نشست چھوڑی تھی اور پھر اس جگہ کا انتخاب کیا، جہاں اسے دیکھنے کے لیے حزام کو چہرہ موڑنا پڑتا، ایسل کی اس حرکت پر اس کے چہرے پر محظوظ سا تاثر ابھرا تھا۔ اب وہ دونوں وہاں اکیلے تھے، ملازم نے ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے سے جھانکا۔

"صاحب آپ کا فون پاورڈ آف ہے کہ لینڈ لائن پر کالز آ رہی ہیں۔"

"ریسیور اتار کر رکھ دو عدم!" اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور ایک بار پھر اس کے مقابل آیا، وہ جب پہلی بار نوید ولا آئی تھی تو فرسٹ ائر کی اسٹوڈنٹ بھی نہیں تھی وہ تب بھی اتنی نروس نہیں تھی اور اب وہ یونیورسٹی میں تھی۔

بیچ میں پانچ سال گزر چکے تھے اور وہ آج بھی ایک ٹین ایج لڑکی کی طرح کنفیوز سی تھی۔ حزام نے اگلے پل اپنا فون آن کیا کہ کالز کا ایک بے حال کر دینے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلے چالیس اور اب پندرہ بھلا کل ملا کے کتنی کالز ہوئیں۔ ایک گہرے توقف کے بعد، وہ سال بھر پہلے کی بات اسے یاد دلاتا حظ اٹھاتا ہوا، مکمل دھیان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

اس نے اپنا سیل فون دوبارہ سے پاورڈ آف کیا، دل اس قدر سہم کے دھڑک رہا تھا کہ وہ اپنی دھڑکنیں گن سکتی تھی۔

"جانے کیوں تمہارے معاملے میں میری یادداشت مجھے بھی اکثر حیران کرتی ہے۔" جاتی بہار کے دنوں میں وہ شخص اس خفا سی لڑکی کے گرد اپنی خوش رو اور خوابیدہ آنکھوں کے جادو حصار باندھ کے بیٹھا تھا۔

"دیکھو ایسل! تم سامنے تھیں اور میں نے ہر ایک سے اپنے رابطے ختم کر لیے، اپنے واسطے ختم کر لیے۔" وہ اپنے تمام محسوسات سمیت اپنی ذات کے روابط اس سے باندھ رہا تھا اس بامراد لمحے سے باندھ رہا تھا جسے وصال کہتے ہیں۔ وہ ایک مسحور کن سرگوشی تھی کہ ایسل کا دل ٹھنڈا اور سماعت سن ہوئی ورنہ وہ تو اتنا تو پوچھتی۔

"اور میرے بعد......؟" اس نے اپنا سرخ چہرہ لمحہ بھر کو اوپر کیا اور وہ ہی تین حروف آنکھوں میں لکھ کے اسے دیکھا، اس کے چہرے کے گرد ہلکی بھوری سرخی مائل سی چند لٹیں حلقہ آمیز تھیں۔ سامنے بیٹھے شخص نے ان آنکھوں میں تحریر حروف کو فرصت سے پڑھا۔

"بعد میں بس وقت گزرتا ہے۔" اس نے دھیرے سے محتاط سا ہو کے کہا۔ "زندگی تو سمجھو اس خواہش میں ہی تمام ہو جاتی ہے۔" اس نے سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی سے اس کے بالوں کو چہرے سے ذرا دور کرنا چاہا اور پھر نقطہ بھر فاصلے سے مٹھی بند کرتا سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

ایسل نے اسے نگاہ اٹھا کے جاتے بھی نہیں دیکھا، جو عجیب تر تھا جس کی نگاہوں سے بندھا حصار اب جانے کون سے اسم سے ٹوٹا تھا۔

"میں اب کسی کی عیادت کروں گی نہ ہی اب قلوں کا کھانا کھاؤں گی نہ ہی بورنگ ویسے اٹینڈ کروں گی کہ اب نوید ولا...... آنا میری خواہشوں میں نہیں ہوگا۔"

اس نے اپنے مختل حواس سمیٹتے ہوئے دل میں پکا تہیہ کیا تھا۔

"میں اب خواب دیکھنا اور سراب کا پیچھا کرنا چھوڑ دوں گی۔" وہ خود سے کیسے کیسے عہد باندھ کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گھر واپس آئی تھی۔

☆❁☆

آنے والے دنوں میں عالیہ کا کہا سچ ثابت ہوا کہ دادی کے ستارے واقعی گردش میں تھے جن لوگوں کے ساتھ شازمہ کے شوہر کی لڑائی ہوئی تھی، انہوں نے موقع پاتے ہی اسے گولی کا نشانہ بنایا تھا، گولی ٹانگ کی ہڈی میں لگی تھی مگر سب کلمہ شکر ادا کررہے تھے کہ جان بچ گئی۔ اسی ٹینشن کی وجہ سے گھر میں ماحول کافی سنجیدہ ہو چلا تھا۔

''بھئی اب سب کو منہ کے زاویے درست کرنا چاہئیں۔ مجھ سے اس قدر افسردگی برداشت نہیں ہوتی۔'' ایک ہفتہ اس ماحول میں بمشکل گزارنے کے بعد عالیہ نے وہ گروپ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اس لیے آج وہ سب اپنی جمع شدہ رقم سے عاطف کی دو روز بعد آنے والی برتھ ڈے سلیبریٹ کرنے کا پروگرام سیٹ کررہی تھیں جب سارہ دھواں دھواں سا چہرہ لیے اوپر آئی۔

''کیا ہوا؟'' وہ سب ہی اسے اس حال میں دیکھ کے گھبرا گئی تھیں۔

''اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں ان کے ساتھ ہسپتال جارہی ہوں۔'' وہ اپنے بیڈ روم سے چادر اٹھا کر افتاں و خیزاں سیڑھیاں اتر گئی تو وہ بھی ایک ساتھ ہی نیچے اتریں۔

''اماں کو اچانک کیا ہوا ہے فائزہ؟'' تایا بھی حواس باختہ سے بیڈ روم سے باہر آئے۔

''جواد تو خیریت سے ہے ناں، کہ آج کل اس کا شمار ہی مریضوں میں ہورہا تھا، سب خیریت ہے ماشاءاللہ۔ بس عاطف کے منہ سے خبر سنتے ہی ان کا بی پی بہت لو ہوگیا تھا، جیسے بے ہوشی میں چلی گئی ہوں۔'' حالانکہ پریشانی تائی کے چہرے سے بھی ہویدا تھی۔

''مگر عاطف ہے کہاں اور وہ خبر کیا تھی؟'' تایا جھنجھلائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

''عاطف ابھی تو یہیں تھا شاید اماں کے ساتھ ہی چلا گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ حزام نوید سے کسی لڑکے کا مرڈر ہوگیا ہے۔'' وہاں کئی پل خاموشی چھا گئی۔

''ارے بھئی وہ ہی لڑکا...... اماں کی کزن شانزہ خاتون کا پوتا۔'' تائی نے شوہر کے چہرے کے جامد تاثرات سے یہ ہی اخذ کیا کہ جیسے وہ نام ان کی یادداشت میں نہیں تھا۔

ایسل کا وجود جیسے زندگی کے ہر احساس سمیت خاموش ہوا۔

''معاملہ نوید کی بہن کا تو نہیں؟'' کافی دیر بعد تایا نے پھر سے سوال کیا۔

''پتا نہیں...... اماں کی حالت ہی ایسی ہوگئی تھی، وہ مزید کیا بات کرتا۔'' تائی نے سرسری جواب دیا۔ گو کہ ان کی آواز سے بھی پریشانی واضح تھی۔ گھر کے کچھ افراد تو دادی کے انتظار میں وہیں تک گئے تھے مگر ایسل جیسے خود کو گھسیٹتی اپنے کمرے تک لے آئی تھی۔

اس کے اندر اترنے والی خاموشی اس قدر سفاک تھی کہ ہر آتی جاتی سانس پر مٹھی دبا کے بیٹھی تھی کہ آنکھوں سے بہنے والا پانی تک بے آواز اور نڈھال تھا۔

☆❁☆

اگلے کچھ دنوں تک جتنے منہ اتنی باتیں کے مصداق، حزام کے بارے میں جانے کیا کیا کہا گیا۔ سننے میں یہ ہی آرہا تھا کسی لڑکی کا معاملہ تھا، وہ زخمی لڑکی بھی ہاسپٹلائزڈ تھی۔ بعض کا کہنا تھا کہ حزام سے ملاقات طے کرنے کے بعد اس نے کسی اور آدمی کو بھی بلالیا تھا۔

سننے میں یہ بھی آرہا تھا کہ قتل کیس میں حزام کو پھنسانے والی نوید کی سوتیلی بہن ہی ہے۔ جو بھی تھا لیکن وہ ساری خبریں ایسل کو تکلیف دے رہی تھیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دادی کی طبیعت سنبھلی تو گھر کی خواتین نوید ولا سے ہو آئی تھیں۔ نوید اپنے اثر ورسوخ استعمال کر رہے تھے، دوسری طرف حزام کا بیان تھا کہ اس کا اس لڑکی سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس قتل میں اس کے کچھ قریبی دوستوں کا ہاتھ تھا، کسی بڑے ہاتھ میں بک چکے تھے اور اس فلیٹ میں اسے سازش کے تحت بلایا گیا تھا۔

شہر کا نامی گرامی وکیل اس کا کیس لڑ رہا تھا، اس کیس کے بارے میں صبا بھی اسے اپ ڈیٹ کرتی تھی کہ اس کی مما بھی اسی وکیل کے چیمبر میں ہوتی تھیں مگر ابھی تک شواہد حزام کے خلاف جا رہے تھے۔

ایسل کا دل بھی حزام نوید کا وکیل بن چکا تھا اور اس سے ایمان دار وکیل کسی کو کیا ملا ہوگا۔ وہ راتوں کو تکیے بھگوتی، خشک سی ہنسی ہنستی تھی۔ وہ سو بھی جاتی تو محبت جاگتی رہتی تھی، وہ عجب سرکش بلا تھی جسے اس شخص کی بدنامی سے سروکار تھا نہ کردار سے کچھ لینا دینا تھا کہ دل کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ جو بھٹکتے بھٹکتے خوابوں سے سرابوں کے معنی پوچھتا تھا۔

وہ مارچ کی اس سہ پہر میں بھی دو گھڑی ستا آتا تھا جہاں کسی نے دو گلابوں کی صورت کچی عمر کی اک پہیلی ڈالنا چاہی تھی اور جسے ان تعلق دار آنکھوں نے فوری بوجھ لیا تھا۔ دل ایک پاگل وکیل تھا جو محبت کے تمام شواہد ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

''تم سامنے تھیں اور میں نے ہر ایک سے واسطے اور رابطے ختم کر لیے۔''

وہ جاتی اپریل کے کسی دن کی سرگوشی اٹھا لاتا۔

وہ کمرہ بند کر کے روتی اور روتی ہی جاتی۔ جو اس معاملے میں اچھی یادداشت کا دعوے دار تھا، جس کے ہاتھ کی ایک انگلی تک بے اختیار نہیں تھی جو اپنی خواہش کو مٹھی میں سمیٹ کر راہ سے ہٹ جاتا تھا، دل اس کا مقدمہ دلیری سے لڑ رہا تھا۔

جو میں جانتی بچھڑت ہیں سیاں

میں گھونگھٹا کو آگ لگا دیتی

اس نے حزام کے لیے جتنے آنسو بہائے تھے، وہ شمار سے باہر تھے۔ اس نے کتنی دعائیں مانگی تھیں، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

☆❁☆

وہ تمام شواہد اور ثبوت کی روشنی میں بے گناہ ثابت ہوا تھا اور ایک سال جیل کاٹنے کے بعد رہا کر دیا گیا تھا۔ اس کی رہائی کے بعد چند روز الیکٹرانک میڈیا پر ہل چل سی مچی تھی پھر بات ختم۔

یہ سب نوید کی بہن کی کارستانی تھی، اب یہ بھی واضح ہو چکا تھا مگر نوید نے سوتیلی بہن کے خلاف کسی بھی قانونی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس کی رہائی کا سن کے دادی کے سوا یہاں سے کوئی بھی نہیں گیا تھا مگر نوید ولا سے بھیجی گئی مٹھائی ایسل نے خوب کھائی تھی پھر اس نے سنا کہ انکل نوید نے حزام کو بزنس سمیت انگلینڈ شفٹ کر دیا تھا اور اس کی فیملی بھی کچھ عرصہ کے لیے ساتھ ہی گئی تھی۔

وقت کے ساتھ ہر چیز درست ہو چکی تھی لیکن ایسل کو وہ شخص اب بھی نہیں بھولا تھا، اب تو اس حادثے کو چار سال گزر چکے تھے۔ وہ اس کے بارے میں بے خبر تھی۔

لنچ کے وقت میں صبا نے اسے اپنی شادی کی ٹریٹ مائزکلب میں ہی دی تھی اور اس شام ایسل کا دل اس سے بھی چھپ کے روتا رہا تھا۔ پارکنگ ایریا کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے آخری بار ان قدموں کی آہٹ محسوس کی تھی۔ اس شام کے بعد وہ اس کی زندگی میں اس حد تک رہ گیا، جیسے ڈائری میں اپنے ہاتھ سے کسی بہت ہی اپنے وقت سے لکھی کسی نظم کو کبھی سالوں بعد ڈائری ہاتھ لگنے کی صورت پڑھ کے نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیتے ہیں۔

☆❁☆

آج چار سال بعد ان کے ہاں حزام نوید کا رشتہ جس کے لیے آیا تھا، وہ جانتی تھی۔ قصہ اتنی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جلدی کہاں ختم ہوتا ہے۔ اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی، نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اورآنکھوں میں نمی تھی۔

اب زندگی کو اور اس سے کیا چاہیے تھا، اس نے اپنے دل سے باز پرس کی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا، بھلے ادھر سے انکار ہو چکا تھا پھر بھی اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ جواسے یادرہا۔

اس نے بھی اسے یادداشت میں محفوظ رکھا، دل سہا پھر ٹھہر کے دھڑکا کہ دل اب پہلے سا نہیں تھا۔ اس نے وہ پائل اتار کے پھینک دی تھی جس کی چھم چھم میں کبھی وہ مخص ہوا کرتا تھا۔

☆❁☆

اس گھر میں اب بھی چچا سمیت سب کچھ ویسے کا ویسا تھا، اب ان کی دونوں بیٹیاں حمنا اور عمنا دس گیارہ سال کی ہو چکی تھیں۔ چچا کی روک ٹوک کا انداز ویسا ہی تھا کہ اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی ان کی سوچ کا انداز وہی تھا۔ اس سارے عرصے میں ایسل کا دل اور دادی کے لب بس مطلب کی بات کرتے تھے۔

دادی کو اپنی نواسی کا دکھ بھی اندر ہی اندر گھلا رہا تھا کہ جب جواد کی ٹانگ ٹھیک ہوگئی تھی تو اس نے اپنا بدلہ لے لیا تھا اور جواد کے ہاتھ سے چلنے والی گولی سے وہ شخص موقع پر ہلاک ہو گیا تھا۔ اب جواد ڈھائی سال سے جیل میں تھا اور شازمہ اپنے بیٹے سمیت اپنی ماں کے گھر رہ رہی تھی۔

عرفان، شازمہ کی خلع چاہتے تھے اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی، جب بھی گھر والے مل بیٹھتے تو گفتگو کا رخ جواد کی جانب مڑ جاتا تھا۔ آج کافی دنوں بعد گھر میں کوئی اور ذکر چھڑا تھا۔ عالیہ کے لیے اس کے ماموں زاد رضا کا رشتہ آیا تھا سو گھر والے مل بیٹھ کے کوئی حتمی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

''اب صبوحی کا ہاؤس جاب مکمل ہونے والا ہے تو یہ رشتہ اس کے لیے ایکسپٹ کیوں نہیں کرلیا جاتا۔'' یہ نایاب اور انوکھا مشورہ عرفان صاحب کا تھا۔

''لیجیے، جب رشتہ عالیہ کے لیے آیا ہے تو صبوحی بیچ میں کہاں سے آ گئی؟'' سارہ نے جواب کے ساتھ انہیں سلگ کے دیکھا تھا۔

''گھر کی بات ہے، کہہ دیں گے پہلے بڑی بیٹی پھر چھوٹی......'' کیونکہ عرفان چچا کے ذمے سمجھانا تھا، سمجھنا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔

''اگر بھائی اور بھابی کا معاملہ ہوتا تو ٹھیک تھا مگر یہ رشتہ رضا کی خواہش پر بھی آیا ہے۔'' تائی نے الفاظ کا مناسب چناؤ کرتے ہوئے کیسے قرینے سے بات کی تھی مگر چچا کے چہرے پر غیظ وغضب کے آثار دکھائی دیے۔

''رضا عالیہ کے لیے اس طرح کے جذبات رکھتا ہے۔'' انہوں نے حاضرین محفل کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا کہ تائی بے چاری اوائل مارچ میں ہی پسینہ پسینہ ہوگئیں۔

''بات کرنے کا یہ کون سا انداز ہے؟'' توقیر کا لہجہ تیز اور ترش تھا۔ ''آئندہ اپنے دوستوں کی زبان وہیں چھوڑ آیا کرو۔'' انہوں نے تیوری چڑھا کے کہا تو عرفان ہلکا سا گڑبڑائے۔

توقیر اپنی نشست تیزی سے چھوڑ کر اٹھ گئے اور اگلے ہی منٹ عرفان بھی طیش کے عالم میں ہی اٹھے تھے، کتنی ہی دیر ماحول پر سکوت چھایا رہا۔

''اماں! آپ بالکل خاموش ہیں؟'' محسن ماں کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ جواباً پھیکا سا مسکرا دیں۔ وہ کیا بولتیں کہ وہ تو پچھلے چار دنوں سے اداس اور ملول تھیں، اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ شازمہ کو یوں خالی ہاتھ رخصت نہ کرتیں۔

ابھی تو انہوں نے سوال ہی کیا تھا کہ بہوؤں کے چہروں پہ زردیاں کھنڈ گئیں......اور انہوں نے کوئی بھی رسم نبھائے بنا معذرت کرلی تھی۔

سوچنے سمجھنے کی مہلت تو لی ہی جاتی ہے،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شانزہ میری بہن تھی۔" ان کے جانے کے بعد دادی نے بہوؤں سے ہلکا سا شکوہ کیا تھا۔

"اماں! ان کے پوتے کی شہرت جیسی بھی تھی، یہ آپ کو پتا ہے۔ آپ خود سوچیے، کسی دشمنی کی صورت اس نے جیل کاٹی تھی، اگر کبھی اس کے ذہن میں بدلہ لینے کا خناس سا گیا تو لڑکی سمجھو، شانزمہ کی طرح برباد ہی ہوگئی۔ آخر نیک نامی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے اماں! لوگ تو یہی کہیں گے کہ ماں، باپ نے صرف دولت دیکھی، بھانجی کا انجام بھی بھلا دیا۔"

ان کا جواز ایسا تھا کہ دادی کے سارے لفظ گونگے ہوگئے۔ آج عالیہ کے رشتے کے سلسلے میں وہ دانستہ خاموش تھیں۔ آج ایسل اور دادی کا حال ایک جیسا ہی تھا۔ لاکھ دامن چھڑانے پر بھی دونوں کے دل میں ایک ہی نام دھڑک رہا تھا۔ ہزار پہرے توڑ کر بھی دونوں کا دھیان ایک ہی راہ پہ دوڑ رہا تھا۔

☆❁☆

یونی ورسٹی میں ڈیپارٹمنٹ کے فنکشن سر پہ تھے اور دو روز قبل کسی جھگڑے کی بنا پر اسٹوڈنٹ کے دو گروپس کی کشیدگی بھی زوروں پہ ہی تھی۔ آج اسی سلسلے میں پرنسپل صاحب نے ڈیپارٹمنٹس کے پروفیسرز کو لنچ آور میں ایک ریسٹورنٹ میں مدعو کیا تھا۔ ایسل کا مکمل دھیان میٹنگ کی بحث کی طرف تھا کہ اس کے سیل کی ٹیکسٹ ٹون بجی۔

اس نے آہستگی سے فون قریب کر کے میسج پڑھا۔ ندا کے کالج میں شام کو فنکشن تھا۔ اس نے اسے جلد گھر آنے کو کہا تھا۔ اس نے فون بیگ میں رکھا اور سامنے متوجہ ہوئی، وہ ساکت ہوئی تھی یا بکھر گئی تھی۔ برابر والی میز پہ بیٹھا شخص اسے مکمل دھیان سے دیکھ رہا تھا۔

ایسل نے خود کو لمحوں میں سمیٹا کہ دھیان سے دیکھنے والے نے دیکھا کہ سرسری نظر میں بھی پہچان کا کوئی رنگ نہیں ابھرا تھا کہ ایسل کی نظر کے بنجر پن نے جتا دیا تھا۔

"اب یہاں خواب نہیں اُگتے۔ دیکھ لو تمہاری میز پہ بیٹھے باقی افراد کی طرح ہی میں نے تم پہ اچٹتی سی ہی نظر ڈالی، بھلے تم سامنے رہو، بھلے تم چھپ جاؤ۔ اب یہ نگاہیں تمہیں ڈھونڈنا بھول چکی ہیں۔"

مگر جانے کیوں دل کے سونے پن میں اک رستہ سا نظر آیا تھا۔ جس میں وہ اس کے ہم قدم تھا۔ اس کی شخصیت کی سنجیدگی ایسل نے ایک اچٹتی سی نظر میں ہی بھانپ لی تھی۔ شاید وہ بھی ان ہی کی طرح ایک آفیشل لنچ پہ جمع تھے۔ کچھ دیر بعد اس کے پاس بیٹھے افراد اٹھ گئے تھے، اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔

"اسے بھی چلے جانا چاہیے۔" اس نے سلگ کے سوچا۔ وہ اس کی نگاہ کا ارتکاز محسوس کر سکتی تھی۔ آدھ پون گھنٹے تک ان کی میٹنگ بھی برخاست ہوگئی، اس سارے وقت میں ایسل نے اس پہ دوسری نگاہ بھی نہیں ڈالی تھی۔ سینے کے اندر دل تباہیاں مچا رہا تھا، یہ وہی شخص ہے جسے دیکھنے کے لیے تم کس قدر خوار ہوتی تھیں، مگر ایسل نے کب کے وہ زمانے کسی کاغذ کی طرح لپیٹ کے ایک بے وجود سمندر کی نذر کر دیے تھے۔

اس ہرجائی کی میز کے پاس سے گزرتے ہوئے دل سے وہ پانی رسنے لگا تھا جو آنکھ میں اتر کے آنسو کہلاتا تھا اور آنکھیں کسی کڑے وقت میں اسی پانی نے خوب دوستانہ نبھایا تھا، مگر آج نہیں۔ آج وہ آنکھوں کے زیر حکم تھی۔ جنہیں اس شخص سے ہزاروں شکوے تھے، وہ سامنے شیشے کی دیوار سے دیکھ سکتی تھی کہ وہ اب اسے چہرہ موڑ کے دیکھ رہا تھا۔ دیکھنے والے کی آنکھوں میں بے قراری اور بے یقینی ہی نہیں تھی، ہلکی سی نمی بھی تھی۔ ایسل نے ریسٹورنٹ کا دروازہ دھکیلتے ہوئے ترچھے رخ کے ساتھ مڑتے ہوئے بھی محسوس کیا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایسل نے آنکھوں کی بادشاہی پہ مٹی ڈالنا چاہی کہ دل اس شخص پہ اک فقیرانہ سی نگاہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈالنے کی منت کر رہا تھا۔

☆❁☆

ہمارے چچا فلم انڈسٹری میں ہوتے تو پاکستان کے سپر ولن ہوتے۔

عالیہ نے ان ارشادات کے ساتھ منہ میں گرم پکوڑا ڈالا کہ دل تو پہلے ہی جل رہا تھا، اب وہ منہ جلنے کے بہانے ایک دو آنسو تو بہا سکتی تھی۔ عالیہ کی اس حرکت پہ سارہ کے چہرے پہ حیرت اور ہنسی نے لکن چھپن کھیلی۔

"ایسے تو مت کر دو یار...... انکار تو نہیں ہوا نا، بس صبوحی کا رشتہ طے ہونے تک مہلت مانگی گئی ہے۔" سارہ نے اس کے ہاتھ سے دوسرا گرم پکوڑا جھپٹا۔

"یہ خودکشی کا نیا طریقہ ہے بھئی۔" ندا کے منہ سے پھلجھڑی چھوٹی تھی۔ "فیس بک پہ لگا دو کہ آج کل دل والے ایسے خودکشی کر رہے ہیں۔"

ندا اب پلیٹ سامنے رکھ چکی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے، بالکل خزاں کا پتا لگ رہی ہو۔" سارہ نے گم صم سی بیٹھی ایسل پہ گہری نگاہ ڈالی، جو عالیہ کے رخسار پہ پھسلتے دو آنسوؤں کو حسرت سے دیکھ رہی تھی کہ چھپ کے رونا بھی عذاب تھا۔

وہ عالیہ کے رخسار پہ جیسے محبت کا چہرہ دیکھ رہی تھی، تپا ہوا سمٹا ہوا، بہتے بہتے پوروں کی بے دردی سے رگڑ سے صاف ہو جانے والا۔ اس نے اک محتاط سی آہ بھری۔

"کچھ نہیں، یوں ہی دھیان سا گزرا کہ ارسل کی آپی دوبارہ کیوں نہیں آئیں۔ (جو سارہ کی دوست تھیں۔)

"لو کیسے آتی بھلا...... تمہارے چچا مجھے گھر بدر نہ کر دیتے۔"

سارہ نے آواز ذرا دھیمی ہی رکھی تھی کہ صبوحی نے بروقت انٹری مار کے ان سب پہ حیران کن نظر ڈالی تھی اور وہ سب اس بات پہ سر پیٹتی تھیں کہ کسی کو آنکھیں اچھی ملتی ہیں، کسی کو ناک، رنگ، بال وغیرہ مگر یہاں معاملہ کچھ یوں تھا کہ صبوحی کو کان اچھے ملے تھے۔

"ارسل کی آپی طاہرہ، چچا کی وجہ سے دوبارہ نہیں آئیں اور یہ خبر مجھ سے چھپالی گئی۔"

اس کے چہرے کا رنگ ایک دم ہی بدلا تھا اور وہ پیر پٹختی واپس اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

☆❁☆

بات کچھ یوں تھی کہ سارہ کی بیسٹ فرینڈ جو کہ اب ابوظہبی میں مقیم تھیں۔ وہ یہاں میکے میں آئی ہوئی تھیں اور تین، چار بار اپنے بھائی کے ساتھ سارہ سے بھی ملنے آتی رہی تھیں۔ اب ابوظہبی جانے سے پہلے وہ بھائی کے لیے صبوحی کا رشتہ ڈال کے گئی تھیں اور جیسے سنتے ہی عرفان چچا ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔

"تمہاری دوست اپنے بھائی کو اسی مقصد کے لیے ساتھ لے کر آتی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی لڑکی اسے پسند آجائے تو ان بے چاریوں کا بھی بھلا ہو جائے گا۔"

شوہر کی اس بات پہ سارہ بے چاری کا منہ جو کھلا تو گھنٹوں کھلا ہی رہا۔

ارسل بھی ڈاکٹر تھا، یعنی وہ اور صبوحی تو ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے۔ یعنی پسند بھی کرتے تھے۔

"آئندہ میں تمہاری دوست کے ساتھ اس گھر میں اس کا بھائی نہیں دیکھنا چاہوں گا۔"

اب شوہر کے اس قدر رد و ٹوک سے جواب پہ وہ اس رشتے کا ذکر گھر میں کیسے کرتیں، لیکن لڑکیاں یہ سارا معاملہ جانتی تھیں۔

طاہرہ کے ابوظہبی جانے کے بعد صبوحی نے بھی سارہ سے پوچھ کچھ نہیں کی تھی، حالانکہ ارسل اس سے کئی بار پوچھ چکا تھا۔

اپنے کمرے میں چکر کاٹتی صبوحی اس بے ایمان گروپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆❁☆

آج آرٹ کونسل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر نے شاہی قلعے میں جشن بہاراں کی تقریب کا پہلا سلسلہ شروع کیا تو ایسل بھی وہاں فیکلٹی کے ہمراہ مدعو تھی۔ غزل نائٹ کا بھی اہتمام تھا تو فنون لطیفہ میں دلچسپی رکھنے والوں کا بھی وہاں جم غفیر تھا۔

وہ وہاں پھولوں کے بے شمار اسٹالز پہ نگاہ ڈالتی چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ چلتی جا رہی تھی کہ آہستگی سے کوئی اس کے ہمراہ چلنے لگا اور یوں قدم ملا کے کوئی شناسا ہی راستے ناپ سکتا تھا، اس کا دل اعتدال سے ہٹ کے دھڑکا۔ اس نے نگاہ اٹھائے یا موڑے بنا ساتھ چلتے شخص کے جوتوں کو دیکھا۔ وہ اعصابی تناؤ کا شکار ہوئی۔ بات ہر طرح سے ختم ہو چکی تھی، پھر وہ ساتھ کیوں چل رہا تھا۔

نگاہ کچھ اوپر اٹھی اور ساتھ چلنے والے کے ہاتھ پہ ٹکی، آج اس کے بال ہوا میں نہیں اڑ رہے تھے کہ کسی کی پور پہ اک بے مہاری سی خواہش اڑتی...... کہ اب ایسل کو بال سمیٹنے کی عادت ہو چلی تھی۔

وہ اس لمحے اپنے ساتھ اک گمبھیر خاموشی گھسیٹتے ہوئے اس کے ہمراہ تھا، نہ اپنا حال بتا رہا تھا، نہ اس کا حال پوچھ رہا تھا، جس نے وہاں آ کے ہوا میں اڑانیں بھرتی گلاب، لالہ اور جیسمین کی مہک اپنے وجود میں بھر لی تھی کہ سانس لیتے ہوئے ساتھ چلنے والے کے وجود کی خوشبو حواس چھوڑ رہی تھی۔

بہار آئی تو جیسے یک بار لوٹ آئے ہیں
پھر عدم سے وہ خواب سارے شباب سارے

دور مغنیہ کی نرم آواز نے نظم چھیڑی تھی۔ مگر وہ آواز اس شخص کی ہتھیلیوں سے بھی پھوٹنے لگی تھی۔

وہ روش سنسان نہیں تھی۔ مسلسل کچھ لوگ آ جا رہے تھے۔

جو تیرے ہونٹوں پہ مر مٹے تھے
جو مٹ کے ہر بار پھر جیے تھے

نکھر گئے ہیں گلاب سارے

...... کہ ساتھ چلنے والا ایک دم اس کے مقابل ٹھہر چکا تھا۔

ملال احوال دوستاں بھی
تیرے ہمارے سوال سارے جواب سارے......
بہار آئی تو......

اس نے اپنے بال کیا سمیٹ لیے تھے، یوں زندگی کے تمام باب ہی سمیٹ چکی تھی۔ ان حساب لیتی آنکھوں کی طرف اس لڑکی کے بھی کئی حساب نکلتے تھے۔

سو اس نے بھی جسارت کی اور اس شخص کی آنکھوں میں اسی کے انداز میں جھانکا۔

بہار آئی تو کھل گئے ہیں
نئے سرے سے حساب سارے

ان آنکھوں نے ایک دوسرے کو جتایا تھا کہ "ہاں اب نئے سرے سے بات ہو گی۔"

کئی پل دھیرے سے سرک گئے کہ ایسل نے اسے بولتے سنا۔

"میں ٹھہر چکا ہوں۔ تھم چکا ہوں۔ ایسے ہی...... اسی طرح۔"

اس کا تپا سا لہجہ انتہائی بوجھل تھا۔ "ایسا کیوں؟ کہ اتنے سالوں بعد تم نے مجھ پہ اک اجنبی سی نگاہ ڈالی اور تمہاری دوسری نگاہ کے انتظار میں وقت کاٹتے میں نے جانا کہ انتظار کیا ہوتا ہے۔ تکلیف کیا ہوتی ہے۔"

وہ مدھم لہجہ کانچ کے ٹوٹنے کا سا تھا۔

"اور جب وہ انتظار بھی ختم ہوا تو میں نے جانا کہ میں تو مٹ چکا ہوں۔"

وہ کرب آمیز آواز تھی۔ وہ کیسی بے قرار آنکھیں تھیں، بند توڑنے جیسی...... وہ اب ایسل کی خشک آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بمشکل نگاہ چرائی کہ ان خشک آنکھوں میں وہ لہجہ پانی بننے لگا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ ذرا سا پیچھے ہوئی۔

"ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں تھا کہ تمہیں راہ میں آ کے مجھ سے حساب لینا پڑتا۔"

وہ پاس سے گزر کے اب آگے بڑھی۔

"کیوں نہیں تھا ایسل؟" وہ دوبارہ اس کے سامنے آیا۔ "کچھ تھا، کچھ تو ایسا تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے حزام نوید کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا۔ کسی کا بھی نہیں ہوتا تھا۔"

وہ لہجہ بارش کے جیسا تھا۔

"تمہارے ہونے سے وہ دنیا سے یوں ہی تو واسطے ختم نہیں کر لیتا تھا۔"

وہ لہجہ منتشر تھا۔ مضطرب تھا۔ وہ نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ بے چین ہوئی۔

"اسے بھی تو سوال کا حق تھا، اسے بھی حساب کرنا آتا تھا۔ اس نے دل کڑا کر کے ایک بار پھر اسے اجنبیوں کی طرح دیکھا۔ اس نے حزام کو اپنی آنکھوں سے محبت اڑا کے دیکھا۔

"تمہاری فیلنگز جس حد تک بھی تھیں، یک طرفہ تھیں۔"

"اف...... کیا وہ گمان تھا۔" وہ تڑخ کے ٹوٹا...... کیا وہ آواز ایسل کی تھی، پھر سنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھا۔ ایسل نے جی داری سے نگاہ پھیری تھی۔

"محبت کرنا میں نے تم سے سیکھا تھا۔" جو تیرے ہونٹوں پہ مر مٹے تھے۔"

اس نے جی داری دکھائی تھی۔

اس دن تم میرا حال پوچھنے آئیں تو تمہاری انگلیوں میں دبے گلابوں پہ اور تمہارے چہرے پہ حروف یوں چمک رہے تھے۔ میں نے اس پل وہ دو گلاب اور چند حروف چرا کر اپنے دل میں بو لیے تھے۔

ایسل کی آنکھیں پتھر تو روح فنا ہوئی۔

"تب یہاں مٹی اتنی زرخیز تھی۔"

"اس نے ایک ہاتھ اپنے دل پہ رکھا کہ نمو پاتے پھلتے پھولتے ان حروف نے کہاں، کہاں قبضہ نہیں جما لیا تھا۔ اس شخص نے یہ کیسے وقت میں مارچ کی وہ سرمست سی سہ پہر گزرے وقت سے اٹھا کر اس کے راستے میں گاڑ دی تھی۔

وہ آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، مگر پیچھے تو ہٹ سکتی تھی۔ اک ذو معنی سا تبسم اس کے ہونٹوں پہ بکھرا۔

"چلو مان لیتے ہیں کہ محبت کرنا تم نے مجھ سے سیکھا...... چلو اب تم بھی مان لو کہ محبت میں کسی کا پابند نہ ہونا میں نے بھی تم سے سیکھ لیا ہے حزام نوید!"

اس نے اپنی بات پہ اترا کے کہا اور واپسی کی راہ پہ ہولی۔ جانے وہ وہیں کھڑا تھا یا کسی سمت بڑھ گیا تھا۔

☆❁☆

"یہ سب کیا ہو رہا ہے عرفان......! بد دماغی کی بھی کوئی حد ہوتی ہوگی یار!"

توقیر صاحب نے بھائی کو دوستانہ لہجے اور نرم آواز سے مخاطب کیا کہ کل رات سارہ نے سب کے سامنے ارسل کے رشتے کی بابت بتا دیا تھا اور ساتھ ہی وہ سب بھی جو شوہر صاحب نے فرمایا تھا، جب کہ تائی کو بھی عالیہ کے رشتے کے سلسلے میں عرفان سے شکایت تھی، اگر صبوحی کی بات یہاں بن جاتی تو دو چار ماہ تک دونوں بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو سکتے تھے۔

"کیسی بد دماغی؟" اس کا لہجہ شکنوں سے پر تھا۔

"ہمیں تو خوش ہونا چاہیے کہ دیکھنے دکھانے کے چکروں میں پڑے بنا بچیوں کے رشتے اچھے گھرانوں سے آئے ہیں، مبادا کہ ہم ناشکرا پن دکھاتے ہوئے الزام تراشی پہ اتر آئیں۔"

توقیر کی اس بات پہ عرفان نے بیوی کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ جب ہم لوگ سارہ کا رشتہ مانگنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چاہ رہے تھے تو کیا تمہاری رائے کو اہمیت نہیں دی تھی۔"

تو قیر صاحب نے انداز نشست بدلا اور لہجہ شہد کو بھی شرما رہا تھا۔

"وہ ایک الگ بات تھی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے روکھے پن سے بولے۔

"الگ کچھ بھی نہیں ہوتا۔" جواب سارہ نے دیا۔

"وہ پرائی بات اور یہ گھر کا معاملہ ہے۔ یہ وسوسوں اور ڈر کا سلسلہ تب ہی ختم ہوگا جب اپنے اور پرائے کے چکر سے ہٹ کر صرف عورت کی عزت کی جائے گی، ورنہ معاف کیجیے گا عرفان صاحب! اپنے گھر کی بہنیں، بیٹیاں بھی فرشتہ نہیں، انسان ہی ہوتی ہیں اور نہ ہی باقی والدین اپنی بیٹیاں کسی کی دلچسپی اور دل پشوری کے لیے پیدا کرتے ہیں۔"

سارہ کا لہجہ آخر میں بھرّا گیا تھا۔ عرفان کے چہرے کا رنگ بدلا۔

توقیر صاحب دانستہ گفتگو میں مداخلت سے احتراز برت رہے تھے کہ سارہ ان کے پوائنٹ آف ویو سے بات کر رہی تھی، اس لیے جب ان کی اپنی بیوی نے اپنی بھانجی کو آب دیدہ دیکھ کر کچھ کہنا چاہا تو، توقیر نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

"تم سے دل لگی کی نہ دل پشوری۔ تمہیں زندگی میں شامل کر لیا کہ تم قابل عزت تھیں۔ باقیوں کی بات چھوڑو۔"

وہ غصے میں آ کر جیسے وہاں سب کی موجودگی فراموش کر بیٹھے تھے۔

"باقیوں کی بات چھوڑو۔ یہ جملہ جانے کتنے ہی عرفان جب ادا کرتے ہوں گے تو وہاں ہمارا شمار بھی باقیوں میں ہی ہوتا ہے۔"

وہ ذرا سا ٹھنڈا ہو کے بھڑکی تھی، یہ تو سیدھا عرفان کی غیرت پہ وار ہوا تھا کہ بیوی نے غصے کو نئی راہ پہ ڈالا۔

"کوئی اس کے گھر کی لڑکیوں کو اپنے دل یا سوچوں میں بسانے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے۔" اس نے ایک منٹ میں کئی بار بار پہلو بدلا۔

"بچیوں کے معاملات میں تمہاری روک ٹوک یا دخل اندازی کو ہم اب بھی تمہارا حق سمجھتے ہیں۔ تمہارے احساسات کی قدر کرتے ہیں، لیکن میرے بھائی اتنی سی بات کو سمجھو...... کچھ معاملے غیرت کا جھنڈا لہرا کے نہیں عقل سے حل کیے جاتے ہیں، جب آنے والے سیدھے راستے سے آئے ہیں تو سمجھو اور سوچو کہ پھر کہیں کوئی چور دروازہ نہیں تھا۔"

توقیر صاف شفاف سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

اب وہ بھائی کو یہ نہیں سمجھا سکتے تھے کہ ہر خاص و عام چھوٹا بڑا آنگن...... بارش، بہار اور ہوا کو راستہ دیتا ہے، ان ہی بدلتی رُتوں میں کھلتے گلابوں میں، برستی بوندوں، اڑتے بادلوں اور ادھ کھلی کتابوں میں کہیں محبت بھی نمو پاتی ہے، کہیں کسی کو ذرا سا چھو کے اڑ جاتی ہے، کہیں پڑاؤ ڈالتی ہے، کہیں قیام کر لیتی ہے۔ محبت کے لیے ہر ذی روح نایاب ہوتا ہے، مگر ہر ذی روح کے لیے محبت نایاب نہیں ہوتی اور ایسے لوگ ہی محبت اور برائی کو برابر تولتے ہیں۔ کون قابل عزت ہے اور کون نا قابل عزت اس تقسیم کا ذمہ اور اختیار اللہ نے انسان کو کب دیا ہے۔ بس بات اتنی ہے کہ چور دروازوں کے متلاشی لوگوں کو مکافات عمل ڈراتا رہتا ہے، عرفان۔"

توقیر نے اپنے چھوٹے بھائی پہ ایک متاسف اور بے بس سی نگاہ ڈالی، جس کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی مفقود تھی۔

☆❁☆

عرفان چچا نے اسے بغور دیکھا، اس ہاسپٹل کے ریسپشن کاؤنٹر پہ کاؤنٹر بوائے سے بات چیت کرتی وہ ایسل ہی تھی۔ انہوں نے تاؤ کھا کے اسے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دوبارہ دیکھا۔ ان کا ارادہ تو لنچ کے لیے گھر جانے کا تھا کہ چند دوستوں نے اس کے آفس آکر اسے یاد دہانی کرائی کہ آج تو انہوں نے ایک ہاسپٹلائزڈ دوست کی عیادت کو جانا تھا...... مگر اب وہ خود کو کوس رہے تھے کہ کاش گھر ہی چلے جاتے۔

انہوں نے بھتیجی کو دیکھ کے نہ صرف نگاہ چرائی بلکہ سر جھکا کے قریب سے گزرنا چاہا...... وجہ وہی ازلی غیرت...... دوست کیا کہیں گے ان کے گھر کی عورت...... یہاں اکیلی کیسے...... مگر عرفان کی قسمت اچھی نہیں تھی کہ اسی پل ایسل کی نگاہ چچا پہ پڑی تھی۔ وہ فوری طور پر نہ صرف ان کی طرف بڑھی ساتھ ہی مخاطب بھی کیا۔

اب عرفان کے ساتھ ان پانچ مردوں نے گردنیں ایسل کی طرف گھمائی تھیں' غصے سے بل کھاتے چچا کو مجبوراً ٹھہرنا پڑا۔

''تم یہاں کیسے؟'' وہ دبے لہجے میں غرآئے۔

ایسل کا حلق خشک ہوا۔

''میری کولیگ کا گاڑی کی ٹکر لگنے سے بازو فریکچر ہوگیا تھا تو میں اسے ہاسپٹل لے آئی ہوں۔ ابھی اس کی فیملی کچھ دیر میں آتی ہوگی۔''

اس نے بمشکل تفصیل بتائی تھی کہ چچا کے تیور بھتیجی کو ثابت نگلنے کے تھے۔ باقی کی تمام کارروائی چچا نے دوستوں کے ساتھ مل کے ہی کی تھی۔ مریضہ ایڈمٹ ہوچکی تھی اور اس کا آپریشن ہورہا تھا، جب اس کی فیملی میں سے اس کا ایک بہنوئی وہاں پہنچا تھا۔

ان کے وہاں سے رخصت ہونے تک اس مریضہ کولیگ کا بہنوئی ایک ہی الجھن کا شکار تھا کہ چہرے مہرے سے کھڑدرا نظر آنے والا یہ بندہ اس قدر مہربانی کیسے کرگیا۔ اب اصل معامل تو ایسل جانتی تھی یا اللہ جانتا تھا۔

☆❁☆

ایسل نے اسے لائبریری کے داخلی دروازے سے اندر آتے دیکھا اور ایک مضطرب سا سانس ہوا کے سپرد کیا، وہ کتابوں سے بھرے ریکس کی اوٹ میں ہوئی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ چند منٹ کی پناہ ثابت ہوگی۔

''اس شخص کو اور کوئی کام نہیں۔'' اس نے کڑھ کے سوچا تھا۔

اسے اپنے کل کے لیکچر کے لیے کچھ کتابیں درکار تھیں۔ وہ آج یونی ورسٹی سے سیدھا لائبریری چلی آئی تھی۔ وہ اس سے چھپ تو نہیں سکتی تھی، مگر اس نے خود کو مصروف ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

کافی تلاش بسیار کے بعد اس نے اپنی مطلوبہ کتاب پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ اس سے پہلے اٹھالی گئی' ایسل نے اسے سپاٹ نگاہوں سے دیکھا۔ جس کا چہرہ آج بھی سنجیدگی کی ہر حد چھو رہا تھا۔

''میرا پیچھا کررہے ہو؟'' وہ سادا سا طرز تخاطب تھا، مگر نگاہ میں الجھاؤ تھا۔

حزام نے اسے کڑوی سی نظروں سے دیکھا، جو آج اس کی موجودگی میں کوفت کا شکار تھی۔

''نہیں...... '' میں تمہاری روٹین چیک کررہا ہوں۔'' اس کے لہجے نے بھی چہرے کی سنجیدگی کا بھرپور ساتھ دیا۔ البتہ مرکز نگاہ وہی تھی۔

''مطلب؟ ایسل......'' ابرو چڑھا کے سوالیہ سی ہوئی اور آہستگی سے اس کے ہاتھ سے کتاب پکڑلی۔

''مطلب یہ کہ میں تمہیں کسی مناسب وقت میں کڈنیپ کرنا چاہتا ہوں۔''

اف...... کیا بادشاہوں کا سا انداز تھا، باادب اور باملاحظہ کرنے جیسا کہ وہ سوجان سے تپی اور سلگی۔

''ہوشیار، خبردار کرنے کا شکریہ۔'' وہ دانت پیستی آگے بڑھی۔ کیا وہ سوچ سکتا تھا کہ یہ لہجہ بھی چمکتا تھا۔ اس نے چند قدم آگے چلتی لڑکی کو نہ چاہتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوئے بھی غصیلا سا ہو کے دیکھا۔
''اب اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا تو یاد رکھنا یہ ہی ہوگا۔''
کیا لاپروائی تھی کہ وہ ایک جھٹکے سے مڑی۔
''پیشگی معذرت خواہ ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھ کے خفیف سے کندھے اچکائے تھے۔
''حزام پلیز۔'' وہ ہاتھ اٹھا کے بے ساختہ اسے ٹوک گئی تو وہ جیسے بھڑک ہی گیا تھا۔
''تم کیا سمجھتی ہو ایسل کہ بال سمیٹ لینے سے تم نے وہ سارا وقت سمیٹ لیا ہے۔ جس میں تم تھیں —— میں تھا۔'' اس نے ایک تیقن کے ساتھ اسے یاد دلایا تھا۔
''اس وقت میں اور بھی بہت کچھ تھا۔'' اس نے بھی پلٹ کر اس ایک ہی جملے میں شکووں کا انبار اس کے سر رکھا تھا۔
''میں اس وقت کی صفائی نہیں دے سکتا، وہ گزر چکا ہے۔'' وہ پسپائی اختیار کرتے ہوئے دھیمے سے بولا تھا۔
''وہ کبھی بھی وقت کو گزارنے والے خود بھی ہر اچھی راہ پیچھے چھوڑ دیتے ہیں حزام نوید! کیا محبت میں آنکھوں کو اور قدموں کو پابند نہیں ہونا پڑتا۔''
ایسل کے لہجے میں اداسی اتری تھی۔
''وہ محض آوارگی تھی، ورنہ دل تو ہمیشہ تمہاری ذات کے دائرے میں ہی رہا۔ مجھے تمہاری تعلیم مکمل ہونے کا انتظار تھا، پھر اس حادثے نے جیسے ہر چیز الٹ پلٹ دی۔''
اس کے لہجے میں اک تکلیف سی سمٹ آئی تھی جو کہ سننے والی نے بھی محسوس کی۔
''ہاں...... واقعی اس حادثے نے ہر چیز الٹ پلٹ دی۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولی تو لہجہ بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔
حزام نے اس بے درد کو حیرت سے دیکھا، جو گیلی لکڑی میں ڈھل چکی تھی۔ نہ ٹوٹتی تھی، نہ جلتی تھی۔
''صرف میں تباہ ہوا تھا ایسل! ورنہ موسم تو اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ آتے جاتے رہے تھے۔''
وہ اک استہزاء کے ساتھ ہنسا تھا۔ جیسے اپنی ہی بات پہ تڑپا ہو۔ تڑپ تو وہ اٹھی تھی۔
''اگر موسموں میں پہلا سا نکھار قائم رہتا تو ایسل تو قیر کی آنکھیں یوں بنجر ہو جاتیں؟ تمہارے بعد اس نے جانا کہ کوئی ایک چہرہ ہی بہار کا موسم ہوتا ہے۔'' وہ کہہ نہ سکی، بس اسے دیکھتی رہ گئی۔ جس نے اس لڑکی کے چہرے کے بدلتے رنگوں کے ساتھ اپنی گہری سنجیدگی سے ذرا سا دامن چھڑایا تھا۔
''مجھے تمہارا چہرہ پڑھنا آتا ہے ایسل!'' وہ مدھم سا مسکرایا۔ اس نے ایک دم بے مروتی سے رخ موڑا تھا۔
''ان بے شمار لڑکیوں میں سے کوئی ایک تو اب تک غیر شادی شدہ ہوگی۔'' وہ کرسی گھسیٹ کے براجمان ہوئی اور اپنے سامنے کتاب کھولی۔
''ان لاکھوں کے ہوتے ہوئے بھی میرا انتخاب تم تھیں۔'' وہ بھی عین اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔
''تم مرد کس قدر عجیب مخلوق ہو۔ شادی کے لیے اس کا انتخاب کرتے ہو جو تمہارے آوارگی کے دنوں کی ساتھی نہیں ہوتی۔'' اس نے اسے سلگا نے والی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور وہ سلگ بھی گیا۔
''تم دنیا کی واحد باکردار لڑکی نہیں ہو ایسل...... بلکہ تم دنیا میں وہ واحد ہو جسے حزام نوید نے چاہا اور ہمیشہ چاہا۔''
اس نے ایسل کے ہاتھ سے کتاب چھین کے ٹیبل پہ پٹخ دی تھی۔ وہ اس قدر شور سے ایک دم ہی بدحواس ہوئی۔
''لائبریری میں بیٹھنے کے مینرز ہوتے ہیں۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ خفا سے انداز میں بولی۔

''میں کل دادی اور ماما کو دوبارہ تمہارے گھر بھیج رہا ہوں۔'' وہ کس قدر سکون سے کہہ رہا تھا کہ وہ بڑی حد تک بے سکون ہوئی اور اسے استفجابیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''پلیز ایسل۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے کچھ بھی کہنے سے روکا، تھکا ہوا سا، التجائیہ سا لہجہ کہ وہ بس نظریں جھکا کے رہ گئی۔

''اب میں واپس آچکا ہوں تو میں نہیں چاہتا کہ تم قلوں کے ختم، بورنگ ولیمے اور خواہ مخواہ آس پڑوس کے عقیقے اٹینڈ کرتی پھرو۔''

اس کا چہرہ اور اس کا لہجہ کہیں سے گئی رتوں کی مسکراہٹ ڈھونڈ لایا تھا۔

''ہیں......!'' ایسل نے اسے ششدر کے دیکھا۔ پھر جھینپ کے، اس رت سے نکل کے تپتے سے چہرے کے ساتھ نگاہ چرائی کہ مقابل کی نگاہوں میں وہ تاثر جیسے جم سا گیا تھا۔

''یقین کرو کہ میں نے وہ تمام ساعتیں کس قدر احتیاط سے خود میں سنبھالے رکھیں جو تیرے ہونے کے لمحوں سے تیری یادوں سے مشک بو تھیں۔ میرے لیے وہ دو گلاب ہی موسم بہار تھے جو آج بھی میرے والٹ میں محفوظ ہیں۔''

وہ محظوظ اور بوجھل سی مسکراہٹ کے ساتھ لب کشا تھا اور وہ منہ پہ ہاتھ رکھے حیرت کے کون کون سے در نہیں کھٹکھٹا چکی تھی کہ اب تو وہ اوس ان انتظار زدہ آنکھوں کا حق تھی جو اس لمحے ایسل کی آنکھوں میں چمکی تھی۔ وہ کچی عمر کے خواب اور پکی عمر کے عذابوں جیسے موسم اس لڑکی کو کس امتحان میں ڈال چکے تھے۔

آج وہ دونوں میاں، بیوی ایک ہی پوزیشن میں تھے۔ خوشی کے مارے بیوی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے اور غصے کے مارے شوہر کا پارہ بھی نیچے نہیں آرہا تھا۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھولتی بیڈروم میں آئی، جب کہ ہاتھوں میں نفیس سی ٹرے تھی جو اس نے کسی باادب کنیز کی طرح شوہر کو پیش کی، اس پہ مزید محبت۔

''آپ کا سر دبا دوں؟'' لہجے میں من بھر مٹھائی سمو کے پوچھا۔

عرفان نے اس کا سجا، سنورا چہرہ نظر بھر کے دیکھا۔

''نہیں...... پاؤں دبا دو۔'' توقف کے بعد احسان جتاتا سا لہجہ، چائے کا کپ اٹھائے ہوئے حکم صادر کیا۔ جانتا تھا کہ اسے پاؤں دبانے سے کس قدر کوفت ہوتی تھی۔ وہ بیڈ پہ ٹک گئی اور نرم ہاتھوں سے پاؤں دبانے لگی۔

وہ حیران ہوا کہ آج انداز میں کوفت نہیں، بس خدمت کا عمل دخل تھا۔ سارہ کو اپنی خوشی تو سمجھ میں آرہی تھی کہ آج صبوحی اور عالیہ کے ہاتھوں میں رضا اور ارسل کی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں اور سارہ سمیت باقی گھر والوں کے چہرے بھی جگمگ کر رہے تھے۔

آج کی دوسری بڑی خبر شائزہ خاتون کا دوبارہ سے رشتہ لے کر آنا بھی تھا کہ آج انہوں نے توقیر اور نائلہ توقیر کے سامنے دامن پھیلایا تھا۔ پھر ایک گہری خاموشی کے بعد توقیر نے ادب اور نرمی کے ساتھ ان سے جواب کے لیے وقت مانگا تھا اور اس بات پہ عرفان صاحب نے اک امن بھرا ماحول خوب خراب کیا تھا۔

''مہلت کی کیا ضرورت تھی، صاف کہہ دینا تھا کہ وہ شخص ہماری بیٹی کے قابل نہیں۔''

تاہم اس نے بڑے بھائی کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب لہجہ اختیار کیا تھا، مگر اماں تو بیٹے کے مشورے پہ بھڑک ہی اٹھی تھیں۔

''واہ بھئی...... خوب' وہ جادوئی عینک ہمیں بھی تو دو، جس کے لگاتے ہی تمہیں قابل اور نا قابل کا فرق نظر آجاتا ہے۔'' اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گھما کے ایک مارتیں۔

''اگر کھلی آنکھوں کے ساتھ فیصلے کیے جائیں تو سب سمجھ میں آجاتا ہے۔ کیا نواسی کا انجام بھول

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گئیں۔ آپا نے بھی بس جاہ وحشمت دیکھ کے رشتہ کیا تھا۔" بیٹے نے سنتے کے ساتھ ماں کو طعنہ مارا۔ اس سے مشورہ جو نہیں لیا گیا تھا۔

کئی پل کو تو مارے صدمے کے ماں سے کچھ بولا ہی نہیں جا سکا تھا، کچھ بولنے کے قابل ہوئیں تو بس اتنا کہا۔

"یہ قسمت کے کھیل ہوتے ہیں کہ حادثے شادی کے بعد ہی ہو سکتے ہیں، ورنہ شادی سے پہلے کچھ برا ہو جائے تو حزام نوید جیسا رشتہ قبولنے سے قبل سو اندیشے ستاتے ہیں۔ اللہ نے شازمہ کا صبر دیکھا کہ سب ٹھیک ہو گیا۔"

اب اصل معاملہ اماں نہیں جانتی تھیں کہ نواسی نے اتنا طویل صبر کیوں کر کیا۔ بہرحال گھنٹہ بھر پہلے عرفان چچا حزام کے سلسلے میں شدید مخالفت کا تاثر دیتے ہوئے بیڈروم میں تشریف لے آئے تھے اور اب بیوی سے خدمت کروا رہے تھے۔

"آپ نے اماں کا دل دکھا کے اچھا نہیں کیا۔" وہ نروٹھے پن سے بولی، تو شوہر بس تاثرات کے ساتھ سوالیہ ہوا۔

"اماں اگر جواد کی دعوت کرنا چاہتی تھیں تو آپ کو منع نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس نے ترچھی نظر سے انہیں دیکھا، جن کی نگاہیں سیل فون کی روشن اسکرین پہ لگی تھیں، جن کے لیے اس سوال کا جواب ضروری نہیں تھا، جواد اب رہا ہو چکا تھا کہ ایک ماہ قبل قتل ہونے والے شخص کا خون بہا وصول کر کے اس کے ورثا نے کیس واپس لے لیا تھا۔ شاید ان کے دل کی بھڑاس نکل چکی تھی یا ان کی معاشی مجبوریاں تھیں۔

سارہ نے ایک پرسوچ سا سانس بھرا اور ان سے مخاطب ہوئی۔

"اب مجھے پتا چل گیا ہے کہ چوہا مارنا زیادہ مشکل کام ہے۔" جانے سارہ کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ چونکے اور سیل فون اپنے پہلو میں رکھا۔

"اب تو شازمہ کا شوہر انسان کو مارنے جیسا آسان کام بھی سرانجام دے چکا ہے۔ بقول آپ کے اب وہ الو کا پٹھا نہیں رہا تھا، آپ نے پھر بھی اسے یہاں داخلہ بندی کا حکم سنا دیا، کیوں کہ وہ اب جیل کاٹ چکا ہے۔" وہ ہنسی "کہ وہ اب شرفا میں سے نہیں۔ مان لیا، مگر اب شازمہ اتراتی ہے کہ اس کی شادی ایک بہادر انسان سے ہوئی۔ ہے نا عجیب بات۔" وہ پھر سے سابقہ انداز میں ہنسی۔

"تم نے بھنگ تو نہیں پی رکھی۔" اپنے پاؤں پیچھے سمیٹتے ہوئے وہ ناگواری سے گویا ہوئے۔ "اچھا بھلا موڈ خراب کر دیا۔" وہ بڑبڑائے۔

"اللہ...... رے' بے نیازی تو دیکھو۔" سارہ نے انہیں جھنجلا کے دیکھا۔ یعنی کہ پہلے کا موڈ اس کے اپنے حساب سے اچھا بھلا تھا۔

"گویا رشتے پانی میں بھیگ جانے والے کاغذ تھے، بہہ گئے سو بہہ گئے۔" وہ تادیر انہیں گھورتی رہی۔

"تم مانو یا نہ مانو مگر......" اس نے جان بوجھ کے توقف برتا کہ وہ متوجہ ہو چکے تھے۔ "آج کے دور میں مارنا، وہ بھی ڈنڈے سے، چوہے جیسے پھرتیلی ہستی، بہت مشکل کام ہے۔"

وہ شوہر کو تلملاتا اور بل کھاتا چھوڑ کے پیر پٹختی باہر جا چکی تھی۔

☆❁☆

"اسے کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔ جانے وہ کہاں کھڑی تھی۔ عورت سمتوں کا تعین کبھی کر ہی نہیں پائی یا وہ آسمان کی طرف دیکھتی ہے یا اپنے قدموں کی طرف' جن کے نیچے زمین ہوتی ہے۔ اس نے آئینے میں اپنا ستا ستا سا چہرہ دیکھا۔

پہلے کی بات اور تھی۔ بھلے جو بھی فیصلہ سنا دیا گیا تھا، اس کی بلا سے...... مگر اب...... اس نے ایک تھکا تھکا سا سانس لیا، جس کی ہمراہی وہ چاہتی تھی، وہ کس سمت کھڑا تھا، اس نے اپنے عکس سے سوال کیا۔

"کیا وہ چار قدم اس کی جانب اٹھا سکتی تھی؟"

کوئی بھی جواب نہ پا کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ "بے وفائی میں عورت کا بھی کوئی ثانی نہیں۔ وہ کس کمال سے بے وفائی کرتی ہے اور پھر خود کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بری الذمہ بھی ٹھہراتی ہے۔ میں نے سفر کیا تھا اور تمہارے لیے چاند تک گئی۔ جو خالی تھا وہاں تم نہیں تھے۔ تم شالی سمت کے جس جنگل میں میرے منتظر تھے میں وہاں تک کیسے آپاتی اور اگر میں آنے کی ٹھان بھی لیتی تو تمہیں اس گھنے جنگل میں کیوں کر ڈھونڈ پاتی۔ میں تو دنیا چھوڑ کے تمہارے ساتھ مریخ پہ رہنا چاہتی تھی اور تم میرے لیے مغربی ساحل پہ کھڑے رہ گئے۔ میں جب وہاں پہنچی تو سورج غروب ہو چکا تھا، تمہارا قصور تھا نا۔ تمہیں اک دیا تو جلا کے رکھنا چاہیے تھا نا۔

دراصل وہ اس بھنور سے کبھی نکل ہی نہیں پائی، خاندان، رسم و رواج، لوگ، وہ دائروں میں رہنے کی عادی جو ہوتی ہے اور اس دائرے میں بھلا شال کا جنگل اور مغربی ساحل کہاں سما سکتا ہے، اس حصار میں عورت آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتی ہے یا پھر قدموں کے نیچے جمی زمین کو دیکھتی ہے۔ عورت کس کمال سے بے وفائی، بے وفائی کھیلتی ہے۔" اس نے تکیہ درست کیا اور سونے کی کوشش کی۔

''بابا اور مما میں سے کسی نے بھی حزام کے متعلق اس سے بات نہیں کی تھی۔ اگر وہ مجھ سے بات کریں گے تو میں مریخ پہ رہنے کا خواب توڑ دوں گی کہ مجھے اسی کی سمت سفر کرنا ہوگا۔

جیسے کسی فیصلے پہ پہنچی۔

''اور اگر......'' اس کا دل بے چینی سے دھڑکا۔ ''کسی نے مجھ سے پوچھے بنا ہی......'' وہ سیدھی ہوئی اور مارچ کے آخری دنوں میں موٹی سی چادر اوڑھ لی۔ اب وہ جیسے خود سے چھپ گئی تھی۔

''کہہ دوں گی میں تو چاند تک...... اف......'' آنکھ کے کنارے بھیگ سے گئے۔ ''کہہ دوں گی تمہارے عام سے والٹ میں مقید ــــ بہار کا موسم میری محبت کا عطا شدہ ہے، کیا اس کے سوا بھی کچھ چاہیے۔'' اب رخسار بھی بھیگنے لگے۔'' ان مردوں سا بے وفا کوئی کیا ہوگا۔ لاکھوں افیئر چلا رہے ہوتے ہیں اور محبت کا دعوا کسی ایک سے۔ بھلا اب ان کا اعتبار کون کرے۔''

اس نے اپنی سوچ کا کوئی پرانا دریچہ کھولا اور سونے کی کوشش کی۔

☆❁☆

وہ ایک یونیک اور بہت بڑا شاپنگ مال تھا، وہ آج اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ وہاں شاپنگ کی غرض سے آیا تھا۔

'' ایک کپ چائے کا نہ ہو جائے۔'' کچھ شاپنگ نپٹانے کے بعد یہ مشورہ بھی ان ہی کا تھا۔

''کیوں نہیں۔'' باقی چاروں ان کے ساتھ ہو لیے۔ شاپنگ مال کے فوڈ کورٹ میں کچھ زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔

'' سکل بن پھول رہی سرسوں۔''

وہ سب سے آگے تھے اور مسرور سا ہو کے گنگنائے...... رات کو ایک تھیٹر پر فارمر نے کیا غضب کا رقص کیا تھا کہ وہ گیت ابھی تک ان کے ذہن میں تازہ تھا۔

انہوں نے لاپروا سے انداز میں سامنے دیکھا۔ ان کا سرور بھک سے اڑا۔ سکل بن سرسوں کیوں کر پھول سکتی تھی' یہ معمہ جائے بھاڑ میں۔ فی الحال تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ صدمے سے بے حال تھے کہ آج دوسری بار بھی وہی دوست ان کے ہمراہ تھے جنہوں نے ان کی بھتیجی کو دو ہفتے قبل ہاسپٹل میں دیکھا تھا اور تا دیر دیکھا تھا۔

مگر آج وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے سامنے حزام نوید بیٹھا تھا۔ وہ دونوں کسی بات پہ مسکرا رہے تھے، تیس سیکنڈ، پچاس سیکنڈ بالآخر ایک منٹ پورا ہوا۔ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آگے بڑھے۔ حالانکہ چہرہ آنچ دے رہا تھا اور دل میں بھانبڑ جل رہے تھے، مگر یہ تحمل کے ساتھ سوچ سمجھ سے کام لینے کا وقت تھا کہ بات عزت اور غیرت کی تھی۔

دوست جانتے تھے، پہچانتے تھے کہ یہ کسی مرد سے ڈیٹ ماری یہ لڑکی عرفان صاحب کی بھتیجی ہے اور عرفان کے گھر کی عورتیں یوں گھر سے باہر، پلازوں میں غیر مردوں کے ساتھ گھومتی ہیں، ناممکن، یہ ہو ہی نہیں سکتا، آنکھوں کے سامنے کا منظر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جھٹلا کر ان کے دل نے نفی کی تھی۔

انہیں ہر شے سے بڑھ کے غیرت پیاری تھی۔

حالانکہ وہ خود انگلیوں پہ شمار نہیں کر سکتے تھے کہ وہ کتنے ریسٹورنٹس، کیفے ٹیریا، ہوٹلز، پبلک پیلس اور اسی طرح کے فوڈ کورٹس میں کتنی لڑکیوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزار چکے تھے اور گزارتے تھے۔ مگر آج بات کچھ اور تھی، جیسے دل پہ کسی نے بے دردی سے بھاری پاؤں رکھ کے شدت سے دبایا تھا۔

ایسل نے سامنے دیکھا اور اس کی آنکھیں پھیلیں، دل سکڑا اور ہاتھ پاؤں سرد ہوئے کہ چچا ان ہی کی طرف آرہے تھے۔ ایسل کے چہرے پہ قیامت کے جیسا خوف اترا، اب انسلٹ ہوگی، وہ بھی حزام کے سامنے۔

یہ ملاقات محض اتفاقیہ تھی کہ شاپنگ مال کے باہر دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ حزام نے سے ایک کپ چائے کی آفر کی تو وہ رد نہ کرسکی اور ابھی تو انہوں نے چائے کا آرڈر دیا تھا۔

''کیا ہوا ایسل؟'' اس نے گھبرا کے پوچھا۔

مگر تب تک عرفان ان کے سر پہ پہنچ چکے تھے۔

''ہیلو...... برخوردار کیا حال ہے؟'' انہوں نے حزام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جس نے گڑبڑا کے اپنی کرسی چھوڑی تھی۔

''یہ حزام نوید ہے۔'' اب وہ پلٹ کے اپنے دوستوں سے مخاطب ہوئے۔ حزام کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

''یہ میرا فرسٹ کزن ہونے کے ساتھ......'' انہوں نے دم لیا اور دم سادھ کے بیٹھی ایسل پہ نگاہ ڈالی۔ ''یہ ہمارا ہونے والا داماد بھی ہے۔''

بات غیرت کی تھی، فیصلہ ہو چکا تھا۔ وہ دم بخود رہ گئی اور حزام کیا وہ آج سے پہلے بھی اس قدر حیران ہوا ہوگا، کیا وہ آج سے پہلے بھی اس قدر عجیب شخص سے ملا ہوگا، اس نے مسکرا کے تعظیم کے ساتھ عرفان کے دوستوں سے ہاتھ ملایا، وہاں بت بنی ایسل کو یقین ہو چلا تھا کہ چچا صرف غیرت کا راگ ہی نہیں الاپتے بلکہ واقعی......

☆❁☆

راتوں رات کایا کیسے پلٹی تھی، کوئی نہیں جانتا تھا، مگر یہ معجزہ ہوتے سب نے دیکھا جب نوید نے التجائیہ سا ہو کے کہا تھا۔

''ہمارا بیٹا ماضی میں جن حالات کا بھی شکار رہا۔ وہ ایک سازش کا نتیجہ تھا، باقی کی تمام آوارہ گردیاں تو اس عمر کا حصہ ہوتی ہیں۔'' وہ ہلکے سے مسکرائے تھے۔

''جی...... جی...... آپ درست فرما رہے ہیں۔'' یہ جملہ عرفان کے منہ سے ادا ہوا تھا، یہ سن کر باقی سب سُن ہو چکے تھے اور یوں ہنستے مسکراتے ماحول میں یہ بات طے پا گئی۔

وہ رات کو اپنے کمرے میں جا رہے تھے جب ایسل اچانک راستے میں آگئی۔ عرفان نے اسے خفا سا ہو کر دیکھا۔

''چچا میں تو آج یوں پہلی بار صرف حزام کے ساتھ......'' وہ اچانک خاموش ہوئی۔

''شکر کرو کہ میرے ساتھ دوست تھے۔ ورنہ میں نے اس الو کے پٹھے کی ہڈی پسلی ایک کر دینا تھی۔'' ایسل نے اپنے کھلے منہ پہ ہاتھ رکھا۔

مطلب چچا تو بالکل ویسے ہی تھے۔ یہ سارا کرشمہ غیرت کا تھا۔ وہ ذرا سا آگے بڑھنے کے بعد رکے۔ پھر مڑ کے ایسل کو دیکھا اور پلٹ کے اس کے پاس آئے۔

''انسانوں میں ــــ انسان ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ میرے جیسے خود انسان رہ کر باقیوں کو فرشتوں کے عہدے سونپنا چاہتے ہیں۔''

یہ سچ تھا، وہ سوچتے رہ گئے، کہہ نہ سکے۔ ایسل نے سراسیمگی سے دیکھا۔

''تمہاری طرف ایک تھپڑ بنتا تھا۔'' انہوں نے یک لخت ہاتھ اٹھایا۔ پھر مٹھی بھینچ لی۔ ایسل کی سانس جیسے تھم کے چلی۔ انہوں نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔

''صبح اپنی دادی سے کہہ دینا، اس مرد کے بچے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی دعوت پہ اب مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ بات ختم کر کے پہلے کے سے غرور کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

"تبدیلی بس موسموں کی حد تک ہے۔" ایسل نے بمشکل ایک سانس کھل کے لیا۔

"کچھ لوگ بدل سکتے ہیں نہ ان کو بدلنا ہوتا ہے۔"

☆☆☆

"کیا تمہارے چچا نے واقعی یہ کہا؟" حزام نے بے پناہ ہنستی ہوئی ایسل کو گھور کے دیکھا۔ جس نے وہ جملہ من وعن دہرا دیا تھا، اس کے لہریے دار بال ہوا سے اڑ رہے تھے۔ وہ ایک معروف پارک میں جشن بہاراں دیکھنے آئے ہوئے تھے کہ اچانک ایک لڑکی ان کے قریب ٹھہری۔

"واؤ...... حزام نوید!" اس نے حزام کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ جس نے ذرا سا چھو کے فوری چھوڑ دیا تھا اور کن اکھیوں سے ایسل کو دیکھا جو چند قدم آگے بڑھ چکی تھی۔

"سوری ہانیہ! میں اپنی فیانسی کے ساتھ ہوں۔" ہیلو ہائے کے بعد وہ اس سے معذرت کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔

"اس نے تمہیں یاد رکھا ہوا تھا۔" خاصے نروٹھے پن سے پوچھا گیا۔

"شاید!" وہ ہلکے سے کندھے اچکا کے رہ گیا۔

"اور تمہیں بھی اس کا نام یاد تھا؟" اب کے لہجہ تپا ہوا تھا۔

"میں نے اسے پہچان لیا تھا۔" وہ یوں ہی سیدھ میں دیکھتا گویا ہوا۔

"بات تو ایک ہی ہے۔" ایسل نے ذرا لپک کے قریبی درخت سے پتا توڑا۔

"بات ایک نہیں ہے ایسل!" وہ رک گیا اور نرمی سے گویا ہوا۔ شاخ کے ہلنے سے اس پہ ستاتا پرندہ تیزی سے اڑا تھا۔ ایسل نے اپنی شکی نگاہ اس پر سے ہٹا کر اڑان بھرتے پرندے کو دیکھا۔

"کون سا پرندہ تھا؟" اس نے پلٹ کے پوچھا۔

"یہ ماہ بہار کا پرندہ تھا اور اس کا کوئی نام نہیں۔" وہ لاپروائی سے مسکراتا ہوا درخت کے قریب گیا اور اس کی دوسری شاخ جھلائی تو کتنے ہی پرندے فضا میں اڑے...... ایسل نے اس سے پہلے اتنا دلکش منظر کہاں دیکھا ہوگا۔

"واؤ...... بہت خوب صورت۔" وہ جیسے ایڑیاں اٹھا کے ان کے ساتھ اڑنا چاہتی تھی۔

"بالکل ایسے ہی میں بھی مبہوت رہ گیا تھا۔" وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ بولا۔

"کیا کسی کا نام اس کی شخصیت پہ اس قدر سوٹ کرتا ہوگا جیسا کہ تمہارا۔" اس قدر مدھم سی بات بہت قریب سے ہی کی گئی تھی۔ وہ کچھ دور ہوئی۔

"آؤ کہ میں تمہاری آنکھوں کو مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اگلے درخت کی اور بڑھا۔

"آؤ کہ ماہ بہار کے پرندے اڑائیں۔"

اس نے شاخ جھلائی۔

"آؤ کہ پھر انہیں ہجرت کرتا دیکھیں۔"

وہ جیسے ملن کے ساتھ ہی اڑی۔ "آؤ کہ کسی درخت تلے مل کے بیٹھیں۔"

"بے غم، بے فکر کہ پھر بہار کے لوٹ آنے تک ہم ان ہجرت زدہ پرندوں کا یہیں انتظار کریں گے۔"

"اگر وہ لوٹ کے نہ آئے تو؟" ایسل نے بے تابی سے پوچھا۔

حزام نے اسے دھیان سے دیکھا۔

"تم دیکھنا جب بہار آئی تو وہ بھی لوٹ آئیں گے، ورنہ تمہاری ایڑیوں کی بے خودی اڑان کیا ان سے کم ہے۔"

وہ اک جذب کے ساتھ مسکرایا۔ وہ شاخوں سے پرندے ڈھونڈتی لڑکی کے ساتھ بہت دور تک سفر کرنا چاہتا تھا۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خواب کے علاقے میں

خواب کے علاقے میں
بے شمار آنکھوں کا
دُور تک پڑاؤ تھا
ایسے میں خیال آیا
دُنیا کے سبھی انساں
تشنہ اور پیاسے ہیں
دوڑ دوڑ کر دن بھر
زندگی کی اَن گنت
ضرورتوں کی خاطر
خواہشوں، تمناؤں، آرزوؤں کے لیے
تگ و دو کرتے ہیں
جیتے اور مرتے ہیں
صبح و شام کرتے ہیں
پھر بھی تشنہ رہتے ہیں
رات کے پہر آخر
اپنی تھکی آنکھوں کو
لے کے اُتر آتے ہیں
دلنشین و دلربا
ہر ایک فکر سے آزاد
پُرسکون و سادہ سے
خواب کے علاقے میں

سیما عابدی

کیا دل گرفتہ ہم تری محفل سے آئے ہیں
آنکھوں میں اشک بھی بڑی مشکل سے آئے ہیں

مجبور ہو کے پھر تری محفل میں جائیں گے
مایوس ہو کے جو تری محفل سے آئے ہیں

کانوں میں گونجتی ہے اک آوازِ دل نشیں
پیغام مرے دل کو ترے دل سے آئے ہیں

ان سے زیادہ ان کا تصوّر ہے دل نواز
بیٹھے بٹھائے جیسے ان سے مل کے آئے ہیں

اپنی نظر میں اب کوئی جچتا نہیں حفیظؔ
اُٹھ کر نہ جانے کس کے مقابل سے آئے ہیں

حفیظ ہوشیار پوری

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادارہ

اِن کی مسکراہٹ کے لیے

مجبوری

سخت گرمی پڑ رہی تھی، رنگروٹوں کا ایک دستہ بڑی دیر سے چلچلاتی دھوپ میں پریڈ کررہا تھا۔ ان سے بار بار غلطی ہوجاتی اور سارجنٹ غصہ سے جھنجلا اٹھتا۔

آخر تنگ آکر وہ دھاڑا "اُف میرے خدا اتنے نکمے لوگ آخر میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

گرمی سے نڈھال رنگروٹوں کی نظریں بے اختیار قریبی سایہ دار درختوں کی طرف اٹھ گئیں۔

سارجنٹ ان کا مقصد بھانپ گیا۔ جل کر بولا۔

"ہاں ہاں میں سمجھتا ہوں مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس اتنی زیادہ رسیاں نہیں ہیں۔"

جج صاحب کی احتیاط

ریٹائرمنٹ کے بعد جج صاحب ایک غیر ملکی بینک میں کیشیر لگ گئے۔ ایک روز ایک شخص آیا جو بڑی رقم کا چیک جلدی کیش کرانا چاہتا تھا۔

ریٹائرڈ جج صاحب بولے "آپ کی شناخت کا ثبوت واضح نہیں ہے۔"

وہ شخص انہیں پہچانتا تھا۔ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"جناب والا! کسی زمانے میں آپ اس سے بھی کم تر ثبوت پر ملزم کو پھانسی چڑھانے کا حکم صادر فرمادیا کرتے تھے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے" جج صاحب تحمل سے سر ہلاتے ہوئے بولے "لیکن جب معاملہ کیش کا ہو تو احتیاط کرنا پڑتی ہے۔"

حفظ ماتقدم

ایک خوش حال تاجر کو کسی معمولی جرم میں دو ہفتے قید کی سادہ سزا یا پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ تاجر نے قید بھگتنے کو ترجیح دی تو اس کا ایک قریبی دوست حیران رہ گیا۔ اس نے تاجر سے کہا۔

"جرمانہ ادا کیوں نہیں کردیتے۔ ایسی بھی کیا کنجوسی۔"

تاجر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "ارے بھئی کنجوسی کی بات نہیں ہے۔ دراصل آج ہی ہمارے باورچی نے چھٹی لی ہے۔ گھر پر رہوں گا تو بیوی کے ہاتھ کا کھانا پڑے گا۔"

مسرت الطاف احمد کراچی

یہ ایڈیٹر

ایک نیا شاعر ایک رسالے کے ایڈیٹر کے پاس غزل لے کر گیا۔ ایڈیٹر نے پوچھا۔

"یہ غزل آپ کی ہے؟"

شاعر نے کہا بے شک کیا آپ اسے شائع کررہے ہیں؟

ایڈیٹر نے کہا کہ افسوس کہ یہ رسالے کے معیار پر پوری نہیں اتری۔"

شاعر صاحب زیر لب بڑبڑائے۔

"یا اللہ! غالب کی غزلیں بھی غیر معیاری ہوسکتی ہیں۔"

ریحانہ چوہدری مدد کے

بے وقوف کون

دو دوست آپس میں باتیں کررہے تھے۔

ایک نے کہا "تمہارا بیٹا بے وقوف ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "تمہارا بیٹا زیادہ بے وقوف ہے۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چنانچہ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے اپنے بیٹوں کا امتحان لیا جائے۔ دونوں میں سے کون زیادہ بے وقوف ہے۔ پہلے نے اپنے بیٹے کو پانچ روپے دے کر کہا کہ وہ 2017 کے ماڈل کی نئی کار لے کر آئے۔

دوسرے نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ”تم میرے دفتر جا کر معلوم کرو کہ میں وہاں ہوں یا نہیں۔“

دونوں کے بیٹوں کی راستے میں ملاقات ہوگئی۔ پہلے دوست کے بیٹے نے کہا۔

”میرے ابو نے مجھے کار لانے کے لیے بھیج دیا مگر یہ نہیں بتایا کہ کون سے رنگ کی کار لانی ہے۔“

دوسرے دوست کے بیٹے نے کہا۔

”میرے ابو نے مجھے بھیج دیا کہ ان کے دفتر سے معلوم کر کے آؤں کہ وہ وہاں ہیں کہ نہیں۔ جبکہ ٹیلی فون سامنے رکھا تھا۔ فون کر کے پوچھ لیتے۔“

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

پردہ

ایک بدصورت ترین عورت اپنے شوہر سے:

”اجی!“ چھت پر پردے لگوادیں، سامنے کا لڑکا مجھے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔“

خاوند بے زاری سے: ”رہنے دو یار ایک بار دیکھ لے گا تو خود ہی پردے لگوادے گا۔“

افراح آصف ڈنگہ

تلاشی

ایک آدمی نے اپنے بیٹے کی تلاشی لی۔ بیٹے کی جیب سے نسوار، سگریٹ، کترینہ کیف کی تصویر اور ایک لڑکی کا نمبر ملا آدمی نے غصے سے اپنے بیٹے کو مارا اور پوچھا۔

”کب سے چل رہا ہے یہ چکر۔“

بیٹا روتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابا میں تیڈا چولا پائی ودا“ (ابا میں نے آپ کی قمیص پہنی ہوئی ہے۔)

ماچس

ایک سردار کا رات کو سگریٹ پینے کا جی چاہا تو اس نے پورے گھر کو چھان مارا لیکن ماچس نہیں ملی بالآخر سردار مایوس ہو کر موم بتی بجھا کر سو گیا۔

ٹیکنالوجی کی جنگ

گوگل نے کہا: ”ایک لفظ لکھو، ہزاروں رزلٹ دوں گا۔“

وکی پیڈیا بولا۔ ”ایک لفظ لکھو ہزاروں پیج دوں گا۔“

”انٹرنیٹ بولا۔ ”میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔“

کمپیوٹر بولا: ”تو کون سا میرے بغیر چل سکتا ہے۔“

یہ سب سن کر بجلی ہنسی اور بولی تم سب لڑتے رہو میں تو چلی۔

قابل دید

ایک کالج میں رزلٹ کا دن تھا۔ ایک طالب علم نے اپنے دوست سے کہا۔

”یار...... میرے ساتھ میرے ابو کھڑے ہیں، تو جلدی سے جا اور میرا رزلٹ دیکھ کر آ۔ میں ایک مضمون میں فیل ہوں تو کہنا ایک مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتا ہے، اگر دو میں فیل ہوں تو کہنا دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں۔“

دوست گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر بولا۔ ”یار! پوری امت مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے۔“

آمنہ میر جڑانوالہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شگفتہ جاہ

حسن حسن شعر بول جو موتی ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا (یعنی کوئی آنے والی بلا نہیں رکتی اور تقدیر نہیں پھرتی) بلکہ بخیل کے دل سے مال، نذر کے سبب سے نکالا جاتا ہے۔"

(یعنی بخیل یوں تو خیرات نہیں کرتا اور جب آفت آتی ہے تو نذر کے بہانے پیسہ دیتا ہے اور مسکینوں کو فائدہ ہوتا ہے۔)

کرامت،

شیخ طریقت حذیفہ مرعشی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کیا عجیب بات مشاہدہ کی جو آپ نے ان کی اس قدر خدمت کی۔

انہوں نے جواب دیا کہ مکے کے سفر میں ہم دونوں بہت بھوکے تھے۔ جب ہم کوفہ پہنچے تو بھوک کا اثر مجھ پر ظاہر ہوا۔ شیخ ابراہیم نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا تم بھوک کے سبب بے تاب ہو؟"

"میں نے کہا۔ "ہاں یہی بات ہے۔"

ابراہیم نے کہا۔ "دوات اور کاغذ لے آؤ۔"

میں نے دونوں چیزیں حاضر کر دیں۔ انہوں نے یہ عبارت لکھی۔

"میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے شروع کرتا ہوں۔ اے وہ جو سب احوال میں تو ہی مقصود ہے اور سب تیری اور تیری طرف اشارہ کرتے ہیں۔ میں تیرا ثنا گو اور تیرے اکرام پر شکر کرنے والا ہوں لیکن میں بھوکا پیاسا اور ننگا ہوں میں ان تین چیزوں کا (ثنا، ذکر، شکر) جو میرا حق ہیں، ضامن ہوں اور جن تین چیزوں (کھانا، پانی اور لباس) کا تجھ سے تعلق ہے تو ضامن رہ۔"

یہ رقعہ مجھے دے کر کہا۔ "باہر جاؤ اور دل کو کسی اور طرف مشغول نہ کرنا۔ جس کو سب سے پہلے دیکھو یہ رقعہ اس کو دے دینا۔"

میں باہر نکلا۔ سب سے پہلے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ پر سوار جا رہا تھا۔ وہ نامہ میں نے اس شتر سوار کو دے دیا۔ اس نے پڑھا اور پڑھ کر رونے لگا اور مجھ سے پوچھا۔

"اس رقعے کا کاتب کہاں ہے؟"

میں نے کہا۔ "مسجد میں ہیں۔"

اس نے چھ سو دینار کی ایک تھیلی مجھے دے دی۔

میں نے دوسرے لوگوں سے پوچھا۔ "یہ کون شخص تھا۔ لوگوں نے بتایا۔ "ایک نصرانی ہے۔"

میں نے شیخ ابراہیم ادھمؒ کے پاس واپس جا کر یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا۔

"اس تھیلی کو اب ہاتھ نہ لگانا۔ کوئی دم میں اس کا مالک آیا چاہتا ہے۔"

فوراً ہی وہ نصرانی آیا اور ابراہیم ادھمؒ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ایمان سے مشرف ہوا۔

سخاوت،

منقول ہے کہ ربیع ابن خثیمؒ کا گھوڑا جو چند ہزار درہم کا تھا، چور لے گیا۔ وہ کہتے ہیں جب چور اس کو کھول کر لیے جا رہا تھا تو میں دیکھ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا۔

"پھر آپ نے چور کو چھوڑ کیوں دیا؟"

انہوں نے کہا۔ "اس وقت میں جس شغل میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھا وہ اس سے بہتر تھا۔ (یعنی نماز میں تھا)
یہ سن کر لوگ چور کو بد دعا دینے لگے تو انہوں نے کہا۔

"ایسا نہ کہو، میں نے اپنا گھوڑا چور کو بخش دیا اور اسے خیرات کر دیا۔"

خود پر ظلم

کسی شخص نے ایک مظلوم شخص سے کہا "تو اپنے ستم گر کو بد دعا دے۔"
اس نے جواب دیا "ظالم نے مجھ پر ظلم کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، مجھ پر نہیں۔ اتنی ہی بلا اس پر کافی ہے، میں کیوں اسے زیادہ کروں؟"

بہتری

اللہ تعالیٰ جس کی بہتری چاہتا ہے، اس کو ہمیشہ بلا اور بیماری کے ذریعے تنبیہہ کرتا ہے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ دین ان تینوں باتوں سے کبھی خالی نہیں ہوگا۔
مفلسی، بیماری اور ذلت و خواری۔

خیریت

ایک بزرگ نے کسی شخص سے اس کی خیریت دریافت کی۔ اس نے جواب میں کہا۔
"جی ہاں! خیریت ہے۔"
ان بزرگ نے فرمایا "عافیت اور خیریت اس دن ہوگی جس روز تم کوئی گناہ نہیں کرو گے اور اگر تم سے گناہ سرزد ہوگا تو اس سے سخت تر کوئی بیماری نہیں ہوگی۔"
بزرگ نے فرمایا "فرعون کی عمر چار سو برس کی تھی۔ اس مدت میں نہ اس کو کبھی درد سر لاحق ہوا اور نہ کبھی بخار ہوا۔ چنانچہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اگر وہ ایک ساعت کے لیے بھی درد سر میں مبتلا ہو جاتا تو اس سے یہ قصور اور بے ادبی سرزد نہ ہوتی۔"
بزرگ کہتے ہیں کہ جب بندہ ایک دن کے لیے بیمار ہوتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو ملک الموت کہتے ہیں کہ میں نے کئی مرتبہ قاصدوں کو بھیجا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔
بزرگان دین فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن کو چالیس دن میں ان چار آفتوں سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ (کوئی نہ کوئی آفت سے دوچار رہنا چاہیے) اور وہ یہ ہیں۔ رنج، بیماری، ڈر اور نقصان۔"

اللہ کی رضا

ایک گروہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا۔ "آپ خداوند تعالیٰ سے پوچھیے کہ وہ کیا چیز ہے جس سے تیری رضا حاصل ہو۔"
حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی (ان سے کہہ دو)
"میرے حکم پر تم راضی رہو میں تم سے راضی رہوں گا۔"

اقوال دانش

٭ جسم گندا ہو تو لوگ "دور" ہو جاتے ہیں۔ دل گندا ہو تو اللہ دور ہو جاتا ہے اور جب دونوں گندے ہوں تو شیطان قریب ہو جاتا ہے۔
٭ جو غلطی دو مرتبہ دہراتا ہے وہ غلطی نہیں بلکہ فیصلہ ہوتا ہے۔
(پائلو کوئیلو)
٭ غم ذاتی نہ ہو تو زیادہ دیر غمگین نہیں رہنے دیتا۔
٭ جسے بولنا آجائے، وہ خاموش ہو جاتا ہے۔
(مارٹن لوتھر کنگ)
٭ جس انسان میں ذاتی صفات نہ ہوں، وہ اپنے لباس سے لے کر اپنے مکان تک، اپنی ہر شے کی تعریف چاہتا ہے۔
(واصف علی واصف)
٭ تین لوگ جب آپ کے سامنے بات کر رہے ہوں تو انہیں مت روکیں۔ والدین، بچے، غم زدہ انسان۔ کیونکہ ان کا دل بول رہا ہوتا ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

٭ کسی سے ناراض مت ہوں۔ بس "خاص" سے "عام" کر دیں۔
٭ ہر ولی کا ایک "ماضی" اور گناہ گار کا "مستقبل" ضرور ہوتا ہے۔

٭ محبت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا کہ جس سے محبت کی جاتی ہے، اس کا تابع ہونا پڑتا ہے۔

(خواجہ معین الدین چشتیؒ)

نخبہ اکرم۔ گاؤں گوئیلکی

زندگی،

چلنے والے دو پیروں میں کتنا فرق ہے۔
ایک آگے اور ایک پیچھے۔
مگر نہ تو آگے والے کو غرور
اور نہ پیچھے والے کی توہین
کیونکہ انہیں پتا ہے پل بھر میں یہ بدلنے والے ہیں
اسی کو زندگی کہتے ہیں۔

مشیر،

کسی مشکل میں کسی بزدل سے کوئی مشورہ مت کرنا کیونکہ وہ تمہاری بچی ہوئی ہمت کو بھی ختم کر دے گا۔

نادیہ یاسر۔ کراچی

دوستی،

حضرت فتح موصلیؒ اپنے ایک دوست کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ موجود نہ تھا۔ اس کی لونڈی سے فرمایا۔
"صندوق لے آ۔" وہ اٹھا لائی۔
جتنے روپوں کی آپ کو ضرورت تھی، اتنے اس میں سے لے لیے۔ جب دوست گھر آیا اور یہ واقعہ سنا تو اس لونڈی کو اس خوشی میں آزاد کر دیا۔

آسیہ جاوید۔ علی پور چٹھہ

دوست پر خرچ کرنا،

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک اپنے دوست پر بیس درہم خرچ کرنا سو درہم فقیروں میں تقسیم کرنے سے بہتر ہے۔

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر۔ گلستان جوہر

اقوال زریں،

٭ جس شخص کو قرضہ لینے اور خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں، وہ سب سے بڑا مالدار ہے۔
(مولانا رومی)
٭ جو شخص بُروں کی صحبت میں بیٹھتا ہے، اس پر تہمت ضرور لگائی جائے گی، چاہے وہ ان کی عادات اختیار کرے یا نہیں۔
(شیخ سعدی)
٭ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لیتی ہے۔
(حکیم افلاطون)
٭ دُنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح کرنا اور سب سے آسان کام دوسروں پر نکتہ چینی کرنا ہے۔
(البیرونی)
٭ ایک لمحے کی سچی خوشی بے شمار گھڑیوں کا بدل ہو سکتی ہے۔
٭ اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا، لوگوں کو اپنے آپ سے دُور کرنا ہے۔
(خلیفہ مامون الرشید)
٭ بوڑھا انسان وہ ہے جو علم حاصل کرنا بند کر دے، چاہے اس کی عمر بیس سال ہو یا اسی سال ہو۔
(ہنری فورڈ)
٭ دُنیا کا کوئی شخص جاہل نہیں، ہر انسان سے کچھ نہ کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔
(گیلیلیو)
٭ مطالعہ دماغ کے لیے وہی اہمیت رکھتا ہے جو ورزش جسم کے لیے۔

ثمرہ عاقب۔ گرین سٹی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کتاب کہانی

سمیرا حمید

ارسطو کہتا ہے ”کتاب قوموں پر حکمرانی کرتی ہے۔“

اسی طرح فیضی کہتے ہیں کہ ”اگر میرے سامنے تخت شاہی اور کتابیں رکھ دی جائیں تو میں کتابوں کو ترجیح دوں گا۔“

اور ڈاکٹر ممتاز خاں خلیلی کا کہنا ہے کہ ”جو قومیں کتابیں پڑھتی ہیں، ترقی ان کا حق ہے۔“

پاکستان میں کتب بینی:

کہا جاتا ہے کہ جتنی کتابیں پورے پاکستان میں ہیں امریکہ کی صرف ایک لائبریری میں موجود ہیں۔ یقیناً پاکستان میں اتنی ہی کتابیں موجود ہوں گی کیونکہ حالیہ سروے کے مطابق ستاون فیصد شرح خواندگی رکھنے والے پاکستان میں کل آبادی کا صرف ستائیس فیصد حصہ کتب بینی کا شوقین ہے جبکہ چھہتر فیصد عوام کتابوں سے دُور ہیں۔

اگر سرسری جائزہ لیا جائے تو پاکستان میں کتب بینی کا معمولی سا شوق رکھنے والے اپنی پوری زندگی میں بمشکل آٹھ سے دس کتابیں پڑھتے ہیں۔ معمولی سے ذرا زیادہ شوق رکھنے والے بیس سے تیس کتابیں پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں ملک میں زیادہ کتابیں کیسے بک ہوسکتی ہیں؟ یا وجود میں آسکتی ہیں؟

یونیسکو کی رپورٹ کے مطابق ہر سال چین میں سب سے زیادہ نئی کتابیں چھپتی ہیں۔ یعنی چار لاکھ چالیس ہزار، (فی ٹائٹل کی تعداد، کل تعداد نہیں۔) دوسرے نمبر پر امریکہ، پھر برطانیہ، پھر روس، اور پھر انڈیا ہے۔ یعنی انڈیا پانچویں نمبر اور پاکستان پچاسویں نمبر پر وہ بھی صرف 3,811 نئی کتابوں کے ساتھ۔ اسی طرح اگر نئی کتابوں کی سالانہ فروخت کا سرسری جائزہ لیا جائے تو دو لاکھ چھ ہزار کتابوں کے ساتھ برطانیہ پہلے نمبر پر آتا ہے۔ پھر امریکا، چین، جرمنی اور اسپین آتے ہیں۔

دنیا میں کس ملک میں پڑھنے میں زیادہ وقت صرف کیا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ”انڈیا“ آتا ہے۔ جہاں ہفتے میں دس گھنٹے یا اس سے زیادہ وقت پڑھنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ پھر تھائی لینڈ اور پھر چین۔ قابل افسوس اور قابل غور امر یہ ہے کہ پاکستان تیسویں نمبر پر بھی موجود نہیں ہے۔

احمد ندیم قاسمی بتاتے ہیں کہ ستر کی دہائی میں چین سے ناشرین کا ایک وفد پاکستان دورے پر آیا۔

”یہاں کتاب کا فی ایڈیشن کتنی تعداد میں چھپتا ہے؟“

وفد نے قاسمی صاحب سے یہ سوال پوچھا تو وہ گڑبڑا گئے اور کہا۔ ”پانچ ہزار“ (حقیقت میں ایک ہزار چھپتا تھا)۔ انہوں نے ایک ہزار کو پانچ ہزار کر کے وفد کو اس لیے بتایا تھا تاکہ ان پر پاکستان کا اچھا تاثر پڑے۔ اس پر بھی وہ لوگ پریشان ہوگئے کہ اتنی کم تعداد؟ ہم تو ایک لاکھ سے کم کسی کتاب کی اشاعت کا سوچتے بھی نہیں۔ (آج بھی پاکستان میں فی ایڈیشن ایک ہزار ہی چھپتا ہے۔)

کتب بینی میں کمی کی ایک وجہ کتابوں کا قوت خرید سے باہر ہونا بتائی جاتی ہے لیکن اکادمی ادبیات کے ڈائریکٹر جنرل اور معروف ادیب ڈاکٹر ابدال بیلا کا کہنا ہے کہ

”کم ہوتے قارئین کی وجہ بڑھتی ہوئی کتابوں کی قیمتیں نہیں کیونکہ مہنگائی تو ہر چیز میں ہوئی ہے۔ پیزا مہنگا ہوگیا لیکن لوگ کھا رہے ہیں۔ کسی کو تحفہ دینا ہو تو مہنگائی کو خاطر میں نہیں لاتے مگر بات وہی کہ کتاب دوستی کا رجحان ہی پروان نہیں چڑھا۔ آپ نے کسی کو تحفہ دینا ہو تو کتاب دیں۔ جب آپ کے رول ماڈل

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہی کھلاڑی، اداکار ہوں تو پھر ادیب اور لکھاری کو کون پوچھے گا۔"

کئی دانشور استہزائیہ انداز میں یہ جتا چکے ہیں کہ

"ہر فرد کتاب کی اہمیت پر لیکچر دینے کے لیے تیار ہے لیکن کتاب پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

پنجاب لائبریری لاہور جو نادر کتابوں سے بھری پڑی ہے، کی عمارت میں قریباً قریباً الو بولتے ہیں۔

لائبریری اسٹاف کا کہنا ہے کہ

"لائبریری ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں آس پاس یونیورسٹی، کالج اور اسکول بڑی تعداد میں موجود ہیں لیکن پھر بھی لائبریری آنے والوں کی تعداد افسوس ناک حد تک کم ہو چکی ہے۔ کوئی اور آئے نہ آئے، کم سے کم طلباء تو آئیں۔ ایک کروڑ سے زائد آبادی رکھنے والے شہر کی بڑی لائبریری میں آنے والوں کی تعداد چند سو بھی نہیں ہے۔ لائبریری میں موجود کتابوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایک بار بھی ایشو نہیں کروائی گئی۔"

ایسی تمام کتابیں جنہیں ہم میں سے کوئی بھی نہیں پڑھتا، یقیناً بدنصیب ہوتی ہیں۔ اور ان سے زیادہ بدنصیب وہ لکھاری ہوتے ہیں جو انہیں لکھتے ہیں۔ بھوکے رہ کر، فاقے کاٹ کر، بیماریاں جھیل کر، آسائشوں سے دور رہ کر، کوئی ہمارے لیے اپنے خون کو سیاہ کرتا ہے اور کاغذوں پر اپنا علم بکھیر کر ہمارے سپرد کرتا ہے۔ ہمارا اتنا فرض یا ذمہ داری تو بنتی ہے نا کہ ہم ان کتابوں کو کھول کر پڑھ لیں۔

اُردو ادب

مستنصر حسین تارڑ صاحب کہتے ہیں۔ "مجھ سے بہت سے لوگ مزید خفا ہو جائیں گے، ناراض ہو کر میرے بیری ہو جائیں گے جب میں یہ کہوں گا کہ ہم اُردو ناول نگار ایک کنویں میں بند "آگ کا دریا"، "اداس نسلیں"، (جی چاہے تو ان میں "راکھ" اور "بہاؤ" بھی شامل کر لیجیے) ان دو چار ناولوں کی مسلسل جگالی کر رہے ہیں۔ مغرب اور امریکہ کو دفع کیجیے، ہم جانتے ہی نہیں کہ مراکو، تیونس، الجیریا، صومالیہ یہاں تک کہ سعودی عرب میں کیسے کیسے ناول لکھے جا رہے ہیں۔ ہم اپنے کنویں سے ہی باہر نہیں آنا چاہتے تو ٹھیک ہے...... پھر یہیں پڑے رہتے ہیں۔ ہم جہاں ہیں خوش ہیں، ہم کو نہ چھیڑا جائے ورنہ ہماری "ناول نگاری" کی عظمت مجروح ہو جائے گی۔"

مثال کے طور پر دُنیا کی دس یا سو بہترین کتابوں میں ایک بھی اُردو زبان کی کتاب شامل نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا کی دس بہترین سمجھی جانے والی کتابوں میں روسی اور فرانسیسی ادیبوں کی چھ کتابیں شامل ہیں۔

عالمی سطح پر بھی چند ایک وہی پاکستانی لکھاری اپنی جگہ بنا سکے ہیں جو انگلش میں لکھتے ہیں یا جو بیرون ملک رہائش پذیر ہیں۔ انہیں اپنے "قارئین" بدلنے پڑے اور "زبان" بھی۔ کسی غیر ملکی زبان میں لکھنا برا نہیں ہوتا، لیکن اگر اس کی وجہ "ہم جو لکھتے ہیں وہ یہاں پڑھا نہیں جاتا" ہو تو پھر یہ وجہ غور طلب ہوتی ہے۔

دنیا کا پہلا ناول جاپانی ناول ہے جو آج بھی جاپان میں زندہ اور موجود ہے۔ اُردو کا پہلا ناول مولوی نذیر احمد کا مراۃ العروس ہے' ان دونوں ناولوں میں بس ایک فرق ہے کہ دنیا کا پہلا جاپانی ناول ساری دنیا کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر پڑھا جا رہا ہے' اور اردو کا پہلا ناول پاکستان میں بھی نہیں پڑھا جا رہا۔

اب تک کتب بینی کو ایک غیر ضروری یا شوقیہ چیز سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ دنیا جتنی تیزی سے ترقی کرتی جا رہی ہے' اس حساب سے اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔"

ہمیں یہ شوق خود میں اور موجودہ نسل میں پیدا کرنا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ' کوئی حل نہیں ہے۔ ہمیں خود کو اور دوسروں کو اس طرف لانا ہی ہوگا۔ پھر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جتنا زور ہمارے مذہب نے "علم" پر دیا ہے' اس حساب سے ہمیں تو کتاب سے سر ہی نہیں اٹھانا چاہیے۔

دنیا کے ہر ملک کی طرح ہمارے یہاں بھی بے انتہا ٹیلنٹ موجود ہے۔ میں جانتی ہوں کہ یہاں سب کچھ لکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔ ضرورت ہے تو صرف اتنی کہ بس تھوڑی سی کوشش کی جائے۔ جو لوگ کتابیں خرید سکتے ہیں، وہ کسی ایک ایسے انسان کو کتاب دینا شروع کر دیں جو کتاب تو نہیں خرید سکتا لیکن کتاب پڑھنا ضرور چاہتا ہے۔ اپنے آس پاس کے لوگوں میں کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا کریں۔ تبدیلی کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو وہ بہر حال "فرق" ڈالتی ہے۔

کچھ معلومات:

1: ہم مسلمانوں میں کتب خانوں کی اہمیت اس قدر زیادہ تھی کہ تاریخ میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں جہاں لڑکیوں کو جہیز میں کتب خانے دیے جاتے تھے۔ حکیم محمد سعید مرحوم نے اپنی بیٹی کو جہیز میں ذاتی کتب خانہ (لائبریری) دیا تھا۔

2: فشایاد کا ناول تاواں تاواں تارا (راہیں) امرتسر یونیورسٹی کے ایم فل کورس میں شامل ہے اور اس کا پانچواں پرچہ ہے۔ اس پر پی ایچ ڈی کا تھیسس بھی لکھا جا رہا ہے۔ یہ مشرقی پنجاب (انڈیا) میں بے حد مقبول ناول ہے۔ اسے اکادمی ادبیات کا وارث شاہ ایوارڈ' کھدر پوش ایوارڈ کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی ایوارڈز مل چکے ہیں۔

3: شوکت صدیقی کا ناول "جانگلوس" اردو کے ضخیم ترین ناولوں میں سے ایک ہے۔ ان ہی کا دوسرا ناول "خدا کی بستی" اردو کا وہ واحد ناول ہے جس کا دنیا بھر کی بیالیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ (جو ہمارے لیے ایک اعزاز ہے۔)

4: "آسانی سے پڑھی جانے والی تحریر بہت مشکل سے لکھی جاتی ہے" یہ مشہور فقرہ مایا اینجلو نے کہا ہے۔

5: جس کتاب کو سب سے پہلے "بیسٹ سیلر" کتاب ہونے کا خطاب ملا، وہ امریکن ادیب ایلس براون کی "فولز آف نیچر" تھی۔

6: شروع میں کتاب کے ٹائٹل (سرورق) پر رائٹر کا نام نہیں لکھا جاتا تھا کیونکہ کتاب کے ٹائٹل کو آرٹ کا نمونہ مانا جاتا تھا۔ اس پر آرٹ کے ڈیزائن کے علاوہ کوئی چیز تحریر نہیں کی جاتی تھی' رائٹر کا نام بھی نہیں۔

7: ہیری پوٹر دنیا کی تیسری سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اپنی اشاعت سے اب تک یہ کتاب ایک سے دس نمبر کے درمیان رہی ہے۔

8: انگریز رائٹر جارج ایلیٹ، جسے سب مرد سمجھتے رہے تھے، دراصل ایک خاتون تھیں۔ اس دور میں عورتوں کے لکھنے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ ان کی تحریروں کو نمایاں مقام نہیں ملتا تھا۔ یہ مانا جاتا تھا کہ عورتوں کو بس "مخصوص" موضوعات پر ہی لکھنا چاہیے۔

جارج ایلیٹ جن کا اصل نام "میری این" تھا نے یہ سب گوارا نہ کیا اور خود کو مرد ظاہر کر کے لکھنا شروع کر دیا۔ ان کے ناولوں کو دنیا کے بہترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

10: "The tale of Genji" جاپانی ناول، دنیا کا سب سے پہلا ناول ہے۔ جسے گیارہویں صدی کے اول دور میں لکھا گیا۔ یہ ناول اردو میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ میری سب سے درخواست ہے کہ اس ناول کو ضرور پڑھیں۔ (یہ اس سال کے اختتام تک شائع ہو جائے گا۔) ☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

ثمینہ اکرم ——— کراچی

چل نکلے تو مڑ کے دیکھنا کیا
یہ لہر ڈبوئے یا ترائے
آئے نہ پلٹ کے پھر مسافر
راہ دیکھتی رہ گئی سرائے

مسرت الطاف احمد ——— کراچی

کہانی ختم ہوئی، داستاں تمام ہوئی
جہاں پہ سوچا نہیں تھا، وہاں تمام ہوئی
وہ شور تھا کہ سنائی نہیں دیا کچھ بھی
وہیں چلیں کہ جہاں پر خبر تمام ہوئی

نجبہ اکرم ——— گاؤں گوریکی

عمر رائیگاں کر دی تب یہ بات مانی ہے
موت اور محبت کی ایک ہی کہانی ہے

فائزہ بھٹی ——— پتوکی

اب تک وہی خواب ہیں وہی ہیں
وہی میرے گلاب ہیں، وہی ہیں
کہتی ہے زباں خوشیوں کی
وہی درد کے باب ہیں وہی ہیں

بنت سلیم ——— کراچی

ہے کہانی کا وہ کردار مگر باغی ہے
ضد پہ آئے تو کہانی سے نکل جاتا ہے

افضالہ کرامت ——— شاہ گھوڑا

کہانی ختم ہوئی اور ایسے ختم ہوئی
کہ لوگ رونے لگے تالیاں بجاتے ہوئے

اقصیٰ ہابیل ——— کمالیہ

دیکھیے ہو گئی بدنام مسیحائی بھی
ہم نہ کہتے تھے کہ تلخی ہے کہیں آئی بھی
سیکڑوں رنج والم، درد و مصیبت، شب غم
کتنی ہنگامہ طلب ہے مری تنہائی بھی

تسنیم کوثر ——— کراچی

تھک گیا ہوں کرتے کرتے یاد تجھ کو
اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں

سدرہ بتول ——— ملتان

پھر اس کے بعد سارے راستے آسان ہوتے ہیں
سفر کرنے سے پہلے ماں کا چہرہ دیکھ لیتا ہوں

اقرا جٹ ——— منچن آباد

اب تو تمام عمر اذیت میں ہے جینا
اک بھول کی ایسی سزا دے گیا مجھے

ام ماوی احسان ——— عبدالحکیم

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر اک بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے ان کو
کیا ہوا آج یہ کس بات پہ رونا آیا

عظمیٰ شفیق ——— جڑانوالہ

گرنے والے کو بھلا کون سہارا دیتا
شام کا وقت تھا ہر شخص کو گھر جانا تھا

آسیہ فرید ——— ملتان

تم کو اپنی مثال دیتی ہوں
عشق زندہ بھی چھوڑ دیتا ہے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— گلستان جوہر

مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل سوال مگر تیری زندگی کا تھا

زوبیا فتین ——— سی ایس شاہ

ایک لغزش بھی جس سے ممکن ہو
وہ یقیناً خدا نہیں ہوتا!
تب نیا راستہ نکلتا ہے
جب کوئی راستہ نہیں ہوتا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نوال افضل گھمن ____ کراچی

دل فقیری پہ اُتر آئے تو
اُلجھ پڑتا ہے بادشاہوں سے

فوزیہ ثمر بٹ ____ گجرات

سلیقہ عشق میں میرا کمال کا تھا
کہ اختیار بھی دل پر غضب مثال کا تھا
محبتوں میں، میں قائل تھی لب نہ کھلنے کی
جواب ورنہ میرے پاس ہر سوال کا تھا

حمدہ خان ____ کراچی

اب کے احسان جتانے بھی نہیں آیا کوئی
میں جو روٹھا تو منانے بھی نہیں آیا کوئی
ایک یہ دور سونے بھی نہ دیتے تھے مجھے
ایک یہ وقت کہ جگانے بھی نہ آیا کوئی

دانیہ عقیل ____ کراچی

ڈگمگاتا تھا تو سو ہاتھ لپکتے تھے مجھے
گر گیا ہوں تو اُٹھانے بھی نہیں آیا کوئی

ثمرہ احمد ____ پتوکی

اسے کہ دوستی کے رشتے کو
دشمنی کا پیوند لگانے والے
مکافاتِ عمل کا انتظار کر
دھوکے کو اپنے معنی پہنانے والے

ثمرہ، اقراء ____ کراچی

وجہِ تسکین بھی ہے خیال اُس کا
حد سے بڑھ جائے تو گراں بھی ہے
زندگی جس کے دم سے ہے ناصر
یاد اس کی عذابِ جاں بھی ہے

فائزہ بھٹی ____ پتوکی

جہاں میں عام نہ ہوئی کبھی حکومت عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

گل مینا خان ____ مانسہرہ

ایک ہی شخص میری دعاؤں کا محور ٹھہرا
وہ میری صبح، میری شام، میری کائنات ٹھہرا
دل دھڑکتا ہے تو دھڑکن میں وہی شامل ہے
وہ میری روح میں شامل، میری زندگی ٹھہرا

ماہنامہ کرن

اپریل 2018ء کا شمارہ شائع ہوگیا

"کرن کا دسترخوان"

اب ہر ماہ کرن کے ساتھ مفت حاصل کریں

- فنکارہ "روبینہ عارف" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- آواز کی دنیا سے "حماد اسماعیل" اس ماہ مہمان ہیں،
- فنکارہ "عائشہ جہاں زیب" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "اقرا وجاہت" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "شبِ غم کی سحر" رخ چوہدری کا نیا سلسلہ وار ناول،
- "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کا سلسلہ وار ناول،
- "من عاجزم من بے کسم" ام طیفور کا مکمل ناول،
- "اگر ہم ستارے ہوتے" سدرۃ المنتہیٰ کا مکمل ناول،
- "غم ہے یا خوشی ہے تو" تنزیلہ ریاض کا ناولٹ،
- "ڈھل گئی دھوپ" صدف ریحان گیلانی کا ناولٹ،
- نظیر فاطمہ، بشریٰ ماہا، ماروا طلحہ اور نبیلہ خان کے افسانے اور مستقل سلسلے،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

امۃ الصبور

ماضی کے جھونکے

حوصلہ

جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کیا تو دربار دہلی کی طرف سے ان دنوں میر منور گورنر مقرر تھا۔ اس بے چارے نے پہلے تو دہلی میں امداد کے لیے بہت سی عرضیاں بھیجیں لیکن جب کوئی بھی جواب نہ آیا تو ناچار اپنی ہی مٹھی بھر فوج سے احمد شاہ کا مقابلہ کیا مگر احمد شاہ نے میر منور کو شکست دے کر شالامار باغ میں آ مقام کیا۔ اب اس کو اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ناچار خود ملنے گیا۔ احمد شاہ اس کی بہادری اور جرأت دیکھ چکا تھا۔ عزت کے ساتھ بٹھا کر پوچھا۔

احمد شاہ: میر صاحب: ”آپ نے لڑائی سے پہلے ہی اطاعت کیوں نہ قبول کی؟“

میر منور: ”صرف اس لیے کو جو میرا آقا ہے، اس کی مرضی کے بغیر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔“

احمد شاہ: ”پھر آپ کے مالک نے آپ کی امداد کیوں نہ فرمائی۔“

میر منور: ”اس نے خیال کیا ہوگا کہ امداد کے بغیر بھی آپ سے بخوبی نبٹ لوں گا۔“

احمد شاہ: ”اچھا اگر آپ فتح پاتے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“

میر منور: ”میں آپ کو لوہے کی ایک بند گاڑی میں بٹھا کر دہلی بھیج دیتا۔ وہاں بادشاہ سلامت آپ کی بابت جو چاہتے خود حکم دیتے۔“

احمد شاہ: ”اچھا اب خدا نے مجھے فتح مند کیا ہے مجھے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟“

میر منور: ”اگر قصائی ہیں تو قتل کر دیجیے۔ ڈاکو ہیں تو لوٹ لیجیے۔ سوداگر ہیں جرمانہ کر دیجیے۔ بادشاہ ہیں تو معاف فرما دیجیے۔“

میر صاحب کی راست بازی اور حاضر جوابی سے احمد شاہ اتنا خوش ہوا کہ سوا لاکھ کی خلعت دے کر اپنی طرف سے بھی اس کو بدستور پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا اور کچھ سالانہ خراج پر صلح کر لی۔ واقعی حوصلہ اور صداقت بڑی چیز ہے۔

حسن طلب

روم کا شہنشاہ کیٹو اپنے پڑوسی ملک پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر مجلس شوریٰ اسے جنگ کی اجازت دینے پر رضامند نہیں تھی۔ مجلس کو راضی کرنے کے لیے جب اس کے تمام زبانی حربے بے سود ہوئے تو اس نے تین خوش رنگ ناشپاتیاں ایک تھیلے سے نکال کر مجلس کے سامنے رکھ دیں۔ ارکان نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ ناشپاتیاں کس ملک میں پیدا ہوتی ہیں؟“

شہنشاہ نے جواب دیا۔ کارتھیج میں جو یہاں سے صرف تین دن کی مسافت پر ہے۔“ یہ حربہ کارگر ثابت ہوا اور مجلس شوریٰ نے جنگ کی اجازت دے دی۔

چار مہینے اور چار دن کی بادشاہی

وہ جو کہتے ہیں ”چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات“ یہ مثل بہادر شاہ پر بالکل صادق آئی۔ 11 مئی 1857ء کو دلی انگریزوں کے قبضے سے نکل اور بہادر شاہ کے قبضے میں آئی، 14 ستمبر 1857ء کو پھر بہادر شاہ سے چھن کر انگریزوں کے قبضے میں آ گئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

روشن مثال لوگ

سلطان شہاب الدین غوری جیسا عظیم اور بہادر شخص ہماری تاریخ کے زندہ اوراق ہیں۔ یہ عظیم الشان شخصیت جب راجپوتوں سے لڑائی میں کچھ افراد کے مقابلے سے منہ موڑنے اور میدان جنگ سے بھاگنے کی وجہ سے شکست سے دوچار ہوئی تو محمد غوری کو اسلام کی اس سبکی پر بہت دکھ پہنچا۔

اس نے قسم کھائی کہ جب تک میں اپنی ہزیمت کو نصرت میں تبدیل نہیں کروں گا۔ نہ پلنگ پر سوؤں گا۔ نہ لباس فاخرہ کو ہاتھ لگاؤں گا۔ نہ گوشت اور کوئی شاہی طعام چکھوں گا۔

پورے ایک سال تک وہ ننگی زمین پر سوتا رہا اور روکھی سوکھی کھاتا رہا۔

اور ایک سال کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اسے فتح سے ہم کنار کیا تو اس نے اپنی فوج کے سامنے جنگی لباس اتارا۔ فوج یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کا تن ایک خون آلود اور بوسیدہ لباس سے ڈھکا ہوا ہے۔

محمد غوری نے انہیں بتایا۔ یہ وہ لباس ہے جسے میں نے گزشتہ جنگ میں پہن رکھا تھا اور آج تک مسلسل وہی لباس پہنے ہوئے ہوں۔ میں جب بھی لباس پر نظر ڈالتا تو اپنی ہزیمت کی یاد تازہ ہوتی اور انتقام کے انگاروں پر لوٹ جاتا اور آج اللہ تعالیٰ کے بے پایاں شکر کے ساتھ اپنا یہ پرانا لباس اتارتا ہوں۔“

موسیقی کی قبر

تخت نشین ہونے کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے موسیقی کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

تخت نشینی کے گیارہویں برس اورنگ زیب عالمگیر نے شاہی دربار کے تمام موسیقاروں کو برخاست کردیا۔ مشہور ہے کہ اس موقع پر شاہی فنکاروں نے ایک نقلی جنازہ کیا اور روتے پیٹتے شاہی نشست گاہ کے سامنے سے نکلے۔ بادشاہ نے دریافت کیا۔

”کون مرگیا ہے؟“

انہوں نے جواب دیا۔ ”راگ مرگیا ہے اور ہم اسے دفنانے قبرستان جارہے ہیں۔“

اورنگ زیب سمجھ گیا اور اس نے مسکرا کر کہا۔

”قبر گہری کھودنا۔“

نجی زندگی کا تحفظ

حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کی حدود مداخلت کیا ہیں اور شہری کو اس مداخلت سے کتنا تحفظ حاصل ہے۔

ایک مرتبہ آپؓ نے ایک شخص کی آواز سنی جو گھر میں گا رہا تھا۔ آپؓ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا وہاں شراب بھی موجود ہے اور عورت بھی۔ آپؓ نے پکار کر کہا۔

”اے دشمن خدا! تو کیا سمجھتا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا۔ اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا۔“

اس نے جواب دیا۔

”امیر المومنین! جلدی نہ کیجیے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپؓ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا ہے اور آپؓ نے تجسس کیا ہے۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ دوسروں کے گھروں میں اجازت کے بغیر نہ جاؤ۔ آپ اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔“ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ البتہ اس سے وعدہ لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آئینہ خانے میں

واصفہ سہیل

ارادہ رکھتی ہیں۔ جس میں تمام کردار خواتین ہی نبھائیں گی۔ (کیوں کیا مرد......؟) لنزے لوہن کافی عرصے سے دبئی میں مقیم ہیں اور وہ دبئی میں اپنے لیے ایک جزیرہ بھی ڈیزائن کررہی ہیں۔ جس کا نام لوہن آئر لینڈ ہوگا۔ (کیا...... ہیں...... جزیرہ اور......؟)

توجہ

اداکارہ منشا پاشا نے کہا ہے کہ "ہمیں اپنی کہانیوں پر توجہ دینا چاہیے۔ کسی بھی فلم کی کامیابی میں سب سے اہم کردار اسکرپٹ کا ہوتا ہے۔ (ویسے آپ نے راجہ ہندوستانی دیکھی ہے......؟) ماضی کی بات کریں یا موجودہ دور کی۔ جن فلموں کی کہانیاں جان دار تھیں ان ہی فلموں کو لوگوں نے بار بار دیکھا۔ (جی جیسے مولا جٹ ......؟) بلاشبہ ہمارے یہاں اچھی فلمیں بن رہی ہیں (ہیں آہم آہم ......) لیکن

تنقید

ایک طرف اگر یورپی ممالک میں حجاب پہننے والی مسلمان خواتین کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے تو دوسری طرف مشہور اور خوبرو اداکارہ لنزے لوہن حجاب پہن کر فیشن شو میں شرکت کررہی ہیں۔

لنزے نے گزشتہ دنوں لندن میں ہونے والے موڈیسٹ فیشن ویک میں حجاب پہن کر شرکت کی تھی۔ کچھ مغربی حلقوں نے انہیں اس پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ جس پر لنزے نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ "فیشن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ مکمل لباس نہ پہنیں یا بغیر لباس کے گھومیں۔ فیشن بہت خوب صورت ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے پیچھے مضبوط خواتین ہوں (مطلب کچھ اینکرز جیسی نہیں جو سر تو ڈھانپ لیتی لیکن چہرے پر من بھر میک اپ تھوپ لیتی ہیں) لنزے لوہن سعودی عرب میں فلم بنانے کا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہماری انڈسٹری بالی وڈ سے متاثر ہے۔ (متاثر......؟ ارے بھئی فوبیا ہے فوبیا) کسی مقام تک پہنچنے کے لیے یا مقابلے کے لیے تو ابھی بہت وقت لگے گا۔ (سو تو ہے) اس وقت پاکستانی فلم جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے بن رہی ہے۔ سب کا فوکس ٹیکنالوجی ہے جبکہ میرے خیال میں کہانی سب سے پہلی ترجیح ہونا چاہیے۔ کہانی اچھی ہو گی تو کردار بھی جان دار ہو جاتے ہیں۔

منشا نے مزید کہا کہ میں نے اپنے آپ کو فلم، تھیٹر یا ٹی وی تک محدود نہیں رکھا۔ مجھے تو بس اچھی کہانی اور اسکرپٹ سے غرض ہے۔ مجھے اچھا کام کرنا پسند ہے چاہے وہ فلم ہو ٹی وی ہو یا تھیٹر۔ جس میں اداکاری کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے۔"

سچائی

اسلام آباد میں ہونے والی ایک تقریب میں پنجاب فلم سنسر بورڈ کی چیئرپرسن اداکارہ زیبا نے کہا ہے کہ اس ملک اور فلم کی ترقی جب ہی ہو گی جب ہر کوئی حق اور سچ بات کہے (پر فلم والے تو سچ سنتے ہی نہیں ورنہ انڈسٹری کا آج یہ حال نہ ہوتا) اظہار رائے کی آزادی ہونا چاہیے میں جھوٹ کو جھوٹ کہنے کی جرأت رکھتی ہوں۔ سابق وزیراعظم نواز شریف نے آرٹسٹ فنڈز کے لیے بیس لاکھ روپے دیے۔ جس سے میں نے مستحق آرٹسٹوں کی مدد کی یہ بیس لاکھ کچھ بھی نہیں ہیں۔ (پر کچھ تو ہیں ناں، نہ ہونے سے تو) ہمارے آرٹسٹ بہت برے حالوں میں ہیں۔ (زیبا جی! اس وقت تو پورا ملک ہی برے حال میں ہے انڈسٹری اور فنکار کیا......؟)

ادھر اُدھر سے

☆ اس وقت سوشل میڈیا پر سب سے بڑی خبر یہ گردش کر رہی ہے۔

"بھارتی ٹی وی میڈیا کی "باتھ ٹب" میں ڈوب کر موت ہو گئی۔"

یہ لطیفہ نہیں بلکہ اس بے زاری اور ناپسندیدگی کا اظہار ہے جو نیوز چینلز کی گھٹیا حرکتوں نے لوگوں میں پیدا کر دی ہے۔ (عمر فاروق......مکتوب بھارت)

☆ کچھ ٹی وی اینکرز کو تجزیہ نگار کا درجہ ایسے ملا ہے جیسے گاؤں میں بھینس کو ٹیکہ لگانے والے گوالے کو ڈاکٹر کا درجہ ملتا ہے۔

(طارق حبیب......سوشل میڈیا)

☆ مقتدر حلقوں کی بے بسی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک بار پھر اسی عطار کے لونڈے سے دوا لینے لائن میں کھڑے ہیں جس کے سبب یہ سارا ملک کرپشن کی بیماری میں مبتلا تھا۔

(روزنامہ امت......وقائع نگار خصوصی)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

گھر میں بنے نگٹس

اجزاء:

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
تیل	دو چمچے
میدہ	ایک چمچہ
بریڈ کرمز	حسب ضرورت
کارن فلور	ایک چمچہ
انڈا	ایک عدد
پیاز	ایک عدد
سرکہ	دو چمچے
سویا ساس	ایک چمچہ
تیل	تلنے کے لیے
ہری مرچ	حسب پسند
لہسن	چار جوئے

ترکیب:

مرغی کا گوشت بغیر ہڈی والا لیں اس میں تمام چیزیں ملا کر پیس لیں اور حسب پسند شکل دے کر تھوڑی دیر فرج میں رکھ دیں پھر بریڈ کرمز میں لپیٹ لیں، کڑاہی میں تیل گرم کر کے سنہرا ہونے تک تل لیں۔ یہ نگٹس تیار کر کے فریزر میں رکھے جا سکتے ہیں۔

مزے دار نگٹس تیار ہیں۔

چکن کباب ود اسپیگیٹھی

اجزاء:

مرغی کا قیمہ	ڈیڑھ کلو
تیل	حسب ضرورت
گرم مسالا پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہرا مسالا	تین چائے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (براؤن پسی ہوئی)	دو چائے کے چمچے
اسپیگیٹی	ایک پیکٹ
نمک	حسب ذائقہ
چلی گارلک ساس	ایک کپ
سلاد پتہ	حسب ضرورت

ترکیب:

مرغی کے قیمے کو باریک پیس کر اس میں ہرا مسالا (جس میں ہری مرچ، ہرا دھنیا، پودینہ شامل ہے، پیس لیں) گرم مسالا پاؤڈر، نمک، لال مرچ پاؤڈر، لہسن، ادرک پیسٹ، براؤن کی ہوئی پیاز اور دو چائے کے چمچے تیل ڈال کر تمام چیزیں اچھی طرح مکس کر کے حسب پسند سائز کے کباب بنا کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔

ایک پتیلی میں پانی ابلنے کے لیے رکھ دیں اور اسپیگٹھی اس میں توڑ کر ڈال دیں، ساتھ ہی ایک چائے کا چمچہ تیل ڈال دیں۔ اسپیگٹھی ابل جائے تو چھان لیں۔ تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں، اس کے بعد دوبارہ چھان لیں۔ ایک ٹرے میں چند سلاد کے پتے بچھا کر ان پتوں پر اسپیگٹھی ڈال دیں اور اس پر چلی گارلک ساس جگہ جگہ ڈالیں۔ آخر میں کباب تل کر اوپر رکھیں پھر ان کبابوں پر بھی چلی گارلک ساس تھوڑا تھوڑا ڈالیں، آخر میں ایک سلاد پتہ باریک کاٹ کر ڈالیں۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خواتین ڈائجسٹ

اپریل 2018ء
کے شمارے سالگرہ نمبر کی ایک جھلک

- ''کاوش بے سود'' نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- سمیرا حمید، مہناز نعیم، قرۃ العین خرم ہاشمی، عفت سلطانہ،
- ''تو مکین شہر جمال کا'' فرزانہ کھرل کا مکمل ناول، امت العزیز شہزاد اور قرۃ العین سکندر کے افسانے،
- ''وحشت جنوں'' آمنہ ریاض کا ناول،
- ڈراما، فلم رائٹر اور گیت نگار ''مصنفہ امیر علی'' سے ملاقات،
- ''حالم'' نمرہ احمد کا ناول،
- کرن کرن روشنی احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- بشریٰ احمد، سنیعہ عمیر اور ام طیفور کے ناولٹ،
- ہمارے نام اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،
- معروف ٹی وی فنکار ''اومی بٹ'' سے ملاقات،

خواتین ڈائجسٹ کا اپریل 2018 کا شمارہ سالگرہ نمبر آج ہی خرید لیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادارہ

خوبصورت بنیے

وزن گھٹائیں، مسالوں سے!

دار چینی

موٹاپا آج کل کا عام مسئلہ ہے، یہ مسئلہ دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے، کیوں کہ آج کل کھانوں میں لوگ فاسٹ فوڈ کو ترجیح دینے لگے ہیں جو جسم میں بہت زیادہ چربی بڑھاتا ہے اور پھر لوگ وزن کم کرنے کے لیے طرح طرح کے ٹوٹکے استعمال کرتے ہیں، لیکن ہم آپ کو آج جو ٹوٹکا بتا رہے ہیں، اس سے آپ اپنے وزن کو بہت جلدی کم کرسکتے ہیں۔

موٹاپا کم کرنے کے لیے دار چینی کا استعمال

دو چائے کے چمچے شہد، ایک چمچہ دار چینی اور ایک کپ پانی لیں۔

ایک کپ پانی میں دار چینی اور شہد ڈال کر ابال لیں اور اس پانی کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ جب یہ پانی ٹھنڈا ہوجائے تو اس میں تھوڑا سا شہد ملائیں۔

رات کو سونے سے پہلے اس چائے کو پئیں، اگر پوری نہ پی جائے تو بچا کر رکھ لیں اور دوسری صبح پی لیں۔ اس کے استعمال سے آپ کا وزن بہت جلد کم ہوجائے گا۔

کالی مرچ کا استعمال

کالی مرچ کئی بیماریوں کی دوا ہے، یونی ورسٹی آف مشی گن کی ایک تحقیق کے مطابق کالی مرچ میں موجود پیرائین نامی جز انسانی بدن میں نہ صرف چکنائی کو جمنے سے روکتا ہے بلکہ چکنائی کو نیا خلیے بنانے سے بھی باز رکھتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کے علاوہ نزلہ وزکام کی وجہ سے بند ناک کو کھولنے، ڈپریشن میں کمی، قوت قلب میں اضافہ اور اینٹی آکسیڈنٹ میں اضافہ کے لیے بھی کالی مرچ کا استعمال مفید ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ کرکومن نامی مرکب کے ساتھ کالی مرچ کا استعمال دماغی خلیوں کی حفاظت کے لیے نہایت مددگار ہے۔

کالی مرچ کی اوپر والی تہ ایسے اجزا سے بھرپور ہوتی ہے جو چکنائی سے بھرپور خلیوں میں کمی کرنے کا سبب بنتی ہے۔

اس کے علاوہ رنگ صاف کرنے والی کریم میں پسی ہوئی کالی مرچ ملا کر استعمال سے جلد کے مردہ خلیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے، جس سے جلد صاف اور چمک دار بن جاتی ہے۔

وزن کم کرنے کا مکمل علاج

وزن کم کرنے کے لیے کھانے پینے میں احتیاط اور باقاعدگی سے ورزش بھی کرنا ضروری ہوتی ہے، صرف گولیاں اور ڈرنک وزن کم نہیں کرسکتے۔ البتہ وزن کم کرنے کے لیے عربی عرق کا استعمال مفید ثابت ہوا ہے۔

عربی عرق

اجزاء

پانی	ایک لیٹر
کٹی ہوئی سونف	دو چائے کے چمچے
نوشادر	آدھا چٹکی
چھوٹی ہڑ	ایک چائے کا چمچہ
سبز الائچی	سات سے آٹھ عدد
براؤن چینی	بیس گرام
پسی جاوتری	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو چائے کے چمچے

سب چیزوں کو پانی میں پکا کر ٹھنڈا کرلیں اور فریج میں رکھ دیں۔ روزانہ ایک گلاس پی لیں۔ اس عرق سے آپ کے چہرے کی رنگت نکھرے گی، چہرہ صاف ہوگا، پیشاب کی جلن ختم ہوگی، چربی گھٹے گی اور آپ کے بالوں پہ بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اس عرق کو تین سے چار دن تک فریج میں رکھ کر استعمال کرتی ہیں۔

☆

www.urdusoftbooks.com